تفہیم الاحادیث

تفہیم القرآن اور مولانا مودودیؒ کی دوسری تحریروں میں مذکور
احادیث اور فقہی احکام و مسائل کی ترتیب و تخریج

جلد چہارم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ترتیب و تخریج
مولانا عبدالوکیل علوی

فہرست عناوین

کتاب الصوم

فصل اول: ماہ صیام اور اس کی فضیلت

فصل دوم: رؤیت ہلال

فصل سوم: سحری کا اہتمام

فصل چہارم: تنزیه الصَّوم

فصل پنجم: مسافر کے لیے روزے کے احکام

فصل ششم: قضائے صوم

فصل ہفتم: نفلی روزے

فصل ہشتم: رمضان میں قیام لیل

فصل نہم: شب قدر

فصل دہم: اعتکاف

کتاب الحج

فصل اول: اسلام میں فریضہ حج کی اہمیت

فصل دوم: مناسک حج

فصل سوم: ہدی اور قربانی کے احکام

فصل چہارم: قربانی کی شرعی حیثیت

فصل پنجم: تحقیق قربانی کا ایک دوسرا رخ

فصل ششم: اعلان براءت اور خطبہ حجۃ الوداع

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ

وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر: ۷)

"جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو

روک دے اس سے رُک جاؤ۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند باتیں

قارئین محترم کی خدمت میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر و قلم کے شاہ کار تفہیم الاحادیث کا زیر نظر حصہ پیش کرتے ہوئے ہمیں یک گونہ خوشی و مسرت محسوس ہو رہی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کے لیے اس کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں اکیسویں صدی کے بالکل آغاز میں اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات و فرمودات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب پیش کرنے کی توفیق بخشی۔ ہمیں یقین ہے کہ ملت اسلامیہ ہند کی طرف سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کی اس پیش کش کا خیر مقدم کیا جائے گا اور حدیث کے اس مبارک سلسلے کو تمام انسانوں تک پہنچانے اور انھیں پیغام رسولؐ سے روشناس کرانے میں مکتبے کے ساتھ بھرپور تعاون کا مظاہرہ ہوگا۔

تفہیم الاحادیث مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں، بلکہ یہ ان احادیث کا مجموعہ ہے، جو مولانا محترم نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''تفہیم القرآن'' اور بعض دوسری تصانیف میں حسب موقع نقل کی ہیں۔

صورت واقعہ یہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جس نہج پر اپنی مقبول عام تفسیر ''تفہیم القرآن'' کی چھے جلدیں تحریر کی تھیں، بالکل اسی نہج پر وہ احادیث پر بھی کام کرنے کا عزم مصمّم کر چکے تھے۔ نہ صرف عزم مصمم کر چکے تھے، بلکہ انھوں نے اس کام کے لیے ایک ابتدائی خاکہ بھی تیار کر لیا تھا ـــــــ لیکن اچانک وہ بیمار ہو گئے، پھر بیماریوں کا سلسلہ اتنا طویل ہوتا گیا کہ انھیں اس سے نجات ہی نہ مل سکی۔ اسی بیماری میں ان کی مہلتِ عمر بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد یہ کام التوا میں پڑ گیا۔ وفات کے کافی دنوں بعد مولانا محترم کے رفیق خاص مولانا خلیل احمد حامدیؒ ڈائریکٹر ادارۂ معارف اسلامی منصورہ کو اس کام کی فکر لاحق ہوئی۔ چنانچہ انھوں نے ذمے داروں اور دوسرے ارباب علم و دانش کے مشوروں سے علوم اسلامیہ اور عربی ادب کے فاضل مشہور عالم و محقق مولانا عبدالوکیل علوی کو یہ ذمّے داری تفویض کی کہ وہ تفہیم القرآن اور دوسری تصانیف کی مدد سے مولانا محترم کے بنائے ہوئے خاکے میں رنگ بھریں۔ چنانچہ مولانا موصوف نے پورے کام کا از سر نو خاکہ تیار کیا اور ضروری کتب فراہم کر کے کام کا آغاز کر دیا۔

مولانا عبدالوکیل علوی کا نام تحریکی حلقے کے لیے غیر معروف و اجنبی نہیں ہے۔ وہ عربی ادب کے مایۂ ناز فاضل، اسلامی علوم کے ذہین عالم اور صاحب طرز اہل قلم کی حیثیت سے تعارف رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے مولانا مودودیؒ کی تصانیف کی مدد سے وہ متعدد ترتیبی و تخریجی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ سیرت سرور عالم کی دو جلدیں ان کی ترتیبی و تخریجی صلاحیت کی بہترین نمایندگی کرتی ہیں۔

مولانا عبدالوکیل علوی نے اس کام میں کتنا وقت صرف کیا ہے، انھوں نے احادیث کی چھان بین اور ترتیب و تخریج میں کتنی عرق ریزی اور دقّتِ نظر سے کام لیا ہے، یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔ پڑھنے والے خود ہی اس کا ادراک کرلیں گے۔ ''مشک آنست کہ خود بہ بوید نہ کہ عطار بگوید'' اصلی مشک خود اپنی مہک سے پہچان لیا جاتا ہے، اس کے لیے کسی عطار کی تعریف و توصیف کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کی اس کوشش کو شرفِ قبول سے نوازے، تمام انسانوں کے لیے اِسے نفع بخش بنائے اور اس کی تیاری میں جن رفقاء اور کارکنوں نے حصہ لیا ہے، انھیں حدیثِ رسولؐ کی خدمت کی برکات سے سرفراز کرے۔

ناشر

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی

عرضِ مرتب

الحمدللہ تفہیم الاحادیث کے جس کارِ عظیم کو آج سے چند سال قبل شروع کیا گیا تھا، اسے قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ یہ سعادت محض خالق ارض وسما کے فضل وکرم اور اس کی توفیق خاص کی مرہون منت ہے۔ ورنہ ایں سعادت بہ زور بازو نیست۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے کٹھن مراحل سے گزر کر ساحل تکمیل تک پہنچنے کی اپنی حد تک ایک کاوش کی گئی ہے۔ جب یہ کام شروع کیا گیا تب اندازہ ہوا کہ ایک ٹھوس علمی و تحقیقی کتاب اپنی طرف سے مدون و مرتب کرنے کے مقابلے میں مولانا محترم رحمتہ اللہ علیہ کے پورے ذخیرۂ کتب میں سے عبارتیں نکال کر کوئی کتاب ترتیب دینے کا کام کتنا محنت طلب ہے۔ تفہیم القرآن کی چھے جلدوں کے ساتھ ساتھ مولاناؒ کے وسیع لٹریچر کو ایک خاص نقطۂ نظر سے پڑھنا، تمام احادیث کے متون، تراجم، تشریحات اور فقہی مسائل کی الگ الگ نشان زدگی، پھر اس کی تشریح کے لیے مفید مطلب مناسب وموزوں عبارات پر نشان لگانا، ان کی نقول تیار کرنا اور سب سے آخر میں ان کی بہ اعتبارِ ابواب وفصول ترتیب اور ان کی عنوان بندی، یہ سارا کام اتنا صبر آزما تھا کہ بار بار دامن ہمت تار تار ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا رہا۔ مگر ایسے مواقع پر فضل ایزدی نے ڈھارس بندھائی اور کام جاری رہا۔ الحمدللہ آج اس کاوش اور سعی وجہد کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔

تالیف وتدوین کا یہ کام اپنی نوعیت اور اہمیت کے اعتبار سے جتنا اہم اور عظیم ہے، اپنے حجم کے لحاظ سے اُسی قدر ضخیم بھی۔ اس کام کی تکمیل پر کس قدر محنت کی گئی یا کتنی عرق ریزی سے یہ کام انجام پایا؟ اس کا صحیح اندازہ صرف انہیں کو ہوسکتا ہے، جنہوں نے کبھی اس وادیٔ پرخار میں قدم رکھا ہو۔ مولانا کی تصانیف میں سے انتخاب کر کے جو مواد نقل کیا گیا، وہ سیکڑوں نہیں بل کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام احادیث جمع کی گئی ہیں، جنہیں مولانا محترم نے اپنے پورے لٹریچر میں استعمال کیا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اسے نقل کرنے سے پہلے پورے کا پورا لٹریچر ایک خاص نقطہ نظر سے پڑھا گیا، عبارات پر نشان لگایا گیا اور واضح کیا گیا کہ یہ حدیث کا متن ہے اور یہ اس کا ترجمہ وتشریح۔ جن احادیث سے فقہی مسائل مستنبط کیے گئے، ان پر الگ نشان لگایا گیا اور متنِ حدیث کی بجائے کہیں محض ترجمہ ملا تو اسے بھی نکال لیا گیا۔

مولانا محترم نے زیادہ تر مقامات پر احادیث نقل کرتے وقت صرف اتنا کہہ دیا ہے کہ فلاں حدیث بخاری ومسلم میں ہے یا متفق علیہ یا ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اسی طرح احادیث کی دوسری کتب کے حوالے بھی دیے ہیں، مگر بخاری ومسلم نے اس حدیث کو کس کتاب میں، کس فصل یا باب میں اور کس عنوان کے تحت یا کتاب کے کس صفحے پر روایت کیا ہے؟ اس کا التزام کم ہی کیا جاسکا ہے۔ پھر مولانا محترم نے اکثر مقامات پر حدیث کا صرف اتنا ہی جز نقل کیا ہے، جتنا انہیں اس مقام کے لحاظ سے استشہاد کے لیے مطلوب تھا۔ پوری حدیث نقل نہیں کی اور پوری سند تو بہت ہی کم نقل ہوسکی ہے۔

اس نقل شدہ مواد کو ایک مفید کتاب کی صورت میں مرتب و مدون کرنے کے لیے ان تمام نقل شدہ احادیث کی سندیں شامل کی گئیں۔ جہاں حدیث کا ایک جزو استعمال کیا گیا، وہ پوری حدیث مع سند نقل کی گئی تا کہ قاری یہ جان سکے کہ یہ کس حدیث کا جزو ہے یا کس محدث نے اپنی کس کتاب اور اس کتاب کے کس باب یا فصل میں اور کس عنوان کے تحت روایت کیا ہے وغیرہ۔ اور حدیث کے بارے میں محدثانہ رائے کہ یہ حدیث کس درجے کی ہے، صحیح، حسن یا ضعیف وغیرہ بھی درج کی گئی ہے۔ مزید برآں ایسی احادیث بھی شامل کی گئی ہیں، جو ان کے مفہوم کی تائید کرتی ہیں، جنہیں مویدات کہہ سکتے ہیں۔ اس مفید اضافے سے اصل مواد کی ضخامت تو واقعۃً بڑھ گئی مگر فوائد میں بے حساب اضافہ بھی ہوا ہے۔

حدیث کی تخریج کے لیے جو اصول پیش نظر رکھا گیا ہے وہ یہ ہے:

سب سے پہلے حدیث کو (بخاری و مسلم) میں تلاش کیا گیا۔ اگر وہ ان میں مل گئی اور دونوں کے الفاظ بھی یکساں ملے تو اس صورت میں سند اور متن حدیث صحیح بخاری کا لیا گیا اور حوالے میں متفق علیہ درج کیا گیا ہے۔ اگر صحیحین کی روایت میں معنوی یکسانی تو موجود ہے مگر لفظی اختلاف ہے تو اس صورت میں بھی سند اور متن حدیث صحیح بخاری کا لیا گیا ہے اور صحیح مسلم کا اختلاف اور فرق الگ سے واضح کر دیا گیا ہے۔ اگر مولانا محترم نے خود ہی صحیح مسلم کی روایت لی ہے تو پھر اصل متن اسی روایت کو قرار دیا گیا ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں جو اختلاف ہے، اسے واضح کر کے اس کا حوالہ دیا گیا ہے اور اگر مولانا نے صحیحین کے علاوہ باقی کتب اربعہ یعنی سنن ابی داؤد، ترمذی، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ میں سے کسی کا حوالہ دیا ہے اور وہ حدیث صحیحین میں سے کسی ایک میں بھی قدرے لفظی اختلاف یا فرق کے ساتھ موجود ہے تو اس صورت میں اصل ماخذ بیان کرنے کے بعد صحیحین کا حوالہ اور فرق و اختلاف بھی درج کرنے کی محتاط کوشش کی گئی ہے۔ اگر کوئی حدیث صحیحین میں نہ ملی تو پھر ابوداؤد کی روایت کو ترجیحاً نقل کیا گیا ہے۔ اگر ابوداؤد اور دیگر کتب میں بھی کوئی حدیث موجود ہے تو اصل متن کے طور پر ابوداؤد کی روایت درج کی گئی ہے اور باقی ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دیگر کتب کے حوالے درج کیے گئے ہیں۔ حوالوں کے بارے میں میری یہ کوشش رہی ہے کہ حتی الوسع ایک حدیث کے زیادہ سے زیادہ ممکن الحصول ماخذ و مصادر درج کیے جائیں۔ اصل کتب ماخذ جتنی مجھے دستیاب ہوسکیں، ان سب کے حوالے دینے کی بساط بھر کوشش کی ہے۔ تخریج مواد، اس کو نقل کرنے، عبارات پر اعراب لگانے اور اضافہ شدہ عربی عبارات کا ترجمہ کرنے کے بعد نقل شدہ مواد کی روشنی میں اسے ایک کتابی صورت میں لانے کے لیے اس کی پہلے ابواب بندی کی گئی اور پھر انہیں فصول اور مختلف عناوین کے تحت تقسیم کیا گیا۔ پھر ذیلی عنوانات قائم کیے گئے۔ بعد ازاں حوالہ جات اور احادیث کے نمبر لگائے گئے اور ان حوالوں کو اپنے اپنے مقام پر درج کیا گیا تا کہ قاری کو اگر کسی عبارت کے اصل ماخذ کی ضرورت محسوس ہو تو وہ بغیر کسی دشواری اور پریشانی کے اصل ماخذ سے رجوع کر سکے۔

آخر میں بارگاہِ رب العزت میں دست بہ دعا ہوں کہ اس کام کو اللہ تعالیٰ کے حضور شرف قبول حاصل ہو اور یہ مولانا محترم کے لیے بلندی درجات کا باعث بنے۔

وما توفیقی الا باللہ

خاکسار

عبدالوکیل علوی

مقدمہ

اسلام کی نعمت ہر زمانے میں انسان کو دو ہی ذرائع سے پہنچی ہے۔ ایک اللہ کا کلام، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی شخصیتیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اپنے کلام کی تبلیغ و تعلیم اور تفہیم کا واسطہ بنایا، بلکہ اس کے ساتھ عملی قیادت و رہنمائی کے منصب پر بھی مامور کیا تاکہ وہ کلام اللہ کا ٹھیک ٹھیک منشا پورا کرنے کے لیے انسانی افراد اور معاشرے کا تزکیہ کریں اور انسانی زندگی کے بگڑے ہوئے نظام کو سنوار کر اس کی تعمیر صالح کر دکھائیں۔

یہ دونوں چیزیں ہمیشہ سے ایسی لازم و ملزوم رہی ہیں کہ ان میں سے کسی کو کسی سے الگ کر کے نہ انسان کو کبھی دین کا صحیح فہم نصیب ہو سکا، اور نہ وہ ہدایت سے بہرہ یاب ہو سکا۔ کتاب کو نبی سے الگ کر دیجیے تو وہ ایک کشتی ہے، ناخدا کے بغیر، جسے لے کر اناڑی مسافر زندگی کے سمندر میں خواہ کتنے ہی بھٹکتے پھریں، منزل مقصود پر کبھی نہیں پہنچ سکتے، اور نبی کو کتاب سے الگ کر دیجیے، تو خدا کا راستہ پانے کے بجائے آدمی ناخدا ہی کو خدا بنا بیٹھنے سے کبھی نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں ہی نتیجے پچھلی قومیں دیکھ چکی ہیں۔ ہندوؤں نے اپنے انبیاء کی سیرتوں کو گم کیا اور صرف کتابیں لے کر بیٹھ گئے۔ انجام یہ ہوا کہ کتابیں ان کے لیے گورکھ دھندوں سے بڑھ کر کچھ نہ رہیں۔ حتیٰ کہ آخرکار خود انھیں بھی وہ گم کر بیٹھے۔ عیسائیوں نے کتاب کو نظر انداز کر کے نبی کا دامن پکڑا اور اس کی شخصیت کے گرد گھومنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی چیز انھیں نبی اللہ کو ابن اللہ بلکہ عین اللہ بنانے سے باز نہ رکھ سکی۔

پرانے ادوار کی طرح اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمت اسلام میسر آنے کے دو ہی ذرائع ہیں جو ازل سے چلے آ رہے ہیں، ایک خدا کا کلام جواب صرف قرآن پاک کی صورت ہی میں مل سکتا ہے۔ دوسرے اسوۂ نبوت جواب صرف محمد عربی ﷺ کی سیرتِ پاک ہی میں محفوظ ہے۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اسلام کا صحیح فہم انسان کو اگر حاصل ہو سکتا ہے تو اس کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ قرآن کو محمد ﷺ سے اور محمد ﷺ کو قرآن سے سمجھے۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے جس نے سمجھ لیا، اس نے اسلام کو سمجھا۔ ورنہ فہم دین سے بھی محروم رہا اور نتیجتاً ہدایت سے بھی۔

پھر قرآن اور محمد ﷺ دونوں چوں کہ ایک مشن رکھتے ہیں، ایک مقصد و مدّعا کو لیے ہوئے آئے ہیں، اس لیے ان کو سمجھنے کا انحصار اس پر ہے کہ ہم ان کے مشن اور مقصد و مدّعا کو کس حد تک سمجھتے ہیں۔ اس چیز کو نظر انداز کر کے دیکھیے تو قرآن عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرت پاک، واقعات و حوادث کا ایک مجموعہ ہے۔ آپ لغت اور روایات اور علمی تحقیق و کاوش کی مدد سے تفسیروں کے انبار لگا سکتے ہیں اور تاریخی تحقیق کا کمال دکھا کر رسول اللہ ﷺ کی ذات اور آپ کے عہد کے متعلق صحیح ترین

اور وسیع ترین معلومات کے ڈھیر لگا سکتے ہیں، مگر روح دین تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ وہ عبارات اور واقعات سے نہیں بلکہ اس مقصد سے وابستہ ہے جس کے لیے قرآن اتارا گیا اور محمد عربی ﷺ کو اس کی علم برداری کے لیے کھڑا کیا گیا۔ اصل مقصد کا تصور جتنا صحیح ہوگا، اتنا ہی قرآن اور سیرت کا فہم صحیح، اور جتنا وہ ناقص ہوگا، اتنا ہی ان دونوں کا فہم ناقص رہے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ قرآن اور سیرتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں ہی بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ کوئی انسان یہ چاہے کہ ان کے تمام معانی اور فوائد و برکات کا احاطہ کرے تو اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ البتہ جس چیز کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ وہ بس یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو آدمی ان کا زیادہ سے زیادہ صحیح فہم حاصل کرے اور ان کی مدد سے روحِ دین تک رسائی پائے۔

دنیا کے تمام ہادیوں میں یہ خصوصیت صرف حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے کہ آپؐ کی تعلیم اور آپؐ کی شخصیت ۱۴ صدیوں سے بالکل اپنے حقیقی رنگ میں محفوظ ہے اور خدا کے فضل سے کچھ ایسا انتظام ہوگیا ہے کہ اب اس کا بدلنا غیر ممکن ہوگیا ہے۔ انسان کی اوہام پرستی اور اعجوبہ پسندی سے بعید نہ تھا کہ وہ اس برگزیدہ ہستی کو بھی، جو کمال کے سب سے اعلیٰ درجے پر پہنچ چکی تھی، افسانہ بنا کر الوہیت سے کسی نہ کسی طرح متصف کر ڈالتی اور پیروی کے بجائے محض ایک تحیّر واستعجاب اور عبادت و پرستش کا موضوع بنالیتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو بعثتِ انبیاء کے آخری مرحلے میں ایک ایسا ہادی اور رہنما بھیجنا منظور تھا، جس کی ذات انسان کے لیے دائمی نمونۂ عمل اور عالمگیر چشمۂ ہدایت ہو۔ اس لیے اس نے محمد بن عبداللہ ﷺ کی ذات کو اس ظلم سے محفوظ رکھا جو جاہل معتقدوں کے ہاتھوں دوسرے انبیاء اور ہادیانِ اقوام کے ساتھ ہوتا رہا ہے ——— آپ کے صحابہ و تابعین اور بعد کے محدثین نے پچھلی امتوں کے برعکس، اپنے نبی کی سیرت کو محفوظ رکھنے کا خود ہی غیر معمولی اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے ——— ہم آپ کی شخصیت کو چودہ سو برس گزر جانے پر بھی آج تقریباً اتنے ہی قریب سے دیکھ سکتے ہیں جتنے قریب سے خود آپ کے عہد کے لوگ دیکھ سکتے تھے۔

كتاب الصوم

رمضان المبارک

تقویٰ، عبودیت اور شکر گزاری کا الٰہی نصاب

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ:۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔''

(۱) رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد فرض ہوئے۔ تحویلِ قبلہ کا حکم اس سے کوئی ڈیڑھ دو ماہ پہلے آیا تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت قرآنِ مجید، احادیث اور اجماعِ اُمت تینوں سے ثابت ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں رمضان کے روزوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے کتب علیکم الصیام کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور کتب کا لفظ فرضیت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بنا بریں قرآن مجید سے ثابت ہوا کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔ پھر نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ وَحَجِّ الْبَيْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ۔

یعنی اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے:

۱۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ ۲۔ نماز قائم کرنا۔
۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔ ۴۔ بیت اللہ کا حج کرنا۔ ۵۔ رمضان کے روزے رکھنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ فرض ہی نہیں ہے بلکہ رُکن اسلام ہے۔

(۲) ''اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیّت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی ﷺ نے ابتداء میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا، مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں، وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی گئی۔ لیکن مریض، مسافر، حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڈھے لوگوں کے لیے، جن میں روزے کی طاقت نہ ہو، اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا۔'' (تفہیم القرآن ج۱، البقرۃ، حاشیہ:۱۸۳)

(۳) سورۂ بقرہ ہی میں آگے چل کر روزوں کا ایک مقصد یہ بیان ہوا ہے:

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَاهَدٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔

''اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز فرمایا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔''

معلوم ہوا کہ ''رمضان کے روزوں کو صرف عبادت اور صرف تقویٰ کی تربیت ہی قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ انہیں مزید برآں اس عظیم الشان نعمتِ ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ٹھہرایا گیا ہے، جو قرآن کی شکل میں اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک دانش مند انسان کے لیے کسی نعمت کی شکر گزاری اور کسی احسان کے اعتراف کی بہترین صورت اگر ہو سکتی ہے، تو وہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے زیادہ سے زیادہ تیار کرے، جس کے لیے عطا کرنے والے نے یہ نعمت عطا کی ہو۔ قرآن ہم کو اس لیے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر چلیں اور دنیا کو اس پر چلائیں۔ اس مقصد کے لیے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔ لہٰذا نزولِ قرآن کے مہینے میں ہماری روزہ داری صرف عبادت ہی نہیں ہے، اور صرف اخلاقی تربیت بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ خود اس نعمتِ قرآن کی بھی صحیح اور موزوں شکر گزاری ہے۔'' (تفہیم القرآن ج ۱، البقرۃ، حاشیہ: ۱۸۷)

فصل اوّل:

ماہ صیام اور اس کی فضیلت

رمضان ـــ نیکیوں کا موسم بہار

۱۔عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔ (متفق علیہ)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، (ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں) اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔'' ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔[1]'' (متفق علیہ[2])

تشریح: نبی ﷺ کا یہ معمول تھا کہ رمضان کے آغاز میں لوگوں کو نصیحت کرنے کے لیے خطبات دیا کرتے تھے۔ ایسے ہی خطبات میں سے ایک یہ خطبہ ہے۔

اس ارشادِ نبوی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ یہاں مخاطب وہ مسلمان ہیں جن سے زیادہ سچّے اور پکّے مومن انسانی تاریخ میں نہیں دیکھے گئے۔ نبی ﷺ نے جو ہدایات فرمائی ہیں عام طور پر اپنے خطباتِ جمعہ میں ارشاد فرمائی ہیں، اور جمعہ کی نماز کے وقت جو لوگ مسجدِ نبوی میں جمع ہوتے تھے ان کے بارے میں یہ فرض نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کوئی کمزور ایمان کے یا اتباعِ اوامر میں کوتاہیاں کرنے والے مسلمان ہوں گے۔ اس لیے یہ بات واضح ہے کہ ان ہدایات کے مخاطب وہ سچّے اہلِ ایمان ہیں جو نہایت صالح اور متقی تھے، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والے اور اس کی ہدایات کی پیروی کرنے والے تھے۔ اُن سے یہ فرمایا گیا ہے کہ:

- ''جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان (یا جنت یا رحمت) کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔''

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ ان خطبات میں کبھی حضور ﷺ نے ابواب السماء کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کبھی ابواب الجنۃ کے اور کبھی ابواب الرحمۃ کے، اور مدّعا ان سب کا ایک ہے۔

[2] مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہو۔

اس کا مدعا مخاطبین کو یہ سمجھانا ہے کہ رمضان کی آمد کے بعد جتنی نیکیاں کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ، جنت کے سب دروازے تمہارے لیے کھلے ہیں۔ اگر صدقہ وخیرات کے دروازے سے جنت میں پہنچ سکتے ہو تو صدقہ وخیرات کے دروازے سے پہنچو۔ اگر روزے کے دروازے سے پہنچ سکتے ہو تو روزے کے دروازے سے پہنچو۔ اگر تلاوتِ قرآن کے راستے پہنچ سکتے ہو تو اس راستے سے پہنچو۔ اگر برائیوں سے اجتناب کے ذریعے سے پہنچ سکتے ہو تو اس ذریعے سے پہنچو۔ الغرض جنت میں پہنچنے کے لیے تمام دروازے پوری طرح تمہارے لیے کھلے ہیں۔ اور اب یہ تمہارا کام ہے کہ خود کو جنت کے قابل بنالو۔

● پھر فرمایا کہ ''جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے زمانے میں ان برائیوں کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں جن میں ایک آدمی دوسرے معنیٰ میں عام طور پر مبتلا ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایک نیکوکار مسلمان رمضان کی ایمان پرور فضا کی بدولت برائی کے بہت سے امکانات سے بچ جاتا ہے اور اس طرح جہنم کے دروازے اس کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔

● تیسری بات یہ فرمائی کہ ''شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔''

ان الفاظ کا مدعا یہ ہے کہ رمضان المبارک وہ زمانہ ہے جس میں نیکیاں فروغ پاتی ہیں اور شیاطین کی کارفرمائی رُک جاتی ہے۔ چونکہ تمام مسلمان بیک وقت روزہ رکھتے ہیں اور ایک ایک آدمی الگ الگ روزہ نہیں رکھتا اس لیے بیک وقت روزہ رکھنے سے پوری قوم کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتا۔ اس لیے رمضان وہ مہینہ ہے جس میں آدمی کے اندر رُجُوعٌ اِلَی اللّٰہ کی ایک مسلسل کیفیت جاری وساری رہتی ہے کیونکہ جو آدمی بارہ چودہ گھنٹے روزے سے ہوتا ہے اسے گویا ہر وقت یہ یاد ہوتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور میں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لیے روزہ رکھا ہوا ہے۔ جب اسے پیاس لگے گی تو وہ پانی نہیں پیے گا کیونکہ اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے۔ جب اسے بھوک لگے گی اور کھانے کی خواہش ہوگی تو اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے اس لیے کھانے سے مجتنب رہے گا۔ اس طرح رمضان کے پورے مہینے میں آدمی کا رجوع مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے وہ افطار کرتا ہے تو گویا خود محسوس کرتا ہے کہ یہاں تک تو میرے رب نے مجھے باندھ رکھا تھا، اب اس نے مجھے اجازت دے دی ہے تو روزہ افطار کر رہا ہوں۔ اس کے بعد کھانا کھایا تو پھر تراویح کے لیے چلا گیا، جس سے پھر رجوع اِلَی اللّٰہ کی نوبت آئی۔ اس طرح مسلسل چوبیس گھنٹے اللہ کی طرف اس کا رجوع رہا ـــــ اور پھر یہ رُجوع ایک آدمی کا نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کا ہوتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رمضان نیکی کا موسم ہے۔ جس طرح بارش کا ایک موسم ہوتا ہے اور اس میں ہر چیز نشو ونما پاتی ہے اسی طرح یہ نیکیوں کا موسم ہے اور اس میں نیکیوں کی ترقی کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں۔ آدمی جس قدر روحانی ترقی کرنا چاہے کر سکتا ہے کیونکہ اس میں ہر آدمی کی نیکی دوسرے کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔ ہر آدمی دوسرے کے روزے میں مددگار ہوتا ہے۔ عام دنوں میں روزہ رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کتنی شدت پائی جاتی ہے کیونکہ کوئی آدمی بھی روزے میں دوسرے کا مددگار نہیں ہوتا۔ لیکن رمضان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ پورا معاشرہ ایک حالت میں ہوتا ہے۔ اس طرح ایک آدمی کو لاکھوں آدمیوں کے روزے سے مدد پہنچتی ہے اور ان کے تقویٰ اور نیکوکاری سے تقویت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رمضان میں انسان کی روحانی ترقی

اور سیرت وکردار کی اصلاح وتعمیر کے لیے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں ـــ آپ دیکھتے ہیں کہ اب بھی اس بگڑے ہوئے ماحول میں اگر کوئی شخص رمضان کے زمانے میں گالم گلوچ کر رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں ''میاں رمضان میں یہ حرکت کر رہے ہو؟'' اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے کو اب تک اس بات کا احساس ہے کہ رمضان کا احترام کیا معنی رکھتا ہے اور اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ صدرِ اوّل میں کیا کچھ کیفیت ہوگی۔

اسی بنا پر فرمایا کہ رمضان میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں ـــ لیکن یہ امر بہر حال ملحوظ رہنا چاہیے کہ بات ایک مسلم معاشرے کے صالح ماحول کے بارے میں بیان کی گئی ہے۔ ورنہ اسی زمانے میں اگر کوئی شخص شرک اور دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو اس کے لیے دوزخ کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں اور جنت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، ثَنَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ اَبِیْ سُهَيْلٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

دوسری روایت:

⟨۲⟩ حَدَّثَنِیْ يَحْيَي بْنُ بُكَيْرٍ ثَنِی اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: ثَنِی ابْنُ اَبِیْ اَنَسٍ مَوْلَی التَّيْمِيِّيْنَ اَنَّ اَبَاهُ حَدَّثَهُ اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔ (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان داخل ہوتا ہے (آتا ہے) تو آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔''

مسلم میں مروی روایت:

⟨۳⟩ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا كَانَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔ (۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان شروع ہوتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

''سنن الکبریٰ'' میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت ان الفاظ میں منقول ہے:

⟨۴⟩ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ۔ (۳)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور نارِ جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیاطین کو ہتھکڑیاں ڈال کر بند کر دیا جاتا ہے۔''

جنت کا ایک دروازہ روزے داروں کے لیے مخصوص ہوگا

۲۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فِى الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ مِّنْهَا بَابٌ يُّسَمّٰى الرَّيَّانُ لَايَدْخُلُهٗ اِلَّا الصَّآئِمُوْنَ۔ (متفق علیہ)

''حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازے کو ریان کہتے ہیں۔ اس دروازے سے (جنت میں) صرف روزہ رکھنے والے ہی داخل ہوں گے۔''

تشریح : رَیَّان کا لفظ رَیّ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں سیراب کرنا، آبپاشی کرنا۔ رَیَّان سے مراد وہ دروازہ ہے جو سیراب کرنے والا ہے۔

جنت کے دروازوں سے مراد وہ بڑی نمایاں نیکیاں ہیں جن کے ذریعے سے آدمی جنت میں جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی فیاضی، سخاوت اور انفاق فی سبیل اللہ میں بڑھا ہوا ہے۔ وہ نیکی کے دوسرے کام بھی کر رہا ہے، روزے بھی رکھتا ہے اور نمازیں بھی پڑھتا ہے لیکن اس کی نمایاں نیکی جس کی وجہ سے وہ ممتاز ہے، انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ یہ انفاق فی سبیل اللہ دراصل جنت کا ایک دروازہ ہے، جس کے ذریعے سے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ پھر مثلاً ایک اور شخص ایسا ہے کہ اس کے اعمال میں نمایاں نیکی جہاد فی سبیل اللہ ہے، تو وہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے دروازے سے جنت میں داخل ہوگا۔ اس طرح مختلف آدمیوں کے جو نمایاں اوصاف ہیں ان کے لحاظ سے ان کی حیثیت متشخص ہوتی ہے اور انہی کے لحاظ سے جنت کے وہ دروازے ہیں، جن سے وہ اس میں داخل ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ نیکیاں تو دنیا میں بے شمار ہیں، لیکن اگر ان نیکیوں کو تقسیم کریں تو وہ آٹھ بابوں میں تقسیم ہو سکتی ہیں۔ ان آٹھ بابوں میں سے جس باب سے کوئی شخص زیادہ مناسبت رکھتا ہوگا، اسی کے راستے سے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

یہ جو فرمایا کہ ان میں سے ایک دروازہ ریان (سیراب کرنے والا) ہے اور اس سے جنت میں صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ ویسے تو روزہ سارے مسلمان رکھیں گے لیکن جن لوگوں نے کثرت سے روزے رکھے، ان کا پورا پورا حق ادا کیا اور یہی بات پیش نظر رکھی کہ وہ روزے رکھ کر اپنے اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، تو یہ دروازہ ان کے لیے مخصوص ہوگا۔

تخریج ⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا سَعِيْدُ بْنُ اَبِىْ مَرْيَمَ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، ثَنِى اَبُوْ حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ: فِى الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ اَبْوَابٍ فِيْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانُ لَايَدْخُلُهٗ اِلَّا الصَّآئِمُوْنَ۔(٤)

ترجمہ : حضرت سہلؓ بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کے آٹھ دروازے ہیں، جن میں سے ایک دروازے کو ریان کہتے ہیں۔ اس دروازے سے (جنت میں) صرف روزہ رکھنے والے ہی داخل ہوں گے۔

(۲) حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، ثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ ثَنِى ابو حازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَابًا يُّقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ يَدْخُلُ مِنْهُ الصَّآئِمُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَايَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ غَيْرُهُمْ، يُقَالُ اَيْنَ الصَّآئِمُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ لَايَدْخُلُ مِنْهُ اَحَدٌ۔ غَيْرُهُمْ فَاِذَا دَخَلُوْا اُغْلِقَ فَلَمْ يَدْخُلْ مِنْهُ اَحَدٌ۔(۵)

ترجمہ: حضرت سہلؓ بن سعد نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے کہ جنت میں ایک دروازہ ایسا ہے، جس کا نام ریّان ہے۔ قیامت کے دن اس دروازے میں سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے۔ ان کے سوا اور کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکے گا۔ پکارا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ (یہ سن کر) روزے دار کھڑے ہو جائیں گے۔ اس دروازہ سے ان کے سوا دوسرا کوئی بھی داخل نہیں ہوگا۔ جب یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو پھر یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ پس پھر کوئی بھی اس دروازے سے جنت میں داخل نہ ہوگا۔

من دخل فيه شَرِب ومن شَرِبَ لَمْ يَظمأُ اَبَدًا بیان کیا ہے۔ ''جس نے داخل ہو کر جنت کا مشروب نوشِ جان کیا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔''

تمام گزشتہ گناہوں کی بخشش کا زمانہ

۳۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَّاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (متفق علیه)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو اس کے وہ سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے ہوں گے۔ اور جس شخص نے رمضان میں قیام کیا (راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کی) ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو معاف کر دیے جائیں گے اس کے وہ قصور جو اس نے پہلے کیے ہوں گے۔ اور جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا، ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کر دیے جائیں گے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے ہوں گے۔''

اِحتِساب اس چیز کا نام ہے کہ آدمی اپنے تمام نیک اعمال پر صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اجر کا اُمّید وار ہو اور خالصۃً اسی کی رضا جوئی کے لیے کام کرے۔

تشریح: اس حدیث میں گناہوں سے معافی کی جو خوشخبری سنائی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے اور آخرت کی باز پرس سے بے خوف ہیں ان کو اس بات کا لائسنس دیا جا رہا ہے کہ میاں رمضان کے روزے رکھ لو، تراویح پڑھ لو اور لیلۃ القدر میں کھڑے ہو کر تراویح پڑھ لو، تو پچھلا حساب صاف اور پھر گیارہ مہینے تمہیں جو کچھ کرنا ہے کرتے رہو، رشوتیں کھاؤ، لوگوں کے حق مارو، جو ظلم و ستم چاہو کرو، رمضان میں آ کے پھر عبادت کے لیے کھڑے ہو جانا، روزے رکھ لینا اور نمازیں پڑھ لینا اور پھر پہلے کا کیا ہوا سب معاف ہو جائے گا۔

اس طرح کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو کبھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ان کے مخاطب کون لوگ ہیں۔ جیسا کہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے، ان کے مخاطب وہ صلحاء وابرار ہیں جو اپنی زندگیاں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان سے اگر کوئی لغزش یا گناہ سرزد ہو جاتا تھا تو اس کی نوعیت ایسی ہرگز نہیں ہوتی تھی کہ جیسے ایک آدمی پوری ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس پر ڈٹا رہے، بلکہ وہاں صورت اس سے یکسر مختلف تھی۔ ان راستباز لوگوں سے اگر کوئی قصور سرزد ہو بھی جاتا تھا تو وہ بشری کمزوری کی وجہ سے ہوتا تھا اور وہ ہر وقت اس پر توبہ کے لیے مستعد رہتے تھے۔ بشری کمزوری سے اگر کسی سے کوئی قصور سرزد ہو جائے اور وہ اس کے بعد نیکی اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھے تو وہ بجائے خود ایک توبہ ہے ـــ توبہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ ایک آدمی سے کوئی گناہ سرزد ہوا اور اس نے اس سے توبہ کر لی تو یہ بات بھی گناہ کی معافی کا ایک ذریعہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آدمی سے قصور سرزد ہوا اور پھر دوسرے کاموں میں ایسا مشغول ہوا کہ توبہ کرنا بھول گیا تو اس کے بعد اس نے جو نماز پڑھی وہ نماز اس کے لیے پہلے کی لغزش کو اس کے حساب سے صاف کر دے گی۔ اسی طرح اگر اس نے روزہ رکھا تو وہ بھی اس کے گناہ کو صاف کر دے گا ـــ دراصل توبہ اسی چیز کا نام تو ہے کہ ایک شخص ایک وقت میں ایک قصور کا مرتکب ہوا تھا لیکن اس کے بعد وہ پھر اپنے رب کی طرف پلٹ آیا۔ جیسے ایک نوکر اگر اپنی کسی غلطی کی وجہ سے اپنے مالک کی اطاعت سے نکل جائے لیکن پھر معافی مانگ لے اور خدمت میں حاضر ہو جائے تو اس سے ایک دفعہ قصور سرزد ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مالک اسے ہمیشہ کے لیے اپنی نوکری سے نکال دے گا بلکہ جس وقت وہ آ کر معافی مانگتا ہے اور پہلے کی طرح خدمت کرنے لگتا ہے تو مالک اس سے درگزر کرے گا اور اس کی گزشتہ وفاداری کی وجہ سے اس پر پہلے کی طرح مہربان ہو جائے گا۔

ایسا ہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ بندہ اگر بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کا وفادار ہے اور جان بوجھ کر اس کے مقابلے میں استکبار اور سرکشی کرنے والا نہیں ہے تو اگر اس سے کسی وقت کوئی قصور سرزد ہو جاتا ہے اور اس قصور کے بعد وہ پھر خدا کے دربار میں نماز کے لیے حاضر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مغفرت سے محروم نہیں رکھے گا کیونکہ اس کا طرزِ عمل یہ بتاتا ہے کہ وہ ٹھوکر تو کھا گیا تھا لیکن اپنے رب سے بھاگا نہیں تھا، اس کا باغی نہیں ہو گیا تھا ـــ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ اگر ایک شخص نے ایمان اور احتساب کے ساتھ روزے رکھے تو اس کے پچھلے قصور معاف ہو گئے۔ رمضان میں راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کی تو وہ بھی پچھلے قصوروں کی معافی کا ذریعہ بن گئی۔ اسی طرح اگر وہ لیلۃ القدر میں عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو اس کا یہ عمل بھی اس کے پچھلے قصوروں کی معافی کا سبب بن گیا۔[1]

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، ثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَفِظْنَاهُ وَاَيَّمَا حَفِظَ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ

---

[1] ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہیے وہ عقیدہ ذہن میں پوری طرح تازہ رہے۔ اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ ہی کی رضا کا طالب ہو اور ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھ لے گا وہ اپنے پچھلے گناہ بخشوا لے جائے گا، اس لیے کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کر لیا، اور اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّاذَنْبَ لَهٗ ''گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا۔'' (خطبات ص ۱۹۶)

مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ تَابَعَهٗ سليمان بن كثير عن الزهرى۔(٦)

〈۲〉حَدَّثَنَا ابْنُ سَلَامٍ، قَالَ: اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ سَعِيْدٍ، عَنْ اَبِىْ سَلَمَةَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔(٧)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو اس کے وہ سب گناہ معاف کردیے گئے جو اس سے پہلے سرزد ہوئے تھے۔

انہی سے مروی ایک دوسری روایت:

〈۳〉اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔(٨)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رمضان میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کردیے گئے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے تھے۔

امام بخاریؒ نے ایک روایت ابو ہریرہؓ سے کتاب الصوم میں بھی نقل کیا ہے:

〈۴〉عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَصَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔(٩)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے لیلۃ القدر میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ تو معاف کردیے گئے اس کے وہ سب گناہ جو اس نے پہلے کیے تھے اور جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اس کے وہ سب گناہ معاف کردیے گئے جو اس سے پہلے سرزد ہوگئے تھے۔''

ترمذی نے اس روایت کو درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

〈۵〉عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَقَامَهٗ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔(١٠)

(هذا حديث صحيح)

قال ابو عيسىٰ وحديث ابى هريرة الذى رواه ابوبكر بن عياش **حديث غريب لانعرفه** من رواية ابى بكر بن عياش، عن الاعمش، عن ابى صالح، عن ابى هريرة **الا من حديث ابى** بكرو سألت محمد بن اسماعيل عن هذا الحديث فقال نا الحسن بن الربيع نا ابو الاحوص عن الاعمش عن مجاهد قولهٗ اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فذكر الحديث۔

قال محمد و هذا اصح عندی من حدیث ابی بکر بن عیّاش۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، تو اس کے وہ سب گناہ معاف کردیے گئے جو اس نے اس سے پہلے کیے تھے۔

روزے کے اجر کی کوئی حد نہیں

٤۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ، يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِیْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَآبَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَائِمٌ ۔ (متفق علیہ)

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے کئی گنا بڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک نیکی دس گُنی تک اور دس گُنی سے سات سوگُنی تک بڑھائی جاتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جُدا ہے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ـــ روزہ دار اپنی شہوات نفس اور اپنے کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے ـــ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت اِفطار کے وقت کی اور دوسری فرحت اپنے رب سے ملاقات کے وقت کی ـــ اور روزہ دار کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کو مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے ـــ اور روزے ڈھال ہیں، پس جب کوئی شخص تم میں سے روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ نہ اس میں بدکلامی کرے اور نہ دنگا فساد کرے ـــ اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑے تو وہ اس سے کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔"

تشریح: یہ جو فرمایا کہ دوسری نیکیاں تو دس گُنی سے لے کر سات سوگُنی تک بڑھائی جاتی ہیں لیکن روزے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کی جزا دوں گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسری نیکیاں اللہ کے لیے نہیں ہیں اور اللہ ان کی جزا نہیں دے گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق روزہ اس کے لیے خاص ہے اور وہ اس کی جتنی چاہے گا جزا دے گا۔ جب یہ فرمایا کہ دوسری نیکیاں سات سوگُنی تک بڑھائی جاتی ہیں اور اس کے مقابلے میں استثناء کے ساتھ روزے کے متعلق فرمایا کہ میں ہی اس کی جزا دوں گا تو اس سے یہ مراد ہے کہ روزے کے اجر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ جس قدر چاہے گا روزہ دار کو اس کا اجر دے گا۔

تخریج(۱): حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ وَوَكِيْعٌ عَنِ الْاَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا جَرِيْرٌ عَنِ الْاَعْمَشِ ح وَحَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدِ ن الْاَشَجُّ وَاللَّفْظُ لَهٗ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ، حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُّ عَمَلِ

بُنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ، اَلْحَسَنَةُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِيْ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَآءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فِيْهِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ۔(۱۱)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابنِ آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھایا جاتا ہے یہاں تک کہ ایک نیکی دس گنی تک اور دس گنی سے سات سوگنی تک بڑھائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کا معاملہ اس سے جُدا ہے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزہ دار اپنی شہواتِ نفس اور اپنے کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑتا ہے۔ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت کی اور دوسری فرحت اپنے رب سے ملاقات کے وقت کی ـــــ اور روزہ دار کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ایک دوسری روایت:

〈۲〉 يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : قَالَ اللّٰهُ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَاِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْقَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ امْرُؤٌ صَائِمٌ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فِي الصَّآئِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ ـ لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ وَاِذَا لَقِيَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ۔(۱۲)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے مگر روزے کا معاملہ اس سے جدا ہے کیونکہ وہ میرے لیے ہی ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ روزے ڈھال ہیں پس جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ اس میں نہ بدکلامی کرے اور نہ دنگا فساد کرے ـــــ اگر کوئی شخص اس سے گالی گلوچ کرے یا لڑے تو وہ اس سے کہہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں ـــــ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے روزہ دار کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ اطیب ہے۔ روزہ دار کے لیے دو فرحتیں ہیں جن سے وہ فرحت ولذّت پاتا ہے ایک جب وہ افطار کرتا ہے اس وقت فرحت محسوس کرتا ہے اور دوسرے جب وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے گا اس وقت اپنے روزے کی وجہ سے فرحت پائے گا۔

مسلم کی روایت میں عِنْدَ اللّٰه کے بعد یوم الْقِیٰمة کا اضافہ ہے۔

ابوداؤد نے اس طرح روایت کی ہے:

〈۳〉 اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ اِذَا كَانَ اَحَدُكُمْ صَائِمًا فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ فَاِنِ امْرُؤٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ اِنِّيْ صَائِمٌ۔ (۱۳)

”روزے ڈھال ہیں۔ جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو بدکلامی نہ کرے اور جہالت کی بات نہ کرے۔ پس پھر بھی اگر کوئی اس سے لڑے یا گالی گلوچ کرے تو اسے کہہ دے کہ برادرم میں روزے سے ہوں، میں روزے سے ہوں۔“

بخاری نے ایک اور روایت نقل کی ہے:

﴿۴﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ فَاِنِ امْرُءٌ قَاتَلَهٗ اَوْ شَاتَمَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ يَتْرُكُ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ وَشَهْوَتَهٗ مِنْ اَجْلِیْ اَلصِّيَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالْحَسَنَاتُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا۔(۱۴)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، روزے ڈھال ہیں، پس روزے دار نہ بدکلامی کرے اور نہ طیش میں آئے۔ پھر بھی اگر کوئی اس سے لڑے یا گالم گلوچ ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ صاحب میں تو روزے سے ہوں۔ دو مرتبہ، فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے روزے دار کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے زیادہ طیب اور عمدہ ہے، روزے دار اپنا کھانا پینا اور اپنی شہواتِ نفس محض میرے لیے ترک کرتا ہے۔ روزے میرے لیے ہیں اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اور جہاں تک نیکیوں کی افزایش کا تعلق ہے تو دس گنی تک بڑھتی ہیں۔

روزے کی غیر معمولی فضیلت کیوں؟

بات دراصل یہ ہے کہ دوسری تمام نیکیاں آدمی کسی نہ کسی ظاہری فعل سے انجام دیتا ہے۔ مثلاً نماز ایک ظاہری فعل ہے۔ نماز پڑھنے والا نماز میں اٹھتا اور بیٹھتا ہے، رکوع اور سجدہ کرتا ہے، اس طرح یہ ایک نظر آنے والی عبادت ہے ــــ اسی طرح حج اور زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ لیکن اس کے برعکس روزہ کسی ظاہری فعل سے ادا نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ایسا مخفی فعل ہے جو فقط آدمی اور اس کے خدا کے درمیان ہوتا ہے ــــ اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ روزہ دراصل اللہ کے حکم کی تعمیل کی ایک منفی شکل ہے۔ مثلاً نہ کھانا اور نہ پینا اور اسی طرح جن دوسری چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے باز رہنا۔ اس منفی فعل کو یا تو آدمی خود جان سکتا ہے یا اس کا رب، کسی تیسرے کو معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ منفی فعل اس نے کیا ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر ایک آدمی چھپ کر کھا پی لے تو کسی کو اس کا علم نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی کہہ سکتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہیں جان سکتا کہ آیا وہ روزے سے ہے یا نہیں۔ اگر وہ روزے سے ہے تو اس بات کو صرف وہ جانتا ہے اور اگر روزے سے نہیں تو اس کو بھی اس کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ اسی وجہ سے روزے کا معاملہ صرف خدا اور اس کے بندے کے درمیان ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس میں ریا کا امکان نہیں ہوتا ــــ ایک آدمی دنیا کو دکھانے کے لیے بیشک یہ کہتا پھرے کہ میں روزے سے ہوں لیکن حقیقتِ صوم کے اندر اس ریاکاری کی کوئی گنجایش نہیں کیونکہ وہ خدا کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ روزہ خاص میرے ہی لیے ہے، "وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ" میں ہی اس کی جزا دوں گا۔[1]

---

[1] **س:** اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور اس کا اجر میں ہی دوں گا۔ عبادات تو ساری اللہ کے لیے ہی ہوتی ہیں اور اجر بھی وہی دیتا ہے۔ پھر اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

ج : کوئی بادشاہ اگر کسی کو انعام دینا چاہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انعام اسے بھجوا دے اور دوسری صورت یہ ہے کہ انعام اسے خود دے۔ ان دو صورتوں میں جو فرق ہے اسی سے سمجھ لیجیے کہ روزہ اور دوسری عبادات کے اجر میں کیا فرق ہے۔ (۱۵ اے ذیلدار پارک حصہ دوم ص ۸۷۔۸۸)

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ روزے کی جزا بے حد و حساب دے گا۔[1] جتنے گہرے جذبے اور اخلاص کے ساتھ آپ روزہ رکھیں گے، اللہ تعالیٰ کا جتنا تقویٰ اختیار کریں گے، روزے سے جتنے کچھ روحانی و دینی فوائد حاصل کریں گے اور پھر بعد کے دنوں میں بھی ان فوائد کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جزا بڑھتی چلی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزے کی اس غیر معمولی فضیلت و مقبولیت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ روزہ دار اپنی شہواتِ نفس اور کھانے پینے کو صرف اللہ ہی کی خاطر چھوڑتا ہے، اس لیے وہ بھی اسے آخرت میں بے حد و حساب اَجر سے نوازے گا۔

روزہ دار کے لیے دو فرحتیں

فرمایا کہ روزہ رکھنے والے کے لیے دو فرحتیں ہیں۔ ایک فرحت افطار کے وقت کی، اور دوسری اپنے رب سے ملاقات کے وقت کی۔

مراد یہ ہے کہ جو فرحت ایک روزہ دار کو افطار کے وقت ملتی ہے وہ افطار پر ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس سے زیادہ فرحت اسے اس وقت حاصل ہوگی جب وہ اپنے رب سے ملے گا اور وہاں اس کو معلوم ہوگا کہ جو عمل وہ دنیا میں کر کے آیا ہے اس کی یہاں کتنی بڑی جزا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے کس قدر قرب سے نوازا ہے اور اس کی کتنی خوشنودی اسے حاصل ہوئی ہے۔

فرمایا: ''روزہ دار کے مُنہ کی بساند اللہ تعالیٰ کو مُشک کی خوشبو سے زیادہ پسند ہے۔'' کوئی شخص اپنے مُنہ کو چاہے کتنا ہی صاف رکھنے والا اور دانتوں کی صفائی کرنے والا ہو لیکن کئی کئی گھنٹوں تک کھانے پینے سے رُکے رہنے کی وجہ سے اِس کے مُنہ میں ایک خاص قسم کی بساند پیدا ہو جاتی ہے۔ اِس لیے کسی روزہ دار کے منہ میں اس طرح کی بساند محسوس ہو تو اُس سے نفرت نہ کرنی چاہیے کیونکہ یہ بساند اللہ تعالیٰ کو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسند ہے۔

روزہ برائیوں کے مقابلے میں آدمی کی ڈھال

فرمایا کہ روزے ڈھال ہیں، پس جب کوئی شخص تم میں سے روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں نہ بدکلامی کرے، نہ دنگا فساد۔

روزہ کے ڈھال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روزہ کارزارِ حیات میں انسان کو برائیوں سے بچانے والی ڈھال ہے۔ جس طرح دشمن کا وار ڈھال پر روکا جاتا ہے اسی طرح برائی کا کوئی موقع پیدا ہونے پر اگر ایک شخص یہ خیال کر کے کہ وہ روزے سے ہے اس برائی سے بچ جاتا ہے تو اس کا روزہ اس کے لیے برائی کے مقابلے میں ڈھال کے بہ منزلہ ہے۔

---

[1] یعنی روزے کے معاملے میں بالیدگی و افزونی کا امکان بے حد و حساب ہے۔ آدمی اس سے تقویٰ حاصل کرنے کی جتنی کوشش کرے اتنا ہی وہ بڑھ سکتا ہے۔ صفر کے درجہ سے لے کر اوپر لاکھوں، کروڑوں، اربوں گنا تک وہ جا سکتا ہے، بلکہ بلا نہایت ترقی کر سکتا ہے۔ پس یہ معاملہ چونکہ آدمی کی اپنی استعدادِ اخذ و قبول پر منحصر ہے، کہ روزہ سے تقویٰ حاصل کرے یا نہ کرے، اور کرے تو کس حد تک کرے۔ (اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کی نیت اور نیکی کے نتائج کے لحاظ سے تمام اعمال پھلتے پھولتے ہیں اور ان کی ترقی کے لیے ایک حد ہے مگر روزے کی ترقی کے لیے کوئی حد نہیں۔ رمضان چونکہ خیر اور صلاح کے پھلنے اور پھولنے کا موسم ہے اور اس موسم میں ایک شخص نہیں، بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان مل کر اس نیکی کے باغ کو پانی دیتے ہیں۔ اس لیے یہ بے حد و حساب بڑھ سکتا ہے۔ جتنی زیادہ نیک نیتی کے ساتھ اس مہینہ میں عمل کرو گے، جس قدر زیادہ برکتوں سے خود فائدہ اٹھاؤ گے اور اپنے دوسرے بھائیوں کو فائدہ پہنچاؤ گے اور پھر جس قدر زیادہ اس مہینہ کے اثرات بعد کے گیارہ مہینوں میں باقی رکھو گے، اُتنا ہی یہ پھلے پھولے گا، اور اس کے پھلنے اور پھولنے کی کوئی انتہا نہیں ہے، تم خود اپنے عمل سے محدود کر لو تو یہ تمہارا اپنا قصور ہے۔ (خطبات، روزہ: تربیت کے لیے...)

اِس ڈھال کی مدد کرنے اور اس کو مضبوط بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی خود بدکلامی نہ کرے، خود کسی کو بُرا نہ کہے اور خود کسی سے نہ لڑے۔ یہ ڈھال کی پہلی مدد ہے۔ اس کی دوسری مدد یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص لڑنے کو آئے تو اُس سے کہے کہ بابا میں تو روزے سے ہوں۔ اگر تم گالی دو گے تو میں نہیں دوں گا۔ اس کے بعد یہ ڈھال اس قدر مضبوط ہو جاتی ہے کہ آدمی کو ہر برائی سے بچا سکتی ہے۔

اگر ایک آدمی نے لوگوں سے خود جھگڑا کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی اِس ڈھال میں خود شگاف پیدا کر لیا جو اس کو بُرائی سے بچانے والی تھی۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس سے لڑنے کو آیا اور یہ بھی آستینیں چڑھا کر کھڑا ہو گیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ڈھال خود توڑ تاڑ کر پھینک دی۔ اب ایک وار وہ کرے گا اور دوسرا یہ کرے گا۔ لیکن اگر ایک آدمی اپنے روزے کی اِس ڈھال سے کام لے تو یہ ڈھال یقیناً اسے برائیوں سے بچائے گی۔

جہنم سے آزادی حاصل کرنے کا مہینہ

۵۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَّفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَّیُنَادِیْ مُنَادِیًا یَّا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَ یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ، وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَیْلَةٍ۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور وہ جن جو برائی پھیلانے پر کمر بستہ رہتے ہیں باندھ دیے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور پھر ان میں سے کوئی دروازہ کھولا نہیں جاتا، اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور پھر ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ اور پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے بُرائی کے طالب رُک جا۔ اور اللہ کی طرف سے بہت سے لوگ ہیں جو آگ سے بچنے والے ہیں ـــــ اور یہ ہر رات کو ہوتا ہے۔“

تشریح: چونکہ اسلامی تقویم کا انحصار قمری مہینوں پر ہے اور قمری مہینے ہلال سے شروع ہوتے ہیں اس لیے اسلام میں ہر مہینے کا آغاز رات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ماہِ رمضان ہلال دیکھنے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہاں رمضان کی پہلی رات کے متعلق فرمایا گیا کہ ان میں شیاطین اور برائی و فساد پھیلانے والے جن باندھ دیے جاتے ہیں۔

رمضان کی اس خصوصیت کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اس کا ظہور ساری دنیا میں نہیں ہوتا بلکہ یہ صرف مومنینِ صالحین کی بستیوں کے اندر ہوتا ہے۔

شیطان کیوں کر جکڑا جاتا ہے؟

رمضان کی آمد پر شیاطین کا باندھا جانا دراصل اس بات کا نتیجہ ہوتا ہے کہ مومن صالح رمضان کا آغاز ہوتے ہی اپنی خواہشاتِ نفس پر وہ پابندیاں قبول کرتا ہے جو عام زمانے میں اس پر نہیں ہوتیں۔ مثلاً عام زمانے میں تو پانی اس کے لیے حلال

ہے لیکن رمضان کے زمانے میں بارہ سے چودہ پندرہ گھنٹے تک وہ اس پر حرام ہو جاتا ہے۔ عام دنوں میں اس کے لیے کھانا کھانا اور خواہشِ نفس کو پورا کرنا، بشرطیکہ جائز طریقے سے ہو، حلال ہے لیکن رمضان کے زمانے میں یہ چیزیں کئی کئی گھنٹے کے لیے اس پر حرام ہو جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ ایک مومن پر رمضان کے مہینے میں اُس کے نفس، اُس کی خواہشات اور آزادئ عمل پر ایسی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتیں۔ جب مومن ان پابندیوں کو قبول کر لیتا ہے اور اپنے آپ کو ان میں جکڑ لیتا ہے تو اِس کا شیطان بھی جکڑا جاتا ہے۔ اگر مومن بھی اپنے آپ کو خواہشِ نفس کا غلام بنائے رکھے اور شریعت کی پابندیاں قبول نہ کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا شیطان جکڑا نہیں گیا بلکہ بدستور کھلا پھر رہا ہے اور اپنا کام کیے جارہا ہے۔ پس خوب سمجھ لیجیے کہ جس شخص نے اپنے نفس پر شریعت کی پابندیاں عائد کر لیں تو جس لمحے اس نے ایسا کیا اُسی لمحے اس کا شیطان بھی زنجیروں میں جکڑا گیا۔ اِسی طرح اِدھر اس نے اپنے اوپر شریعت کی پابندیاں عائد کیں اور اُدھر جنت کے سارے دروازے اس کے لیے کھل گئے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے گئے۔ یہ ہے مفہوم شیطانوں کے جکڑے جانے کا، دوزخ کے دروازے بند ہونے کا اور جنت کے دروازے کھلنے کا۔ اور یہ چیزیں وہیں ظہور پذیر ہوں گی جہاں مومنین صالحین بستے ہوں۔ اس سے یہ مراد نہیں لی جاسکتی کہ ساری دنیا کے شیطان باندھ دیے جاتے ہیں۔ اور آج کل تو شیاطین خود مسلمانوں کی بستیوں میں رمضان کے مہینے میں کھلے پھرتے ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں ظاہر بات ہے کہ ان کا شیطان تو نہ صرف یہ کہ کھلا پھر رہا ہے بلکہ ان پر پوری طرح سے تسلّط جمائے ہوئے ہے ـــــ مقیّد تو صرف اس شخص کا شیطان ہوگا جس نے اپنی خواہشات نفس پر پابندیاں اور اللہ کے احکام کو خود پر نافذ کیا۔

رمضان کی پکار

● پھر فرمایا کہ پکارنے والا پکارتا ہے، اے بھلائی کے طالب آگے بڑھ اور اے برائی کے طالب رُک جا!

پکارنے والے سے مراد یہ نہیں کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر یہ صدا لگاتا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی کرنے والوں کو رمضان کی آمد ہی سے اس بات کی اطلاع مل جاتی ہے کہ نیکیاں کرنے اور برائیوں سے بچنے کا زمانہ آگیا ہے۔ جس وقت اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ رمضان کا چاند دیکھ لیا گیا ہے تو یہ اعلان اپنے اندر اس بات کو متضمن رکھتا ہے کہ اے بھلائی کے طالب! آگے بڑھ، یہ وقت ہے بھلائیاں لوٹ لے جانے کا۔ وہ زمانہ شروع ہو گیا ہے جس میں تو بھلائیوں سے اپنی جھولی بھر سکتا ہے ـــــ اور اے برائی کے طالب! رُک جا، یہ وقت ہے تیرے رُک جانے کا، کیونکہ وہ زمانہ شروع ہو گیا ہے جس میں تیری ایک معمولی سی برائی بھی بہت بڑی قرار پائے گی۔ اور اس کے برعکس تیری ایک معمولی سی بھلائی بھی بے انتہا نشو ونما پائے گی۔ اس لیے اب تو تجھے برائیوں سے رک ہی جانا چاہیے!

آگ سے چھٹکارا پانے والے

● پھر فرمایا کہ ’’رمضان میں اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جو آگ سے آزادی حاصل کرتے ہیں۔‘‘

عَتِیق کے معنی ہیں آزاد آدمی ـــــ اس ارشاد سے مراد یہ ہے کہ بہت سے بندے ایسے ہیں جو اس زمانے میں اپنے نیک اعمال کی بدولت جہنم کی آگ سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے ہر انسان کو یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنا شمار ان بندوں میں کرانے کا سامان کہاں تک کر رہا ہے۔

• ''اور یہ ہر رات کو ہوتا ہے۔''

اس سے مراد یہ ہے کہ رمضان المبارک کی جو برکتیں اور خصوصیات اس کی پہلی رات کو ظہور میں آتی ہیں ان سب کا ظہور رمضان کی ہر رات میں بدستور جاری رہتا ہے۔

اجتماعی روزے کا مہینہ قرار دے کر رمضان سے شارع نے یہی کام لیا ہے۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ ہر غلّہ اپنا موسم آنے پر خوب پھلتا پھولتا ہے اور ہر طرف کھیتوں پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ اسی طرح رمضان کا مہینہ گویا خیر و صلاح اور تقویٰ و طہارت کا موسم ہے۔ جس میں برائیاں دبتی ہیں، نیکیاں پھیلتی ہیں، پوری پوری آبادیوں پر خوفِ خدا اور حبِّ خیر کی رُوح چھا جاتی ہے اور ہر طرف پرہیز گاری کی کھیتی سرسبز نظر آنے لگتی ہے۔ اس زمانہ میں گناہ کرتے ہوئے آدمی کو شرم آتی ہے۔ ہر شخص خود گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے کسی دوسرے بھائی کو گناہ کرتے دیکھ کر اسے شرم دلاتا ہے۔ ہر ایک کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ کچھ بھلائی کا کام کرے، کسی غریب کو کھانا کھلائے کسی ننگے کو کپڑا پہنائے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرے۔ کہیں کوئی نیک کام ہو رہا ہو تو اس میں حصہ لے۔ کہیں کوئی بدی ہو رہی ہو تو اسے روکے۔ اس وقت لوگوں کے دل نرم ہو جاتے ہیں، ظلم سے ہاتھ رُک جاتے ہیں، برائی سے نفرت اور بھلائی سے رغبت پیدا ہو جاتی ہے۔ توبہ اور خشیت و انابت کی طرف طبیعتیں مائل ہوتی ہیں۔ نیک بہت نیک ہو جاتے ہیں اور بد کی بدی اگر نیکی میں تبدیل نہیں ہوتی تب بھی اس جلاب سے اس کا اچھا خاصا تنقیہ ضرور ہو جاتا ہے۔ غرض اس زبردست حکیمانہ تدبیر سے شارع نے ایسا انتظام کر دیا ہے کہ ہر سال ایک مہینہ کے لیے پوری اسلامی آبادی کی صفائی ہوتی رہے، اس کو اوور ہال کیا جاتا رہے، اس کی کایا پلٹی جائے اور اس میں مجموعی حیثیت سے روحِ اسلامی کو از سرِ نو زندہ کر دیا جائے۔

سکتہ کے مریض کا آخری امتحان اس طرح کیا جاتا ہے کہ اس کی ناک کے پاس آئینہ رکھتے ہیں۔ اگر آئینہ پر کچھ دُھندلاہٹ پیدا ہو تو سمجھتے ہیں کہ ابھی جان باقی ہے، ورنہ اس کی زندگی کی آخری امید بھی منقطع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی کسی بستی کا تمہیں امتحان لینا ہو تو اسے رمضان کے زمانہ میں دیکھو۔ اگر اس مہینہ میں اس کے اندر کچھ تقویٰ، کچھ خوفِ خدا، کچھ نیکی کے جذبہ کا ابھار نظر آئے تو سمجھو ابھی زندہ ہے۔ اور اگر اس مہینہ میں بھی نیکی کا بازار سرد ہو، فسق و فجور کے آثار نمایاں ہوں اور حِس مردہ نظر آئے تو اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن پڑھ لو۔ اس کے بعد زندگی کا کوئی سانس ''مسلمان'' کے لیے مقدر نہیں ہے۔ (اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر ص ۱۱۲ تا ۱۱۵)

تخریج (۱): حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ كُرَيْبٍ، نا اَبُوْبَكْرِبْنُ عَيَّاشٍ، عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِذَا كَانَ اَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النِّيْرَانِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَّيُنَادِيْ مُنَادٍ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَآءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔(۱۵)

وفی الباب عن عبد الرحمن بن عوف وابنِ مسعود و سلمان۔

نسائی نے اس روایت کو دو طرح سے نقل کیا ہے:

﴿۲﴾ اَخبرَنَا مُحَمَّدُ بنُ مَنصُورٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفیَانُ،عَن عَطَاءِ بنِ السَّائِبِ،عَن عَرفَجَةَ، قَالَ: عُدنَا عُتبَةَ بنَ فَرقَدٍ فَتَذَاکَرنَا شَهرَ رَمَضَانَ فَقَالَ : مَا تَذکُرُونَ؟ قُلنَا: شَهرُ رَمَضَانَ، قَالَ: سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ یَقُولُ:تُفتَحُ فِیهِ اَبوَابُ الجَنَّةِ وَتُغلَقُ فِیهِ اَبوَابُ النَّارِ وَتُغَلُّ فِیهِ الشَّیَاطِینُ وَیُنَادِیْ مُنَادٍ کُلَّ لَیلَةٍ یَا بَاغِیَ الخَیرِ هَلُمَّ وَیَابَاغِیَ الشَّرِّ اَقصِر۔

ترجمہ : عرفجہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے عتبہ بن فرقد کی بیمار پرسی کی۔ اسی اثناء میں ہم نے باہم رمضان کے بارے میں مذاکرہ شروع کر دیا۔ عتبہ نے پوچھا کیا مذاکرہ کر رہے ہو؟ ہم نے کہا رمضان کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ اس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ اس ماہ میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آگ یعنی جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ شیاطین کو جکڑ کر بند کر دیا جاتا ہے۔ ہر رات پکارنے والا پکارتا ہے۔ ''اے طالب خیر آگے بڑھ۔ اور اے برائی کے متلاشی رک جا۔''

قال ابوعبدالرحمن هذا خطاءٌ۔

﴿۳﴾اخبرنا محمد بن بشّار، قال:حدثنا محمد، قال : حدثنا شعبة، عن عطاء بن السائب عن عرفجة، قال: کنت فی بیت فیه عتبة بن فرقد فَارَدتُّ ان اُحَدِّثَ بحدیثٍ وکان رجلٌ من اصحاب النبی ﷺ کانّهٗ اَولٰی بالحدیثِ منی فحدّث الرجل، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: فِی رَمَضَانَ تُفتَحُ فِیهِ اَبوَابُ السَّمَآءِ وَتُغلَقُ فِیهِ اَبوَابُ النَّارِ وَیُصفَّدُ فِیهِ کُلُّ شَیطَانٍ مَّرِیدٍ وَّیُنَادِیْ مُنَادٍ کُلَّ لَیلَةٍ یَا طَالِبَ الخَیرِ هَلُمَّ وَیَاطَالِبَ الشَّرِّ اَمسِك۔(۱٦)

ترجمہ : نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ رمضان میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور نارِ جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کو ہتھکڑی ڈال ڈال کر جکڑ دیا جاتا ہے۔ اور ہر رات منادی کرنے والا منادی کرتا ہے اے خیر طلب کرنے والے آگے بڑھ، اور اے شر کے طلب کرنے والے رُک جا۔

ہزار مہینوں سے بہتر رات

٦ ـ عَن اَبِی هُرَیرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اَتَاکُم رَمَضَانُ، شَهرٌ مُبَارَكٌ، فَرَضَ اللّٰهُ عَلَیکُم صِیَامَهٗ، تُفتَحُ فِیهِ اَبوَابُ السَّمَآءِ وَتُغلَقُ فِیهِ اَبوَابُ الجَحِیمِ وَتُغَلُّ فِیهِ مَرَدَةُ الشَّیَاطِینِ، لِلّٰهِ فِیهِ لَیلَةٌ خَیرٌ مِّنَ اَلفِ شَهرٍ، مَن حُرِمَ خَیرَهَا فَقَد حُرِمَ۔ (احمد، نسائی)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم پر رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تم پر روزے فرض کیے ہیں۔ اس میں آسمان (جنت) کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنّم کے دروازے بند کر دیے جاتے

ہیں اور سرکش شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔ اس میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ جو اس رات کی بھلائی سے محروم رہا وہ بس محروم ہی رہ گیا۔''

تشریح: یہ حدیث بھی نبی ﷺ کے ان خطبات میں سے ہے جو آپؐ رمضان المبارک کی آمد کے موقع پر صحابہ کرامؓ کو اس مبارک مہینے کی اہمیت اور برکات سے آگاہ فرمانے کے لیے دیا کرتے تھے۔ اس میں آپؐ نے پہلی بات یہ بتائی کہ رمضان بڑی ہی برکت والا مہینہ ہے اور اس کے روزے امّت پر فرض کیے گئے ہیں۔

اَلبَرَکَۃُ کے اصل معنی ہیں افزائش کے۔ رمضان کے مہینے کو مبارک مہینہ اس لیے کہا گیا ہے کہ اس کے اندر بھلائیاں نشو ونما پاتی ہیں اور نیکیوں کو افزونی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس برائیاں بڑھنے کے بجائے سُکڑتی چلی جاتی ہیں اور ان کی ترقی رک جاتی ہے۔

- دوسری بات یہ فرمائی: ''اس مہینے میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

اس سے مراد لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر ہے۔ یعنی وہ رات جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ۝ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ ۝ لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ۝

''ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول انسانیت کے لیے عظیم الشان خیر کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کے لیے اس سے بڑی کوئی خیر نہیں ہوسکتی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ وہ رات جس میں یہ قرآن مجید نازل ہوا ہے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری انسانی تاریخ میں کبھی ہزار مہینوں میں بھی انسانیت کی بھلائی کے لیے وہ کام نہیں ہوا ہے جو اس ایک رات میں ہوا ہے۔ ہزار مہینوں کے لفظ کو گنے ہوئے ہزار نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اس سے بہت بڑی کثرت مراد ہے ___ چنانچہ اس رات میں، جو اپنی بھلائی کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے، جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس سے لَو لگائی اُس نے بہت بڑی بھلائی حاصل کرلی ___ کیونکہ اس رات میں بندے کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یہی معنی تو رکھتا ہے کہ اسے اس رات کا پورا پورا احساس ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوعِ انسان پر یہ کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اپنا کلام نازل فرمایا۔ اس لیے جس آدمی نے اس رات میں عبادت کا اہتمام کیا گویا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کیا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کے دل میں قرآن مجید کی صحیح قدر و قیمت کا احساس موجود ہے۔

- ''جو اس رات کی بھلائی سے محروم رہا وہ محروم ہی رہ گیا۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک شخص اس رات میں اللہ کی عبادت کے لیے کھڑا نہیں ہوتا تو گویا اُسے قرآن مجید کی اس نعمتِ عظمیٰ کا احساس ہی نہیں ہے جو اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اتاری تھی۔ اگر اُسے اِس بات کا احساس ہوتا تو وہ ضرور رات کے وقت عبادت کے لیے کھڑا ہوتا اور شکر ادا کرتا کہ اے اللہ! یہ تیرا احسانِ عظیم ہے کہ تو نے مجھے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی ہے۔ بے شک یہ بھی تیرا احسان ہے کہ تو نے مجھے کھانے کے لیے روٹی اور پہننے کے لیے لباس عطا فرمایا۔ لیکن تیرا اصل احسانِ عظیم مجھ پر یہ ہے کہ تو نے مجھے ہدایت دی اور دینِ حق کی روشنی دکھائی۔ مجھے تاریکیوں میں بھٹکنے سے بچایا اور علمِ حقیقت

کی وہ روشن شمع عطا کی جس کی وجہ سے میں دنیا میں سیدھے راستے پر چل کر اس قابل ہوا کہ تیری خوشنودی حاصل کرسکوں — پس جس شخص کو اس نعمت کی قدروقیمت کا احساس ہوگا وہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوگا اور اس کی بھلائی لوٹ لے جائے گا۔ لیکن جو شخص اس رات میں ادائے شکر کے لیے خدا کے حضور کھڑا نہیں ہوا وہ اس کی بھلائی سے محروم رہ گیا اور درحقیقت ایک بہت بڑی بھلائی سے محروم رہ گیا۔

تخریج ﴿۱﴾: اَخبرَنا بِشرُبنُ ھِلَالٍ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبدُ الْوَارِثِ، عَنْ اَیُّوبَ، عَنْ اَبِی قِلَابَۃَ، عَنْ اَبِی ھُرَیرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: اَتَاکُم رَمَضَانُ شَھرٌ مُبَارَکٌ فَرَضَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَلَیکُم صِیَامَہٗ تُفتَحُ فِیہِ اَبوَابُ السَّمَآءِ وَتُغلَقُ فِیہِ اَبوَابُ الجَحِیمِ وَتُغَلُّ فِیہِ مَرَدَۃُ الشَّیَاطِینِ لِلّٰہِ فِیہِ لَیلَۃٌ خَیرٌ مِّنْ اَلفِ شَھرٍ مَنْ حُرِمَ خَیرَھَا فَقَدْ حُرِمَ ۔(۱۷)

﴿۲﴾ عَنْ قِلَابَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: شَھرُ رَمَضَانَ اِنَّ ھٰذَا الشَّھرَ قَدْحَضَرَ، وَاِنَّہٗ شَھرٌ مُبَارَکٌ، اِفْتَرَضَ اللّٰہُ صِیَامَہٗ تُغلَقُ فِیہِ اَبوَابُ الجَحِیمِ وَتُفتَحُ فِیہِ اَبوَابُ الجِنَانِ، وَتُغَلُّ فِیہِ الشَّیَاطِینُ، فِیہِ لَیلَۃٌ خَیرٌ مِّنْ اَلفِ شَھرٍ، مَنْ حُرِمَھَا فَقَدْ حُرِمَ۔(۱۸)

ترجمہ : حضرت قلابہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: شہر رمضان — یقیناً یہ مہینہ آچکا ہے۔ اور یہ بابرکت مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے فرض کیے ہیں۔ اس میں جہنّم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور جنان یعنی جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور اس میں شیاطین باندھ دیے جاتے ہیں۔ اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ جو اس کی بھلائی سے محروم رہا وہ بس محروم ہی رہ گیا۔

﴿۳﴾ عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ : اِذَا دَخَلَتْ اَوَّلُ لَیلَۃٍ مِّنْ شَھرِ رَمَضَانَ، فُتِحَتْ اَبوَابُ الجِنَانِ فَلَمْ یُغلَقْ مِنھَا بَابٌ الشَّھرَ کُلَّہٗ، وَغُلِّقَتْ اَبوَابُ النَّارِفَلَمْ یُفتَحْ مِنھَا بَابٌ الشَّھرَ کُلَّہٗ، وَغُلِّقَتْ مَرَدَۃُ الجِنِّ ثُمَّ یَکُونُ لِلّٰہِ عُتَقَاءُ، یُعتِقُھُمْ مِنَ النَّارِ عِندَ وَقتِ کُلِّ فِطرٍ عَبِیدٌ وَاِمَآءٌ ۔(۱۹)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو جنتوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں پھر پورا مہینہ اس کا کوئی ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور نارِ جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں پھر پورا مہینہ ان میں سے کوئی ایک بھی کھولا نہیں جاتا۔ اور سرکش جنوں کو بھی بند کردیا جاتا ہے پھر اللہ کی طرف سے بہت سے اس کے بندے اور بندیاں ہیں جنہیں وہ دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے۔ یہ عمل ہر افطار کے وقت ہوتا ہے۔

روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کریں گے

۷۔ عَنْ عَبدِاللّٰہِ بْنِ عَمرٍو اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَلصِّیَامُ وَالقُرْاٰنُ یَشفَعَانِ لِلعَبدِ، یَقُولُ

الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ اِنِّىْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ، وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ۔ (بیھقی)

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ کہتا ہے کہ اے رب، میں نے اس کو دن بھر کھانے (پینے) اور شہوات سے روکے رکھا، تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما ـــ اور قرآن کہتا ہے کہ (اے رب) میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما ـــ پس دونوں کی شفاعت قبول فرمالی جائے گی۔''

تشریح: اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ اور قرآن کوئی جاندار ہیں جو کھڑے ہوکر یہ بات کہتے ہیں، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ روزہ دار کا روزہ رکھنا اور قرآن پڑھنے والے کا قرآن پڑھنا دراصل خود اپنے اندر ایک شفاعت رکھتا ہے۔ جب روزہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ اس بندے نے روزہ رکھا ہے تو اس پیشی کے ساتھ ساتھ روزے کی یہ شفاعت بھی موجود ہوتی ہے کہ یہ بندہ آپ کی خاطر دن بھر بھوکا پیاسا رہا۔ یہ چھپ کر کھا پی سکتا تھا اور دوسری خواہشات بھی پوری کرسکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس بندے نے چونکہ آپ کی خاطر دن بھر بھوک پیاس برداشت کی ہے اور اپنی دوسری خواہشات پر بھی پابندیاں عائد کیے رکھی ہیں اس لیے اس کے قصور معاف فرما دیجیے۔

اسی طرح ایک شخص رات کو جو قرآن مجید پڑھتا ہے جب وہ قرآن اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے کہ آج اس بندے نے اتنا قرآن مجید پڑھا ہے تو قرآن کا وہ پیش کیا جانا ہی خود اپنے اندر ایک شفاعت رکھتا ہے اور وہ شفاعت یہ ہے کہ اس بندے نے دن بھر کے تھکا ماندہ ہونے کے باوجود آپ کی رضاجوئی کی خاطر رات کو (نماز میں) کھڑے ہوکر قرآن پڑھا اس لیے اس کے گناہ معاف کردیے جائیں۔

ظاہر بات ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ قیامت کے روز مومنین صالحین کی شفاعت فرمائیں گے اسی طرح خود آدمی کے اعمال بھی اس کے حق میں شفیع ہوتے ہیں۔ آدمی کے اعمال خدا کے حضور یہ شفاعت کرتے ہیں کہ یہ آدمی یہ یہ نیکیاں کر کے آیا ہے اس لیے اسے بخش دیجیے اور اس سے درگزر فرمائیے۔

نبی ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق ـــ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے حق میں روزے اور قرآن مجید کی یہ شفاعتیں قبول فرمالیتا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِىْ اَبِىْ ثَنَا مُوْسَى بْنُ دَاوٗدَ، ثَنَا بْنُ لَهِيْعَةَ عَنْ حُيَيِّ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ اَبِىْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْحُبُلِىِّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلصِّيَامُ وَالْقُرْاٰنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ اَىْ رَبِّ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْاٰنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِىْ فِيْهِ قَالَ فَيُشَفَّعَانِ۔(۲۰)

لیلۃ القدر سے محرومی بہت بڑی محرومی ہے

۸۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ

وَفِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَايُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُومٍ۔ (ابن ماجه)

''حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رمضان کا مہینہ آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: یہ مہینہ تمہارے اوپر آیا ہے اور اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، جو اس سے محروم رہ گیا وہ تمام کی تمام بھلائی سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم وہی رہتا ہے جو ہے ہی بے نصیب۔

تشریح: اس مقام پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ لیلۃ القدر کے متعلق یہ وضاحت نہیں کی گئی ہے کہ وہ کون سی رات ہے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے وہ بس یہ ہے کہ وہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ یعنی وہ رات اکیسویں ہوسکتی ہے بائیسویں نہیں، تیئسویں ہوسکتی ہے چوبیسویں نہیں، وعلیٰ ہذا القیاس وہ آخری عشرہ کی طاق رات ہے۔ یہ فرمانے کے بعد اس بات کو بغیر تعیّن کے چھوڑ دیا گیا کہ وہ کون سی رات ہے۔ عام طور پر لوگ ستائیسویں رمضان کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ لیلۃ القدر ہے۔ لیکن یہ بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ رمضان کی ستائیسویں شب ہی لیلۃ القدر ہے۔ البتہ جو بات تعیّن کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ فقط یہ ہے کہ وہ آخری عشرے کی کوئی طاق رات ہے۔

لیلۃ القدر کا قطعی طور پر تعیّن نہ کرنے میں یہ حکمت کارفرما نظر آتی ہے کہ آدمی ہر طاق رات میں اس امید پر اللہ کے حضور کھڑا ہو کر عبادت کرے کہ شاید یہی لیلۃ القدر ہو ___ لیلۃ القدر اگر اس نے پالی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ جس چیز کا طالب تھا وہ اسے مل گئی، اس کے بعد اس نے جو چند مزید راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں تو اس کی نیکی میں مزید اضافے کا موجب بنیں گی۔

اس مقام پر ایک اور بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ چونکہ ساری دنیا میں رمضان کی ایک ہی تاریخیں نہیں ہوتیں اور ان میں ردّوبدل ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے یہ بات یقین سے کہنا مشکل ہے کہ کس آدمی کو واقعی وہ اصل رات میسّر آ گئی۔ اس لیے ایک طالب صادق کو ہر رمضان میں اسے تلاش کرنا چاہیے۔ رمضان کا جو آخری عشرہ اعتکاف کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اعتکاف کا ثواب آدمی کو الگ ملے اور چونکہ اعتکاف کی حالت میں اس کی تمام طاق راتیں عبادت میں گزریں گی اس لیے اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ اسے ان میں کبھی نہ کبھی وہ رات بھی لازماً مل جائے گی۔

بعض لوگ اپنی جگہ لیلۃ القدر کی تلاش کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ رات کو باہر نکل کر یہ دیکھا جائے کہ فضا میں کوئی ایسی علامت پائی جاتی ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ قدر کی رات ہے۔ فضا میں کوئی ایسا نور برس رہا ہے جس سے اس کا لیلۃ القدر ہونا ثابت ہو جائے۔ لیکن دراصل یہ طرزِ فکر مطابقِ حقیقت نہیں ہے۔ بیشک یہ نور برستا ہے، لیکن یہ نور تو پورے رمضان میں اور رمضان کی ہر رات میں برستا ہے، البتہ اس کے لیے وہ آنکھیں چاہئیں جو اس کو دیکھ سکیں۔ یہ نور درحقیقت آپ کی عبادات کے اندر برستا ہے۔ یہ نور تقویٰ اور خدا کی رضا طلبی کے اندر آپ کے انہماک میں، بھلائیوں کے لیے آپ کے ذوق وشوق میں، اور عبادات کے لیے آپ کے خلوص واہتمام میں اور فی الجملہ آپ کے ایک ایک فعل میں برستا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا أَبُو بَدْرٍ عَبَّادُ بْنُ الْوَلِيدِ ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بِلَالٍ ثَنَا عِمْرَانُ الْقَطَّانُ، عَنْ قَتَادَةَ،

عَنُ اَنَس بُنِ مَالِكٍ قَالَ: دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِنَّ هٰذَا الشَّهُرَ قَدُ حَضَرَكُمُ وَفِيُهِ لَيُلَةٌ خَيُرٌ مِّنُ اَلُفِ شَهُرٍ مَنُ حُرِمَهَا فَقَدُ حُرِمَ الُخَيُرَ كُلَّهٗ وَلَايُحُرَمُ خَيُرَهَا اِلَّا مَحُرُوُمٌ۔(۲۱)

رحمت، مغفرت اور نجات کا مہینہ

۹۔ عَنُ سَلُمَانَ الُفَارِسِيِّ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ فِي آخِرِ يَوُمٍ مِنُ شَعُبَانَ فَقَالَ: يَآاَيُّهَا النَّاسُ قَدُ اَظَلَّكُمُ شَهُرٌ عَظِيُمٌ، شَهُرٌ مُبَارَكٌ، شَهُرٌفِيُهِ لَيُلَةٌ خَيُرٌ مِنُ اَلُفِ شَهُرٍ۔ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهٗ فَرِيُضَةً وَقِيَامَ لَيُلِهٖ تَطَوُّعًا مَنُ تَقَرَّبَ فِيُهِ بِخَصُلَةٍ مِّنَ الُخَيُرِ كَانَ كَمَنُ اَدّٰى فَرِيُضَةً فِيُمَا سِوَاهُ وَمَنُ اَدّٰى فَرِيُضَةً فِيُهِ كَانَ كَمَنُ اَدّٰى سَبُعِيُنَ فَرِيُضَةً فِيُمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهُرُ الصَّبُرِ وَالصَّبُرُ ثَوَابُهُ الُجَنَّةُ وَشَهُرُ الُمُوَاسَاةِ وَشَهُرٌ يُزَادُ فِيُهِ رِزُقُ الُمُؤُمِنِ، مَنُ فَطَّرَ فِيُهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغُفِرَةً لِّذُنُوُبِهٖ وَعِتُقَ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثُلُ اَجُرِهٖ مِنُ غَيُرِ اَنُ يَّنُتَقِصَ مِنُ اَجُرِهٖ شَيُءٌ۔ قُلُنَا يَا رَسُوُلَ اللّٰهِ لَيُسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَا نُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ :

يُعُطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنُ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذُقَةِ لَبَنٍ اَوُتَمُرَةٍ اَوُ شَرُبَةٍ مِنُ مَاءٍ وَمَنُ اَشُبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنُ حَوُضِي شَرُبَةً لَايَظُمَأُ حَتّٰى يَدُخُلَ الُجَنَّةَ، وَهُوَ شَهُرٌ اَوَّلُهٗ رَحُمَةٌ وَاَوُسَطُهٗ مَغُفِرَةٌ وَاٰخِرُهٗ عِتُقٌ مِنَ النَّارِ۔ وَمَنُ خَفَّفَ عَنُ مَمُلُوُكِهٖ فِيُهِ غَفَرَاللّٰهُ لَهٗ وَاَعُتَقَهٗ مِنَ النَّارِ۔ (البیہقی)

''حضرت سلمان فارسیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تمہارے اوپر ایک بڑا بزرگ مہینہ سایہ فگن ہوا ہے۔ یہ بڑی برکت والا مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات (ایسی ہے کہ) ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (اس کے) روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں کے قیام کو تطوّع (نفل) قرار دیا ہے۔ جس شخص نے اس مہینے میں کوئی نیکی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ اس شخص کے مانند ہے جس نے دوسرے دنوں میں کوئی فرض ادا کیا۔ اور جس نے اس مہینے میں ایک فرض ادا کیا تو وہ ایسا ہے جیسے دوسرے دنوں میں اس نے ستّر فرض ادا کیے ــــ اور رمضان صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے، اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنے کا مہینہ ہے، اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس میں کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ ہے اور اس کے لیے اتنا ہی اجر ہے جتنا اس روزہ دار کے لیے روزہ رکھنے کا ہے، بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو ــــ حضرت سلمانؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہ کرامؓ) نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو یہ توفیق میسّر نہیں ہے کہ کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ اجر اس شخص کو بھی دے گا جو کسی روزہ دار کو دودھ کی لسّی سے روزہ کھلوادے یا ایک کھجور کھلا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے ــــ اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھلا دے تو اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوض سے پانی پلائے گا۔ (اس حوض سے پانی پی کر) پھر اسے پیاس محسوس نہ ہوگی یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا ــــ

اور یہ وہ مہینہ ہے کہ جس کے آغاز میں رحمت ہے، وسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے۔ اور جس نے رمضان کے زمانے میں اپنے غلام سے ہلکی خدمت لی اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا اور اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے (اور یہ بات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے) کہ رسول اللہ ﷺ نے فضائل رمضان اور روزوں سے متعلق ہدایات بالعموم رمضان کے آنے سے پہلے شعبان کے جمعوں یا دوسرے اجتماعات میں دی ہیں۔ رمضان کے زمانے میں جو خطبے حضورؐ دیتے تھے اگر چہ ان میں بھی احکام کا بیان ہوتا تھا لیکن خاص طور پر آپؐ کا طریقہ یہ تھا کہ رمضان کے آنے سے پہلے شعبان کے مہینے میں ایسے خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے جن میں رمضان کی فضیلت اور روزوں کے احکام کا بیان ہوتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنے اس خطبے میں فرمایا:

- ''لوگو! تمہارے اوپر ایک مہینہ ایسا آ رہا ہے جو عظیم ہے، یعنی بزرگی والا اور بڑی برکت والا ہے۔''

ماہ رمضان کے بزرگ یا بابرکت ہونے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس کے دنوں، گھنٹوں یا منٹوں میں فی نفسہٖ کوئی ایسی برکت شامل ہے جو لوگوں کو خود بخود حاصل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایسے مواقع پیدا کر دیتا ہے جن کی بدولت تم اس کی بے حد و حساب برکات سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اس مہینے میں ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ عبادت کرے گا اور نیکیوں کے جتنے زیادہ کام کرے گا وہ سب اس کے لیے زیادہ سے زیادہ روحانی ترقی کا وسیلہ بنیں گے۔ اس لیے اس مہینے کے بزرگ اور بابرکت ہونے کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ اس کے اندر تمہارے لیے برکتیں سمیٹنے کے بے شمار مواقع فراہم کر دیے گئے ہیں۔

- ''یہ وہ مہینہ ہے جس کی ایک رات ایسی ہے کہ ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔''

اس سے مراد لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اس کے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی ہزار مہینے میں بھی نوعِ انسانی کی فلاح کا وہ کام نہ ہوا ہوگا جتنا اس ایک رات میں ہوا۔

— ''اللہ تعالیٰ نے رمضان کے (دنوں کے) روزے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں کے قیام کو تطوع (نفل) قرار دیا ہے۔''

— تطوّع سے مراد وہ کام ہے جو آدمی اپنے دل کی خوشی سے (VOLUNTARILY) انجام دے، بغیر اس کے کہ وہ اس پر فرض کیا گیا ہو۔

رمضان میں دن کے روزے کو فرض اور رات کے قیام کو نفل قرار دے کر فرض اور نفل عبادات دونوں کے فائدوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ ادائے فرض کے فائدے کچھ اور ہیں اور از خود اپنی رضا و رغبت سے، بغیر اس کے کہ کوئی چیز لازم قرار دی گئی ہو، اللہ کی عبادت کرنے کے فائدے کچھ اور ہیں۔ اگر ایک آدمی اپنی ڈیوٹی بجالاتا ہے تو وہ اس پر ایک اور قسم کے انعام کا مستحق ہوتا ہے اور اگر وہ اپنی ڈیوٹی سے بڑھ کر اپنے دل کی رضا سے کوئی خدمت بجالاتا ہے تو اس پر وہ کسی اور قسم کے انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ ایک چیز وہ ہے جس پر وہ مزدوری کا مستحق ہے اور دوسری چیز وہ ہے جس پر اسے بونس (BONUS) کا مستحق قرار دیا

جائے گا ـــ معلوم ہوا کہ اس ماہ میں دو قسم کے مواقع پیدا کر دیے گئے ہیں۔ ایک تو ڈیوٹی عائد کر دی گئی ہے جس کے اجر کے آپ الگ مستحق ہوں گے اور ایک چیز آپ کے تطوّع پر چھوڑ دی گئی ہے کہ آپ اپنی رضا و رغبت سے راتوں کو عبادت کے لیے کھڑے ہوں تو اس پر آپ کو مزید انعامات ملیں گے ـــ یہ گویا اس چیز کی تشریح ہے کہ اس بزرگ مہینے میں کیا کیا برکتیں رکھ دی گئی ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''جس شخص نے اس مہینے میں کوئی نیکی کر کے اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کی اس کو ایسا اجر ملے گا جیسا کہ دوسرے دنوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے، اور جس نے اس مہینے میں فرض ادا کیا وہ ایسا ہے جیسے دوسرے دنوں میں اس نے ستّر فرض ادا کیے۔''

چونکہ یہاں فَرِیضَۃ کے مقابلے میں خَصلَۃٌ مِنَ الخَیرِ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس لیے ان سے خود بخود یہ معنی نکلتے ہیں کہ ان سے مراد نفل نیکی ہے۔ یعنی جو آدمی اس مہینے نفل کے طور پر کوئی نیکی کرتا ہے اسے اس پر ایسا اَجر ملے گا جیسا دوسرے زمانے میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے۔

تخریج : اَخبَرَنَا اَبُوعَبدِ اللّٰہِ الحَافِظُ، ثَنَا اَبُوبَکرٍ اِسمَاعِیلُ بنُ مُحَمَّدٍ الضَّرِیرُ باکاری بِالرَّیِّ، ثَنا مُحَمَّدُ بنُ الفَرجِ الاَزرَقُ، ثَنَا عَبدُ اللّٰہِ بنُ بَکرٍ السَّھمِیُّ، ثنا اِیَاسُ بنُ عَبدِالغَفَّارِ، عَن عَلِیِّ بنِ زَیدِ بنِ جُدعَانَ، وَاَخبَرَنَا اَبُونَصرِ بنُ قَتَادَۃَ، ثَنَا اَبُو عَمرٍو اِسمَاعِیلُ بنُ نُجَیدٍ، ثَنَا جَعفَرُبنُ مُحَمَّدِ بنِ (سوار)، اَخبَرَنِی عَلِیُّ بنُ حُجرٍ،وَاَخبَرَنَا اَبُوسَعدٍ عَبدُ المَلِكِ بنُ اَبِی عُثمَانَ الزَّاھِدُ، ثنا اَبُوعَمرٍو مُحَمَّدُ بنُ جَعفَرِ بنِ مَطَرٍ، ثَنَا جَعفَرُ بنُ مُحَمَّدِ بنِ (نَصرٍ) الحَافِظُ، ثنا عَلِیُّ بنُ حُجرٍ۔

وَاَخبَرَنَا اَبُو زَکرِیَّا بنُ اَبِی اسحَاقَ المُزَکِّی، ثَنَا وَالِدِی، قَالَ: قَرَأَ عَلَیَّ مُحَمَّدُ بنُ اِسحَاقَ بنِ خُزَیمَۃَ اَنَّ عَلِیَّ بنَ حُجرٍ السَّعدِیَّ حَدَّثَھُم ثَنَا یُوسُفُ بنُ زِیَادٍ، عَن ھَمَّامِ بنِ یَحییٰ، عَن عَلِیِّ بنِ زَیدِ بنِ جُدعَانَ، عَن سَعِیدِ بنِ المُسَیَّبِ، عَن سَلمَانَ الفَارِسِیِّ، قَالَ : خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ فِی آخِرِ یَومٍ مِن شَعبَانَ فَقَالَ : اَیُّھَا النَّاسُ قَد اَظَلَّکُم شَھرٌ عَظِیمٌ۔ الحدیث۔(۲۲)

رمضان کے زمانے میں یہ فرق کیوں ہوتا ہے؟

رمضان کے زمانے میں عام دنوں کی بہ نسبت اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ عام دنوں میں تو آدمی بڑی حد تک یا ایک حد تک انفرادی حیثیت سے عبادات و فرائض کی بجا آوری کرتا ہے لیکن رمضان کا زمانہ وہ ہے جسے بحیثیتِ مجموعی پوری قوم کے لیے نیکی کا موسم قرار دیا گیا ہے۔ ساری قوم بیک وقت روزہ رکھتی اور افطار کرتی ہے۔ سب ایک ہی وقت میں جا کر تراویح پڑھتے اور دوسری عبادات انجام دیتے ہیں۔ اس طرح پوری قوم کے اندر نیکی کا ایک عام ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس زمانے میں نیکی خوب پھلتی پھولتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بارش کے زمانے میں فصل عام زمانے کی بہ نسبت خوب بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے۔ چنانچہ رمضان کے دنوں میں آدمی جو نیکی بھی کرتا ہے وہ اکیلے اسی کی نیکی نہیں ہوتی بلکہ بے شمار

نیکیاں مل کر اس کو بڑھا رہی ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ رمضان نیکیوں کا عام موسم ہے اس لیے اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کا فیضان بھی عام ہوتا ہے۔ ایک آدمی جو نفل نماز بھی پڑھے، کسی کے ساتھ بھلائی کا جو کام بھی کرے، جو خیرات بھی کرے اسے اس پر اتنا اجر ملے گا جتنا عام دنوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے۔ اسی طرح رمضان کے زمانے میں اگر کوئی شخص فرض ادا کرتا ہے، خواہ وہ زکوٰۃ یا نماز یا روزہ ہو، تو اسے اس کا اتنا اجر ملے گا جتنا اس کو عام دنوں میں ستر گُنا زکوٰۃ نکالنے، ستر نمازیں پڑھنے یا ستر روزے رکھنے کا ملتا ہے۔

— "صبر" کے معنی عربی لغت میں باندھنے اور روکنے کے ہیں۔ اس مقام پر صبر سے مراد ہے اپنے آپ کو اتنا باندھنا اور ایسا ضبطِ نفس کرنا کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرے اور اس کی اطاعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے۔

ارشاد فرمایا کہ صبر ہی کا ثواب جنت ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ایک آدمی اگر جنت حاصل کرتا ہے تو اسی وجہ سے حاصل کرتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر اتنا قابو پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ اس کی خواہشات نفس بے لگام نہیں ہونے پاتیں اور وہ ان کو رضائے الٰہی کا پابند بنا دیتا ہے۔

اس صبر کی جتنی مشق رمضان میں ہوتی ہے اتنی اور کسی زمانے میں نہیں ہوتی۔ رمضان میں آدمی مسلسل چوبیس گھنٹے صبر کی مشق کرتا ہے۔ سحری کا وقت اس کے اٹھنے کا نہیں ہوتا لیکن وہ اٹھتا ہے۔ وہ وقت کھانے کا نہیں ہوتا لیکن وہ اپنے نفس سے کہتا ہے کہ تیرے رب نے یہی وقت تیرے کھانے کے لیے مقرر کیا ہے، اس وقت کھانا ہے تو کھالے ورنہ دن بھر تجھے بھوکا رہنا پڑے گا۔ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کے نفس کی لگام آپ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور آپ اس پر سوار ہوتے ہیں (بجائے اس کے کہ یہ آپ پر سوار ہو) جس وقت اللہ کا حکم ہوا بس اسی وقت کھانا پینا بند ہو گیا۔ پھر آپ کا ہاتھ نہ کھانے کی طرف بڑھتا ہے نہ پینے کی طرف — دن بھر آپ پر خواہ کچھ ہی گزر جائے آپ اپنے نفس کو بے قابو نہیں ہونے دیتے۔ پھر جس وقت اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے آپ فوراً افطار کرتے ہیں — آگے وہ احادیث آ رہی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت پسند ہے کہ بندہ افطار میں جلدی کرے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ روزہ دار محض اللہ کے حکم کی وجہ سے رکا ہوا تھا اور نہ اس کو ایسی بھوک اور پیاس لگی تھی کہ وہ کھانے اور پینے میں ایک لمحہ کی دیر کرنے والا نہیں تھا۔

یہ ہے وہ طریقہ جس سے آپ کو اپنے نفس پر قابو پانے اور صبر کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے اور یہی وہ صبر ہے جس کا نتیجہ جنت ہے کیونکہ اسی صبر کی بدولت تو آپ اس پر قادر ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ہدایات کی خلاف ورزی سے بچیں اور ہر حال میں اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنائے رکھیں۔

- پھر فرمایا کہ "یہ مہینہ مواساۃ کا مہینہ ہے۔"

مُوَاسَاۃ کے معنی ہیں باہم ہمدردی کرنا اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنا — رمضان کے شَھرُ الْمُوَاسَاۃ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ اس مہینہ میں لوگوں کو ایک دوسرے کی مدد اور ہمدردی کرنے کی تربیت دی جاتی ہے کیونکہ ایک آدمی کو جب خود بھوک کا تجربہ ہوتا ہے تبھی اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ دوسرے پر بھوک میں کیا گزرتی ہے اور وہ کس قسم کی ہمدردی کا مستحق ہوتا ہے۔

● ''اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق بڑھایا جاتا ہے۔''

——— کوئی شخص ناپ تول کر یا حساب لگا کر تو یہ نہیں بتا سکتا کہ رمضان میں اس کی آمدنی کتنی بڑھی یا اس کی تنخواہ میں کیا اضافہ ہوا لیکن لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں کا یہ تجربہ ہے کہ رمضان میں جیسا کچھ وہ کھا پی لیتے ہیں۔ عام حالات میں وہ ان کو میسّر نہیں آتا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لازماً کوئی ایسی برکت ہے جو اس مہینے میں اللہ تعالیٰ مومن کے رزق میں ڈال دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ''جو شخص کسی کا روزہ کھلوائے تو وہ اس کے گناہوں کی مغفرت کا اور اس کی گردن کو دوزخ کی سزا سے بچانے کا ذریعہ ہے اور اس کو اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ملے گا بغیر اس کے کہ اس روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی ہو۔''

——— یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اتنا محدود نہیں ہے کہ وہ روزہ دار کے اجر میں سے کاٹ کر افطار کرانے والے کو کچھ دے دے کہ یہ تیرے افطار کرانے کا اجر ہے۔ نہیں بلکہ جتنا اجر روزہ رکھنے والے کو ملتا ہے اتنا ہی اجر اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے اس شخص کو دیتا ہے جو روزہ افطار کراتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ اَجر اُن افطاریوں کے لیے نہیں ہے جو بطور ریاکاری کے اپنی شان وشوکت کے مظاہرے کے لیے کرائی جاتی ہیں اور جن سے مقصود لوگوں کو یہ دکھانا ہوتا ہے کہ حضرت کتنے دولت مند ہیں اور راہِ خدا میں کس قدر خرچ کرنے والے ہیں۔

——— یہاں جس اجر کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ کی خاطر لوگوں کو افطار کرائیں اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ ان لوگوں کو افطار کرائیں جو بہتر افطار کرنے کے قابل نہیں ہیں، بہ نسبت اس کے کہ کھاتے پیتے لوگوں کو افطار کرایا جائے۔

اوپر کی سطور میں نبی ﷺ کے جن ارشادات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد حضرت سلمان فارسیؓ بتاتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر ایک کو اتنی توفیق نہیں ہے کہ روزہ دار کا روزہ کھلوائے ——— اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اجر تو ہر اس شخص کا ہے جو کسی روزہ دار کو دودھ یا لسّی پلا دے یا ایک کھجور کھلا دے یا ایک گھونٹ پانی پلا دے ——— یعنی یہ اَجر بڑی بھاری افطاریوں کا نہیں ہے بلکہ یہ تو محض روزہ کھلوا دینے کا اجر ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ کیسے ہی سادہ طریقے سے کھلوایا گیا ہو۔

● پھر فرمایا: ''اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض سے پانی پلائے گا۔ پھر اسے اس وقت تک پیاس محسوس نہ ہوگی جب تک وہ جنت میں داخل نہ ہو جائے۔''

احادیث میں آتا ہے کہ میدانِ حشر میں پانی کا ایک حوض ہوگا جسے حوض کوثر کہا جاتا ہے۔ اس حوض کے محافظ اور نگراں خود نبی ﷺ ہوں گے۔ اس سے پانی وہی پیے گا جس کو نبی ﷺ پلائیں گے۔ کسی دوسرے شخص کو اس سے پانی پینے کا موقع نہیں ملے گا۔ پھر اس حوض کے سوا میدانِ حشر میں کوئی دوسرا حوض بھی نہیں ہوگا جہاں سے کوئی شخص پانی پی سکے۔ حضور نبی کریم ﷺ اس حوض پر صرف انہی لوگوں کو آنے دیں گے جو اس قابل ہوں گے کہ آگے جا کر جنت میں داخل ہو سکیں۔

چنانچہ جو شخص ایک روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا ہے اسے میدانِ حشر میں حوضِ کوثر سے پانی ملے گا تا آنکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے۔

میدانِ حشر کے متعلق یہ بات بھی احادیث سے معلوم ہوتی ہے کہ وہاں کوئی سایہ اللہ کے سائے کے سوا نہیں ہو گا اور وہ سایہ صرف نیک آدمیوں کو میسّر آئے گا۔ بدآدمیوں کے لیے وہ سایہ نہیں ہو گا ـــــ تصور کیجیے کہ اس میدانِ حشر میں جہاں اللہ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، اس شخص کو برابر پانی ملتا رہے گا جو یہاں کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کے کھانا کھلاتا ہے۔

● پھر فرمایا ''اور یہ وہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت ہے، وسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے۔[۱]''

ـــــ یعنی ادھر اس مبارک مہینے کی آمد پر آپ روزہ رکھنا شروع کرتے ہیں اُدھر اللہ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔ پھر رمضان کے وسط تک پہنچتے پہنچتے اللہ تعالیٰ آپ کے قصوروں سے درگزر فرما لیتا ہے اور آپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب آپ رمضان کے آخر تک پہنچتے ہیں تو ادھر آپ آخری روزہ رکھتے ہیں ادھر آپ کو دوزخ کے خطرے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

اس آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب آخری روزے کی وجہ سے آپ کو دوزخ سے آزادی حاصل ہو گئی تو آپ آزاد ہیں کہ جو جی چاہے کرتے پھریں، اب آپ پر کوئی گرفت نہیں ہو گی ـــــ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ بعض لوگ رمضان کے ختم ہوتے ہی وہ سب پابندیاں توڑ ڈالتے ہیں جو اس مبارک مہینے میں انہوں نے اپنے اوپر عائد کر رکھی ہوتی ہیں ـــــ بس رمضان ختم ہوا اور وہ عین عید کے دن (شوال کی پہلی ہی تاریخ کو) سینما دیکھنے چلے گئے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ناچ گانے کا شوق بھی کر لیا ـــــ پھر کہیں بیٹھ کر کچھ تھوڑا بہت جوا وغیرہ بھی کھیل لیا۔ یہ سب کچھ اگر ایک شخص نے کر ڈالا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ادھر وہ دوزخ کے خطرے سے آزاد ہوا اور ادھر اس نے پھر اس میں کودنے کی تیاریاں شروع کر دیں ـــــ ظاہر بات ہے کہ کوئی بھلا آدمی جس کے دل میں ایمان کی کچھ روشنی اور خوفِ خدا کی کوئی رمق موجود ہو یہ کھیل نہیں کھیل سکتا۔

● ''اور جس نے رمضان کے مہینے میں اپنے غلام (یا نوکر) سے ہلکی خدمت لی اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ سے آزاد کر دے گا۔''

ـــــ رمضان کے زمانے میں آدمی کو اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ جیسے وہ خود روزے سے ہے ویسے ہی اس کا نوکر بھی روزے سے ہے۔ نوکر اور خادم سے اس طرح گس کر خدمت لینا کہ جیسے وہ تو روزے سے نہیں ہے اور آپ ہیں کہ روزہ رکھ کر نڈھال ہوئے جاتے ہیں، یہ کسی بھلے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ جو شخص رمضان کے زمانے میں اپنے نوکر کے کام میں تخفیف کرتا ہے اور اس سے نرمی برتتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔

---

[۱] س: ''مولانا! حدیث میں رمضان المبارک کے متعلق آتا ہے کہ اس کا پہلا عشرہ رحمت کا ہے، دوسرا مغفرت کا اور تیسرا عتق من النار یعنی آگ سے نجات کا۔ عتق من النار، مغفرت کا نتیجہ ہے اور یہ چیز مغفرت میں آ جاتی ہے۔ پھر مغفرت کے بعد عتق من النار کی کیا ضرورت تھی؟''

ج: ''رحمت، مغفرت اور عتق من النار یہ کوئی تین مختلف چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سلسلے کے مختلف پہلو ہیں۔ ایک بات بیان کرنی ہو تو اسے کئی پہلوؤں سے بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص کو کھلایا پلایا گیا۔ اب یہاں کھلایا کہہ دینا کافی تھا۔ اس کے ساتھ پلانا کہنا زائد معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بہر حال کہنے کا یہ ایک خاص انداز ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ حدیث میں جن تین چیزوں کا ذکر ہوا ہے۔ وہ بھی دراصل سمجھانے کا ایک انداز ہے اور تین چیزیں ایک ہی بات کے تین پہلو ہیں۔''

(۱۵ اے ذیلدار پارک حصہ دوم ص ۸۷)

موجودہ زمانے میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنے ماتحتوں سے ـــ نوکروں یا غلاموں سے نہیں ـــ رمضان کے زمانے میں معمول سے زیادہ کس کر کام لیتے ہیں۔ گویا وہ اپنے عمل سے یہ بات کہتے ہیں کہ اچھا تم نے روزہ رکھنے کی گستاخی کی ہے۔ اب تمہاری سزا یہ ہے کہ تمہاری ڈیوٹی عام دنوں سے دُگنی ہوگئی ہے تاکہ تمہیں ذرا معلوم تو ہو کہ اس زمانے میں اور ہمارے زیرِ سایہ تم روزہ رکھنے کی جسارت کرتے ہو۔ لیکن خوب سمجھ لیجیے کہ رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایت یہ ہے کہ اگر تمہارا کوئی غلام بھی ہے (یہاں مملوک کا لفظ ہے، خادم کا لفظ نہیں ہے) تو تمہارا یہ کام ہے کہ رمضان کے زمانے میں اس سے سخت قسم کا کام نہ لو۔ بلکہ اس کے ساتھ نرمی برتو اور اسے ہر ممکن سہولت دو۔ اس بات کا صلہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے لیے یہ ہوگا کہ وہ تمہیں دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔

رمضان المبارک میں حضورؐ کی شفقت اور فیاضی کی دو مثالیں

۱۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَّاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔ (بیہقی)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ جب رمضان آتا تھا تو آپ ہر اسیر کو رہا کر دیتے تھے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ دیتے تھے۔''

تشریح: رسول اللہ ﷺ کی شفقت، رحم دلی، نرمی، عطاو بخشش اور فیاضی کا جو حال عام دنوں میں تھا وہ تو تھا ہی، کہ یہ چیزیں آپ کے اخلاقِ کریمانہ کا حصہ تھیں، لیکن رمضان المبارک میں خاص طور پر ان میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ آپؐ معمول سے کہیں زیادہ گہرائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور اللہ کے ساتھ آپ کی محبت میں شدت آجاتی تھی اس لیے آپ کی نیکیاں بھی عام دنوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ بڑھ جاتی تھیں۔ جیسا کہ خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ عام دنوں میں فرض ادا کرنے کا جو ثواب ملتا ہے وہ رمضان میں نفل ادا کرنے پر ملتا ہے۔ اس لیے آپؐ رمضان کے زمانے میں بہت کثرت سے نیکیاں کرتے تھے۔ یہاں حضورؐ کے عمل میں سے دو چیزیں مثال کے طور پر بیان کی گئی ہیں۔ اسیروں کو رہا کرنا اور مانگنے والوں کو دینا۔

رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کے بارے میں کہ ''آپ رمضان میں ہر قیدی کو رہا کر دیتے تھے۔'' محدثین کے درمیان بحثیں پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جرم کی پاداش میں قید ہے تو اس کو محض رمضان کے مہینے کی وجہ سے رہا کر دینا یا سزا نہ دینا کس طرح انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو سکتا ہے؟ ـــ اس بناء پر اس قول کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ بعض محدثین کے نزدیک اس سے مراد جنگی قیدی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنے ذمے کا قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے ماخوذ ہوں۔ نبی ﷺ ان کی طرف سے ان کا قرض ادا کر کے ان کو آزاد کر دیتے تھے۔ اس طرح کی بعض دوسری توجیہات بھی اس قول کی کی گئی ہیں ـــ اگر غور کیا جائے تو اس کی ایک اور شکل بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً آج کل کے زمانے میں ایک طریقہ پیرول (PAROLE) پر رہا کرنے کا ہے، یعنی قیدی کو قول لے کر رہا کر دینا۔ قیدی کو اس اُمید پر رہا کر دیا جاتا ہے کہ وہ رہائی کی مدت ختم ہونے کے بعد خود واپس آجائے گا ـــ وہ معاشرہ ایسا تھا کہ اس میں اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ جس قیدی کو رہا کیا جا رہا ہے وہ یہ خیال کر کے کہ اب مجھے کون پکڑتا ہے کسی ایسی جگہ

فرار ہو جائے گا جہاں سے اس کو پکڑنا ممکن نہ رہے گا وہ تو ایسے لوگ تھے کہ اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تھا تو خود آ کر اس کا اعتراف کرتے تھے تاکہ ان کو سزا دے کر پاک کر دیا جائے ــــ اس لیے ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ کے مذکورہ عمل کی شکل یہ رہی ہو کہ حضورؐ ایسے لوگوں کو، جن کی سزا معاف نہ ہوسکتی تھی، رمضان کے زمانے میں مشروط طور پر رہا کر دیتے ہوں تاکہ وہ رمضان کا مبارک زمانہ اپنے گھروں پر گزاریں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

نیکی کی حرص

دوسری احادیث میں حضورؐ نے بتایا ہے کہ روزے کی حالت میں آدمی کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے چاہئیں اور ہر بھلائی کا شوقین بن جانا چاہیے۔ خصوصاً اس حالت میں اس کے اندر اپنے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ تو پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہیے، کیونکہ وہ خود بھوک پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو کر زیادہ اچھی طرح محسوس کرسکتا ہے کہ دوسرے بندگانِ خدا پر غریبی اور مصیبت میں کیا گزرتی ہوگی۔ حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ خود سرکار رسالت مآب ﷺ رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیق ہو جاتے تھے کوئی سائل اس زمانے میں حضورؐ کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا اور کوئی قیدی اس زمانے میں قید نہ رہتا تھا۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوْ سَعْدٍ الزَّاهِدُ، ثنا اَبُوْبَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُبَيْرٍ النَّسَوِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ يَاسِيْنَ بْنِ النَّضْرِ، ثنا يُوْسُفُ بْنُ مُوْسٰى، ثنا عَبْدُ الْحَمِيْدِ الْحَمَانِيُّ، ثنا اَبُوْبَكْرٍ الْهُذَلِيُّ عَنِ الزُّهْرِي، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ، اَطْلَقَ كُلَّ اَسِيْرٍ وَاَعْطٰى كُلَّ سَائِلٍ۔(۲۳)

جنت ایک رمضان کے بعد دوسرے رمضان کی آمد تک مسلسل سجائی جاتی ہے

۱۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَاْسِ الْحَوْلِ اِلٰى حَوْلٍ قَابِلٍ، قَالَ فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيْحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُلْنَ يَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ اَزْوَاجًا تَقَرُّبِهِمْ اَعْيُنُنَا وَتَقَرَّ اَعْيُنُهُمْ بِنَا۔ (بیھقی)

’’حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جنت رمضان کے لیے سال کے آغاز سے آنے والے سال تک (ایک رمضان کے خاتمے سے اگلے رمضان کی آمد تک) سجائی جاتی ہے۔ جب رمضان کا پہلا دن آتا ہے تو عرش کے نیچے ایک ہوا چلتی ہے جو جنت کے پتوں میں گزرتی ہوئی آہو چشم حوروں کے اوپر پہنچتی ہے۔ اس ہوا کو پا کر حوریں کہتی ہیں کہ اے ہمارے رب، ہمیں اپنے (نیکوکار) بندوں میں سے ایسے شوہر عطا کر جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جن کی آنکھیں ہم سے ٹھنڈی ہوں۔‘‘

تشریح: اس ارشاد کے ذریعے سے نبی ﷺ نے اہلِ ایمان کو یہ بتایا ہے کہ اگر تم رمضان کا زمانہ اللہ تعالیٰ کی پوری پوری فرمانبرداری میں اور گہرے احساسِ عبودیت کے ساتھ روزے رکھنے اور دوسری نیکیاں کرنے میں گزارو گے تو یہ کچھ نعمتیں جنت میں تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔

تخریج : اَخبَرَنَا اَبُو الُعَبَّاسِ اَحُمَدُ بُنُ اِبُرَاهِیَمَ بُنِ اَحُمَدَ بُنِ جَانجان الُهَمُذَانِیُّ بِهَا، ثنا اَبُوالُقَاسِمِ عَبُدُالرَّحُمٰنِ بُنُ حَسَنِ الُاَسُدِیُّ، ثَنَا یُوُسُفُ بُنُ مُوُسٰی الُمَرُوَذِیُّ، ثنا اَیُّوُبُ بُنُ مُحَمَّدِ ن الُوَزَّانُ، ثنا الُوَلِیُدُ بُنُ الُوَلِیُدِ الدِّمَشُقِیُّ، ثنا ابُنُ ثَوُبَانَ عَنُ عَمُرِو بُنِ دِیُنَارٍ، عَنِ ابُنِ عُمَرَ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ : اِنَّ الُجَنَّةَ تَزَخُرَفُ لِرَمَضَانَ مِنُ رَّاُسِ الُحَوُلِ اِلَی الُحَوُلِ الُقَابِلِ، قَالَ: فَاِذَا كَانَ اَوَّلُ یَوُمٍ مِّنُ رَمَضَانَ هَبَّتُ رِیُحٌ تَحُتَ الُعَرُشِ نَشَرَتُ مِنُ وَّرَقِ الُجَنَّةِ عَلَی الُحُوُرِ الُعِیُنِ، فَیَقُلُنَ: یَارَبِّ اجُعَلُ لَّنَا مِنُ عِبَادِكَ اَزُوَاجًا تَقَرُّبِهِمُ اَعُیُنَنَا وَتَقَرُّ اَعُیُنُهُمُ بِنَا۔(۲۴)

رمضان کی آخری رات کواُمّت مُسلمہ کی مغفرت ہو جاتی ہے

۱۲۔ عَنُ اَبِیُ هُرَیُرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: یُغُفَرُ لِاُمَّتِهٖ فِیُ اٰخِرِ لَیُلَةٍ فِی رَمَضَانَ، قِیُلَ: یَا رَسُوُلَ اللّٰهِ اَهِیَ لَیُلَةُ الُقَدُرِ؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنَّ الُعَامِلَ اِنَّمَا یُوَفَّ اَجُرَهٗ اِذَا قَضٰی عَمَلَهٗ۔ (احمد)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی علیہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کی آخری رات کو میری امت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہی وہ لیلۃ القدر ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ مزدور کو اس کی مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمّل کر لیتا ہے۔''

تشریح: حضورؐ کا یہ ارشاد سُن کر کہ ''رمضان کی آخری رات میری اُمّت کی مغفرت ہو جاتی ہے'' صحابہ کرامؓ کو یہ خیال ہوا کہ شاید وہی رات لیلۃ القدر ہو اور اسی کی فضیلت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہو۔لیکن آپؐ نے فرمایا کہ ایسا لیلۃ القدر ہونے کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مزدور کو اُجرت کام مکمل ہونے پر دی جاتی ہے۔میری امت کی اُجرت یہ ہے کہ اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

امت کی مغفرت ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کی بھی مغفرت ہو جاتی ہے جو روزے نہیں رکھتے اور نہ دوسرے احکام کی پیروی کرتے ہیں بلکہ یہ مغفرت اُمّت کے اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو روزے رکھتے ہیں اور احکامِ خداوندی کی پیروی کرتے ہیں۔۔۔۔اس زمانے میں یہ بات قابلِ تصوّر ہی نہ تھی کہ کوئی شخص رسول اللہ علیہ ﷺ کی امت میں ہو کر روزہ نہ رکھے۔ اس وقت پوری کی پوری اُمّت روزہ رکھتی تھی۔ رمضان کا سارا زمانہ خدا کی عبادت میں گزارتی تھی، ہر طرح کی برائیوں سے بچتی تھی اور عام دنوں سے بڑھ کر نیکیاں کرتی تھی۔اس لیے یہاں اس اُمّت کی مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔۔ورنہ اس سے مراد وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں جن کی بے راہ روی اور سرکشی میں رمضان کی آمد پر کچھ اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔روزہ رکھنا تو ایک طرف رہا اُلٹا برسرِ عام بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں۔رمضان کی آخری رات کو ایسے لوگوں کی مغفرت ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے بلکہ اس رات تو شاید ان کے خلاف مقدمہ فوجداری (PROSECUTION CASE) مکمل ہو جاتا ہوگا۔

تخریج : حَدَّثَنَا عَبُدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِیُ اَبِیُ ثَنَا یَزِیُدُ اَنَا هِشَامُ بُنُ اَبِیُ هِشَامٍ، عَنُ مُحَمَّدِ بُنِ الُاَسُوَدِ، عَنُ اَبِیُ سَلَمَةَ بُنِ عَبُدِ الرَّحُمٰنِ، عَنُ اَبِیُ هُرَیُرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوُلُ اللّٰهِ ﷺ:

أُعطِيَتْ أُمَّتِي خَمسُ خِصَالٍ فِي رَمَضَانَ لَمْ تُعْطَهَا أُمَّةٌ قَبْلَهُمْ خُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَاللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَتَسْتَغْفِرُلَهُمُ الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى يُفْطِرُوا وَيُزَيِّنُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ كُلَّ يَوْمٍ جَنَّتَهُ ثُمَّ يَقُولُ يُوشِكُ عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ أَنْ يُلْقُوا عَنْهُمُ الْمَؤُنَةُ وَالْأَذٰى وَيَصِيرُوا إِلَيْكَ وَيُصَفَّدُ فِيهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِينِ فَلَايَخْلُصُوا إِلٰى مَاكَانُوا يَخْلُصُونَ إِلَيْهِ فِي غَيْرِهٖ وَيَغْفِرُلَهُمْ فِي اٰخِرِ لَيْلَةٍ قِيلَ: ”يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنِ الْعَامِلُ إِنَّمَا يُوَفّٰى أَجْرُهُ إِذَا قَضٰى عَمَلَهُ۔(۲۵)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رمضان المبارک میں میری امت کو پانچ ایسی چیزیں عطا کی جاتی ہیں جوان سے پہلے گزری ہوئی کسی امت کو نہیں دی گئیں۔ روزے دار کے منہ کی بساند اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ عمدہ اور پسندیدہ ہے۔ افطاری تک فرشتے ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت کو ہر روز آراستہ پیراستہ فرماتے رہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں ممکن ہے میرے صالح بندوں کو تکلیف اوراذیت پہنچی ہواور وہ تیری طرف آئیں اور سرکش شیاطین کو ہتھکڑیاں ڈال کر بند کر دیا جاتا ہے اور کہیں بھی نہیں جاسکتے۔ اور آخر رات میں ان کی بخشش فرماتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا یہی وہ لیلۃ القدر ہے؟ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: نہیں، بلکہ مزدور کواس کی مزدوری اس وقت دی جاتی ہے جب وہ اپنا کام مکمل کر لیتا ہے۔

ماٰخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب هل یقال رمضان او شهر رمضان الخ۔☆ مسند احمد ج۲،ص ۲۸۱۔ مرویات ابی هریرة ☆المصنف لعبدالرزاق، ج۴،ص۱۷۶۔ کتاب الصیام باب سلسلة الشیاطین وفضل رمضان۔

(۲) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل شهر رمضان۔☆ نسائی ج۱ کتاب الصیام باب ذکر الاختلاف علی الزهری فیه۔ ☆ المصنف لعبد الرزّاق ج۴ کتاب الصیام باب سلسلة الشیاطین وفضل رمضان۔

(۳) السنن الکبریٰ للبیهقی ج۴ کتاب الصیام باب ماروی فی کراهیة قول القائل جاء رمضان و ذهب رمضان۔☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل شهر رمضان۔ ☆ مؤطا امام مالك کتاب الصیام، جامع الصیام۔ *مؤطا نے اِذَا جَآءَ کی جگہ* اذا دخل *بیان کیا ہے۔*☆ نسائی ج۴ کتاب الصیام باب فضل شهر رمضان *نسائی نے بھی* اذا دخل شهر رمضان *سے روایت کا آغاز کیا ہے۔*☆ مسند احمد ج۲ مرویات ابی هریرة۔دارمی کتاب الصوم باب فی فضل شهررمضان اذا جاء رمضان فتحت ابواب السماء، وغلقت ابواب النار وصفدت الشیاطین۔

(۴) بخاری ج۱ کتاب بدأ الخلق باب صفة ابواب الجنة ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج۴ کتاب الصیام باب فی فضل شهر رمضان۔ وفضل الصیام علی سبیل الاختصار۔

(۵) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الریّان للصّائمین۔☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل الصیام فی سبیل الله۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج۴ کتاب الصیام☆ ترمذی ج ۱ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل الصوم۔ *ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔*☆ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی فضل الصیام۔ *ابن ماجہ اور ترمذی دونوں کی روایت کے الفاظ یکساں ہیں۔*☆ نسائی ج۴ کتاب الصیام باب فضل الصیام۔ *ترمذی، ابن ماجہ، نسائی تینوں نے آخر میں* من دخل فیه شرب ومن شَرِب لم یظمأ ابدا *بیان کیا ہے۔*

(۶) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب فضل لیلة القدر الخ ☆مسلم ج۱ کتاب صلاة المسافر وقصرها باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح۔☆ ابو داؤد ج۲ ص۴۹ کتاب الصلاة۔ باب تفریع ابواب شهر رمضان۔ باب فی قیام شهر رمضان☆ نسائی ج۴ کتاب الصیام باب ثواب من قام رمضان وصامه ایمانًا واحتسابًا۔☆ مؤطا امام مالك کتاب الصلاة فی رمضان۔ باب ماجاء فی قیام رمضان۔☆دارمی کتاب الصوم باب فی فضل قیام شهر رمضان۔☆ مسند احمد ج۲ ص ۲۴۱، روایت ابی هریرة۔

(۷) بخاری ج ۱، کتاب الایمان باب صوم رمضان احتساباً من الایمان☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی فضل شهر رمضان☆ نسائی۔ کتاب الصیام باب ثواب من قام رمضان وصامه ایماناً واحتساباً۔

(۸) بخاری ج ۱ ص ۱۰ کتاب الایمان باب تطوع قیام رمضان من الایمان۔☆ مسلم ج ۱ کتاب صلاة المسافر وقصرها باب الترغیب فی قیام رمضان۔☆ابوداؤد ج ۲ کتاب الصلوٰة باب فی قیام شهر رمضان۔

(۹) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب من صام رمضان ایماناً واحتسابا۔☆ مسلم ج ۱ کتاب صلاة المسافر وقصرها باب الترغیب فی قیام رمضان۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر۔

(۱۰) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل شهر رمضان۔

(۱۱) مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب فضل الصیام۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب فی فضل شهر رمضان۔ ☆مسند احمد ج ۲، ص ۲٦٦ مرویات ابی هریرة۔ *ترمذی نے اس روایت کو قدرے کم وبیش الفاظ کے ساتھ* ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل الصوم *کے ضمن میں نقل کر کے لکھا ہے*۔حدیث ابی هریرة حدیث حسن غریب من هذا الوجه۔☆دارمی کتاب الصوم باب فی فضل الصیام۔ *الفاظ آگے پیچھے ہیں*۔ مؤطا امام مالك کتاب الصیام باب جامع الصیام۔ *مؤطا میں یہ متن دوروایتوں میں روایت ہوا ہے*۔ ☆نسائی کتاب الصیام باب ذکر الاختلاف علی ابی صالح فی هذا الحدیث۔☆ *نسائی نے اس قسم کی کافی روایات مختلف رواۃ سے بیان کی ہیں*۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی فضل الصیام۔ ☆ *ابن ماجہ نے بھی ابوہریرہؓ سے ''مسلم'' والی روایت بیان کی ہے مگر اس میں* الی سبع مائة ضعف *کے بعد* إلی ماشاء اللّٰه *کا اضافہ ہے*۔

(۱۲) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب هل یقول انی صائم اذا شُتم۔ ☆ مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب فضل الصیام۔

(۱۳) ابوداؤد ج ۳ کتاب الصوم باب الغیبة للصائم ۔

(۱٤) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب فضل الصوم☆ مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۵ مرویات ابی هریرة۔

(۱۵) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل شهر رمضان۔☆المستدرك للحاکم ج ٤ کتاب الصوم باب اذا کان اول لیلة من رمضان الخ ☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی فضل شهر رمضان☆ *ابن ماجہ نے* ابواب النیران *کی جگہ* ابواب النار *اور* یُنَادِیْ مُنَادٍ *کی جگہ* نَادی مُنَادٍ *بیان کیا ہے*۔☆ المصنف لعبد الرزاق ج ٤ کتاب الصیام باب سلسلة الشیاطین وفضل رمضان۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب فی فضل شهر رمضان۔☆ *بیہقی نے ابن ماجہ والی روایت کا متن ہی نقل کیا ہے مگر اس میں* وذلك کل لیلة *نہیں ہے*۔☆ *نسائی نے اس روایت کو دوطرح نقل کیا ہے*۔

(۱٦) نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب فضل شهر رمضان۔ ذکر الاختلاف علی معمر فیه۔

(۱۷) نسائی ج ٤ کتاب الصیام۔ باب فضل شهر رمضان ذکر الاختلاف علی معمرفیه۔ مسند احمد ج ۲، ص ۲۳ مرویات ابی هریرة۔

(۱۸) المصنف لعبد الرزاق ج ٤ کتاب الصیام باب سلسلة الشیاطین وفضل رمضان۔

(۱۹) المصنف لعبدالرزاق ج ٤ کتاب الصیام باب سلسلة الشیاطین وفضل رمضان۔

(۲۰) مسند احمدج۲ ص ۱۷٤مرویات عبد الله بن عمرو۔☆مجمع الزوائد ج۱۰عن عبدالله بن عمرو اسناده حسن علی ضعف فی ابن لهیعة وقد وثق۔

(۲۱) ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی فضل شهر رمضان۔☆المصنف لعبد الرزاق ج٤کتاب الصیام باب سلسلة الشیاطین وفضل رمضان۔☆ مسند احمد ج۲ص ۳۸۵ ابوهریرة۔ *اس میں* فیه لیلة خیر من الف شهر من حرم خیرها فقد حرم *کے الفاظ منقول ہیں۔*

(۲۲) شعب الایمان للبیهقی ج۳عزاه السیوطی الی ابن خزیمة وقال ان صح الخبر والمصنف والاصبهانی فی الترغیب عن سلمان۔ وقال الحافظ ابن حجر فی اطرافه مداره عَلٰی عَلِیِّ بنِ زید بن جدعان وهو ضعیفٌ ویوسف بن زیاد الراوی عنه ضعیف جدًا، وتابعه ایاس بن عبد الغفار عن علی بن زید عندالبیهقی فی الشعب، قال ابن حجر: وایاس ماعرفته۔ (حاشیه ص۳۰۵) ۔

(۲۳) شعب الایمان للبیهقی ج۳ حدیث نمبر ۳٦۲۹۔☆ مشکوٰة ج۱ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث۔

(۲٤) شعب الایمان للبیهقی ج۳فضائل شهر رمضان حدیث نمبر ۳٦۳۳۔ مشکوٰة ج۱ کتاب الصوم۔ الفصل الثالث۔

(۲۵) مُسند احمد ج۲ص ۲۹۲۔مرویات اَبِی هُرَیْرَةَ۔

فصل دوم:

رؤیت ہلال

رمضان کے آغاز اور اختتام کا فیصلہ رؤیتِ ہلال پر ہے

۱۳۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاتَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تک (رمضان کا) ہلال نہ دیکھ لو روزہ رکھنا شروع نہ کرو، اور جب تک (شوال کا) ہلال نہ دیکھ لو افطار نہ کرو (روزہ رکھنا ختم نہ کرو) پھر اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند تم کو نظر نہ آئے تو اس کا اندازہ کرلو ـــ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں ـــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے۔ پس روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک کہ (رمضان کا) ہلال نہ دیکھ لو۔ پھر اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے وہ تم کو نظر نہ آئے تو (شعبان کے) تیس دن پورے کرو۔''

تشریح: اس حدیث میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ جب تک رمضان کا ہلال دیکھ نہ لو روزے رکھنے شروع نہ کرو۔ لَا تَصُوْمُوْا کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ نہ رکھو بلکہ مراد یہ ہے کہ روزہ رکھنا شروع نہ کرو، یعنی رمضان کا ہلال دیکھے بغیر رمضان کا آغاز قرار نہ دو۔ پھر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم میں ہر شخص چاند دیکھے بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ حَتّٰى تَرَوْا یعنی تم چاند دیکھ لو۔ دوسرے الفاظ میں اگر کسی بستی یا علاقے کے لوگوں نے عام طور پر چاند دیکھ لیا ہو تو پھر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص انفرادی طور پر چاند دیکھے بلکہ عام لوگوں کا اس کو دیکھ لینا ہر آدمی کے لیے حُجت ہے۔

رؤیتِ ہلال کی یہ تاکید اس لیے فرمائی گئی کہ رمضان کے آغاز کی علامت صرف رؤیت ہلال ہے۔

یہ بات نہیں ہے کہ چونکہ جنتری کے حساب سے آج شعبان ختم ہو رہا ہے اور آج رمضان کا ہلال ہونا چاہیے اس لیے اعلان کر دیا جائے کہ کل سے رمضان شروع ہو رہا ہے۔ نہیں بلکہ رمضان کے آغاز کے لیے رویتِ ہلال ضروری ہے۔

یہ جو فرمایا کہ جب تک (شوال کا) ہلال دیکھ نہ لو، افطار نہ کرو، اس سے مراد روزہ افطار کرنا نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب رمضان ختم ہو گیا اور شوال کا چاند نظر آ گیا تو اب روزے ختم ہوئے اور کل عید الفطر ہے۔ یعنی رمضان کا آغاز بھی ہلال دیکھ کر ہوتا ہے اور اس کا اختتام بھی ہلال دیکھ کر ہوتا ہے، فیصلہ رُؤیتِ ہلال پر ہے، کسی حساب پر نہیں۔

آگے چل کر فرمایا کہ مطلع صاف نہ ہونے کی بنا پر اگر چاند تم سے مخفی رہ جائے تو پھر اندازہ کرلو۔ ''اندازہ کرلو'' کا مفہوم دوسری روایت سے واضح ہوگیا ہے، اور وہ اس طرح کہ فرمایا گیا، ''مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے، پس روزہ رکھنا شروع نہ کرو جب تک ہلال نہ دیکھ لو، پھر اگر وہ تم سے چھپا رہ جائے تو ۳۰ دن پورے کرو۔'' مطلب یہ ہوا کہ اگر ۲۹ رشعبان کو چاند نظر نہ آئے تو پھر شعبان کا مہینہ ۳۰ دن کا قرار دیا جائے گا اور رمضان کا اعلان کسی حساب کی بنا پر نہیں کیا جائے گا (جیسا کہ بعض لوگوں نے ''اندازہ کرلو'' کے الفاظ سے یہ مطلب نکالنے کی کوشش کی ہے)۔ اس صورت میں رمضان کا آغاز شعبان کے ۳۰ دن پورے کرنے کے بعد ہوگا۔

تخریج ‹۱›: حَدَّثَنَا عَبۡدُ اللّٰہِ بۡنُ مَسۡلَمَۃَ، عَنۡ مَالِكٍ، عَنۡ نَافِعٍ، عَنۡ عَبۡدِاللّٰہِ بۡنِ عُمَرَ، اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ ذَکَرَ رَمَضَانَ فَقَالَ: لَاتَصُوۡمُوۡا حَتّٰی تَرَوُا الۡهِلَالَ وَلَاتُفۡطِرُوۡا حَتّٰی تَرَوۡهُ فَاِنۡ غُمَّ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡدُرُوۡا لَهٗ۔(۱)

دوسری روایت:

‹۲› حَدَّثَنَا عَبۡدُاللّٰہِ بۡنُ مَسۡلَمَۃَ، ثَنَا مَالِكٌ، عَنۡ عَبۡدِاللّٰہِ بۡنِ دِیۡنَارٍ، عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بۡنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَلشَّهۡرُ تِسۡعٌ وَّعِشۡرُوۡنَ لَیۡلَۃً فَلَاتَصُوۡمُوۡا حَتّٰی تَرَوۡهُ فَاِنۡ غُمَّ عَلَیۡکُمۡ فَاَکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ ثَلَاثِیۡنَ۔(۲)

ترمذی نے ابنِ عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے:

‹۳› عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ ﷺ لَاتَصُوۡمُوۡا قَبۡلَ رَمَضَانَ صُوۡمُوۡا لِرُؤۡیَتِهٖ وَاَفۡطِرُوۡا لِرُؤۡیَتِهٖ فَاِنۡ حَالَتۡ دُوۡنَهٗ غِیَابَۃٌ فَاَکۡمِلُوۡا ثَلَاثِیۡنَ یَوۡمًا۔(۳)

وفی الباب عن ابی هریرة و ابی بکرة وابن عمر قال ابوعیسیٰ حدیث ابن عباس حدیث حسن صحیح قد رُوی عنه من غیروجه۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان (شروع ہونے) سے پہلے روزہ نہ رکھو۔ اس کا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار کرو، ہاں اگر ابر آلودگی چاند کے نظر آنے میں رکاوٹ بن جائے تو پھر شعبان کے تیس دن پورے کرو۔

المستدرک للحاکم نے ابن عمرؓ سے ایک روایت بیان کی ہے:

‹۴› اَنَّ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ قَدۡجَعَلَ الۡاَهِلَّۃَ مَوَاقِیۡتَ فَاِذَا رَاَیۡتُمُوۡهُ فَصُوۡمُوۡا وَاِذَا رَاَیۡتُمُوۡهُ فَاَفۡطِرُوۡا فَاِنۡ غُمَّ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡدُرُوۡا لَهٗ وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ الۡاَشۡهُرَ لَاتَزِیۡدُ عَلٰی ثَلَاثِیۡنَ۔(٤)

هذا حدیث صحیح الاسناد علی شرطهما ولم یخرجاه۔

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہلال کو اوقات کی جنتری بنایا ہے لہٰذا جب تم اسے دیکھ لو تو روزے رکھنا شروع کرو اور پھر جب اختتامِ رمضان پر اسے دیکھ لو تو افطار کرو۔ پس اگر مطلع ابر آلود رہے تو اس کا اندازہ کرو اور یہ بات ذہن نشین کر لو کہ مہینہ تیس سے زائد دن کا نہیں ہوتا۔

اگر ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہ آئے تو شعبان کے تیس دن پورے کیے جائیں

۱۴ ـ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ وَافْطِرُوْا لِرُؤْیَتِهٖ فَاِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِیْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی: چاند دیکھ کر روزوں کا آغاز کرو اور چاند دیکھ کر روزے ختم کرو۔ پھر اگر چاند مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے تم سے چھپا رہ جائے تو شعبان کے تیس دن پورے کرو۔''

تشریح: اس جگہ ایک بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اسلام میں عبادات کے لیے شمسی مہینوں کو نہیں بلکہ قمری مہینوں کو اختیار کیا گیا ہے۔ یہ کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اہلِ عرب شمسی مہینوں سے واقف نہیں تھے۔ اور اُن کی سہولت کے لیے قمری مہینوں کو اختیار کر لیا گیا۔ قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عرب شمسی مہینوں کا استعمال بھی کرتے تھے۔ مشرکین عرب میں نَسی کا طریقہ رائج تھا جس کی مذمّت قرآن مجید میں کی گئی ہے اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ ....(التوبہ:۳۷) عرب میں نَسی کی دو صورتیں رائج تھیں۔ ایک صورت تو یہ تھی کہ اہلِ عرب جنگ وجدل اور غارت گری اور خون کے انتقام لینے کی خاطر کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کر کے حرام مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لیے اس میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے، تا کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے اور وہ ان زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی ہیں۔ اس طرح ۳۶ سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں میں ہوتا رہتا تھا اور سینتیسویں سال ایک مرتبہ اصل ذی الحجہ کی ۹۔۱۰ تاریخ کو ادا ہوتا تھا۔ یہی وہ بات ہے جو حجۃ الوداع کے موقع پر نبی ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمائی تھی کہ اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۲، التوبہ، حاشیہ: ۳۷)

اس سے یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اہلِ عرب شمسی مہینوں سے ناواقف نہیں تھے ـــ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے عائد کردہ فرائض کے لیے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب جن اہم مصالح کی بنا پر اختیار کیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے بندے زمانے کی تمام گردشوں میں ہر قسم کے حالات اور کیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہوں۔ مثلاً رمضان کبھی گرمی میں اور کبھی برسات میں اور کبھی سردیوں میں آتا ہے، اور اہلِ ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات میں روزے رکھ کر فرمانبرداری کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور بہترین اخلاقی تربیت بھی پاتے ہیں۔ اسی طرح حج بھی قمری حساب سے مختلف موسموں میں آتا ہے اور ان سب طرح کے اچھے اور بُرے حالات میں خدا کی رضا کے لیے سفر کر کے بندے اپنے خدا کی آزمائش میں پورے بھی اُترتے ہیں اور بندگی میں پختگی بھی حاصل کرتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۲، التوبہ، حاشیہ: ۳۷)

علاوہ بریں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ ''ایک عالمگیر دین جو سب انسانوں کے لیے ہے، آخر کس شمسی مہینے کو روزے اور حج کے لیے مقرر کرے؟ جو مہینہ بھی مقرر کیا جائے گا وہ زمین کے تمام باشندوں کے لیے یکساں سہولت کا موسم نہیں ہوسکتا۔ کہیں وہ گرمی کا زمانہ ہوگا اور کہیں سردی کا۔ کہیں وہ بارشوں کا موسم ہوگا اور کہیں خشکی کا۔ کہیں فصل کاٹنے کا موسم ہوگا اور کہیں بونے کا۔'' اس لیے یہ لازم ہے کہ ان عبادات کے زمانوں کا تعیّن کرنے کے لیے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب کو اختیار کیا جاتا تاکہ ہرخطّۂ زمین پر بسنے والے لوگ ہر موسم میں ان عبادات کی بجا آوری سے ان کے اخلاقی اور روحانی فوائد حاصل کرسکیں۔

شمسی حساب کو عبادات کی بنیاد قرار دینے کی یہ قباحت بھی بالکل واضح ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان کے لیے یا تو فلکیات اور نجوم کا علم حاصل کرنا فرض ہوجاتا، یا جنتری اس کے دین کا جز بن جاتی، جسے پاس رکھے بغیر وہ فرائضِ دینی ادا نہ کرسکتا۔ اس لیے اس کے بجائے آسمان کے اُوپر ہر ماہ جنتری کا جو بہت بڑا ورق الٹتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تاریخیں جاننے کا ذریعہ بنایا تاکہ اگر کوئی آدمی صحرا میں زندگی گزار رہا ہو یا کسی پہاڑ کی چوٹی پر اس کی کٹیا بنی ہوئی ہو تو وہ بھی اسے دیکھ کر یہ معلوم کرلے کہ اب رمضان کا چاند ہوگیا ہے اور روزے شروع ہوگئے ہیں، یا شوال کا چاند نکل آیا ہے اور کل عید الفطر ہے۔

رؤیتِ ہلال کے سلسلے میں مطلع غبار آلود یا ابر آلود ہونے کی صورت میں جو دِقت پیش آسکتی ہے اس کے متعلق یہ ہدایت کردی گئی کہ ۲۹ کو چاند نظر نہ آنے کی صورت میں مہینے کے ۳۰ دن پورے کیے جائیں۔ اس طرح اس تذبذب کو ختم کردیا گیا جو ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آسکنے کی وجہ سے دلوں میں پیدا ہوسکتا ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا آدَمُ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَوْ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ ﷺ : صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَافْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ اُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَاكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ۔(۵)

اسلامی عبادات کے لیے قمری حساب کو اختیار کرنے کی حکمت

۱۵۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لَانَكْتُبُ وَلَانَحْسِبُ، اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَعَقَدَ الْاِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ، ثُمَّ قَالَ اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِيْ تَمَامَ الثَّلَاثِيْنَ، يَعْنِيْ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِيْنَ۔ (متفق علیه)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم ایک اُمّی قوم ہیں، نہ لکھتے ہیں نہ (نجوم کا) حساب جانتے ہیں ـــ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے اور یوں ہے (آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کے اشارے سے یہ بات سمجھائی اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں کھلی رکھیں) اور تیسری مرتبہ اپنے انگوٹھے کو بند کرلیا (مراد یہ تھی کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے ـــ پھر آپؐ نے فرمایا کہ مہینہ یوں ہے اور یوں ہے اور یوں ہے، یعنی پورے ۳۰ دن کا ـــ اس طرح ایک مرتبہ حضورؐ نے یہ سمجھایا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور دوسری دفعہ یہ سمجھایا کہ مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے۔''

تشریح: اہلِ عرب کا یہ عام قاعدہ تھا کہ وہ انگلیوں سے گن کر حساب لگاتے تھے۔ یعنی اگر دس کہنا ہوتا تھا تو دونوں ہاتھ کھلی انگلیوں کے ساتھ اٹھا کر اشارے سے بیان کرتے تھے یا دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو گن کر بتاتے تھے، جیسا کہ خود ہمارے ہاں دیہات میں اَن پڑھ لوگوں کا اب بھی قاعدہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عربی زبان میں ان اعداد کے لیے الفاظ نہیں تھے بلکہ عربوں میں یہ عام طریقہ رائج چلا آ رہا تھا۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھوں کی انگلیوں سے یہ بات سمجھائی کہ مہینہ کبھی ۲۹ دن کا ہوتا ہے اور کبھی ۳۰ دن کا۔ یہ گویا آپ نے اُمّیت کی تشریح فرمائی کہ ہم پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں اور نہ ہم نجوم کا حساب جانتے ہیں کہ اس ذریعے سے مہینوں کے آغاز اور اختتام کا حساب لگاتے رہیں۔ ہمارے اندر پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد تو نہ ہونے کے برابر ہے اس وجہ سے ہمارے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم حساب کتاب کے ذریعے سے یہ طے کریں کہ کون سا مہینہ شروع ہوا ہے اور کون سا ختم ہوا ہے ___ اس طریقے سے حضورؐ نے اس چیز کی حکمت سمجھا دی کہ قمری مہینوں کے آغاز و اختتام کی علامت رؤیت ہلال کو کیوں قرار دیا گیا ہے۔

بعض لوگوں کو اس زمانے میں سائنس کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ سائنس کا زمانہ ہے۔ اس کے اندر تو بڑی آسانی کے ساتھ اس بات کی تحقیق کی جا سکتی ہے کہ چاند ہوا یا نہیں۔ مطلع پر چاند اگر موجود ہو اور فضا صاف نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آ رہا ہو تو ایسے آلات موجود ہیں جن کی مدد سے اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ خود علمِ فلکیات اور علمِ نجوم (ASTRONOMY) کے ذریعے سے بھی اس بات کا تعیّن کیا جا سکتا ہے کہ آج چاند ہو گا یا نہیں ___ لیکن یہ لوگ دراصل اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ایک عالم گیر دین کبھی مصنوعی ذرائع پر انحصار نہیں کر سکتا۔ وہ ہمیشہ انہی ذرائع پر انحصار کرے گا جو زیادہ سے زیادہ فطری ہوں اور جن پر اعتماد کر کے جدید ترین سائنسی ترقیوں سے بہرہ ور لوگ بھی اس دین پر عمل پیرا ہو سکیں، اور وہ لوگ بھی ایک سچے مسلمان کی سی زندگی بسر کر سکیں جو ان ترقیوں کے ثمرات سے محروم یا ناآشنا ہوں۔

رویتِ ہلال کے لیے سائنسی ذرائع کو اختیار کرنے کا مشورہ دینے والے حضرات کی طرف سے ایک یہ دلیل بھی پیش کی جاتی ہے کہ اس طریقے سے سب مسلمانوں کی عید (کم از کم پاکستان میں) ایک ہی دن ہو سکے گی کیونکہ عید اسلامی اتحاد کا ایک اہم نشان ہے اور رؤیتِ ہلال میں اختلاف واقع ہو جانے سے مسلمانوں کے اس اتحاد کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں کا یہ خیال بھی ہے کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی عید ایک ہی دن ہونی چاہیے۔ لیکن درحقیقت یہ فکر و نظر کی غلطی ہے۔ ایسی باتیں دین سے ناواقفیت کی بنا پر کی جاتی ہیں اور یہ باتیں زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو رمضان کے روزے تو نہیں رکھتے مگر عید کے معاملے میں اسلامی اتحاد کی اُنہیں بڑی فکر ہے۔

''جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی عید ایک دن ہونی چاہیے وہ تو بالکل ہی لغو بات کہتے ہیں، کیونکہ تمام دنیا میں رؤیتِ ہلال کا لازماً اور ہمیشہ ایک ہی دن ہونا ممکن نہیں ہے۔ رہا کسی ملک یا کسی ملک کے ایک بڑے علاقے میں سب مسلمانوں کی ایک عید ہونے کا مسئلہ تو شریعت نے اس کو بھی لازم نہیں کیا ہے۔ یہ اگر ہو سکے اور کسی ملک میں شرعی قواعد کے مطابق رویت کی شہادت اور اس کے اعلان کا انتظام کر دیا جائے تو اس کو اختیار کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، مگر شریعت کا یہ مطالبہ ہرگز نہیں ہے کہ ضرور ایسا ہی ہونا چاہیے، اور نہ شریعت کی نگاہ میں یہ کوئی برائی ہے کہ مختلف علاقوں کی عید مختلف دنوں میں ہو۔ خدا کا دین تمام انسانوں کے لیے ہے اور ہر زمانے کے لیے ہے۔ آج لوگ ریڈیو کی موجودگی کی بنا پر یہ

باتیں کررہے ہیں کہ سب کی عید ایک دن ہونی چاہیے، مگر آج سے ساٹھ ستر برس پہلے تک پورے برصغیر ہند تو درکنار، اس کے کسی ایک صوبے میں بھی یہ ممکن نہ تھا کہ ۲۹ رمضان کو عید کا چاند دیکھے جانے کی اطلاع سب مسلمانوں تک پہنچ جاتی۔ اگر شریعت نے عید کی وحدت کو لازم کر دیا ہوتا تو پچھلی صدیوں میں مسلمان اس حکم پر آخر کیسے عمل کر سکتے تھے؟ پھر آج بھی اس کو لازم کر کے عید کی یہ وحدت قائم کرنا عملاً ممکن نہیں ہے۔ مسلمان صرف بڑے شہروں اور قصبوں ہی میں نہیں رہتے، دور دراز دیہات میں بھی رہتے ہیں اور بہت سے مسلمان جنگلوں اور پہاڑوں میں بھی مقیم ہیں۔ وحدتِ عید کو ایک لازمی شرعی حکم بنانے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان ہونے کے لیے ملک میں صرف ایک ریڈیو اسٹیشن کا ہونا ہی ضروری نہ ہو، بلکہ ہر شخص کے پاس، یا ہر گھر کے لوگوں کے پاس، یا مسلمانوں کی ہر چھوٹی سے چھوٹی بستی میں ایک ریڈیو سیٹ یا ایک ٹرانزسٹر بھی ضرور ہو، ورنہ وہ اپنے شرعی فرائض ادا نہ کر سکیں گے۔ کیا یہ آلات بھی اب دین کا ایک لازمی جز قرار پائیں گے، خدا کی شریعت نے تو ایسے قواعد مقرر کیے ہیں، جن سے ہر مسلمان کے لیے ہر حالت میں دینی فرائض ادا کرنا ممکن ہوتا ہے۔ اس نے نماز کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے مقرر نہیں کیے کہ گھڑی ہر مسلمان کے لیے اس کے دین کا ایک جز بن جائے، بلکہ اُس نے سورج کے طلوع و غروب اور زوال جیسے عالمگیر مناظر کو اوقاتِ نماز کی علامت قرار دیا، جنھیں ہر شخص ہر جگہ دیکھ سکتا ہے۔ اسی طرح اُس نے روزے شروع اور ختم کرنے کے لیے بھی رمضان اور شوال کے چاند کی رؤیت کو علامت قرار دیا ہے جو عالمگیر مشاہدے کی چیز ہے اور ہر مسلمان ہر جگہ چاند دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ اب رمضان شروع ہوا اور اب ختم ہو گیا۔ اگر وہ اس کی بنیاد جنتری کے حساب کو قرار دیتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ہر مسلمان کے لیے یا تو فلکیات اور نجوم کا علم حاصل کرنا فرض ہو جاتا، یا جنتری اس کے دین کا ایک جُز بن جاتی، جسے پاس رکھے بغیر وہ فرائض دینی ادا نہ کر سکتا۔ اور اگر وہ یہ حکم دیتا کہ ایک جگہ کی رؤیت سے ساری دنیا میں یا رُوئے زمین کی ایک ایک اقلیم میں روزے شروع اور ختم کرنا فرض ہے تو خبر رسانی کے موجودہ ذرائع کی ایجاد سے پہلے تو مسلمان اس دین پر عمل کر ہی نہیں سکتے تھے، رہا ان کی ایجاد کے بعد کا دَور تو اس میں بھی مسلمانوں پر یہ مصیبت نازل ہو جاتی کہ چاہے انہیں روٹی اور کپڑا میسر ہو یا نہ ہو، مگر وہ مسلمان رہنا چاہیں تو ان کے پاس ایک ٹرانزسٹر ضرور ہو۔

(عید الفطر کس کے لیے؟ عید الفطر کی ...)

تخریج 〈۱〉: حَدَّثَنَا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا الْاَسْوَدُ بْنُ قَیْسٍ ثنا سَعِیْدُ بْنُ عَمْرٍو اَنَّهٗ سَمِعَ بْنَ عُمَرَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: اِنَّا اُمَّةٌ اُمِّیَّةٌ لَانَكْتُبُ وَلَانَحْسُبُ، الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا یَعْنِیْ مَرَّةً تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ وَمَرَّةً ثَلَاثِیْنَ۔(۶)

〈۲〉 عَنِ ابْنِ عُمَرَ یَقُوْلُ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا یَعْنِیْ ثَلَاثِیْنَ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا یَعْنِیْ تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ یَقُوْلُ مَرَّةً ثَلٰثِیْنَ وَمَرَّةً تِسْعًا وَّعِشْرِیْنَ۔(۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: مہینہ یوں ہے، یوں ہے اور یوں ہے یعنی پورے تیس دن پھر فرمایا مہینہ یوں ہے، یوں ہے، یوں ہے یعنی انتیس دن۔ ایک مرتبہ فرمایا تیس دن کا اور ایک مرتبہ فرمایا انتیس دن کا۔

رمضان اور ذوالحجہ - اجر و فضیلت کے لحاظ سے - کبھی ناقص نہیں ہوتے

۱۶ - عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: شَهْرَا عِیْدٍ لَایَنْقُصَانِ، رَمَضَانُ وَذُوالْحِجَّةِ۔

(متفق علیہ)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عید کے دو مہینے کبھی ناقص نہیں ہوتے، رمضان اور ذوالحجّہ۔''

تشریح: رمضان کو عید کا مہینہ اس لیے کہا گیا کہ اس کے فوراً بعد عید آتی ہے، گویا عید الفطر کا حقیقی تعلّق رمضان کے ساتھ ہے۔

بعض لوگوں نے حضورؐ کے اس ارشاد کا یہ مطلب لیا ہے کہ یہ دونوں مہینے کبھی بیک وقت ۲۹ دن کے نہیں ہوتے لیکن یہ ایک غیر علمی توجیہ ہے۔ رمضان اور ذوالحجّہ کے مہینے ایک سال میں ۲۹ دن کے ہو سکتے ہیں اور ہوتے ہیں۔ حدیث کا مطلب دراصل یہ ہے کہ یہ مہینے خواہ ۲۹ دن کے ہوں خواہ ۳۰ دن کے، ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر رمضان ۳۰ کے بجائے ۲۹ دن کا ہو تو اس کے روزوں کے اجر و ثواب میں کوئی کمی واقع ہو جائے گی (۲۹ روزوں کا ثواب ۳۰ روزوں سے کم ہوگا) اسی طرح ذوالحجّہ کے عشرۂ اول کی جو فضیلت اور اجر و ثواب ہے اس میں کوئی کمی اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ یہ مہینہ ۳۰ کے بجائے ۲۹ دن کا ہوا۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا مُعْتَمِرٌ، قَالَ: سَمِعْتُ اِسْحَاقَ هُوَ ابْنُ سُوَیْدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَةَ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: شَهْرَانِ لَایَنْقُصَانِ شَهْرَا عِیْدٍ رَمَضَانُ وَذُو الْحِجَّةِ۔(۸)

قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ وَقَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنْ نَقَصَ رَمَضَانُ تَمَّ ذُوالْحِجَّةِ وَاِنْ نَقَصَ ذُوالْحِجَّةِ تَمَّ رَمَضَانُ۔ وَقَالَ اَبُوالْحَسَنِ کَانَ اِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَیْهِ یَقُوْلُ لَایَنْقُصَانِ فِی الْفَضِیْلَةِ اِنْ کَانَ تِسْعَةً وَّعِشْرِیْنَ اَوْ ثَلَاثِیْنَ۔

ترجمہ: امام احمد بن حنبل نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر رمضان میں کمی واقع ہو جائے تو ذوالحجّہ پورا ہوتا ہے اور اگر ذوالحجّہ میں کمی واقع ہو جائے تو رمضان پورا ہوتا ہے۔ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں فضیلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی خواہ مہینہ اُنتیس دن کا ہو یا تیس دن کا۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو بیان کر کے لکھا ہے:

قال ابوعیسیٰ حدیث ابی بکرَةَ حدیث حسن وقد روی هذا الحدیث، عن عبدالرحمن بن ابی بکرة عن النبی ﷺ مرسلا قال احمد معنی حدیث، الحدیث:" شَهْرَا عِیْدٍ لَایَنْقُصَانِ۔ یَقُوْلُ لَایَنْقُصَانِ مَعًا فِیْ سَنَةٍ وَاحِدَةٍ شَهْرُ رَمَضَانَ وَذُوالْحِجَّةِ اِنْ نَقَصَ اَحَدُهُمَا تَمَّ الْاٰخَرُ۔(۹)

قال اسحاق معناه لاینقصان یقول وان کان تسعا وعشرین فھو تمام غیرنقصان۔ وعلی مذھب اسحاق یکون ینقص شھران معا فی سنة واحدة۔

رمضان سے ایک دن یا دو دن پہلے روزہ رکھنا ممنوع ہے

۱۷۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَایَتَقَدَّمَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا یَکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا فَلْیَصُمْ ذٰلِكَ الْیَوْمَ۔ (متفق علیه)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھے۔ اِلّا یہ کہ کوئی شخص معمولاً اس دن روزہ رکھا کرتا ہو۔ ایسا آدمی اس دن کا روزہ رکھ سکتا ہے۔''

تشریح: آگے ایک اور حدیث آرہی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت بیان ہوئی ہے کہ نصف شعبان کے بعد کوئی روزہ نہ رکھا جائے۔ اس کی دو مصلحتیں ہیں:

ایک یہ ہے کہ رمضان سے پہلے متصل زمانے میں روزے رکھنے سے آدمی کو ایسی کمزوری لاحق ہوسکتی ہے کہ اس کے لیے رمضان کے روزے پورا کرنا مشکل ہوجائے۔ جن لوگوں کو کبھی رمضان کے علاوہ نفل یا قضا روزے رکھنے کا تجربہ ہوا ہے انہیں یہ علم ہے کہ بعض اوقات رمضان کے زمانے کے دس روزوں کی بہ نسبت دوسرے زمانے کا ایک دن کا روزہ آدمی کی طاقت توڑ دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے زمانے میں چونکہ پوری قوم مل کر روزہ رکھ رہی ہوتی ہے اس لیے ایک ایک فرد کا روزہ دوسرے کے لیے مددگار ہوتا ہے۔ ان دنوں میں روزہ رکھنے کا ایک عام ماحول اور فضا پیدا ہوجاتی ہے جس کی بدولت آدمی پورے مہینے کے روزے آسانی سے رکھ لیتا ہے۔ لیکن رمضان کے ماسوا دوسرے دنوں میں ایک آدمی اکیلا ہی روزہ رکھنے والا ہوتا ہے اور اس کے گردوپیش کا سارا ماحول اس سے غیر موافق ہوتا ہے اس لیے اس کو روزہ رکھنے میں زیادہ مشقت اٹھانی پڑتی ہے جس کے نتیجے میں وہ معمول سے کہیں زیادہ کمزوری اور ضعف محسوس کرتا ہے۔ اس لیے تاکید فرمادی گئی کہ رمضان سے متصل پہلے زمانے میں کوئی شخص روزہ نہ رکھے۔

دوسری مصلحت یہ ہے کہ شریعتِ اسلامی کا مزاج فرض میں نہ کسی کمی کو برداشت کرتا ہے نہ اضافے کو۔ چونکہ رمضان کے روزے فرض ہیں اس لیے اس سے بالکل متصل پہلے روزہ رکھنے سے اس بات کا احتمال ہوسکتا ہے کہ فرض عبادت میں اضافہ ہوجائے۔ ایک شخص اپنی جگہ یہ خیال کرکے کہ مجھے رمضان کے ۳۰ دنوں کا ثواب تو ملے گا ہی، کیوں نہ ایک آدھ دن کے ثواب کا مزید اضافہ ہوجائے، اور وہ رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزے رکھنا شروع کردے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے فرض عبادت میں ایک اضافہ اپنی طرف سے تجویز کرلیا۔ یہی فعل وہ بدعت ہے جس کو گمراہی قرار دیا گیا اور اس کا انجام نارِ جہنم بتایا گیا۔ آخر اہلِ کتاب نے اور پھر خود مسلمانوں نے خدا کی شریعت میں جو اضافے کیے ہیں وہ اسی طرح تو ہوئے ہیں کہ مختلف چیزوں کو نیکیاں قرار دے کر فرائض کے ساتھ ملا لیا گیا۔ پھر ان کی اتنی فضیلتیں اپنے ذہن سے تصنیف کی گئیں اور ان کی اس قدر اشاعت اور تاکید کی گئی کہ وہ فرائض سے بھی بڑھ کر اہم قرار پائیں۔ اس طرح وہ آخر کار خدا کی

شریعت کا جُز بن گئیں، اور جُز بھی ایسا کہ جو اصل سے زیادہ اہم ہو گیا۔ اس لیے اسلامی شریعت کا مزاج یہ ہے کہ جس چیز کی جو حد مقرر کر دی گئی ہے اس میں نہ کسی کو کمی کرنے کا اختیار ہے نہ اضافہ کرنے کا۔ اگر ظہر کے چار فرض مقرر کیے گئے ہیں تو کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان کو کم کر کے تین قرار دے دے یا اضافہ کر کے پانچ رکعت ٹھہرا لے۔ بندے کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی طرف سے فرض میں اضافہ کرتا ہے تو حقیقت میں وہ عبادت نہ ہوئی بلکہ اپنی جگہ ایک قانون سازی ہوئی۔ اب جو حقیقی قانون ساز ہے اس کا مطالبہ تو یہ ہے کہ اس کے بنائے ہوئے قانون کی بے کم و کاست تعمیل کی جائے۔ اس میں کمی بیشی کرنا ایک صریح نافرمانی ہے بلکہ بعض حالات میں کفر ہے۔

نماز میں یہ چیز مسنون ہے کہ امام جب فرض نماز پڑھا کر فارغ ہو جائے تو فوراً پلٹ جائے تاکہ مزید قبلہ رُخ بیٹھے رہنا بھی نماز کا ایک حصہ نہ بن جائے۔ یہ ہدایت بھی کی گئی کہ نماز باجماعت سے فارغ ہو کر سُنّتیں منتشر ہو کر الگ الگ پڑھی جائیں اور جماعت کی ہیئت کو برقرار نہ رہنے دیا جائے تاکہ سنّتیں بھی نماز باجماعت کا حصہ نہ بن جائیں۔ اسی طرح جب روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ مقرر کر دیا گیا تو اب کسی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس کے ساتھ ملا کر کچھ اور دنوں کا روزہ بھی رکھے کیونکہ یہ چیز فرض میں اضافے کی موجب بن سکتی ہے۔

یہ جو فرمایا کہ اِلَّا یَکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمًا... یعنی جو شخص معمولاً اس دن کا روزہ رکھتا ہو اس کو ایسا کرنے کی اجازت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مہینے کی آخری تاریخوں کو نفلی روزہ رکھنے کا اہتمام کرتا ہو، یا ہفتے کا کوئی ایک دن اس نے نفلی روزے کے لیے خاص کر رکھا ہو اور وہ دن اتفاق سے رمضان سے پہلے آ پڑے تو اس کے لیے اس دن کا روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ وہ اپنے معمول کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ، ثنا هِشَامٌ، عَنْ یَحْيَ بْنِ اَبِیْ کَثِیْرٍ، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَا یَتَقَدَّ مَنَّ اَحَدُکُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ یَوْمٍ اَوْ یَوْمَیْنِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ رَجُلٌ کَانَ یَصُوْمُ صَوْمَهٗ فَلْیَصُمْ ذٰلِكَ الْیَوْمَ۔(۱۰)

نصف شعبان کے بعد روزہ رکھنا ممنوع ہے

۱۸۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا۔

(ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجه، دارمی)

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب شعبان کا مہینہ آدھا گزر چکے تو اس کے بعد روزہ نہ رکھو۔“

اس حکم کی تشریح پہلے گزر چکی ہے اور اس کی ایک استثنائی شکل بھی بیان ہو چکی ہے۔ دوسری استثنائی شکل نذر یا قضا کے روزوں کے متعلق ہے۔ اس کی توضیح اپنے مقام پر آئے گی۔

تخریج (۱): حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، ثنا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ :قَدِمَ عَبَّادُ بْنُ کَثِیْرٍ

الْمَدِیْنَة فَمَالَ اِلٰی مَجْلِسِ الْعُلَاءِ فَاَخَذَ بِیَدِہٖ فَاَقَامَہٗ ثُمَّ قَالَ : اَللّٰھُمَّ اِنْ ھٰذَا یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃَ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ : اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَاتَصُوْمُوْا ۔

فَقَالَ العلاء: اللھم ان ابی حدثنی، عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ بِذٰلِکَ۔

''علاء کا بیان ہے کہ خدا کی قسم حضرت ابو ہریرہؓ کے واسطہ سے نبی ﷺ کی یہ حدیث میرے باپ نے مجھے بیان کی ہے۔''

قَالَ اَبُوْدَاؤد: رواہ الثوری و شبل بن العلاء و ابوعمیس و زھیربن محمد عن العلاءِ۔

قَالَ اَبُوْدَاؤد: و کان عبدالرحمٰن لَایُحَدِّثُ بِہٖ۔ قُلْتُ لِاَحْمَدَ: لِمَ؟ قَالَ: لِاَنَّہٗ کَانَ عِنْدَہٗ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَصِلُ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ۔

ابوداؤد نے کہا کہ عبدالرحمٰن یہ حدیث بیان نہیں کرتے۔ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن کے پاس آپؐ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپؐ شعبان کے پورے روزے رکھتے جاتے تھے کہ رمضان کے ساتھ ملا دیتے۔

وقال: عَنِ النَّبِیِّ ﷺ خِلَافَہٗ۔ قَالَ اَبُوْدَاؤد: وَلَیْسَ ھٰذَا عِنْدِیْ خلافہ ولم یجئی بہ غیر العلاء عَنْ ابیہ۔(۱۱)

امام ترمذی نے اس روایت کے الفاظ درج ذیل نقل کیے ہیں:

﴿۲﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا بَقِیَ نَصْفٌ مِّنْ شَعْبَانَ فَلَاتَصُوْمُوْا۔ (۱۲)

قال ابوعیسی: حدیث ابی ھریرۃ حدیث حسن صحیح لانعرفہ الا من ھذا الوجہ علی ھذا اللفظ۔ ومعنی الحدیث عند بعض اھل العلم ان یکون الرجل مفطرًا فاذا بقی شئ من شعبان اخذ فی الصوم لحال شھر رمضان۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب شعبان کا نصف باقی رہ جائے تو پھر تم روزہ نہ رکھا کرو۔''

ابن ماجہ میں ہے:

﴿۳﴾ اِذَا کَانَ النِّصْفُ مِنْ شَعْبَانَ فَلَاصَوْمَ حَتّٰی یَجِیْئَ رَمَضَانُ۔(۱۳)

ترجمہ: جب شعبان کا نصف ہو جائے تو پھر رمضان کے آغاز تک اور کوئی روزہ نہیں ہے۔

دارمی میں ہے:

﴿۴﴾ اِذَا کَانَ النِّصْفُ مِنْ شَعْبَانَ فَامْسِکُوْا عَنِ الصَّوْمِ۔(۱۴)

ترجمہ : جب شعبان کا نصف ہو جائے تو تم روزہ رکھنا بند کر دو۔
دار قطنی میں ہے:

﴿۵﴾ عن ابی ہریرۃ قال ، قالَ رسول اللّٰہ ﷺ لَاصَوْمَ بَعْدَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ حَتّٰی رَمَضَانَ۔ (۱۵)

ترجمہ : نصف شعبان کے بعد رمضان کے آغاز تک کوئی روزہ نہیں ہے۔

رمضان کے لیے شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام کرنے کا حکم

۱۹ ـ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اُحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔ (ترمذی)

''حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی: رمضان کے لیے شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام کرو۔''

تشریح: یہ ہدایت اس لیے فرمائی کہ اگر شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام نہ کیا جائے تو یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ شعبان کی کون سی تاریخ ہے۔ چنانچہ رمضان کے آغاز کا فیصلہ کرنے میں بھی مشکل پیش آسکتی ہے کیونکہ اگر رمضان کی آمد پر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آیا تو اس بات کا تعین کرنا ناممکن ہو جائے گا کہ آج شعبان کی ۲۹ تاریخ ہے یا تیس۔ اگر شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام کیا گیا ہو تو ۲۹ رتاریخ کو رمضان کا ہلال نظر نہ آنے کی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کیے جائیں گے۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ آج شعبان کی ۳۰ تاریخ ہے تو چاند خواہ نظر آئے یا نہ آئے اگلے روز سے رمضان کا آغاز قرار دیا جائے گا۔ اس لیے رمضان کے آغاز کا صحیح فیصلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام کیا جائے۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ حَجَّاجٍ، نَایَحْیَ بْنُ یَحْیٰ، نا اَبُوْمُعَاوِیَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اُحْصُوْا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔

قال ابوعیسی: حدیث ابی ہریرۃ لانعرفه مثل ھذا الا من حدیث ابی معاویۃ، والصحیح ماروی عن محمد بن عمرو عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ، عن النبی ﷺ قال: لَاتَقَدَّمُوْا شَهْرَ رَمَضَانَ بِیَوْمٍ وَلَایَوْمَیْنِ۔ (١٦)

وھکذا روی عن یحیٰ بن ابی کثیر، عن ابی سلمۃ، عن ابی ہریرۃ نحو حدیث محمد بن عمرو اللیثی۔

رسول اللہ ﷺ شعبان اور رمضان کے مسلسل روزے رکھا کرتے تھے

۲۰ ـ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَارَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَصُوْمُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ اِلَّاشَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔
(ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

''حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کبھی مسلسل دو مہینے کے روزے رکھنے کا اہتمام کرتے نہیں دیکھا مگر شعبان اور رمضان کے۔''

تشریح: اس سے پہلے حضورؐ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھا جائے لیکن اس حدیث سے آپؐ کا عمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اکثر (ہمیشہ نہیں بلکہ اکثر) شعبان اور رمضان کے مسلسل روزے رکھا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ دوسروں کو اس کی اجازت نہیں تھی۔ حضورؐ کے بعض معمولات ایسے تھے جو آپ ہی کے لیے خاص تھے اور دوسروں کے لیے اس کا اتباع درست نہیں، یا کم از کم ان پر وہ لازم نہیں ہیں۔ مثلاً تہجد کی نماز حضورؐ کے لیے لازم تھی جب کہ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ دوسرے لوگ یہ نماز پڑھیں تو ان کے لیے باعثِ اجر وثواب ہے، نہ پڑھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح کچھ اور چیزیں بھی ایسی ہیں جو صرف حضورؐ ہی کی خصوصیت ہیں۔ مثلاً عام مسلمانوں پر یہ پابندی ہے کہ وہ ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے لیکن رسول اللہ ﷺ پر یہ پابندی نہیں تھی۔ خود قرآنِ مجید ہی میں آپؐ کو اس سے مستثنیٰ فرمایا گیا ہے۔ اس طرح کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حق حضورؐ کو نہیں دیا گیا جب کہ عام مسلمانوں کو وہ حاصل ہے۔ مثلاً عام مسلمانوں کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی کتابیہ سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کو اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں تھی اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ کی کچھ خصوصیات ہیں جن میں کوئی دوسرا شخص حضورؐ کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ انھی میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضورؐ شعبان کے روزے رکھا کرتے تھے جب کہ عام مسلمانوں کے لیے نصف شعبان کے بعد ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ نَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ مَنْصُوْرٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِی الْجَعْدِ، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: مَارَأَيْتُ النَّبِیَّ ﷺ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔ (۱۷)

وفی الباب عن عائشة :

قال ابوعیسی حدیث ام سلمة حدیث حسن وقد روی هذا الحدیث ایضاً عن ابی سلمة عن عائشة انها قالت ما رأیت النبی ﷺ فی شهر اکثر صیاماً منه فی شعبان کان یصومه الا قلیلا بل کان یصومه کله ...وروی عن ابن المبارك انه قال فی هذا الحدیث وهو جائز فی کلام العرب اذا صام اکثر الشهران یقال صام الشهر کله ـــ ویقال قام فلان لیلة اجمع ولعله تعشی واشتغل ببعض امره کان ابن المبارك قد رای۔ کلا الحدیثین متفقین۔ یقول انما معنی هذا الحدیث انه کان یصوم اکثر الشهر۔

ابوداؤد میں ام سلمہؓ سے مروی روایت:

⟨۲⟩ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ يَصُوْمُ مِنَ السَّنَةِ شَهْرًا تَامًّا اِلَّا شَعْبَانَ يَصِلُهٗ بِرَمَضَانَ۔ (۱۸)

ترجمہ: حضرت اُمّ سلمہؓ آپؐ کا عمل بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے سال میں سے کوئی پورے مہینے کے روزے نہیں رکھے مگر شعبان کا جسے آپؐ رمضان کے ساتھ جا ملاتے تھے۔

نسائی میں ہے:

﴿۳﴾ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: مَارَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اِلَّا اَنَّهُ كَانَ يَصِلُ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ۔(۱۹)

ترجمہ: حضرت اُمّ سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسلسل دو مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا الّا یہ کہ آپ شعبان کے روزے رکھتے رکھتے رمضان کے ساتھ جاملاتے تھے۔

ابنِ ماجہ میں ہے:

﴿۴﴾ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَؓ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصِلُ شَعْبَانَ بِرَمَضَانَ۔

ترجمہ: حضرت اُمِ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شعبان کو رمضان سے جاملاتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی روایت:

﴿۵﴾ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ حَتّٰى يَصِلَهُ بِرَمَضَانَ۔(۲۰)

دارمی میں منقول روایت:

﴿۶﴾ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَامَ شَهْرًا تَامًّا اِلَّا شَعْبَانَ، فَاِنَّهُ كَانَ يَصِلُهُ بِرَمَضَانَ لِيَكُوْنَا شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ۔ وَكَانَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ: لَا يَصُوْمُ۔(۲۱)

ترجمہ: حضرت اُمّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پورے مہینے کے (نفلی) روزے رکھتے نہیں دیکھا سوائے شعبان کے۔ آپؐ کسی ماہ روزے رکھتے جاتے تھے کہ ہم خیال کرتے تھے کہ آپؐ ختم نہیں کریں گے اور جب روزے چھوڑتے تو پھر رکھتے ہی نہ تھے کہ ہم خیال کرنے لگتے کہ آپؐ اب روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔

شک کے دن کا روزہ رکھنا جائز نہیں

۲۱۔ عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ، قَالَ: مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ۔

(ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

’’حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اس دن کا روزہ رکھا جس کے بارے میں شک ہو تو اس نے ابوالقاسم ﷺ کی نافرمانی کی۔‘‘

تشریح: یہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ ہیں۔ گویا وہ اپنے الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کی یہ ہدایت نقل فرمارہے ہیں کہ شک کے دن کا روزہ نہ رکھا جائے۔ شک کے دن سے مراد وہ دن ہے جس میں یہ بات مشکوک ہو کہ آیا آج رمضان شروع ہوگیا ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر آج شعبان کی ۲۹ تاریخ ہے اور مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا تو یہ

بات مشکوک ہوگئی کہ آیا واقعی چاند ہوا ہے یا نہیں ـــــ اب اگر کوئی شخص یہ خیال کر کے کہ ممکن ہے چاند ہو گیا ہو اگلے دن کا روزہ رکھ لے تو یہ غلط ہے کیونکہ اسی کو شک کا دن کہا گیا ہے اور اس میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادات کی بنیاد شک پر نہیں بلکہ یقین پر ہونی چاہیے۔ مثلاً بعض لوگوں کو اس امر میں شک ہوتا ہے کہ جس بستی یا علاقے میں وہ مقیم ہیں وہاں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہ جمعہ بھی پڑھ لیتے ہیں اور ظہر کے چار فرض بھی پڑھتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا جمعہ بھی مشکوک اور ظہر کے چار فرض بھی مشکوک، یہ طریقہ صحیح نہیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ جمعہ ہو جاتا ہے تو پھر صرف جمعہ پڑھیں، ظہر نہ پڑھیں۔ اگر یقین ہے کہ جمعہ نہیں ہوتا تو پھر ظہر پڑھیں، جمعہ نہ پڑھیں۔ لیکن شک کے ساتھ عبادت کرنا غلط ہے ـــــ ایسا ہی معاملہ رمضان کا ہے کہ اگر یقین ہے کہ آج رمضان شروع ہو گیا ہے تو روزہ رکھیے، اگر یقین نہیں تو پھر شک کے ساتھ روزہ رکھنا صحیح نہیں۔ اس صورت کے بارے میں پہلے یہ ہدایت گزر چکی ہے کہ ۲۹ تاریخ کو ہلال نظر نہ آنے کی صورت میں شعبان کے ۳۰ دن پورے کیے جائیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ نُمَیْرٍ، ثَنَا اَبُوْخَالِدٍ الْاَحْمَرُ، عَنْ عَمْرِوبْنِ قَیْسٍ، عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ عَنْ صِلَةَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَمَّارٍ فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ یُشَكُّ فِیْهِ فَأُتِیَ بِشَاةٍ فَتَنَحّٰی بَعْضُ الْقَوْمِ فَقَالَ عَمَّارٌ: مَنْ صَامَ هٰذَا الْیَوْمَ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ۔(۲۲)

ترجمہ: صِلَة بیان کرتے ہیں کہ ہم عمارؓ بن یاسر کے پاس اس روز بیٹھے ہوئے تھے جس میں ہلال کے نظر آنے میں شک تھا۔ اتنے میں عمار کے پاس بکری لائی گئی۔ تو کچھ ایک طرف ہٹ گئے۔ عمار نے کہا جس شخص نے اس دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم یعنی محمد ﷺ کی نافرمانی کی۔

رؤیت ہلال کی شہادت صرف مومن کی معتبر ہے

۲۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اِنِّیْ رَأَیْتُ الْهِلَالَ یَعْنِیْ هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ: اَتَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ، نَعَمْ! قَالَ: اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: یَابِلَالُ اَذِّنْ فِی النَّاسِ اَنْ یَّصُوْمُوْا غَدًا۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدّو نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے، یعنی رمضان کا چاند۔ آپؐ نے اُس سے پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے پھر پوچھا: کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو آواز دے کر کہا کہ ''اے بلالؓ، لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل سے روزہ رکھیں۔''

تشریح: یہ ایک بڑی اہم حدیث ہے جس سے بہت سے مسائل معلوم ہوتے ہیں:

پہلی بات یہ ہے کہ رؤیت ہلال کے سلسلے میں شہادت کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب مطلع صاف نہ ہو اور عام لوگ چاند نہ دیکھ سکے ہوں۔ اگر مطلع صاف ہو تو ہزاروں لاکھوں آدمی چاند کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس لیے کسی شہادت کی

ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے برعکس اگر مطلع صاف ہو لیکن ہزاروں آدمی کوشش کے باوجود اس کو نہ دیکھ سکے ہوں تو اس صورت میں اگر کوئی ایک آدمی یا چند آدمی آکر شہادت دیں کہ انہوں نے چاند دیکھ لیا ہے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی خواہ وہ کیسے ہی متقی اور پرہیز گار ہوں۔ ''آخر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ آسمان پر جو چیز نمایاں ہوا سے لاکھوں آدمی تو نہ دیکھ سکیں اور بس دو چار یا دس پانچ آدمی دیکھ لیں۔ البتہ اگر مطلع صاف نہ ہو اور بادل فضا پر چھائے ہوئے ہوں، اس صورت میں دو چار آدمی اگر یہ بیان کریں کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے تو ان کی یہ شہادت قابلِ غور ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اس بات کا امکان ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے بدلی کہیں سے ہٹی ہو اور کسی کو چاند نظر آگیا ہو۔ اس صورت میں صرف یہی دیکھنا ہوگا کہ یہ لوگ سچے ہیں یا نہیں اور خود نماز روزے کے پابند ہیں یا نہیں۔'' (خطبہ عید الفطر ص ۵، ۶)

دوسری بات یہ ہے کہ رُویت ہلال کے معاملے میں پہلے مرحلے پر شہادت درکار ہوتی ہے اور دوسرے مرحلے پر صرف خبر کافی ہو جاتی ہے۔ یعنی سب سے پہلے اس امر کی شہادت قائم ہونی چاہیے کہ چاند ایسے چند آدمیوں نے دیکھا ہے جو بھروسے کے قابل تھے۔ کسی معتبر مجلس یا کسی مفتی یا قاضی نے یہ شہادتیں لی ہوں۔ ان شہادتوں کی بنا پر جب وہ مطمئن ہو کر رؤیت ہلال کا اعلان کر دے تو اس کے بعد یہ ضروری نہیں رہتا کہ ہر آدمی یا تو خُود چاند دیکھے یا اس کے سامنے شہادتیں پیش ہوں بلکہ مجلسِ مجاز یا مفتی یا قاضی کے اعلان کی بنا پر اگر سائرن بجیں یا نقارے بجیں یا شہر میں عام چرچا ہو کہ چاند دیکھا گیا تو عام لوگوں کے لیے خبر کافی ہے۔ (خطبہ عید الفطر ص ۶، ۷)

تیسری بات یہ ہے کہ ایک آدمی کی شہادت رمضان کے چاند کے لیے ہے عید کے چاند کے لیے نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کی شہادت کو رمضان کے چاند کے بارے میں قبول فرمایا ہے۔ البتہ عید کے چاند کے بارے میں فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کم از کم دو آدمیوں کی شہادت ضروری ہے۔ اس معاملے میں صرف ایک آدمی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ رمضان کے چاند کے لیے لوگوں میں وہ بیتابی نہیں ہوتی جو عید کے چاند کے لیے ہوتی ہے اس لیے اس کے معاملے میں احتیاط کا پہلو غالب رہنا چاہیے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ شہادت دینے والے کا مومن ہونا ضروری ہے، جیسا کہ خود نبی ﷺ نے رویت ہلال کی شہادت دینے والے اعرابی کا مومن ہونا تحقیق فرمایا۔ اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ دینی معاملات میں کسی غیر مومن کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ ایک غیر مومن کو اس بات کی کیا فکر ہوسکتی ہے کہ اس کی غلط گواہی سے آپ کے کسی دینی فریضے میں کوئی خرابی واقع ہوسکتی ہے۔ اس کے برعکس ایک مومن کے لیے یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ آیا کل رمضان شروع ہو رہا ہے یا نہیں۔ یا کل عید ہے یا نہیں، کیونکہ اگر کل عید ہے تو روزہ رکھنا حرام ہے اور اگر عید نہیں ہے تو روزہ چھوڑنا حرام ہے۔ اور پھر اس صورت میں جب کہ معاملہ پوری جماعتِ مسلمین کے ایک دینی فریضے کا ہو وہ کیسے اتنی بڑی غیر ذمہ داری کا مرتکب ہوسکتا ہے کہ غلط معلومات بہم پہنچائے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس اعرابی نے اپنے مومن ہونے کا اقرار کیا تو پھر حضورؐ نے اس کے بارے میں کوئی مزید تحقیقات نہ کی کہ آیا وہ شخص فاسق وفاجر تو نہیں ہے۔ جب اس بات کا اطمینان فرما لیا کہ وہ شخص مسلمان ہے تو پھر اس کی شہادت قبول فرمالی۔ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ جب تک آدمی کا فاسق ہونا معلوم نہ ہو جائے اس وقت

تک اس کی شہادت رد نہیں کی جائے گی۔ دوسرے الفاظ میں کسی مسلمان کی شہادت اس بنا پر رد نہیں کی جائے گی کہ اس کا غیر فاسق ہونا معلوم نہیں ـــ ایک مسلمان کے بارے میں ابتدائی مفروضہ یہی ہوگا کہ وہ فاسق نہیں ہے۔اس کے غیر فاسق ہونے کی تحقیقات نہیں کرائی جائے گی۔ ہاں اگر کسی کا فاسق ہونا معلوم ہو تو پھر اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكَّارِبْنِ الدَّيَّان، ثَنَا الْوَلِيْدُ يعنى ابْنَ اَبِىْ ثَوْرٍ ح وَثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍ، ثَنَا الْحُسَيْنُ يعنى الْجُعْفِىُ عَنْ زَائِدَةَ الْمَعْنى عَنْ سَمَّاكٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: جَآءَ اَعْرَابِىٌّ اِلَى النَّبِىِّ ﷺ فَقَالَ: اِنِّىْ رَاَيْتُ الْهِلَالَ قَالَ الْحَسَنُ (فِىْ حديثه) : يعنى رَمَضَانَ، فَقَالَ: اَتَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: اَتَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: يَا بِلَالُ اَذِّنْ فِى النَّاسِ فَلْيَصُوْمُوْا غَدًا۔(٢٣)

والعمل علىٰ هذا الحديث عند اكثر اهل العلم قالوا تقبل شهادة رجل واحد فى الصيام وبه يقول ابن المبارك والشافعى واحمد وقال اسحاق لَايُصَامُ اِلَّابِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ وَلَمْ يَخْتَلِفْ اَهْلُ الْعِلْمِ فِى الْاِفْطَارِ اِنَّهٗ لَايُقْبَلُ فِيْهِ اِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ۔(٢٤)

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں۔اہلِ علم کی اکثریت اس پر عمل پیرا ہے ابن المبارک،شافعی اور امام احمد بن حنبل کا یہی مسلک ہے البتہ اسحاق نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے۔ان کے نزدیک رمضان کے چاند نظر آنے کی شہادتیں بھی دو ہی ضروری ہیں۔البتہ عید کے چاند کے لیے دو شہادتوں پر سب کا اتفاق ہے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

رؤیت ہلالِ رمضان کے لیے ایک مسلمان کی شہادت کافی ہے

٢٣۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: تَرَا أَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنِّىْ رَاَيْتُهٗ فَصَامَ وَاَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهٖ۔ (ابو داؤد، دارمی)

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ لوگ (اکٹھے ہو کر رمضان کا) چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پس میں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے۔اس پر حضورؐ نے روزہ رکھنے کا فیصلہ فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رمضان کے روزے رکھنا شروع کر دیں۔''

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں چونکہ یہ معلوم تھا کہ وہ مسلمان ہیں اور صحابی ہیں اس لیے ان سے یہ نہیں پوچھا گیا کہ کیا تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں۔بس ان کی شہادت پر رمضان کے روزوں کا فیصلہ کیا گیا۔اس حدیث سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں رؤیت ہلالِ رمضان کے لیے ایک آدمی کی شہادت کافی ہے۔ تَرَاءٰ ی النَّاسُ الْهِلَالَ کے الفاظ سے خود یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ چاند دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن مطلع صاف نہ ہونے کی بنا پر چاند نظر نہیں آ رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو وہ نظر آ گیا اس لیے انہوں نے آ کر حضورؐ کے سامنے شہادت دی کہ میں نے چاند دیکھ لیا ہے، چنانچہ آپؐ نے ان کی خبر پر آغازِ صومِ رمضان کا فیصلہ فرمایا۔

اس امر میں تو عام طور پر اتفاق ہے کہ ہلال رمضان کے لیے ایک آدمی کی شہادت بھی قابلِ قبول ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ صرف ایک آدمی کی شہادت، کن حالات میں قبول کی جائے گی۔ بعض فقہاء کے نزدیک رمضان کے چاند کے معاملے میں ایک ہی آدمی کی شہادت ہر حالت میں معتبر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ بھی ایک آدمی کی شہادت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس صورت میں جب کہ مطلع صاف نہ ہو۔ اگر مطلع صاف ہو تو پھر ان کے نزدیک ایک آدمی کی شہادت کافی نہیں بلکہ اس صورت میں بہت سے لوگوں کا رویتِ ہلال کی گواہی دینا ضروری ہے ـــ اور امام مالکؒ اور بعض دوسرے فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ رمضان کے چاند کے لیے کم از کم دو قابلِ اعتبار آدمیوں کی شہادت ضروری ہے، لیکن پیش نظر حدیث ان کے مسلک کے خلاف جاتی ہے۔ البتہ بعض دوسری احادیث سے ان کے مسلک کو تقویت پہنچتی ہے، اگرچہ ان سے بھی یہ قطعی حکم نہیں نکلتا کہ ایک آدمی کی شہادت معتبر نہیں ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ وَعَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السَّمَرْقَنْدِیُّ وَاَنَا لِحَدِیْثِهِ اَتْقَنُ قَالَا: ثَنَا مَرْوَانُ۔ هُوَ ابْنُ مُحَمَّدٍ۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ یَحْیَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَالِمٍ، عَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ اَبِیْهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: تَرَاءَ ی النَّاسُ الْهِلَالَ فَاَخْبَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَنِّیْ رَاَیْتُهٗ فَصَامَهٗ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِیَامِهٖ۔(۲۵)

حضورؐ شعبان کی تاریخیں معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے

۲۴۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهٖ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ۔ (ابوداؤد)

’’حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے مہینوں کی بہ نسبت شعبان کی زیادہ حفاظت کرتے تھے (اس کی تاریخوں کو معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے) پھر رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے تھے۔ اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آتا تھا تو شعبان کے ۳۰ دن شمار کر کے روزہ رکھنا شروع کرتے تھے۔‘‘

تشریح: پہلے ایک حدیث میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا تھا کہ شعبان کا ہلال دیکھنے کا اہتمام کرو، اب یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ کا یہ عمل بیان فرمایا ہے کہ حضورؐ دوسرے مہینوں کے چاند دیکھنے اور ان کی تاریخوں کو یاد رکھنے کا اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا شعبان کے معاملے میں فرماتے تھے، تاکہ اس کی تاریخوں کا ٹھیک ٹھیک حساب معلوم رہے۔ فرض کیجیے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے شعبان کا چاند رجب کی ۲۹ تاریخ کو نظر نہ آیا ہو تو مہینہ بھر کے دوران میں تحقیق کر کے اس بات کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ اس روز چاند نکلا تھا یا نہیں۔ چنانچہ حضورؐ کے زمانے میں شعبان کی تاریخیں محفوظ کرنے کا اہتمام کیا جاتا تھا تاکہ ہلالِ رمضان کی تلاش کرتے وقت یہ یقینی طور پر معلوم رہے کہ آج شعبان کی ۲۹ تاریخ ہے یا تیس۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، حَدَّثَنِیْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیّ، حَدَّثَنِیْ مُعَاوِیَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا تَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ

يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَايَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهِ ثُمَّ يَصُوْمُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ، فَاِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ۔(٢٦)

ایک مہینے کی مُدّت دوسرے مہینے کا ہلال نظر آنے تک ہے

٢٥ ۔ عَنْ اَبِى الْبَخْتَرِيِّ، قَالَ: خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ تَرَائَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: هُوَابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَلَقِيْنَا بْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَ ابْنُ لَيْلَتَيْنِ، فَقَالَ اَىَّ لَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ قُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا، فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَدَّهٗ لِلرُّؤْيَةِ فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ ـــ وَفِى رِوَايَةٍ عَنْهُ ـــ قَالَ اَهْلَلْنَا رَمَضَانَ وَنَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَاَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلَى بْنِ عَبَّاسٍ يَسْئَلُهٗ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَمَدَّهٗ لِرُؤْيَتِهٖ فَاِنْ اُغْمِىَ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ۔ (مسلم)

"حضرت ابوالبختری بیان کرتے ہیں کہ ہم عمرے کے لیے (اپنے شہر سے) نکلے (راستے میں) جب ہم بطنِ نخلہ[1] کے مقام پر ٹھہرے تو ہم نے جمع ہو کر چاند دیکھنے کی کوشش کی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ تیسری رات کا چاند ہے اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ دوسری رات کا چاند ہے۔ پھر ہم (مکہ پہنچ کر) حضرت عبداللہ بنؓ عباس سے ملے اور ہم نے ان سے بیان کیا کہ ہم نے ہلال دیکھا ہے اور ہم میں سے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ تیسری رات کا چاند تھا اور کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دوسری رات کا چاند تھا۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے دریافت کیا کہ تم نے کس رات کو چاند دیکھا تھا۔ ہم نے انہیں بتایا کہ فلاں فلاں رات کو دیکھا تھا۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مہینے کی مدت (اگلے مہینے کے) چاند کی رویت تک قرار دی ہے۔ پس وہ چاند اسی رات کا تھا جس رات تم نے اسے دیکھا تھا ـــ حضرت ابوالبختری سے ایک اور روایت مروی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رمضان کا ہلال دیکھا جب کہ ہم ذاتِ عرق[2] کے مقام پر تھے۔ ہم نے ایک شخص کو حضرت عبداللہؓ بن عباس کے پاس بھیجا تا کہ وہ (اختلافِ مذکور کے بارے میں) ان سے سوال کرے۔ اس پر حضرت ابنِ عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مہینے کے امتداد کو ہلال کی رویت تک رکھا ہے۔ پس اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند تمہیں نظر نہ آئے تو پھر (مہینے کے دنوں کی) تعداد (۳۰ تک) پوری کرو۔"

تشریح: حضرت ابوالبختریؒ ایک تابعی ہیں اور یہ واقعہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد کے دَور کا بیان کیا ہے۔

اگر مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے رؤیت ہلال کے بارے میں فیصلہ نہ ہو سکا ہو اور پھر اگلے روز یا اس سے اگلے روز چاند دیکھنے کے بعد لوگوں میں یہ بحث چھڑ جائے کہ آج چاند دوسری شب کا ہے یا تیسری شب کا تو ظاہر بات ہے اس سے دلوں میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہوں گے۔ اس لیے حضرت عبداللہؓ بن عباس نے اس کا تدارک کرنے کے لیے اس بات کی وضاحت فرما دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مہینے کی مدت کا مدار رویتِ ہلال پر رکھا ہے اور دوسری روایت میں ہے

---

[1] مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام۔
[2] بطنِ نخلہ کے قریب ایک جگہ۔ (مرتب)

کہ اللہ تعالیٰ نے مہینے کے امتداد کو رویتِ ہلال تک رکھا ہے۔ یعنی ایک مہینہ دوسرے مہینے کا چاند دیکھ کر ختم ہوتا ہے اور اگر ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہ آئے تو پھر مہینے کے دنوں کی تعداد ۳۰ تک پوری کی جائے۔ محض چاند کی جسامت وغیرہ کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کون سی تاریخ کا چاند ہے سراسر خود کو شک میں مبتلا کرنے والی بات ہے، بس رویت پر اپنے فیصلے کا مدار رکھو، خواہ مخواہ کے قیاسات پر فیصلہ نہ کرو اور بلاوجہ اپنے لیے مشکلات پیدا کرنے سے احتراز کرو۔

تخریج : حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرِ بْنُ شَیْبَۃَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَیْلٍ، عَنْ حُصَیْنٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّۃَ عَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیِّ قَالَ: خَرَجْنَا لِلْعُمْرَۃِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَۃَ تَرَائَیْنَا الْھِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ ھُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ ھُوَابْنُ لَیْلَتَیْنِ فَلَقِیْنَا بْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَأَیْنَا الْھِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ ھُوَا بْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ ھُوَا بْنُ لَیْلَتَیْنِ فَقَالَ اَیَّ لَیْلَۃٍ رَأَیْتُمُوْہُ قُلْنَا لَیْلَۃَ کَذَا وَ کَذَا، فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَدَّہٗ لِلرُّؤْیَۃِ فَھُوَ لِلَیْلَۃٍ رَأَیْتُمُوْہُ ـــ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ ـــ قَالَ اَھْلَلْنَا رَمَضَانَ وَنَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَاَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلٰی بْنِ عَبَّاسٍ یَسْئَلُہٗ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ اَمَدَّہٗ لِرُؤْیَتِہٖ فَاِنْ اُغْمِیَ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوا الْعِدَّۃَ۔(۲۷)

ماٰخذ

(۱) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ اذا رأیتم الهلال فصوموا الخ ☆مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب الصوم لرؤیة الهلال۔☆ نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب ذکر الاختلاف علیٰ عبیدالله بن عمر فی هذا الحدیث۔☆دارمی کتاب الصوم باب رؤیة الهلال۔☆ مؤطا امام مالك کتاب الصیام باب ماجاء فی رؤیة الهلال للصوم والفطر فی رمضان۔☆مُسندِ احمد ج ۱ ص ۲۲۱ ج ۲ ص ٦۳،٥ ☆المصنف کتاب الصیام ج ٤ باب الصیام۔

(۲) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ اذا رأیتم الهلال فصوموا واذا رایتموه فافطروا وقال صِلَةُ، عن عَمَّار مَنْ صام یوم الشك فقد عصیٰ ابا القاسم صلی الله علیه وسلم۔☆ مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب وجوب صومِ رمضان لرؤیة الهلال۔☆مؤطا امام مالك حواله متذکره بالا۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب الصوم لرؤیة الهلال۔

(۳) ترمذی ج ۱ کتاب الصوم باب ماجاء ان الصوم لرؤیة الهلال والافطار له۔☆نسائی کتاب الصیام۔ ☆ابوداؤد کتاب الصوم باب من قال فان غمّ علیکم فصوموا ثلاثین۔☆ دارمی کتاب الصوم۔ باب الصوم لرؤیة الهلال۔ ☆مؤطا امام مالك۔ کتاب الصیام باب ماجاءَ فی رؤیة الهلال۔

(٤) المستدرك للحاکم ج ۱ کتاب الصوم باب قبول شهادة الواحد علی رؤیة هلال رمضان۔☆ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی صوموا لرُؤیته وافطروا لرؤیته۔

(٥) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ اذا رأیتم فصوموا واذا رأیتموه فافطروا الخ۔

☆مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب وجوب صوم رمضان لرؤیة الهلال الخ۔☆ ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء لاتقدموا الشهر بصوم۔☆ نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب ذکر الاختلاف علی عمروبن دینار فی حدیث ابن عباس فیه۔☆دارمی کتاب الصوم باب الصوم لرؤیة الهلال۔☆مُسندِ احمد ج ۲ ص ۲٦۳ مرویات ابی هریره۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب الصیام لرؤیة الهلال۔

(٦) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب قول النبی صلی الله علیه وسلم لانکتب ولانحسب۔☆مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب وجوب صوم رمضان لرؤیة الهلال۔☆ ابوداؤد ج ۲ کتاب الصوم باب الشهر یکون تسعا وعشرین۔☆نسائی ج ٤ کتاب الصیام ذکر الاختلاف علی یحیٰ بن ابی کثیر فی خبر ابی سلمة فیه☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ باب

الشھر یخرج تسعاو عشرین فیکمل صیامھم۔

(۷) بخاری کتاب الطلاق باب اللعان الخ☆ مُسندِ احمد ج۲ ص ۵۲ ابن عمر۔

(۸) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب شھرا عید لاینقصان۔☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب بیان معنی قولہ ﷺ: شھرا عید لا ینقصان۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب الشھر یکون تسعاً وعشرین۔☆ابنِ ماجہ کتاب الصیام باب ماجاء فی شھری عید۔☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج۴ کتاب الصیام باب الشھر یخرج تسعاو عشرین فیکمل صیامھم۔

(۹) ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء شھرا عید لاینقصان۔

(۱۰) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب لایتقد من رمضان بصوم یومٍ ولایومین۔☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب وجوب صوم رمضان لرُؤْیة الھلال والفطر۔☆ ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء لاتتقدموا الشھر بصوم۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب من قال فان غُمّ علیکم فصوموا ثلاثین۔☆ نسائی ج۴ کتاب الصیام باب التقدم قبل شھر رمضان۔☆ابن ماجہ کتاب الصیام باب ماجاء فی النھی ان یتقدم رمضان بصومِ الا من صام صومًا فوافقہ۔☆مُسندِ احمدج۲ ص ۲۳۴، ۳۴۷، ۴۰۸، ۴۷۷ وغیرہ☆دارمی کتاب الصوم باب النھی عن التقدم فی الصیام قبل الرُّؤْیۃ۔☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج۴ کتاب الصیام باب النھی عن استقبال شھر رمضان۔☆دار قطنی کتاب الصیام ج۲۔☆مسنداحمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے لاتقدموا الشھر بصیام یوم ولایومین الا ان یکون شیء یصومہ احدکم نقل کیا ہے۔

(۱۱) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی کراھیة ذٰلک۔ السنن الکبریٰ للبَیْھَقِی ج۴ کتاب الصیام باب الخبر الذی ورد فی النھی عن الصیام اذا انتصف شعبان، کے تحت یہی روایت نقل کر کے لکھتے ہیں۔رواہ ابو داؤد، عن قتیبة ثم قال ابو داؤد وقال احمد بن حنبل ھذا حدیث منکر قال وکان عبدالرحمٰن لایحدث بہ۔

(۱۲) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی کراھیة الصوم فی النصف الباقی من شعبان لحال رمضان۔

(۱۳) ابنِ ماجہ کتاب الصیام باب ماجاء فی النھی ان یتقدّم رمضان بصوم الا من صام صوما فوافقہٗ۔

(۱۴) دارمی کتاب الصوم باب النھی عن الصوم بعد انتصاف شعبان۔

(۱۵) دارقطنی کتاب الصیام ج۲۔

(۱۶) ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء فی احصاء ھلال شعبان لرمضان۔☆ المستدرک للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب احصوا ھلال شعبان لرمضان صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجاہ۔

(۱۷) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان۔

(۱۸) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فیمن یصل شعبان برمضان۔

(۱۹) نسائی ج۴ کتاب الصیام باب ذکر حدیث ابی سلمة فی ذٰلک۔

(۲۰) ابن ماجہ کتاب الصوم باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان۔☆ المستدرک للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب صوم شعبان۔

(۲۱) دارمی کتاب الصوم باب وصال شعبان برمضان۔

(۲۲) ابو داؤد ج۲ کتاب الصوم باب کراھیة صوم یوم الشك۔☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی کراھیة صوم یوم الشك۔ ترمذی میں بشاة فصلیّة کا اضافہ بھی مروی ہے۔ نسائی اور دارمی نے مَنْ صَامَ الیومَ الَّذی یشكُّ فِیهِ فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ ﷺ نقل کیا ہے۔☆نسائی کتاب الصیام باب صیام یوم الشك۔☆ دارمی کتاب الصوم باب النھی عن صیام یوم الشك۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب.ماجاء فی صیام یوم الشكّ۔☆ دارقطنی کتاب الصیام ج۲☆ المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب من صام یوم الشك۔☆ ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ۔

(۲۳) ابو داؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی شھادة الواحد علی رویة ھلال رمضان۔☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج٤ کتاب الصیام باب الشھادة علی رؤیة ھلال رمضان۔☆ دارمی کتاب الصوم باب الشھادة علیٰ رؤیة ھلال رمضان۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الصوم بالشھادة۔

(۲٤) نسائی ج٤ کتاب الصیام باب قبول شھادة رجل واحد علی ھلال شھررمضان۔☆ابنِ ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الشھادة علی رؤیة الھلال۔☆مسندِ احمد ج۳ ص ۱۱☆دارقطنی کتاب الصیام ج۲☆المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب من صام یوم الشك۔☆المصنف ج٤ کتاب الصیام۔

(۲۵) ابو داؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی شھادة الواحد علی رؤیة ھلال رمضان۔☆دارمی کتاب الصوم باب الشھادة علی رؤیة ھلال رمضان۔☆ المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب قبول شھادة الواحد علی رؤیة ھلال رمضان۔ ☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج٤ کتاب الصیام باب الشھادة علی رؤیة ھلال رمضان۔☆المصنف ج٤ کتاب الصیام۔

(۲٦) ابو داؤد ج۲ کتاب الصوم باب اذا اغمی الشھر۔☆ دارقطنی ج۲ کتاب الصیام۔☆المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب قبول شھادة الواحد علی رویة ھلال رمضان۔

(۲۷) مسلم ج۱ کتاب الصوم باب ان لکل بلدٍ رؤیتھم۔

فصل سوم:

سحری کا اہتمام

سحری کرنے میں برکت ہے

۲۶ ـ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَکَةٌ۔ (متفق علیہ)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سحری کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

تشریح: اسلام کی مقرر کردہ عبادات اور دوسرے مذاہب کی عبادات میں ایک اصولی فرق ہے اور اس فرق کی وجہ سے ان کے فوائد میں فرق واقع ہوا ہے۔

وہ اصولی فرق یہ ہے کہ دوسرے مذاہب میں عبادات کے پیچھے یہ تصوّر کارفرما ہے کہ آدمی کا اپنے بدن کو تکلیف میں مبتلا کرنا اس کی روحانی ترقی اور اللہ سے قرب کا ذریعہ بنتا ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک بھوکا مرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہ آدمی کو اس کے قریب کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے اس تصوّر کے مطابق متعدد ایسے ہی دوسرے کام کرتے ہیں مثلاً کوئی کسی کنوئیں کے اندر اُلٹا لٹک رہا ہے۔ کوئی کہیں بھٹ کے اندر زندگی گزار رہا ہے اور طرح طرح کے جانور اس کو کاٹ رہے ہیں۔ یہ اور ایسی ہی دوسری بہت سی اذیتیں تقربِ خداوندی کے خواہش مند خود اپنے آپ کو پہنچاتے ہیں۔ گویا ان کے نزدیک آدمی کا اپنے جسم کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا اللہ تعالیٰ کو اس بات کا یقین دلانے کا ذریعہ ہے کہ یہ بندہ تیری محبت اور عشق میں ایسا مبتلا ہے کہ اپنے آپ کو مارے دے رہا ہے ـــ لیکن اسلامی تصوّرِ عبادات کی رُو سے یہ تصوّرات سراسر جہالت پر مبنی ہیں۔

اسلامی عبادات کا مقصد ـــ تربیت وتزکیۂ نفس

اس کے برعکس اسلام کی عبادات حقیقت میں آدمی کی تربیت کے لیے مقرر کی گئی ہیں اور اس تربیت کے ذریعے یہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے قریب لے جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہی روزہ ہے۔ روزے میں اصل چیز یہ نہیں ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے آپ کو بھوک پیاس میں مبتلا کیا، اور آپ کی اس تکلیف سے، معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو کوئی خوشی ہوئی بلکہ اصل چیز یہ ہے کہ آپ نے روزہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کی اطاعت کی اور اس کی فرمانبرداری کا عملی مظاہرہ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ ایک خاص وقت تک تم کھاپی سکتے ہو اس کے بعد کچھ نہیں کھا سکتے تو جس وقت تک اس نے اجازت دی آپ نے اس اس وقت تک کھایا پیا، اس کے بعد رک گئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں اور اس کے نافرمان

نہیں ہیں۔ پھر جس وقت تک وہ کہتا ہے کہ آپ نہ کھائیں، آپ نہیں کھاتے پیتے۔ چاہے بھوک اور پیاس نے آپ کو کیسا ہی نڈھال کر رکھا ہو۔ اس طرح آپ کا ایک خاص وقت تک اپنے آپ کو کھانے پینے سے روکے رکھنا یہی معنی تو رکھتا ہے کہ آپ اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔ آپ کی یہی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور یہی فرمانبرداری درحقیقت عبادات کا حاصل ہے ورنہ محض آپ کو تکلیف دینا اللہ تعالیٰ کا مقصود نہیں ـــ پھر جس وقت اللہ تعالیٰ آپ کو اجازت دے دیتا ہے کہ اب تم کھاؤ پیو اس وقت اگر آپ بے نیازی برتتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہم تو اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں یہ دعویٰ لے کر آتے ہیں کہ ہمیں تو اپنے اوپر اتنا قابو ہے کہ (معاذ اللہ) آپ کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ دیکھیے ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ ہم اپنے اوپر کتنا قابو رکھتے ہیں ـــ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ وہ سزا دیتا ہے جو اس نے عیسائی راہبوں کو دی۔

اسلام میں عبادات کا تصوّر یکسر مختلف ہے

یہاں تو یہ صورت ہے کہ جس وقت آپ کو اجازت دی گئی ہے اس وقت آپ کا یہ فرض ہے کہ اس اجازت سے فائدہ اٹھائیں۔ آپ کا رب اُس بات سے خوش ہوتا ہے کہ آپ اس کی دی ہوئی اجازتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ آپ سے ناراض صرف اس وقت ہوتا ہے جب آپ اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کریں۔ جس جگہ اس کی طرف سے ممانعت ہے وہاں اگر آپ اس کے احکام کی خلاف ورزی کریں تو یہ بات اس کی ناراضی کی موجب بنتی ہے۔ لیکن یہ بات اس کی ناراضی کا سبب نہیں بنتی کہ آپ نے اس کی اجازت کے وقت اچھا کھانا کیوں کھایا ـــ اچھے کھانے بھی تو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیے ہیں اور آپ ہی کے لیے پیدا کیے ہیں۔ آپ اس کی نعمتوں سے متمتع ہوں تو وہ آخر آپ سے کیوں ناراض ہوگا ـــ چنانچہ جس وقت وہ کہتا ہے کہ بھوکے رہو تو اس وقت بھوکے رہیے اور جس وقت وہ کہتا ہے کہ کھاؤ تو اس وقت کھائیے ـــ اسی تصور سے ہمارے روزوں میں اور دوسرے مذاہب والوں کے روزوں میں فرق واقع ہو جاتا ہے اور یہ فرق آغاز اور انجام دونوں جگہوں پر پایا جاتا ہے۔

اہل کتاب کے روزوں میں سحری کرنا نہیں تھا۔ ان کا روزہ سورج غروب ہونے کے بعد شروع ہوتا تھا اور وہ رات ہی کو کھا پی کر فارغ ہو جاتے تھے۔ پھر وہ روزہ دوسرے دن کے سورج کے غروب ہونے تک چلتا تھا۔ لیکن ان کے اندر جو لوگ زیادہ ''زہد و تقویٰ'' برتنے والے تھے وہ دوسرے دن کا روزہ کھولتے ہی اگلا روزہ شروع کر دیتے تھے، اور کوئی اللہ کا بندہ ایسا بھی ہوتا تھا جو مثلاً مٹر کے ایک دانے سے روزہ کھول لیتا اور دوسرا روزہ شروع کر لیتا۔ پھر ان میں بعض ایسے باکمال تھے جو دوسرے دن کا روزہ بھی نہیں کھولتے تھے اور اگلا روزہ شروع کر لیتے تھے۔ اسی طرح تین تین چار چار دن کا روزہ رکھتے تھے۔ گویا جو جتنا بڑا راہب ہوتا تھا یا جس کو اپنے ذوقِ تقویٰ کا کوئی خاص بڑا کمال دکھانا ہوتا تھا وہ اتنا ہی لمبا چوڑا روزہ رکھتا تھا۔

سحری کھانے میں کیا برکت ہے؟

اس حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''سحری کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے'' ـــ سحری کھانے میں

برکت یہ ہے کہ اس سے آپ کو اللہ کے حکم کی بجا آوری میں سہولت ہوتی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ فجر کے وقت سے روزہ شروع کرو اور غروبِ آفتاب کے وقت ختم کرو۔ اب جس وقت سے روزہ شروع ہوتا ہے اس سے پہلے اگر آپ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی اجازت سے فائدہ اٹھا کر کھاپی لیتے ہیں تو وہ کھایا پیا دن بھر آپ کے کام آئے گا۔ لیکن اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو اس سے لازماً آپ کو کمزوری لاحق ہوگی۔ اب چونکہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ یہ روزے مہینہ بھر رکھے جائیں، اور ہوسکتا ہے کہ اس طرح کسی آدمی کی طاقت اور ہمت یہ مدت پوری کرنے سے پہلے ہی جواب دے جائے اس لیے نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کے قابل نہیں رہے گا۔ اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے سحری کھانے کی تاکید فرمائی کہ جس وقت کھانے پینے کی تمہیں اجازت ہے اس وقت تم کھاؤ تاکہ جس وقت تمہیں کھانے پینے کی اجازت نہ ہوگی اس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کی طاقت حاصل رہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ صُهَیْبٍ، قَالَ: سَمِعْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔(۱)

اہلِ کتاب اور مسلمانوں کے روزوں میں فرق

۲۷۔ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَصْلُ مَابَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَةُ السَّحَرِ۔ (مسلم)

''حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق ہے سحری کا لقمہ، (یا سحری کا کھانا)۔''

تشریح: چونکہ اہلِ کتاب کا روزہ سحری کے بغیر ہوتا ہے اور ہمارا روزہ سحری کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہی بات ہمارے اور ان کے روزے میں فرق کرتی ہے۔ ان کا تصور یہ ہے کہ روزہ خود کو تکلیف دینے کے لیے ہے جب کہ ہمارا تصور یہ ہے کہ روزہ حکم بجالانے کی عادت ڈالنے کے لیے ہے۔ ہم فرمانبرداری کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے ہیں اور وہ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ایسی ایسی تکلیفیں اٹھاتے ہیں جن کے اٹھانے کا حکم خدا نے نہیں دیا ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، حَدَّثَنَا لَیْثٌ، عَنْ مُوْسَی بْنِ عَلِیٍّ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ اَبِیْ قَیْسٍ مَوْلٰی عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ :فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَكْلَةُ السَّحَرِ۔

جلدی افطار کرنے میں بھلائی ہے

۲۸۔ عَنْ سَهْلٍ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ ۔ (متفق علیہ)

''حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک کہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے۔''

تشریح: یہود کا یہ دستور تھا کہ روزہ اس وقت کھولتے تھے جب آسمان پر ستارے چھٹک آتے تھے اور اس میں بھی جو آدمی جتنی زیادہ دیر کرتا تھا وہ اتنا ہی زیادہ متقی اور زاہد و پرہیز گار مانا جاتا تھا۔ یہ گویا ان کے نزدیک اس بات کی علامت تھی کہ یہ شخص کھانے کے لیے مطلق بے تاب نہیں تھا اور دیکھو کیسا ضبطِ نفس ہے کہ روزہ کھولنے کا وقت ہو بھی گیا ہے لیکن پھر بھی نہیں کھول رہا ہے۔ اسلام میں اس طرح کے نمائشی تقویٰ کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تصوّر یہ ہے کہ جو وقت اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیا ہے اس وقت تک تو آپ اس طرح رُکے رہیں کہ جیسے کسی نے آپ کو باندھ رکھا تھا۔ لیکن جونہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت مل جائے آپ اسی وقت اس چیز کی طرف دوڑیں جس سے اب تک رُکے ہوئے تھے، اور اس سے فائدہ اٹھانے میں جلدی کریں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بندہ اس کے حکم کی وجہ سے رُکا ہوا تھا۔ اگر اس کا حکم رکنے کا نہ ہوتا تو یہ نہ رُکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے پابند کر رکھا تھا اس لیے اس نے اپنی خواہشات اور اپنی بھوک پیاس ہر چیز پر پابندی لگا رکھی تھی لیکن جونہی اس پر سے پابندی ہٹالی گئی وہ پوری آزادی سے کھانے پینے لگا اور اپنی دوسری ضروریات پوری کرنے لگا۔ چونکہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگ خیر پر رہیں گے جب تک کہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے ـــــ اس سے یہ تنبیہ بھی مقصود تھی کہ اگر لوگوں نے افطار میں دیرلگانی شروع کردی تو ان کو وہ بیماری لگنی شروع ہو جائے گی جس میں اہل کتاب مبتلا تھے۔

اسلام برائی کو مقامِ آغاز سے روکتا ہے

قرآن مجید اور احادیث کا گہرا مطالعہ کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس معاملے میں اسلام کا مزاج یہ ہے کہ اگر کوئی خطرناک چیز کافی فاصلے پر ہو تو مومن کو چاہیے کہ اس کی جانب محض اس خیال سے نہ بڑھتا چلا جائے کہ اس کے قریب پہنچ کر تو میں رُک ہی جاؤں گا ـــــ اس کے برعکس اسلام تو خطرے کی سڑک جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں سے آپ کو روکتا ہے اور ایک قدم بھی اس کی طرف بڑھانے کو پسند نہیں کرتا۔ اَب چونکہ اسلام رہبانیت کو سخت ناپسند کرتا ہے اور روزے کے معاملے میں یہ بیماری اس مقام سے لگتی ہے کہ روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا ہو لیکن آپ محض اس لیے تاخیر کریں کہ اس تاخیر کے ذریعے سے جتنی زیادہ دیر آپ اپنے جسم کو تکلیف دیں گے خدا اتنا ہی زیادہ آپ سے خوش ہوگا۔ اس لیے اس معاملے میں تنبیہ کردی گئی کہ اگر تم نے ایسا کیا تو یہ چیز تمھیں خیر سے محروم کردے گی اور اللہ کی خوشنودی کے بجائے الٹی اس کی ناراضی کی موجب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی حقیقی خوشنودی تو اس بات میں ہے کہ آپ اس کے احکام کی پیروی کریں، اس کی عاید کردہ پابندیوں کو قبول کریں اور اس کی دی ہوئی اجازتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ جو چیز اس نے آپ کے لیے حلال کی ہے اس سے آپ پوری طرح متمتع ہوں اور جس چیز کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے اس سے آپ رُک جائیں اور اپنی طرف سے اس کے احکام میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ یہی فرمانبرداری وہ چیز ہے جس سے اللہ تعالیٰ آپ پر خوش ہوتا ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک کہ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے افطار کا جو وقت مقرر کردیا ہے اسی پر افطار کرنا اس کو محبوب ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبُدُ اللّٰہِ بُنُ یُوُسُفَ انا مَالِکٌ، عَنُ اَبِیُ حَازِمٍ، عَنُ سَھُلِ بُنِ سَعُدٍ اَنَّ رَسُوُلَ اللّٰہِ ﷺ قال: لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیُرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطُرَ۔(۳)

روزہ کھولنے کا صحیح وقت

۲۹ ۔ عَنْ عُمَرَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ :اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَاَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب رات اس طرف سے آنی شروع ہو اور دن اس طرف سے پلٹنا شروع ہو اور سورج ڈوب جائے تو روزہ دار کے روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا۔''

تشریح: یعنی مشرق کی طرف سے اگر رات کی تاریکی بلند ہونی شروع ہو جائے اور معلوم ہو کہ تاریکی اُبھرتی چلی آرہی ہے اور دوسری طرف مغرب کی جانب سورج غروب ہو چکا ہو اور دن پلٹ رہا ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا ہے اور آپ کو فوراً روزہ کھول لینا چاہیے۔

اگر روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا ہو اور اس کے بعد آپ سوچ رہے ہوں کہ روزہ کھولیں یا نہ کھولیں تو یہ بات غلط اور شریعت کی روح کے منافی ہے۔افطار کا وقت ہوتے ہی بلا تاخیر روزہ کھولنا چاہیے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَاالْحُمَیْدِیُّ، ثَنَا سُفْیَانُ،ثَنَا ھِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ، قَالَ سَمِعْتُ اَبِیْ یَقُوْلُ : سَمِعْتُ عَاصِمَ ابْنَ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ، عَنْ اَبِیْہِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ مِنْ ھٰھُنَا وَاَدْبَرَ النَّھَارُ مِنْ ھٰھُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔(٤)

مسلم میں ہے:

⟨۲⟩ اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ وَاَدْبَرَ النَّھَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔(٥)

ترجمہ: جب رات آجائے اور دن پلٹ جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار کے روزہ کھولنے کا وقت ہوگیا۔

مسلم کے راوی ابن نمیر نے فَقَدْ کا ذکر بھی نہیں کیا۔

ترمذی میں منقول الفاظ:

⟨۳⟩ اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ وَاَدْبَرَ النَّھَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرْتَ۔

ترجمہ : جب رات آجائے اور دن پلٹ جائے اور سورج غروب ہو جائے تو تیرے روزہ افطار کرنے کا وقت ہوگیا۔

قال ابوعیسی حدیث عمر حدیث حسن صحیح۔

⟨۴⟩ عَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ، قَالَ: دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰی عَائِشَۃَ، فَقَالَ لَھَا: مَسْرُوْقٌ : رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ کِلَاھُمَا لَایَأْلُوْا عَنِ الْخَیْرِ اَحَدُھُمَا یُعَجِّلُ الْمَغْرِبَ وَالْاِفْطَارَ وَالْاٰخَرُ یُؤَخِّرُ الْمَغْرِبَ وَالْاَفْطَارَ، فَقَالَتْ: مَنْ یُعَجِّلُ الْمَغْرِبَ وَالْاِفْطَارَ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ فَقَالَتْ ھٰکَذَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَصْنَعُ۔(٦)

ترجمہ: ابوعطیہ سے روایت ہے کہ میں اور مسروق دونوں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسروق نے ان سے دوصحابہؓ رسولؐ کا ذکر کیا کہ دونوں ہی بھلائی کی طلب میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ تاہم ان میں سے ایک صاحب ہیں جو مغرب کی نماز اور روزہ کے افطار کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور دوسرے صاحب ہیں جو نمازِ مغرب اور افطاری میں تاخیر کرتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے مسروق سے پوچھا کہ مغرب کی نماز اور افطار میں جلدی کرنے والے کون ہیں؟ مسروق نے کہا عبداللہؓ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے عملی شہادت:

(۵) حَدَّثَنَا اَحۡمَدُ بۡنُ یُوۡنُسَ، ثَنَا اَبُوۡبَکۡرٍ، عَنۡ سُلَیۡمَانَ، عَنِ ابۡنِ اَبِیۡ اَوۡفٰی، قَالَ: کُنۡتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِیۡ سَفَرٍ فَصَامَ حَتّٰی اَمۡسٰی قَالَ لِرَجُلٍ: اِنۡزِلۡ فَاجۡدَحۡ لِیۡ قَالَ: لَوِانۡتَظَرۡتَ حَتّٰی تُمۡسِیَ قَالَ: اِنۡزِلۡ فَاجۡدَحۡ لِیۡ اِذَا رَأَیۡتَ اللَّیۡلَ قَدۡ اَقۡبَلَ مِنۡ ھٰھُنَا فَقَدۡ اَفۡطَرَ الصَّائِمُ۔(۷)

ترجمہ: حضرت ابن ابی اوفیٰ کا بیان ہے کہ میں کسی سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپؐ روزہ سے تھے۔ شام ہونے کو آئی تو آپؐ نے ایک آدمی سے فرمایا نیچے اتر کر دودھ میں ستو گھول کر افطاری کا انتظام کرو اس نے عرض کیا حضورؐ آپؐ شام ہونے کا انتظار تو فرمالیں آپؐ نے فرمایا نیچے اترو اور دودھ میں ستو گھول کر افطاری کا بندوبست کرو۔ جب تم دیکھو کہ رات اس طرف سے آگئی ہے تو روزہ دار کے روزہ افطار کرنے کا وقت ہو گیا۔

زوائد ابن حبان نے سہل بن سعد سے روایت نقل کی ہے:

(۶) عن سهلِ بن سعدٍ، قالَ قالَ رسول الله ﷺ لاتزال اُمّتی علی سنّتی مَالَم تَنۡتَظر بِفِطۡرِهَا النجومَ۔(۸)

صومِ وصال رکھنا جائز نہیں

۳۰۔ عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الۡوِصَالِ فِی الصَّوۡمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَارَسُوۡلَ اللّٰهِ! قَالَ وَاَیُّکُمۡ مِثۡلِیۡ اِنِّیۡ اَبِیۡتُ وَیُطۡعِمُنِیۡ رَبِّیۡ وَیَسۡقِیۡنِیۡ۔ (متفق علیه)

''حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصالِ صوم سے منع فرمایا ہے۔ اس پر ایک شخص نے حضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: تم میں سے کون میرے مانند ہے، میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں ایک بڑا اہم مسئلہ بیان ہوا ہے۔ اہلِ کتاب میں روزہ رکھنے کے جو مختلف طریقے رائج تھے ان میں سے ایک صوم وصال کا طریقہ تھا۔ اس کی بھی مختلف شکلیں تھیں۔ ایک شکل یہ تھی کہ ایک شخص فرض روزوں کے ماسوا نفلی روزے اس طریقے سے رکھے کہ بغیر وقفہ کیے مسلسل مہینے مہینے، دو دو مہینے کے روزے رکھتا چلا جائے۔ اہلِ کتاب میں سے

بعض لوگ ایسا کرتے تھے اور کچھ لوگ تو ایسے بھی ہوتے تھے جو اَبَدُ اصوم وصال رکھتے تھے ۔۔۔یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کردہ روزوں کے علاوہ باقی دنوں میں بھی وہ روزہ دار ہی رہتے تھے۔ صومِ وصال کی دوسری شکل یہ تھی کہ ایک شخص ایک سحری کھا کر دوسری سحری تک مسلسل روزہ رکھے اور درمیان میں افطار نہ کرے۔ بلکہ بعض اوقات مسلسل دو دو، تین تین دن کا روزہ رکھے۔ اہلِ کتاب میں صومِ وصال کی یہ دونوں شکلیں رائج تھیں ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ اسلام کو روزے کے اس طریقے یعنی وصال فی الصوم سے منع فرمایا کیونکہ یہ اہلِ کتاب کا طریقہ تھا۔۔۔ البتہ اس جگہ یہ معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ عرض کیا گیا کہ آپؐ بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں تو وہاں حضورؐ کے صومِ وصال سے کیا مراد تھی ۔۔۔ آیا آپؐ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ رکھتے تھے یا طویل عرصے تک مسلسل روزے رکھتے تھے۔ اغلب یہ ہے کہ حضورؐ ایک سحری سے دوسری سحری تک کا روزہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مسلسل نفل روزے رکھتے تھے۔ تاہم کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ ایک مدت تک روزہ نہیں بھی رکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود صومِ وصال رکھنا آپؐ کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کی تقلید دوسرے مسلمانوں کے لیے جائز نہیں، کیونکہ حضورؐ نے خود اس بات کی وضاحت فرما دی کہ تم میں سے کوئی میرے جیسا نہیں ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَان، انا شُعَیْبٌ، عَنِ الزُّھْرِیِّ، حَدَّثَنِیْ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، اَنَّ اَبَاھُرَیْرَةَ، قَالَ: نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّکَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاَیُّکُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِ فَلَمَّا اَبَوْا اَنْ یَّنْتَھُوْا عَنِ الْوِصَالِ۔ وَاصَلَ بِھِمْ یَوْمًا ثُمَّ یَوْمًا ثُمَّ رَاَوُا الْھِلَالَ فَقَالَ: لَوْتَاَخَّرَ لَزِدْتُکُمْ کَالْتَّنْکِیْلِ لَھُمْ حِیْنَ اَبَوْا اَنْ یَّنْتَھُوْا۔(۹)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فی الصوم سے منع فرمایا ہے۔ اس پر مسلمانوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپؐ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: تم میں سے کون میرے مانند ہے؟ میں تو اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ پھر بھی لوگ وصال فی الصوم سے باز نہ آئے تو آپؐ نے انہیں ایک دن پھر دوسرے دن صومِ وصال رکھوایا۔ پھر لوگوں نے چاند دیکھ لیا تو آپؐ نے فرمایا: اگر ہلال تاخیر سے نظر آتا تو میں ان کے انکار کی وجہ سے وصال فی الصوم میں انہیں بہ سبیلِ عبرت آموزی مزید اضافہ کرتا۔

امام بخاریؒ نے اور صحابہؓ سے چند روایات مختلف الفاظ میں روایت کی ہیں:

حضرت انسؓ کی روایت:

⟨۲⟩ عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ: لَاتُوَاصِلُوْا، قَالُوْا: اِنَّکَ تُوَاصِلُ، قَالَ: لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ، اِنِّیْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی اَوْ اِنِّیْ اَبِیْتُ اُطْعَمُ وَاُسْقٰی۔(۱۰)

ترجمہ : حضرت انسؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے، حضورؐ نے فرمایا: ''وصال فی الصوم نہ کرو'' صحابہؓ نے عرض کی

آپؐ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو میرے مانند ہے؟ مجھے تو کھلایا پلایا جاتا ہے یا میں تو رات ایسے حال میں گزارتا ہوں کہ کھلایا پلایا جاتا ہوں۔

حضرت عبداللہؓ بن عمر کی روایت:

﴿۳﴾ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ، قَالُوْا: اِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: اِنِّىْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ اِنِّىْ اُطْعَمُ وَاُسْقٰى۔(۱۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وصال فی الصوم سے منع فرمایا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا آپؐ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا: میں تمہاری مانند نہیں ہوں مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت:

﴿۴﴾ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِىَّ ﷺ يَقُوْلُ: لَاتُوَاصِلُوْا فَاَيُّكُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُوَاصِلَ فَلْيُوَاصِلْ حَتَّى السَّحَرِ قَالُوْا: فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اِنِّىْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّىْ اَبِيْتُ لِىْ مُطْعِمٌ يُطْعِمُنِىْ وَسَاقٍ يَسْقِيْنِ۔(۱۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ خدری سے روایت ہے انہوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ تم وصال فی الصوم نہ کرو، اگر تم میں سے کوئی وصال کرنا چاہتا ہے تو پھر اسے سحر تک کرنا چاہیے، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! آپؐ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: میں تمہاری مانند نہیں ہوں۔ میں تو رات ایسے حال میں گزارتا ہوں کہ مجھے کھلانے والا کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت:

﴿۵﴾ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الْوِصَالِ رَحْمَةً لَّهُمْ فَقَالُوْا اِنَّكَ تُوَاصِلُ قَالَ: اِنِّىْ لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّىْ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ۔(۱۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں پر شفقت کے نقطۂ نظر سے وصال فی الصوم سے منع فرمادیا تو صحابہؓ عرض کرنے لگے آپؐ بھی تو وصال فی الصوم فرماتے ہیں۔ فرمایا: میں تمہاری مانند نہیں ہوں مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

مسلم نے حضرت انسؓ سے ایک روایت بیان کی ہے:

﴿۶﴾ عَنْ اَنَسٍ قَالَ وَاصَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِىْ اَوَّلِ شَهْرِ رَمَضَانَ فَوَاصَلَ نَاسٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَبَلَغَهٗ ذٰلِكَ فَقَالَ: لَوْمُدَّ لَنَا الشَّهْرُ لَوَاصَلْنَاوِصَالًا يَدَعُ الْمُتَعَمِّقُوْنَ تَعَمُّقَهُمْ اِنَّكُمْ لَسْتُمْ مِثْلِىْ اَوْ قَالَ اِنِّىْ لَسْتُ مِثْلَكُمْ اِنِّىْ اَظَلُّ يُطْعِمُنِىْ رَبِّىْ وَيَسْقِيْنِىْ۔(۱۴)

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے مہینے کے آغاز میں وصال فی الصوم فرمایا تو صحابہؓ میں سے بھی کچھ حضرات نے وصال شروع کر دیا۔ اس کا آپؐ کو بھی علم ہو گیا تو ارشاد فرمایا کہ کاش ماہ کی مدت دراز ہوتی تو ہم ایسا وصال فی الصوم کرتے کہ اس میں بہ تکلف دلچسپی لینے والے اسے چھوڑ بیٹھتے۔ تم میری مانند نہیں ہو سکتے یا فرمایا کہ میں تمہاری مانند نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔

روزے کی نیت کرنا ضروری ہے

۳۱۔ عَنْ حَفْصَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهٗ۔

(ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی)

''حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے فجر سے پہلے روزہ رکھنے کا فیصلہ نہ کر لیا اس کا کوئی روزہ نہیں۔''

تشریح: اس ارشاد سے مقصود یہ ہے کہ جب آپ کسی عبادت کا آغاز کرنے لگیں تو اس وقت یہ نیت کریں کہ میں یہ عبادت اللہ کے لیے کر رہا ہوں۔ یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کہ آدمی کھاتا پیتا تو فاقے میں بھی نہیں لیکن جو چیز روزے اور فاقے میں فرق کرتی ہے وہ یہ ہے کہ روزہ رکھتے وقت آپ اس بات کی نیت کرتے ہیں کہ میں اس وقت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے طور پر کھانا پینا ترک کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے یہ نیت نہ کی تو بظاہر روزے اور فاقے میں کوئی فرق نہ رہا۔

روزے کا آغاز چونکہ فجر سے ہوتا ہے اس لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ فجر کے وقت سے پہلے یہ عزم کر لو کہ تم اللہ کے لیے روزہ رکھ رہے ہو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تم نے روزے اور فاقے میں کوئی امتیاز قائم نہیں کیا۔

تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اگر ایک آدمی فجر سے پہلے روزے کی نیت کرنا بھول گیا تو اس کا روزہ ہی ساقط ہو گیا اور اسے بعد میں اس کی قضا ادا کرنا ہوگی۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر آپ روزہ رکھتے وقت یہ نیت کرنی بھول گئے ہوں تو جس وقت آپ کو یاد آئے اسی وقت روزے کی نیت کر لیں، ورنہ یہ بات اپنی جگہ پر تو واضح ہے کہ آپ کی نیت روزے کی موجود ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جب آپ سحری کے لیے اٹھے تھے تو یہ سمجھتے ہوئے ہی تو اٹھے تھے کہ آپ کو روزہ رکھنا ہے۔ اس لیے اگر روزہ رکھتے وقت آپ یہ الفاظ زبان سے ادا نہیں کر سکے کہ میں آج اللہ کے لیے روزہ رکھ رہا ہوں یا دل میں اس کا خیال عین آغازِ صوم کے وقت نہیں آیا تو اس سے روزہ باطل نہیں ہو جاتا ـــ البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت میں چونکہ اصل اہمیت نیت کو حاصل ہے اور اعمال کی قدر و قیمت بھی نیت ہی کی بنا پر متعین ہوتی ہے اس لیے شریعت کی نظر میں ایک فعل کو دوسرے فعل سے ممتاز کرنے والی چیز آدمی کی نیت ہے۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا کہ فجر سے پہلے آدمی کو چاہیے کہ وہ بالارادہ اس بات کی نیت کرے کہ میں آج روزہ رکھ رہا ہوں۔ ورنہ اس کے بغیر محض ظاہری فعل کی حد تک روزے اور فاقے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

تخریج (۱): حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، حَدَّثَنِي ابْنُ لَهِيْعَةَ وَيَحْيَ بْنُ اَيُّوْبَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ حَفْصَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ لَّمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَاصِيَامَ لَهٗ۔

قال ابوداؤد: رواه الليث واسحق بن حازم ایضاً جمیعاً عن عبد اللّٰه بن ابی بکر مثله ووقفه علی حفصة معمر والزبیدی وابن عیینة ویونس الأیلی (کلهم عن الزهری)(۱۵)

الفاظ یہ ہیں:

﴿۲﴾ مَنۡ لَّمۡ یُبَیِّتِ الصِّیَامَ قَبۡلَ الۡفَجۡرِ فَلَاصِیَامَ لَهٗ۔

ترجمہ: جس شخص نے فجر سے پہلے راتوں رات روزہ رکھنے کا فیصلہ نہ کیا اس کا کوئی روزہ نہیں۔

قال عبد اللّٰه: فی فرض الواجب اقول به۔(۱٦)

امام ترمذی نے اس روایت کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے:

﴿۳﴾ عَنۡ حَفۡصَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنۡ لَّمۡ یُجۡمِعِ الصِّیَامَ قَبۡلَ الۡفَجۡرِ فَلَاصِیَامَ لَهٗ۔

قال ابوعیسیٰ: حدیث حفصة حدیث لانعرفه مرفوعاً الا من هذا الوجه۔

وقد روی عن نافع عن بن عمر قوله وهو اصح وانما معنی هذا عند بعض اهل العلم لَاصِیَامَ لِمَنۡ لَّمۡ یُجۡمِعِ الصِّیَامَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الۡفَجۡرِ فِیۡ رَمَضَانَ اَوۡ فِیۡ قَضَاءِ رَمَضَانَ اَوۡفِیۡ صِیَامِ نَذۡرٍ اِذَا لَمۡ یَنۡوِهٖ مِنَ اللَّیۡلِ لَمۡ یَجۡزِهٗ وَاَمَّا صِیَامُ التَّطَوُّعِ فَمُبَاحٌ لَهٗ اَنۡ یَّنۡوِیَهٗ بَعۡدَ مَا اَصۡبَحَ۔ وهوقول الشافعی واحمد واسحاق۔(۱۷)

ترجمہ: امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہلِ علم حضرات کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے ماہِ صیام میں، قضاءِ رمضان میں، یا نذر کے روزوں کے بارے میں طلوعِ فجر سے پہلے فیصلہ نہ کیا اس کا کوئی روزہ نہیں یعنی جب اس نے رات کو اس کی نیت نہ کی تو پھر اس کا روزہ جائز نہ ہوگا۔ رہا نفلی روزے کی نیت کا معاملہ تو وہ صبح کے نمودار ہونے کے بعد بھی جائز ہے۔ یہی قول امام شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی ہے۔

ابن ماجہ نے لَا صِیَامَ لِمَنۡ لَّمۡ یَفۡرِضۡهُ مِنَ اللَّیۡلِ (کوئی روزہ نہیں اس شخص کا جس نے رات میں اس کی فرضیت کا فیصلہ نہ کیا۔ یعنی اس کی نیت نہ کی) روایت کیا ہے۔

سحری کے وقت میں گنجایش ہوتی ہے

۳۲۔ عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ اَحَدُکُمۡ وَالۡاِنَاءُ فِیۡ یَدِهٖ فَلَایَضَعۡهُ حَتّٰی یَقۡضِیَ حَاجَتَهٗ مِنۡهُ۔ (ابوداؤد)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اذان کی آواز سنے اور اس وقت برتن ابھی اس کے ہاتھ میں ہو تو وہ اس برتن کو اپنے ہاتھ سے نہ رکھے جب تک کہ اپنی حاجت اس سے پوری نہ کر لے۔''

تشریح: یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں سحری کے وقت نقارے اور سائرن نہیں بجتے تھے بلکہ

لوگوں کواذان کے ذریعے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ سحری کا وقت ختم ہوگیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ گرمی کا زمانہ ہے اور لوگ باہر کھلی جگہ میں سو رہے ہیں تو اس حالت میں ہر شخص خود یہ دیکھ سکتا تھا کہ روزہ شروع ہونے کا وقت ہو گیا ہے یا نہیں ـــ اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ بارش اور جاڑے کا زمانہ ہے اور لوگ گھروں کے اندر سحری کر رہے ہیں۔ ایسی صورت میں عملاً یہ ممکن نہ تھا کہ سب لوگ باہر نکل نکل کر دیکھیں کہ سحری کا وقت ختم ہوگیا ہے یا نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جب سحری کے وقت اذان کی آواز تمہارے کان میں پڑے اور صورت یہ ہو کہ ایک آدمی پانی پی رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں برتن ہے تو ضروری نہیں کہ اللہ اکبر کی آواز سنتے ہی وہ اسے رکھ دے بلکہ اسے اجازت ہے کہ وہ اس میں سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔

قرآن مجید اور احادیث میں سحری کے خاتمے کے وقت کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے، اور عام مشاہدہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ سیکنڈوں کے حساب سے نہیں ہے کہ ایک سیکنڈ ادھر تو سحری کا وقت ہو اور ایک سیکنڈ اُدھر جاتے ہی سحری کا وقت ختم ہو جائے۔ ختم سحر اور طلوعِ فجر دراصل ایک بڑا مظہرِ فطرت ہے جسے آدمی مشرق کی طرف دیکھتا ہے۔ مشرق سے سپیدی ابھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آغاز میں ایک ہلکی سی دھاری نمودار ہوتی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ اب گویا فجر کا آغاز ہو رہا ہے اور رات ختم ہو رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ طلوعِ فجر (DAWN) کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سیکنڈوں کے حساب سے ہو بلکہ وداعِ شب اور طلوعِ فجر میں چند منٹ کا فرق ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آدمی اذان کی آواز سنتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس سے ایک سیکنڈ پہلے تک تو سحری کا وقت تھا لیکن مؤذن کی زبان سے اللہ کا لفظ نکلتے ہی یہ وقت ختم ہوگیا۔ اس طرح کی موشگافیاں کرنا درست نہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ اگر اتفاق سے کبھی ایسا ہو کہ آپ سوتے رہ گئے اور آنکھ کھلنے پر آپ نے ابھی چند لقمے ہی لیے تھے کہ سائرن بج گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ فوراً ہاتھ روک لیں یا برتن اپنے منہ سے ہٹا لیں بلکہ جلدی جلدی تھوڑا بہت جو کچھ بھی آپ کھا پی سکتے ہیں آپ کو کھا لینا چاہیے۔

اس حدیث میں یہی بات فرمائی گئی ہے کہ جب تم اذان کی آواز سنو یا سحری کے خاتمے کا کوئی دوسرا اعلان ہو رہا ہو اور اس وقت تمہارے ہاتھ میں کوئی برتن ہو تو اسے رکھ مت دو بلکہ اس سے اپنی حاجت پوری کر لو۔

تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی اس اجازت سے فائدہ اٹھا کر اطمینان سے بیٹھا کھاتا پیتا رہے بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ جلدی سے اپنی ضرورت پوری کر لینی چاہیے۔

آج کل لوگ سحری اور افطار دونوں کے معاملے میں شدتِ احتیاط کی بنا پر کچھ بے جا تشدد برتنے لگے ہیں مگر شریعت نے ان دونوں اوقات کی کوئی ایسی حد بندی نہیں کی ہے جس سے چند سیکنڈ یا چند منٹ ادھر ادھر ہو جانے سے آدمی کا روزہ خراب ہو جاتا ہو۔ سحر میں سیاہیٔ شب سے سپیدۂ سحر کا نمودار ہونا اچھی خاصی گنجایش اپنے اندر رکھتا ہے اور ایک شخص کے لیے یہ بالکل صحیح ہے کہ اگر عین طلوعِ فجر کے وقت اس کی آنکھ کھلی ہو تو وہ جلدی سے اُٹھ کر کھا پی لے۔

سحر اور افطار کی صحیح علامت یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصّہ میں افق کے مشرقی کنارے پر سفیدۂ صبح کی باریک سی دھاری نمودار ہو کر اوپر بڑھنے لگے تو سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور جب دن کے آخری حصے میں مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بلند ہوتی نظر آئے تو افطار کا وقت آ جاتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۱، البقرہ، حاشیہ: ۱۹۴)

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰی بْنُ حَمَّادٍ، ثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو، عَنْ اَبِی سَلَمَةَ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا سَمِعَ اَحَدُکُمُ النِّدَآءَ وَالْاِنَاءُ عَلٰی یَدِهٖ فَلَایَضَعْهُ حَتّٰی یَقْضِیَ حَاجَتَهٗ مِنْهُ۔ (۱۸)

〈۲〉حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ، ثَنَا هِشَامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ اَنَسٍ، عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ، قَالَ: تَسَحَّرْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ ثُمَّ قَامَ اِلَی الصَّلٰوةِ، قُلْتُ: کَمْ کَانَ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالسُّحُوْرِ، قَالَ: قَدْرُ خَمْسِیْنَ اٰیَةً۔ (۱۹)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا۔ پھر آپ نماز کی طرف تشریف لے گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے زید سے پوچھا کہ اذان اور سحری کے مابین کتنا وقفہ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ پچاس آیات جتنی دیر میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

وبه یقول الشافعی واحمد واسحاق استحبوا تاخیر السحور۔(۲۰)

ترجمہ: امام شافعی، احمد بن حنبل اور اسحاق سحری کو تاخیر سے کھانے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

اتیس بن طلق عن ابیه:

〈۳〉 قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَایَهِیْدَنَّکُمُ السَّاطِعُ الْمُصْعِدُ۔ فَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَعْتَرِضَ لَکُمُ الْاَحْمَرُ۔(۲۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کھاؤ پیو، بلند ہونے اور اوپر اٹھنے والی دھاری تمہیں پریشان و مضطرب نہ کرے جب تک سرخ پھیلی ہوئی دھاری نمودار نہ ہو اس وقت تک کھاؤ پیو۔

قال ابوعیسیٰ حدیث طلق بن علی حدیث حسن غریب من هذا الوجه العمل علیٰ هذا عند اهل العلم انه لَا یحرم علی الصائم الاکل والشرب حتی یکون الفجر الاحمر المعترض وبه یقول عامة اهل العلم۔

ترجمہ: اہلِ علم حضرات کا تعامل یہی ہے کہ روزہ دار پر اس وقت تک کھانا پینا حرام نہیں ہوتا جب تک کہ سرخ دھاری افق پر پھیل نہ جائے۔

افطار میں جلدی کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں

۳۳۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَحَبُّ عِبَادِیْ اِلَیَّ اَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ (ترمذی)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ مجھے اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ پسندوہ ہیں جو افطار میں جلدی کرنے والے ہیں۔''

تخریج : حَدَّثَنَا اِسُحَاقُ بُنُ مُوسٰی الْاَنُصَارِیُّ، نَا الْوَلِیُدُ بُنُ مُسُلِمٍ، عَنِ الْاَوُزَاعِیِّ، عَنُ قُرَّۃَ عَنِ الزُّھُرِیِّ، عَنُ اَبِی سَلَمَۃَ، عَنُ اَبِی ھُرَیُرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُوُلُ اللّٰہِ ﷺ : قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ: اَحَبُّ عِبَادِیُ اِلَیَّ اَعُجَلُھُمُ فِطُرًا۔ (۲۲)

قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن غریب۔

افطار کے لیے افضل چیزیں

۳۴۔ عَنُ سَلُمَانَ بُنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوُلُ اللّٰہِ ﷺ : اِذَا اَفُطَرَ اَحَدُکُمُ فَلُیُفُطِرُ عَلٰی تَمُرٍ فَاِنَّہٗ بَرَکَۃٌ، فَاِنُ لَّمُ یَجِدُ فَلُیُفُطِرُ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّہٗ طَھُوُرٌ۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

''حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص افطار کرے تو اُسے چاہیے کہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے اور اگر کھجور نہ پائے تو اسے چاہیے کہ وہ پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک ہے۔''

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا مَحُمُوُدُ بُنُ غَیُلَانَ، نَا وَکِیُعٌ، نَاسُفُیَانُ عَنُ عَاصِمٍ ن الْاَحُوَلَ ح وَثَنَا ھَنَّادٌ، نَا اَبُومُعَاوِیَۃَ، عَنُ عَاصِمٍ ن الْاَحُوَلَ، عَنُ حَفُصَۃَ ابُنَۃِ سِیُرِیُنَ، عَنِ الرَّبَابِ، عَنُ سَلُمَانَ بُنِ عَامِرٍ ن الضَّبِیِّ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا اَفُطَرَ اَحَدُکُمُ فَلُیُفُطِرُ عَلٰی تَمُرٍ فَاِنُ لَّمُ یَجِدُ فَلُیُفُطِرُ عَلٰی مَآءٍ فَاِنَّہٗ طَھُوُرٌ۔(۲۳)

قَالَ اَبُوعِیُسٰی ھذا حدیث حسن صحیح۔

⟨۲⟩ اِذَا کَانَ اَحَدُکُمُ صَائِمًا فَلُیُفُطِرُ عَلَی التَّمُرِ فَاِنُ لَّمُ یَجِدِ التَّمُرَ فَعَلَی الُمَآءِ فَاِنَّ الُمَآءَ طَھُوُرٌ۔

ترجمہ : جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اسے چاہیے کہ کھجور سے افطار کرے، اگر کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ وہ پاک ہے۔

فَاِنَّہ بَرَکَۃٌ کے الفاظ صاحبِ مشکوٰۃ نے کتاب الصوم فصل ثانی کے تحت بیان کردہ روایت میں ولم یذکر ''فانہ برکۃ'' غیر الترمذی نقل کیا ہے۔ مجھے ترمذی میں یہ الفاظ نہیں ملے۔ (مرتب)

۳۵۔ عَنُ اَنَسٍ، قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُفُطِرُ قَبُلَ اَنُ یُّصَلِّیَ عَلٰی رُطَبَاتٍ، فَاِنُ لَّمُ تَکُنُ رُطَبَاتٌ فَتُمَیُرَاتٌ فَاِنُ لَّمُ تَکُنُ تُمَیُرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنُ مَّآءٍ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ (مغرب کی) نماز پڑھنے سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ کھولتے۔ اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو چھوہاروں سے افطار کرتے اور اگر چھوہارے بھی نہ ملتے تو چند گھونٹ پانی کے نوش فرماتے۔''

تشریح: رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ یہ تھا کہ آپؐ پہلے روزہ افطار کرتے تھے اور پھر نماز پڑھتے تھے۔ افطار میں آپ کا دستور یہ تھا کہ آپ تازہ کھجور سے افطار کرتے (تازہ کھجور سے یہ مراد نہیں کہ ابھی درخت سے اُتری ہو بلکہ وہ کھجور مراد ہے جو خشک نہ ہو یعنی تر کھجور، جیسے ہم یہاں کھجور کا استعمال کرتے ہیں) ـــــ اگر کھجور نہ ملتی تو پھر آپ چھوہاروں سے روزہ کھولتے تھے اور اگر کبھی اتفاق سے وہ بھی نہ ہوتے تو پانی کے ایک دو گھونٹ پی کر روزہ افطار فرماتے۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، نَا عَبْدُالرَّزَّاقِ، نَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَّآءٍ۔(۲۴)

قال ابوعیسیٰ هذا حديث حسن غريب۔

〈۲〉 حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، ثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ، ثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، ثَنَا ثَابِتُ الْبَنَانِيُّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُفْطِرُ عَلٰى رُطَبَاتٍ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ (رُطَبَاتٌ) فَعَلٰى تَمَرَاتٍ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ حَسَا حَسَوَاتٍ مِنْ مَّآءٍ۔(۲۵)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ نمازِ مغرب سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے روزہ افطار فرمایا کرتے تھے۔ اگر تازہ کھجوریں نہ ملتیں تو پھر خشک کھجوریں یعنی چھوہاروں سے افطار فرماتے۔ پھر اگر چھوہارے بھی نہ ملتے تو پانی کے چند گھونٹ پی کر افطار فرماتے۔

مسند احمد ج ۴ ص ۱۹ اور ۲۱۵ پر ہے:

〈۳〉 مَنْ وَجَدَ تَمْرًا فَلْيُفْطِرْ عَلَيْهِ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلَى الْمَآءِ۔

ترجمہ: جسے چھوہارہ میسر ہو تو اسے چاہیے کہ اس سے افطار کرے۔ اگر چھوہارہ نہ پائے تو پھر اسے چاہیے کہ پانی سے افطار کرے۔

روزہ افطار کرانے والے کا اجر

۳۶۔ عَنْ زَيْدِبْنِ خَالِدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْجَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔ (بیهقی، محی السنّه)

’’حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کسی روزہ دار کا روزہ کھلوائے یا کسی غازی کے لیے سامان (جہاد) فراہم کر کے دے تو اس کو ویسا ہی اجر ملے گا جیسا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا اور غازی کو جہاد کرنے کا ملے گا۔‘‘

تشریح: شریعت کی رُو سے نیکی کرنے والے کے لیے تو اس کی نیکی کا اجر ہے ہی لیکن جو اس کو نیکی کے ذرائع فراہم کر کے

دے اس کے لیے بھی اجر ہے۔اسی طرح اگر ایک شخص کسی کو نیکی کرنے کے لیے کہے تو اس کے لیے بھی اجر ہے۔حدیث میں آیا ہے کہ اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ (نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مانند ہے)۔

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ نیکی کرنے والے کے اَجر میں سے کوئی حصّہ لے کر اس شخص کو دے دیا جائے گا جس نے نیکی کے ذرائع اور وسائل بہم پہنچائے تھے بلکہ نیکی کرنے والے کو اس کا پورا اجر ملے گا اور اس نیکی کے لیے سفارش کرنے والے اور اس میں مددگار بننے والے کو اپنا اپنا اَجر ملے گا۔

کسی روزہ دار کا روزہ کھلوا دینا بظاہر معمولی سی بات ہے لیکن اس کا جو اجر ارشاد فرمایا گیا وہ کہیں بڑا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ محض نیکی کی طرف رغبت دلانا بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑا محبوب فعل ہے کیونکہ اس سے نیکیوں کے پھیلنے میں مدد ملتی ہے اور انسانی خیر و فلاح کا وہ کام انجام پاتا ہے جو دین کا مقصود ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: اَخْبَرَنَا اَبُوعَبْدِاللّٰهِ الْحَافِظُ وَاَبُوْبَكْرٍ اَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْقَاضِىُّ وَاَبُوزَكَرِيَّا بْنُ اَبِىْ اِسْحَاقَ قَالُوْا ثَنَا اَبُوالْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوْبَ، ثَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَيَّاشِ الرَّمْلِىُّ، ثَنَا مُؤَمَّلُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا سُفْيَانُ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ نِ الْجُهَنِىِّ، عَنِ النَّبِىِّ ﷺ: قَالَ: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا اَوْجَهَّزَ غَازِيًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔(۲۶)

دارمی کتاب الصوم اور ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل من فَطَّرَ صَائِمًا نے بیہقی والی روایت کا پہلا حصہ لیا ہے۔

بیہقی نے اور مسند احمد نے اسی راوی سے ایک اور حدیث نقل کی ہے:

⟨۲⟩ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ عَمِلَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا وَمَنْ جَهَّزَ غَازِيًا اَوْ خَلَفَهٗ فِىْ اَهْلِهٖ كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا۔(۲۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس کسی نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اُسے اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی کی جائے اور جس نے کسی غازی کے لیے سامانِ جہاد فراہم کر کے دیا یا اس کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کا اہتمام کیا تو اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا غازی کو ملے گا، بغیر اس کے کہ اس غازی کے اجر میں کسی قسم کی کمی کی جائے۔

افطار کرانے کا ثواب

۳۶۔ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْءٌ۔[۱]

---

[۱] بیهقی فی شعب الایمان بحواله مشکوة کتاب الصوم فصل ثالث عن سلمان فارسی۔

''جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور اس کی گردن کو آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہوگا۔ اور اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزہ دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی ہو۔''
(خطبات، روزہ: افطار کرانے کا...)

افطار کے وقت کی مسنون دعائیں

۳۷۔عَنِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ (ابو داؤد)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب آپؐ روزہ افطار کرتے تو فرماتے کہ تشنگی دُور ہوگئی اور رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا اگر اللہ چاہے۔''

تشریح: روزہ کھولتے وقت جو مختلف دعائیں رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔ یعنی حضورؐ روزہ کھولتے وقت یہ الفاظ ادا فرمایا کرتے تھے۔

تخریج : حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيٰ (اَبُوْمُحَمَّد) ثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحَسَنِ، اَخْبَرَنِي الْحُسَيْنُ بْنُ وَاقِدٍ، ثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي بْنَ سَالِمِ الْمُقَنَّعِ، قَالَ: رَأَيْتُ بْنَ عُمَرَ يَقْبِضُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَيَقْطَعُ مَازَادَ عَلَى الْكَفِّ وَقَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اِذَا اَفْطَرَ قَالَ: ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔(۲۸)

۳۸۔ عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ، قَالَ:اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (رواہ ابو داؤد مرسلا)

''حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب روزہ افطار کرتے تھے تو فرماتے تھے: اے اللہ! تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا، اور تیرے ہی رزق پر میں نے افطار کیا۔''

تشریح: اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ کوئی فریضہ انجام دیتا ہے تو اس کا یہ فعل بذات خود اپنی ایک قدر و قیمت رکھتا ہے اور اس پر وہ اجر کا مستحق ہے لیکن اس فریضے کی انجام دہی کے دوران میں اس کی دو حالتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ غفلت کے ساتھ اسے انجام دے اور دوسری یہ کہ وہ اس کے دوران میں مسلسل اپنے رب کی طرف راغب رہے اور اس کا ذکر کرتا رہے۔ ان دونوں حالتوں میں اجر اور مقبولیت کے لحاظ سے بڑا فرق ہے۔ ایک شخص کا کسی فریضے کی انجام دہی کے دوران میں اللہ تعالیٰ کی طرف اہتمام کے ساتھ متوجہ رہنا اس کے اجر کو کہیں زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ آپ نماز کے لیے وضو کر رہے ہیں اور آپ نے وہ سارے اعضاء ٹھیک ٹھیک دھوئے ہیں جو وضو میں دھونے چاہئیں۔ اس طرح بے شک آپ نماز میں کھڑے ہونے کے قابل ہوگئے۔ لیکن اگر اس وضو کے دوران میں آپ مختلف اعضاء دھونے کے ساتھ اللہ کا ذکر بھی کرتے رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے یہ وضو اللہ سے غفلت کی حالت میں نہیں کیا اس لیے آپ کے اس وضو کی قدر و قیمت کچھ اور ہی ہوگئی۔

یہی مثال روزے کی ہے۔ اگر آپ سحری کا وقت ختم ہونے سے لے کر افطار کے وقت تک کچھ کھائیں پئیں نہیں تو آپ کا روزہ مکمل ہو جائے گا۔ لیکن اس روزے کے دوران میں اگر آپ خدا کو یاد بھی کرتے رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اس روزے کے اجر اور قدر و قیمت کو بہت زیادہ بڑھا لیا۔ دوسرے الفاظ میں روزے کے دوران میں غفلت کے ساتھ وقت گزارنے اور اس کے برعکس اللہ کو یاد کرتے ہوئے وقت گزارنے میں اجر و مقبولیت کے لحاظ سے زمین و آسمان کا فرق ہے ــــ پھر دیکھیے کہ جب روزہ ختم ہو جاتا ہے تو آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ فوراً ایک کھجور یا افطاری کی کوئی چیز اٹھائیں اور کھالیں۔ لیکن افطار کرتے وقت بھی اگر آپ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہے ہیں اور اس سے پہلے کہ آپ اپنے منہ میں کوئی چیز رکھیں آپ کہتے ہیں کہ خدایا تیرے ہی لیے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیے ہوئے رزق پر اسے افطار کر رہا ہوں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے غفلت کی حالت میں بھوکے پیاسے نہیں رہے اور نہ روزہ افطار کرتے وقت ہی اس کی یاد سے غافل ہو گئے۔ بلکہ ہر لحظہ آپ نے اس کی یاد کو تازہ رکھا۔ اس طرح گویا آپ نے اپنے اس روزے کے اجر کو کئی گُنا بڑھا لیا۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنا طریقہ بھی یہی تھا اور اسی کی آپ نے لوگوں کو تعلیم دی کہ اگر اللہ تعالیٰ کی ایک عبادت کرتے ہوئے دوسری عبادتیں بھی ساتھ ساتھ شامل ہو جائیں تو خود اس عبادت کی قدر و قیمت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا هُشَيْمٌ عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ: كَانَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ:اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ، وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔(۲۹)

دار قطنی کتاب الصیام ج ۲ ص ۱۸۵ پر ہے:

﴿۲﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْنَا وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا فَتَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ افطاری کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے: اے اللہ! تیرے ہی لیے ہم نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر ہم نے افطار کیا۔ پس تو ہم سے قبول فرما لے۔ یقیناً تو سننے والا جاننے والا ہے۔

افطار میں تاخیر کرنا یہود و نصاریٰ کی روش ہے

۳۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:لَايَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَاعَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (ابو داؤد، ابن ماجہ)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دین نمایاں اور غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود اور نصاریٰ افطار کرنے میں تاخیر کرتے ہیں۔“

تشریح: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں بظاہر ایک چھوٹی سی بات کے کتنے بڑے نتائج بیان فرمائے ہیں۔ روزہ کھولنے میں تاخیر کرنا اور سحری نہ کھانا اور صومِ وصال رکھنا، یہ سب افعال یہود و نصاریٰ نے اپنا رکھے تھے ــــ یہی چیز تھی جس

نے رفتہ رفتہ ان کے اندر رہبانیت پیدا کی اور انہیں زندگی سے فرار کے گوشوں میں پناہ لینے کی طرف راغب کیا۔ لیکن دینِ خداوندی کا منشا اس سے بالکل مختلف ہے۔ اللہ کے دین کا منشا یہ ہے کہ یہ دنیا انسانوں ہی کے لیے پیدا کی گئی ہے اور اس کی لذّتیں اور آسائشیں اور دوسرے سروسامان انسانوں ہی کے لیے ہیں۔ البتہ انسان کا کام یہ ہے کہ وہ ان ساری چیزوں کو اللہ کے مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرے اور ان حدود سے سرِ مُو انحراف اور تجاوز نہ کرے ـــــ پس ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ شریعت نے اس کو جو سہولت اور گنجایش دی ہے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ البتہ اس سہولت کی جو حد مقرر کر دی گئی ہے اس پر جا کر رک جائے۔ سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد تو یہ پابندی ہے کہ جب تک سورج غروب نہ ہو جائے تم کچھ کھانے پینے کا حق نہیں رکھتے لیکن سورج ڈوبتے ہی تمہیں حق پہنچتا ہے کہ کھاؤ پیو۔ اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ روزہ افطار کرنے میں یہود اور نصاریٰ کا تاخیر کرنا دراصل رہبانیت کا ایک شاخسانہ تھا اور اپنے رب سے بدگمانی اس کی جڑ تھی۔ ان کا تصوّر یہ تھا کہ ان کا رب اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ اپنے جسم کو اذیتوں میں مبتلا کیا جائے لیکن یہاں تصوّر یہ ہے کہ آپ کے رب کو آپ کی اطاعت و فرمانبرداری مطلوب ہے اور اس کو وہ پسند کرتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ ایک وقت میں پانی جیسی حلال چیز آپ کے لیے حرام کر دیتا ہے تو آپ کا کام یہ ہے کہ اس کے استعمال سے رک جائیں۔ لیکن جس وقت وہ اسے آپ کے لیے حلال کر دیتا ہے تو آپ فوراً اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تم یہود اور نصاریٰ کے اس طریقے کے خلاف افطار میں جلدی کرتے رہو گے تمہارا دین غالب اور نمایاں رہے گا، لیکن جس وقت تم نے اس میں تاخیر کرنی شروع کر دی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اب تم نے دین کی اصل اسپرٹ کو ضائع کر دیا، اور اب چلے تم سیدھے رہبانیت کی طرف۔ اس طرح جب تم نے اپنا طریقہ چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کے طرزِ عمل کو اختیار کر لیا تو اس کے بعد تمہارا دین غالب کیسے رہ سکتا ہے۔ ایک مسلمان کا کام تو یہ ہے کہ جس چیز میں یہود و نصاریٰ کے اخلاق و عادات اور تہذیب و تمدّن کی تقلید کا شائبہ بھی موجود ہو اس سے کھٹک جائے اور اس سے بچے کیونکہ ان کی تقلید اختیار کرنا خود اپنے دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس کے بعد تمہارا دین اپنی اصل شان کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پہلے ایک چیز کی تقلید کرو گے اور پھر دوسری کی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ حالت یہ ہو جائے گی کہ تمہارے اندر ایک سچے مسلمان کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ اسی لیے حکم دیا گیا کہ جس مقام سے بگاڑ کا آغاز ہوتا ہے وہیں پر رک جاؤ، کیونکہ اگر اس مقام پر نہ رکے تو پھر آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاؤ گے ـــــ اور اسی بنا پر اتنی بڑی بات فرمائی کہ تمہارا دین غالب اور نمایاں رہے گا اگر تم یہود اور نصاریٰ کی روش کے برعکس افطار کرنے میں جلدی کرتے رہے۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ مُحَمَّدٍ يعنى بْنَ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَايَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَاعَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (۳۰)

ابنِ ماجہ میں اس روایت کے الفاظ:

تخریج ﴿۱﴾: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَايَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَاعَجَّلُوا الْفِطْرَ، عَجِّلُوا الْفِطْرَ فَإِنَّ الْيَهُوْدَ يُؤَخِّرُوْنَ۔ (۳۱)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں۔ لوگ اس وقت تک بھلائی اور خیر پر رہیں گے جب تک افطار میں جلدی کرتے رہیں گے افطار میں جلدی کیا کرو کیونکہ یہود افطار تاخیر سے کرتے ہیں۔

المستدرک نے ایک روایت سہل بن سعدؓ سے بایں الفاظ نقل کی ہے:

﴿۲﴾ قَالَ:قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تَزَالُ اُمَّتِیْ عَلٰی سُنَّتِیْ مَالَمْ تَنْتَظِرْ بِفِطْرِهَا النُّجُوْمَ۔ وَكَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا كَانَ صَائِمًا اَمَرَ رَجُلًا فَاَوْفٰی عَلٰی نَشْرٍ فَاِذَا قَالَ قَدْ غَابَتِ الشَّمْسُ اَفْطَرَ۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه الخ۔

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت اس وقت تک میری سنت پر عمل پیرا رہے گی جب تک وہ افطار کے لیے تاروں کے روشن ہونے کا انتظار نہ کرے گی۔ نبی ﷺ روزے سے ہوتے تھے تو کسی آدمی کو حکم دیتے کہ وہ اونچی جگہ پر چڑھ کر بیٹھ جائے جب وہ کہتا کہ سورج غروب ہو گیا ہے آپ روزہ افطار فرما لیتے۔

روزہ کھولنے اور نماز پڑھنے میں جلدی کرنا مسنون ہے

۴۰ ۔ عَنْ اَبِیْ عَطِيَّةَ، قَالَ:دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰی عَائِشَةَ فَقُلْنَا: يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ اَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ وَالْاٰخَرُ يُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلٰوةَ، قَالَتْ اَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلٰوةَ، قُلْنَا: عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْاٰخَرُ اَبُوْمُوْسٰی۔ (مسلم)

''حضرت ابوعطیہؒ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مسروقؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے اور ہم نے عرض کیا: اے اُمُّ المومنینؓ! رسول اللہ ﷺ کے صحابیوں میں سے دو صاحب ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک تو افطار کرنے اور نماز پڑھنے میں جلدی کرتے ہیں اور دوسرے افطار اور نماز دونوں میں تاخیر کرتے ہیں۔ اُمُّ المؤمنین نے دریافت فرمایا کون صاحب ہیں جو افطار اور نماز میں جلدی کرتے ہیں۔ ہم نے عرض کیا، عبداللہ بن مسعودؓ۔ فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے ___ دوسرے صاحب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں۔''

تشریح: یہاں پہلے تاخیر اور تعجیل (جلدی کرنے) کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تعجیل کرنے سے مراد ان کا یہ عمل تھا کہ اِدھر روزہ افطار کرنے کا وقت ہوا اور اُدھر آپ نے روزہ افطار کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری کا طریقہ یہ تھا کہ افطار کا وقت ہو جانے کے بعد قدرے تامّل کرتے تھے کیونکہ افطار کے وقت کا ٹھیک ٹھیک تعیّن ہونے اور اس کا اطمینان حاصل کرنے کے لیے کچھ توقف کرنے کی گنجایش ہوتی ہے۔ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو اس وقت اگر ذرا سی کرن بھی نظر آ رہی ہو تو آپ اس میں شبہ کرتے ہیں کہ کیا واقعی سورج غروب ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس بات کا یقین حاصل کرنے کے لیے چند لمحے کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔

پہلے صاحب یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو غروبِ آفتاب کے فوراً بعد روزہ کھولتے تھے اور نماز میں بھی جلدی کرتے تھے۔ لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ روزہ کھولنے میں بھی قدرے تاخیر کرتے تھے اور نماز سے پہلے بھی کچھ دیر ٹھہرتے تھے (اور کچھ نہ کچھ کھا پی لیتے تھے) اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے روزہ کھولنے کا انتظار کرتے تھے تاکہ وہ بھی اطمینان سے روزہ افطار کر کے نماز میں شریک ہو جائیں۔

اس تعجیل اور تاخیر کے معاملے میں ایک یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں عام لوگوں کے لیے کچھ سہولت اور کچھ دقت کے پہلو ہیں۔ مثلاً افطار کے بعد مسجد میں نماز جلدی ہونے کی صورت میں دیر سے آنے والوں کو دقت ہوتی ہے، لیکن جو لوگ افطار کے وقت موجود ہوتے ہیں انہیں انتظار کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ تاہم اس معاملے میں حضرت عائشہؓ کے ارشاد کے مطابق نبی ﷺ کا عمل یہ تھا کہ آپ افطار میں بھی جلدی کرتے تھے اور نماز میں بھی ــــ حضرت عائشہؓ کے اس قول کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہوں نے ان دونوں صاحبوں میں سے ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط قرار دیا ہے بلکہ صرف یہ بتایا ہے کہ خود نبی ﷺ کا اپنا عمل کیا تھا اور اس میں مسنون طریقہ کیا ہے ــــ اس لیے یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طریقے کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے عمل کی گنجایش بھی شریعت میں موجود ہے کیونکہ وہ جس تاخیر سے کام لیتے تھے وہ یہود والی تاخیر نہیں تھی۔ روزہ افطار کرنے سے پہلے غروبِ آفتاب کا اطمینان کرنے کے لیے کچھ توقف کرنے کی گنجایش بالکل قابلِ فہم ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ اس کا محرّک جان بوجھ کر تاخیر کرنے یا راہبانہ احتیاط پسندی کا جذبہ نہ ہو۔

تخریج: حَدَّثَنَا یَحْیَ بْنُ یَحْیٰ وَاَبُوْ کُرَیْبٍ: مُحَمَّدُبْنُ الْعَلَاءِ، قَالَا: اَخْبَرَنَا اَبُوْمُعَاوِیَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَیْرٍ، عَنْ اَبِی عَطِیَّةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰی عَائِشَةَ، فَقُلْنَا: یَااُمَّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَجُلَانِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ اَحَدُهُمَا یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلَاةَ وَالْاٰخَرُ یُؤَخِّرُ الْاِفْطَارَ وَیُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ، قَالَتْ: اَیُّهُمَا الَّذِیْ یُعَجِّلُ الْاِفْطَارَ وَیُعَجِّلُ الصَّلَاةَ؟ قُلْنَا: عَبْدُ اللّٰهِ یعنی ابْنُ مَسْعُوْدٍ، قَالَتْ: کَذٰلِكَ کَانَ یَصْنَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ۔(۳۳)

زاد ابو کریب والاخر ابو موسیٰ۔قال ابوعیسیٰ هذا حدیث حسن صحیح۔

وابوعطیة اسمه مالك بن ابی عامر الهمدانی ویقال مالك بن عامر الهمدانی وهواصح۔

سحری کا کھانا ایک مبارک ناشتہ ہے

۴۱۔عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِیَةَ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَی السَّحُوْرِ فِیْ رَمَضَانَ فَقَالَ: هَلُمَّ اِلَی الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔ (ابوداؤد، نسائی)

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے ساتھ سحری کھانے کے لیے بلایا اور فرمایا کہ آؤ مبارک ناشتے کے لیے۔''

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کے مطابق سحری فقط سحری نہیں ہے بلکہ ایک مبارک ناشتہ ہے۔ یہود یہ سمجھتے تھے کہ اگر سحری کھا کر روزہ رکھا تو کیا رکھا، لیکن اسلامی شریعت میں اس تصوّر کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے کہ روزہ صرف دن کا ہے اور رات اس میں شامل نہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رات کو کھانے پینے کی مکمل آزادی ہے اور اس آزادی سے خود کو محروم کرنا درست نہیں۔ رات کو اُٹھ کر سحری کھانا تو ایک مبارک ناشتہ ہے جس کے ساتھ ہم روزے کا آغاز کرتے ہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ روزہ شروع ہونے سے پہلے کچھ غذا کھالی جائے تاکہ دن بھر کام کاج کرنے اور دوسرے ضروری اُمور سرانجام دینے کی طاقت ہمیں حاصل رہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم بھوک اور پیاس سے نڈھال ہو کر بیکار پڑ جائیں۔ یہ دین کا مقصود نہیں ہے۔

——— دین کا مقصود تو یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی بھی کریں اور ہمارے اندر کام کرنے کی طاقت بھی رہے تاکہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو فرائض اور ذمہ داریاں ہم پر عائد ہوتی ہیں ہم انہیں بہ تمام وکمال ادا کرسکیں۔ عبادت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے کہ آپ کاروبارِ دنیا سے کٹ کر اور ناکارہ ہو کر الگ گوشوں میں جا بیٹھیں، بلکہ عبادت تو درحقیقت اس بات کا ایک تربیتی کورس ہے کہ آپ ہنگامہ زارِ حیات میں اللہ تعالیٰ کے احکام وہدایات کی پابندی کرتے ہوئے کس طرح زندگی گزاریں تاکہ آخرت میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکیں۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا عَمْرُوبْنُ مُحَمَّدِ نِ النَّاقِدُ، ثَنَا حَمَّادُ بْنُ خَالِدِ نِ الْخَيَّاطُ، ثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ يُونُسَ بْنِ سَيْفٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ اَبِى رُهْمٍ، عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ: دَعَانِىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِلَى السُّحُوْرِ فِىْ رَمَضَانَ، فَقَالَ: هَلُمَّ اِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔ (۳۴)

نسائی نے اس کے علاوہ دو روایتیں نقل کی ہیں:

⟨۲⟩ خالد بن معدان قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِرَجُلٍ هَلُمَّ اِلَى الْغَدَآءِ الْمُبَارَكِ يعنى السحور۔

ترجمہ : خالد بن معدان کی روایت میں آپ کا ارشاد بایں الفاظ بیان ہوا ہے کہ ایک شخص سے آپؐ نے فرمایا: آؤ مبارک ناشتہ کے لیے۔ یعنی سحری کے لیے۔

⟨۳⟩ مقدام بن مَعْدِيْكَرِب، عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ : عَلَيْكُمْ بِالْغَدَآءِ السُّحُوْرِ فَاِنَّهٗ هُوَ الْغَدَآءُ الْمُبَارَكُ۔ (۳۵)

ترجمہ: مقدام بن معدیکرب نے نبی ﷺ سے روایت بیان کی ہے۔ سحری کا ناشتہ ضرور کھایا کرو کیونکہ وہ مبارک ناشتہ ہے۔

بہترین سحری کھجور ہے

۴۲۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔ (ابو داؤد)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کے لیے بہترین سحری کھجور ہے۔''

تشریح: کھجور میں انسان کی تمام غذائی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اگر انسان کو کوئی غذا نہ مل سکے لیکن کھجور حاصل ہو تو یہ اس کے لیے کافی غذا ہے۔ موجودہ تحقیق کے مطابق انسان کو اپنی توانائی برقرار رکھنے کے لیے غذا کی جتنی کلوریاں درکار ہوتی ہیں وہ کھجور میں موجود ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں بھی جب فوجوں کو کسی صحرائی علاقے میں لمبے عرصے کے لیے قیام کرنا پڑتا ہے اور وہاں غذا مہیا کرنے کے عام مواقع موجود نہیں ہوتے تو کھجوروں کا کافی اسٹاک فوج کے لیے فراہم کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اگر کئی کئی ماہ تک کوئی اور غذا میسّر نہ آئے تو محض کھجور پر انحصار کیا جا سکتا ہے۔

کھجور کی اسی افادیت اور اعلیٰ غذائیت کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اسے بہترین سحری قرار دیا ہے۔ سحری کے طور پر اس کے استعمال کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دن کے وقت آدمی کو اپنی طاقت و توانائی برقرار رکھنے اور کام کاج کے قابل رکھنے میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اَبِی الْوَزِيْرِ اَبُوالْمُطَرِّفِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوْسٰی عَنْ سَعِيْدِ نِ الْمَقْبُرِیِّ، عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ :قَالَ: نِعْمَ سُحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔ (۳۶)

ماٰخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب برکة السحور من غیر ایجاب لان النّبِی صَلّی اللّٰه علیه وسلم واصحابه واصلوا ولم یُذْکَرِ السحور۔☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل السحور وتاکِید استحبابه۔☆ ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل السحور۔ ☆وفی الباب عن ابی هریرة، وعبداللّٰه بن مسعود، وجابر بن عبد اللّٰه، وابن عباس وعَمروبن العاص،والعِرباض بن ساریة وعتبة بن عبد، وابی الدرداء۔☆ نسائی ج٤کتاب الصیام باب الحث علی السحور۔☆ ابنِ ماجة کتاب الصیام باب ماجاء فی السحور۔☆ دارمی کتاب الصوم باب فی فضل السحور۔☆ مُسندِ احمدج۲ص ۳۷۷عن ابی هریرة۔ج۳،ص ۳۲-۹۹-۲۱۵-۲۲۹-۲٤۳-۲۵۸-۲۸۱☆ السنن الکبریٰ للبیهقی٤کتاب الصیام باب استحباب السحور۔☆ المصنّف لعبدالرزاق ج٤ باب مایقال فی السحور۔

(۲) مسلم ج۱کتاب الصیام باب فضل السحور الخ۔☆ ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب فی توکید السحور۔☆ نسائی ج٤کتاب الصیام باب فصل مابین صیامنا وصیام اهل الکتاب۔☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل السحور۔☆ دارمی کتاب الصوم باب فی فضل السحور۔☆ مُسندِ احمد ج٤ص۱۹۷۔۲۰۲☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب استحباب السحور۔☆ المصنف لعبد الرزاق کتاب الصیام ج٤باب مایقال فی السحور۔

(۳) بخاری ج۱کتاب الصوم باب تعجیل الافطار۔☆مسلم ج۱کتاب الصیام باب فضل السحور وتاکید استحبابه واستحباب تاخیره و تعجیل الفطر۔☆ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆ قال ابوعیسیٰ: حدیث سهل بن سعد حدیث حسن صحیح وهوالذی اختاره اهل العلم من اصحاب النبی ﷺوغیرهم استحبوا تعجیل الفطر وبه یقول الشافعی واحمد واسحاق۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆ موطا امام مالك کتاب الصیام باب ماجاء فی تعجَیل الفطر۔☆ دارمی کتاب الصوم باب فی تعجیل الافطار۔☆ مُسندِ احمد ج۵ص ۳۳٤ سهل بن سعد الساعدی۔

(٤) بخاری ج۱کتاب الصوم باب متی یحل فطر الصائم وافطر ابو سعید الخدری حین غاب قرص الشمس۔☆ مسلم ج۱کتاب الصیام باب بیان وقت انقضاء الصوم وخروج النهار۔☆ مُسندِ احمدج۱ ص ۲۸-٥٤☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب الوقت الذی یحل فیه فطر الصائم۔☆ المصنف ج٤کتاب الصیام باب تعجیل الفطر۔

(۵) ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب وقت فطر الصائم☆ مسند احمد ج٤☆ ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء اذا

اقبل اللیل وادبر النہار فقد افطر الصائم۔

(٦) مسلم ج١ کتاب الصیام باب فضل السحور الخ۔☆ابوداؤد ج٢ کتاب الصیام باب ما یستحب من تعجیل الفطر۔☆ ترمذی ج١ ابواب الصوم باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆ نسائی ج٤ کتاب الصیام باب ذکراختلاف ھشام وسعید علی قتادۃ۔☆مُسند احمد ج٤،ص٤٨-١٧٣۔

(٧) بخاری ج١ کتاب الصوم، باب تعجیل الافطار۔☆مسلم ج١ کتاب الصیام باب بیان وقت انقضاء الصوم وخروج النہار۔

(٨) موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان۔ کتاب الصیام باب تاخیر السحور وتعجیل الفطر۔

(٩) بخاری ج١ کتاب الصوم باب التنکیل لِمَن اکثر الِوصال رواہ انس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ ☆مسلم ج١ کتاب الصیام باب النہی عن الوصال مسلم نے کالتنکیل کے بجائے کالمنکر روایت کیا ہے۔☆ دارمی کتاب الصوم باب النہی عن الوصالِ فی الصوم۔☆ السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب النہی عن الوصال فی الصوم☆مُسندِ احمدج٢ص ٢٨١ مرویات ابی ہریرۃ☆ المصنف لعبد الرزاق ج٤ کتاب الصیام باب الوصال۔

(١٠) بخاری، مسلم۔ ترمذی ابواب الصوم باب الوصال ومن قال...۔

(١١) بخاری۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب الوصال ومن قال...۔

(١٢) بخاری، مسلم، ابوداؤد کتاب الصوم باب الوصال ومن قال...۔

(١٣) بخاری کتاب الصوم باب الوصال الخ۔☆مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال۔

(١٤) مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال۔☆ السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب النہی عن الوصال فی الصوم۔

(١٥) ابوداؤد۔ج٢کتاب الصوم باب النیۃ فی الصیام۔☆ نسائی ج٤کتاب الصیام باب ذکر اختلاف الناقلین لخبر حفصۃ فی ذلک۔☆دارمی کتاب الصوم باب من لم یجمع الصیام من اللیل۔☆السنن الکبریٰ للبیہقی ج٤ کتاب الصیام باب الدخول فی الصوم۔

(١٦) نسائی ج٤ کتاب الصیام باب ذکر اختلاف الناقلین لخبرحفصۃ فی ذلک۔ ☆مؤطا امام مالک کتاب الصیام باب من اجمع الصیام قبل الفجر۔☆مُسندِ احمد ج٦ص ٢٨٧عن حفصۃ۔☆دارقطنی کتاب الصیام ج٢☆السنن الکبریٰ للبیہقی ج٤کتاب الصیام باب ماعلیہ فی کل لیلۃ من نیۃ الصیام للغد۔

(١٧) ترمذی ج١ ابواب الصوم باب ماجاء لاصیام لمن لم یعزم من اللیل۔☆ابن ماجہ کتاب الصیام باب ماجاء فی فرض الصوم من اللیل الخ۔

(١٨) ابوداؤدج٢ کتاب الصوم باب فی الرجل یسمع النداء والاناء علی یدہ۔☆المستدرك للحاکم ج١ کتاب الصوم باب الاستعانۃ بطعام السحر علی الصیام وبالقیلولۃ علی القیام۔☆دارقطنی ج٢کتاب الصیام، باب فی وقت السحور۔☆مُسندِ احمد ج٢ ص ٥١٠ ابوہریرۃ۔

(١٩) بخاری ج١ کتاب الصوم باب قدرکم بین السحور وصلاۃ الفجر۔☆مسلم ج١ کتاب الصیام، باب فضل السحور وتاکید استحبابہ الخ۔☆ترمذی ج١ابواب الصوم، باب ماجاء فی تاخیر السحور۔ قال ابوعیسی حدیث زید بن

ثابت حدیث حسن صحیح۔

(۲۰) نسائی ج٤ کتاب الصیام، باب قدر ما بین السحور وبین صلاۃ الصبح۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی تاخیرالسحور۔

(۲۱) ابوداؤد ج۲ کتاب الصیام باب فی وقت السحور۔☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی بیان الفجر۔

(۲۲) ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایستحب من تعجیل الفطر وتاخیر السحور۔☆مُسندِ احمدج۲ص ۲۳۸ مرویاتِ ابی هریرة۔

(۲۳) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء مایستحب عَلَیْهِ الافطار۔☆ابن ماجه ج۱کتاب الصیام باب ماجاء علی مایستحب الفطر۔☆دارمی کتاب الصوم باب مایستحب الافطار علیه فان الماء طهور۔☆مُسندِ احمدج٤ ص۱۷-۱۸-۲۱۳-۲۱٤ مرویات سلمان بن عامر۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایفطر علیه۔☆ابوداؤد کتاب الصوم باب مایفطر علیه۔ ☆المستدرك ج اول کتاب الصوم۔

(۲٤) ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء مایستحب علیه الافطار۔

(۲۵) ابوداؤدج۲کتاب الصوم باب مایفطر علیه۔☆ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء مایستحب علیه الافطار۔ ☆دارقطنی ج۲کتاب الصیام۔☆المستدرك للحاکم ج اول کتاب الصوم باب الافطار قبل الصلاۃ۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایفطر علیه۔ بیہقی میں فإن لم تکن حسا حسوات من ماءٍ نقل کیا ہے☆مُسندِ احمدج۳ ص ۱٦٤ انس بن مالك۔

(۲٦) السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب من فطر صائماً۔☆محی السنة فی شرح السنة بحواله مشکوٰۃ کتاب الصوم فصل ثانی۔

(۲۷) السنن الکبری للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب من فطر صائماً☆ مُسْنَدِ احمد ج٤ ص ۱۱٦ زید بن خالد۔

(۲۸) ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب القول عند الافطار☆ دارقطنی ج۲کتاب الصیام☆ المستدرك للحاکم ج۱کتاب الصوم الدعوۃ عند الافطار۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایقول اذا افطر۔

(۲۹) ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب القول عند الافطار☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایقول اذا افطر۔

(۳۰) ابوداؤدج۲کتاب الصوم باب مایستحب من تعجیل الفطر۔☆المستدرك للحاکم ج۱کتاب الصوم باب تعجیل الافطار۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایستحب من تعجیل الفطر وتاخیر السحور۔

(۳۱) ابنِ ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب مایستحب من تعجیل الفطر وتاخیر السحور۔ ☆موطاامام مالک نے کتاب الصیام باب ماجاءَ فی تعجیل الفطر میں عَجَّلُوْ الفطر تک نقل کیا ہے۔

(۳۲) المستدرك للحاکم ج ۱☆ المصنف لعبد الرزاق کتاب الصیام ج٤ باب تعجیل الفطر۔المصنف لعبد الرزاق کتاب الصیام ج٤ باب تعجیل الفطر۔

(۳۳) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل السحور وتاکید استحبابه وتاخیروتعجیل الفطر☆ نسائی ج٤ کتاب الصیام باب ذکر الاختلاف علی سلیمان بن مهران فی حدیث عائشة فی تاخیر السحور واختلاف الفاظهم۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام۔ **مسلم کی ایک روایت میں روایت کا آغاز** کلاهما لایألوعن الخیر **سے بھی ہوا ہے۔** ☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی تعجیل الافطار۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب مایستحب من تعجیل الفطر۔☆ مُسندِ احمد ج٤ ص ٤٨-١٧٣۔

(۳٤) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب من سمی السحور الغداء۔☆نسائی ج٤ کتاب الصیام باب دعوة السحور **کے ضمن میں** قال سمعت رسول الله ﷺوهو یدعوا الی السحور فی شهر رمضان فقال هلموا الیٰ الغداء المبارك۔

(۳٥) نسائی ج٤ کتاب الصیام باب تَسْمِیَة السحور غداءً۔

(۳٦) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب من سمی السحور الغداء۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب مایستحب من السحور۔

فصل چہارم:

تَنزِیهُ الصَّوم

اس فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ روزے کو پاک اور درست رکھنے کے لیے کیا کیا احتیاطیں ضروری ہیں۔ اور اسے کن کن چیزوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ مزید برآں کون سی چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا روزے کی حالت میں جائز ہے اور ان سے روزے میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

ان احادیث کی تشریح و توضیح سے پہلے ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے تاکہ ان کے مطالعہ کے دوران میں کسی طرح کی خلش یا شبہات پیدا نہ ہوں۔

یہ بات کہ کن چیزوں سے روزے میں خرابی پیدا ہوتی ہے اور کن چیزوں سے نہیں ہوتی اور کیا کام ایسے ہیں جن کے کرنے کی اجازت ہے اور کیا کام ایسے ہیں جن کے کرنے کی اجازت نہیں ہے اس کے بیان میں بعض بڑے نازک مسائل بھی آتے ہیں۔ خصوصاً وہ مسائل جو آدمی کی خلوت کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ آدمی کی زندگی کا ایک ایسا لازمی حصہ ہیں جس سے کوئی انسان بھی بری نہیں ہے اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ روزے کی حالت میں انسان اپنی اس زندگی میں کہاں تک جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اگر وضاحت کے ساتھ اس کا جواب نہ دیا جاتا تو آدمی ہر وقت ایک خلجان اور پریشانی میں مبتلا رہتا۔ علاوہ بریں اس غرض کے لیے یہ بھی ناگزیر تھا کہ اس سلسلہ کی ضروری معلومات اور رہنمائی وہ ہستیاں فراہم کریں جن کو رسول اللہ ﷺ کی خلوت کی زندگی سے واقفیت حاصل تھی، یعنی ازواج مطہراتؓ۔ طالبانِ رشد وہدایت کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ حضورؐ کی اندرونِ خانہ کی زندگی کے متعلق ضروری معلومات اور رہنمائی ازواجِ مطہراتؓ سے حاصل کریں اور ازواجِ مطہراتؓ کے لیے بھی اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ضروری معلومات اور ہدایات ان کو بہم پہنچائیں کیونکہ وہ اس ہستی کی بیویاں تھیں جس کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے پیدا کیا تھا اور جس کی زندگی کو انسانیت کے لیے کامل نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک اہم سبب تھا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہراتؓ کو اُمّت کی مائیں (امہات المومنین) قرار دیا تاکہ ان کی اس نازک حیثیت کے مطابق ان کا ضروری ادب واحترام ملحوظ وبرقرار رہے اور اُمّت کو یہ بتا دیا گیا کہ اگر ان کے متعلق تم دل میں بھی کوئی بُرا خیال لاؤ گے تو تمہارا ایمان ختم ہو جائے گا۔

روزے سے مقصود تقویٰ ہے نہ کہ فاقہ کشی

۴۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ، وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔ (بخاری)

''حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے۔''

تشریح: مراد یہ ہے کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا وہ محض فاقہ کرتا ہے اور اس کا روزہ بے معنی ہے کیونکہ روزے سے جو تقویٰ، پرہیزگاری اور خدا خوفی پیدا کرنا مقصود تھا وہ تو اس نے اپنے اندر پیدا ہی نہیں ہونے دی۔

جھوٹ پر عمل کرنے سے کیا مراد ہے؟

جھوٹ بولنے کا مطلب تو واضح ہے البتہ جھوٹ پر عمل کرنے کا مفہوم سمجھ لینا چاہیے۔

جھوٹ بولنا تو ایک حد تک محدود چیز ہے لیکن جھوٹ پر عمل کرنا قریب قریب سارے گناہوں پر حاوی ہو جاتا ہے۔ اس بات پر غور کیجیے کہ اگر ایک آدمی نے دوسرے کا مال ناحق ہتھیا لیا ہو تو اس نے درحقیقت ایک جھوٹ پر عمل کیا ہے۔ مال اس کا نہیں تھا لیکن اس نے اسے اپنا سمجھ کر یا اپنا قرار دے کر یا یہ فیصلہ کر کے کہ اب یہ میرا ہونا چاہیے، اس پر قبضہ کر لیا تو اس کی یہ چوری دراصل ایک جھوٹ ہے جس پر اس نے عمل کیا۔

اسی طرح جو آدمی کسی کو قتل کرتا ہے وہ اصل میں جھوٹ پر عمل کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس بات کا حق دار فرض کر لیتا ہے کہ چونکہ فلاں شخص نے میرا قصور کیا ہے اس لیے میں اسے قتل کر سکتا ہوں درآنحالیکہ اُسے اس بات کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس طرح درحقیقت وہ جھوٹ پر عمل کرتا ہے۔ آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک آدمی جتنے گناہ بھی کرتا ہے خواہ وہ براہِ راست خدا کی نافرمانی کے گناہ ہوں یا بندوں پر ظلم و زیادتی کے گناہ ہوں، دونوں شکلوں میں درحقیقت ہر گناہ ایک جھوٹ ہے۔ اسی بنا پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی آدمی نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو اس بات کی کوئی حاجت نہیں کہ اس کا کھانا پینا چھڑوا دے کیونکہ اس نے روزے کے اصل مقصد کو فوت کر دیا۔

البتہ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ جھوٹ نواقضِ صوم (روزہ توڑنے والی چیزوں) میں سے نہیں ہے۔ ایک چیز تو وہ ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور دوسری چیز وہ ہے جس سے روزے کے حسن و خوبی (QUALITY) میں خرابی واقع ہوتی ہے، مثلاً وہ اخلاقی برائیاں ہیں جن کے ارتکاب سے روزے کی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ لیکن ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہاں یہ فرمایا کہ اللہ کو اس کے روزے کی کوئی حاجت نہیں، یہ نہیں فرمایا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ مدّعا یہ ہے کہ اس نے روزے کے مقصد کو فوت کر دیا اور اس کے روزے کی روح ختم ہوگئی کیونکہ اس نے روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِی اِیَاسٍ، ثَنَا ابْنُ اَبِی ذِئبٍ، ثَنَا سَعِیْدُ نِ الْمَقْبُرِیُّ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِی اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔(۱)

مَنْ لَّمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ، وَالْجَهْلَ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَاحَاجَةَ لِلّٰهِ فِیْ اَنْ یَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ۔(۲)

ترجمہ : جس نے جھوٹ بولنا اور اجڈپن اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا اللہ تعالیٰ کو اس کا کھانا پینا چھڑانے کی کوئی ضرورت وحاجت نہیں ہے۔

المستدرک نے ابو ہریرہؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے:

〈۲〉 قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ اِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ فَاِنْ سَابَّكَ اَحَدٌ اَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَقُلْ اِنِّىْ صَائِمٌ۔(۳)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا روزہ کھانے پینے کے چھوڑنے کا نام نہیں ہے بلکہ روزہ تو بے ہودہ گوئی اور بدکلامی سے اجتناب اور ترک کا نام ہے، اگر تجھے کوئی گالی گلوچ دے یا تجھے اشتعال دلائے تو اسے تم کہہ دو کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔

۴۴۔ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ مِنْ قِيَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ۔ (دارمی)

''کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک پیاس کے سوا ان کے پلّے کچھ نہیں پڑتا اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے رہنے والے ایسے ہیں جنہیں اس قیام سے رت جگے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

یہی بات ہے کہ جس کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح تر الفاظ میں ظاہر فرما دیا کہ:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ (البقرہ:۱۸۳)

''تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے۔ توقع ہے کہ اس ذریعہ سے تم تقویٰ کرنے لگو گے۔''
(اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر: اطاعت امر)

تشریح : ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے۔ ان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ محض بھوکا اور پیاسا رہنا عبادت نہیں ہے بلکہ اصل عبادت کا ذریعہ ہے، اور اصل عبادت ہے خوفِ خدا کی وجہ سے خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا اور محبت الٰہی کی بنا پر ہر اس کام کے لیے شوق سے لپکنا، جس میں محبوب کی خوشنودی ہو، اور نفسانیت سے بچنا، جہاں تک بھی ممکن ہو۔ اس عبادت سے جو شخص غافل رہا۔ اس نے خواہ مخواہ اپنے پیٹ کو بھوک پیاس کی تکلیف دی۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی حاجت کب تھی کہ بارہ چودہ گھنٹے کے لیے اس سے کھانا پینا چھڑا دیتا۔ (خطبات سوم: جھوٹ سے بچنا)

روزے کی حالت میں بیوی سے میل جول کے حدود

۴۵۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهٖ۔
(متفق علیہ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں بیوی سے اختلاط (میل جول) کر لیا کرتے تھے، اور حضورؐ تم سب سے بڑھ کر اپنی خواہشات پر قابو پانے والے تھے۔''

تشریح: مراد یہ ہے کہ روزے میں جنسی عمل کے ماسوا باقی ہر طرح کا میل جول اور اختلاط جائز ہے۔ یہ تو ہے اصل قانون، البتہ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ اس اجازت سے کس قسم کے آدمی کے لیے

فائدہ اٹھانا درست ہے۔ یعنی اگرچہ اصل جنسی عمل کے سوا اختلاط کی تمام شکلیں جائز ہیں لیکن اس میں یہ خطرہ موجود ہوتا ہے کہ انسان اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے اور ایسا فعل کر بیٹھے جس سے روزہ ٹوٹ جائے۔ اس لیے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ حضورؐ تم سب سے بڑھ کر اپنی خواہشات پر قابو رکھنے والے تھے۔ مراد یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی شخص کو اپنی ذات پر پورا قابو ہو تو وہ اس اجازت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن جس شخص کو اتنا قابو نہ ہو اس کو اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

آگے ایک حدیث میں اس کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ کے ایک اور قول سے بھی ملتی ہے اس کی وضاحت اپنے موقع پر آئے گی۔

تخریج : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، عَنْ شُعْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِإِرْبِهِ۔(٤)

مسلم اور ابوداؤد نے كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ وَيُبَاشِرُ هُوَ صَائِمٌ۔ اس کے بعد مسلم نے بخاری والے و کان املککم لاربه اور ابوداؤد نے ولکنه کان املك لاربه الفاظ بیان کیے ہیں۔

حالتِ جنابت میں روزہ شروع کیا جا سکتا ہے

٤٦ ـ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِي رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُومُ۔ (متفق عليه)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رمضان میں رسول اللہ ﷺ پر بعض اوقات فجر ایسی حالت میں آجاتی تھی کہ آپ حالتِ جنابت میں ہوتے تھے اور وہ جنابت ایسی نہیں ہوتی تھی جو خواب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ پھر آپ غسل فرما لیتے تھے اور اس وقت آپؐ روزے سے ہوتے تھے۔''

تشریح: رمضان کے زمانے میں بعض اوقات یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کو رات کے وقت جنابت لاحق ہو تو کیا اس کے لیے یہ لازم ہے کہ سحری بند ہونے اور روزہ شروع ہونے سے پہلے پہلے نہا لے یا اس بات کی اجازت ہے کہ وہ سحری کا وقت ختم ہونے اور روزہ شروع ہو جانے کے بعد نہا لے۔ اس سوال کا جواب اس حدیث سے ملتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر فجر کا وقت آ گیا اور روزہ شروع ہونے کے بعد آپ نے غسل فرمایا۔ پھر اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ یہ غسل وہ نہیں تھا جو خواب میں لاحق ہونے والی جنابت سے لازم آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس طرح کی حالت میں روزہ شروع کیا جا سکتا ہے اور اس سے روزے میں کوئی خرابی یا قباحت واقع نہیں ہوتی۔

اب ذرا غور کیجیے کہ اگر یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان نہ فرماتیں تو مسلمانوں کو کیسے معلوم ہوتی اور اگر معلوم نہ ہوتی تو انہیں اپنی پرائیویٹ زندگی میں کیسی دقتیں اور الجھنیں پیش آتیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور رسول اللہ ﷺ کی اور آپؐ کے گھر والوں کی ایک بہت بڑی قربانی تھی کہ انہوں نے زندگی کے اس پہلو تک کو

لوگوں سے چھپا کر نہیں رکھا بلکہ اس کے متعلق ضروری معلومات دیں تاکہ لوگوں کو اپنی زندگی کے اس پہلو کے متعلق رہنمائی مل سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بڑا عظیم الشان ایثار تھا جو رسول اللہ ﷺ نے اور آپؐ کے گھر والوں نے کیا۔ آج کچھ بے وقوف ایسے بھی ہیں جو اس چیز کے متعلق اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں یہ کیسی باتیں آگئی ہیں جو ازواج مطہراتؓ نے بیان فرمائی ہیں۔ وہ نہیں سوچتے کہ اگر مومنین کی مائیں اُمّت کو یہ باتیں نہ بتاتیں تو اُمت کو ان چیزوں کے متعلق ہدایات کہاں سے ملتیں۔

تخریج : حَدَّثَنَا اَحۡمَدُ بۡنُ صَالِحٍ، ثَنَا بۡنُ وَهۡبٍ، حَدَّثَنَا يُوۡنُسُ، عَنِ ابۡنِ شِهَابٍ، عَنۡ عُرۡوَةَ وَ اَبِىۡ بَكۡرٍ قَالَتۡ عَائِشَةُ : كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يُدۡرِكُهُ الۡفَجۡرُ جُنُبًا فِىۡ رَمَضَانَ مِنۡ غَيۡرِ حُلُمٍ فَيَغۡتَسِلُ وَيَصُوۡمُ(٥)

احرام اور روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے کا جواز

٤٧ ـ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اِنَّ النَّبِىَّ ﷺ اِحۡتَجَمَ وَهُوَ مُحۡرِمٌ وَاحۡتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے ہیں اس حالت میں کہ آپؐ احرام میں تھے اور اس حالت میں کہ آپؐ روزے سے تھے[1]۔''

تشریح : قدیم زمانے میں یہ طریقہ تھا اور آج کل بھی ایسا کیا جاتا ہے کہ بعض طبی ضروریات کی بنا پر جسم کے کسی حصے پر کسی تیز دھار آلے یا نشتر سے ہلکے ہلکے شگاف دیے جاتے ہیں جن سے خون رسنے لگتا ہے اور پھر سینگی سے اس کو چوسا جاتا ہے، اسے پچھنے لگانا کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا احرام اور روزے کی حالت میں ایسا کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ احرام کی حالت میں پچھنے لگوائے جاسکتے ہیں۔ البتہ شرط یہ ہے کہ پچھنے لگاتے وقت کوئی بال نہ کٹے، اگر بال کٹے گا تو احرام میں خرابی واقع ہوجائے گی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوائے جاسکتے ہیں۔ البتہ اس میں اس احتیاط کی ضرورت نہیں ہوتی جو حالتِ احرام میں ملحوظ رکھنی چاہیے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ پچھنے لگانے کی اجازت کے بارے میں احادیث میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس

---

[1] س : روزے میں انجکشن لگوانا کیسا ہے؟

ج : میری رائے میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

س : بعض علماء تو روزے کی حالت میں انجکشن کی اجازت دیتے ہیں۔؟

ج : ہاں، مگر میں اسے صحیح نہیں سمجھتا کیونکہ انجکشن کے ذریعے تو انسانی جسم میں بہت سی ایسی چیزیں داخل کی جاسکتی ہیں جو اس کے لیے غذا کی حیثیت رکھتی ہیں مثلاً گلوکوز، پانی یا دیگر قوت بخش اجزاء۔ اگر یہ جائز رکھا جائے تو پھر انجکشن کے ذریعے روزہ دار کو باقاعدہ غذا پہنچائی جاسکتی ہے۔ اس طرح روزے کا مقصد ختم ہوجاتا ہے۔

س : مولانا! وہ کہتے ہیں کہ ایسے انجکشن جن میں غذائی اجزاء شامل ہوں ان کی اجازت نہیں، باقی لگوائے جاسکتے ہیں۔''

ج : ہاں مگر ان کے درمیان لکیر کہاں سے کھینچیں گے اور کس طرح ایسی فہرستیں بنائیں گے کہ فلاں فلاں اور فلاں قسم کے انجکشن جائز ہیں اور فلاں فلاں ناجائز ہیں، جب کہ نت نئے انجکشن منظر عام پر آتے رہیں گے۔ اسی لیے میری رائے میں صحیح طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ انجکشن لگوانا چاہیں وہ روزہ رکھنے تک درمیانی وقفے میں بآسانی لگواسکتے ہیں اور اگر ایسی ہی مجبوری ہو کہ انجکشن روزے کے اوقات میں لگوانا ضروری ہو تو ان کے لیے گنجایش ہے کہ وہ انجکشن لگوالیں اور روزہ بعد میں قضا کرلیں۔''

(۱۵ اے ذیلدار پارک حصہ دوم ص ۱۳۳۔۱۳۴)

اختلاف کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس بات کے قائل ہیں کہ پچھنے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن امام احمدؒ اس بات کے قائل ہیں کہ پچھنے لگانے سے، پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ان کا استدلال ایک دوسری حدیث کی بنیاد پر ہے جو آگے آرہی ہے۔ البتہ پیشِ نظر حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہ الفاظ بالکل واضح ہیں کہ نبی ﷺ نے خود روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر پچھنے لگوانے سے روزہ میں کوئی قباحت واقع ہوتی تو نبی ﷺ ایسا نہ کرتے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ اَسَدٍ، ثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ اَيُّوبَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔(٦)

مسلم میں طاؤس اور عطاء دونوں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

⟨۲⟩ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

⟨۳⟩ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ احْتَجَمَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَسْطَ رَأْسِهٖ۔(٧)

ترجمہ: نبی ﷺ نے مکہ کے راستہ میں حالتِ احرام میں اپنے سر کے وسط میں پچھنے لگوائے۔

ابوداؤد نے ابنِ عباس کے دو شاگردوں سے روایت کو بیان کیا ہے:

⟨۴⟩ عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔

اور دوسرے شاگرد مقسم سے:

⟨۵⟩ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ مُحْرِمٌ۔(٨)

ترمذی نے عکرمہ کے واسطہ سے ابن عباس کی روایت کے الفاظ یوں نقل کیے ہیں:

⟨٦⟩ قَالَ احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ مُحْرِمٌ صَائِمٌ۔(٩)

قال ابو عیسیٰ هذا حديث صحيح ... آگے لکھتے ہیں وقد ذهب بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغيرهم الى هذا الحديث ولم يروا بالحجامة للصائم بأسا۔ وهو قول سفيان الثوری ومالك بن انس والشافعی۔

بھولے سے کھاپی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

٤٨ ـ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔ (متفق علیه)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو روزہ دار بھولے سے کھالے یا پی لے تو اسے چاہیے کہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلا پلا دیا۔''

تشریح: اگر آدمی بھولے سے پیٹ بھر کر کھالے یا گلاس بھر پانی یا کوئی اور چیز پی لے تب بھی اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن جس وقت اسے یاد آجائے اسی وقت اپنا ہاتھ روک لے۔ کیونکہ اگر اس کے بعد اگر ایک بھورا یا ایک قطرہ بھی اس کے حلق سے گزر گیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

معلوم ہوا کہ بھولے سے اگر آدمی کوئی کام ایسا کر جائے جو روزہ توڑنے والا ہو تو اس سے روزے میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی اور ایسی غلطی کی صورت میں اسے اپنا روزہ ختم نہیں کرنا چاہیے۔

اس سے یہ اصول بھی نکلا کہ بھولے کی غلطی معاف ہے، اور شریعت اس اصول کو تسلیم کرتی ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنِی عَمْرُوبْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدُ، حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ اِبْرٰهِیْمَ، عَنْ هِشَامِ الْفِرْدَوْسِیِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِیْرِیْنَ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ نَسِیَ وَهُوَ صَآئِمٌ فَاَكَلَ اَوْ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔(۱۰)

⟨۲⟩ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا نَسِیَ فَاَكَلَ وَ شَرِبَ فَلْیُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔(۱۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جب روزہ دار بھولے سے کھالے اور پی لے تو اسے اپنا روزہ پورا کرنا چاہیے۔ کیونکہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا پلایا ہے۔

ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایت:

⟨۳⟩ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنِّیْ اَكَلْتُ وَشَرِبْتُ نَاسِیًا وَّاَنَا صَائِمٌ فَقَالَ اَطْعَمَكَ اللّٰهُ وَسَقَاكَ۔(۱۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی نے آکر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے بھولے سے کھا پی لیا ہے جب کہ میں روزے سے تھا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھے کھلایا پلایا ہے۔

ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا متن:

⟨۴⟩ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَكَلَ اَوْ شَرِبَ نَاسِیًا فَلَایُفْطِرْ فَاِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ۔(۱۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے بھولے سے کچھ کھا پی لیا ہو تو وہ افطار نہ کرے۔ وہ تو رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے کھلایا ہے۔

المستدرک للحاکم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت مختلف الفاظ میں بیان کی ہے:

﴿۵﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَنْ اَفْطَرَ فِیْ رَمَضَانَ نَاسِیًا فَلَا قَضَاءَ عَلَیْهِ وَلَا كَفَّارَةَ۔ (١٤)

هذا حديث صحيح على شرط مسلم ولم يخرجاه بهذه السياقة۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس کسی نے رمضان میں بھولے سے افطار کرلیا ہوتو اس پر نہ قضا ہے اور نہ کسی قسم کا کفارہ۔

مسندِ احمد میں ہے:

﴿۶﴾ اِذَا صَامَ اَحَدُكُمْ يَوْمًا فَنَسِیَ فَاَكَلَ وَشَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔(١٥)

ترجمہ: کسی روز جب تم میں سے کسی روزہ دار نے بھولے سے کچھ کھاپی لیا ہوتو وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ دراصل اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔

قصداً روزہ توڑنے کا کفّارہ

۴۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ اِذَا جَآءَهٗ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَكْتُ، قَالَ: مَالَكَ؟ قَالَ وَقَعْتُ عَلٰی امْرَاَتِیْ وَاَنَا صَآئِمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا، قَالَ: لَا، قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: هَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: اِجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِیُّ ﷺ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِيْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ، قَالَ: اَيْنَ السَّائِلُ؟ قَالَ: اَنَا، قَالَ: خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ، فَقَالَ الرَّجُلُ: اَعَلٰی اَفْقَرَ مِنِّیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَوَاللّٰهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا ــــ يُرِيْدُ الْحَرَّتَيْنِ ــــ اَهْلُ بَيْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِیْ، فَضَحِكَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی بَدَتْ اَنْيَابُهٗ، ثُمَّ قَالَ اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ۔ (متفق علیہ)

’’حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا اور اُس نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میں تو ہلاک ہوگیا۔ حضورؐ نے فرمایا: تجھے کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مجامعت کرلی۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا: کیا تیرے پاس کوئی غلام ہے جسے تو آزاد کردے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضورؐ نے اس سے پوچھا: کیا تم دو مہینے کے مسلسل روزے رکھنے پر قادر ہو؟ اس نے کہا یہ بھی نہیں کرسکتا۔ حضورؐ نے پھر اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اتنا مال ہے کہ ساٹھ مسکین آدمیوں کو کھانا کھلاسکو؟ اس نے کہا یہ بھی نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر حضورؐ نے انتظار کیا۔ ابھی ہم اسی حالت میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بڑا ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا وہ شخص جس نے مسئلہ پوچھا تھا کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ لے جا اور صدقہ کردے۔ (کفارے کے طور پر اس سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلادے) اس شخص نے عرض کیا یا

رسول اللہ! کیا میں یہ کسی ایسے شخص کو لے جا کر کھلاؤں جو مجھ سے زیادہ فقیر ہو، اور خدا کی قسم مدینے کی ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان مجھ سے بڑھ کر تو کوئی فقیر ہے نہیں۔ حضورؐ اس پر ہنس دیے۔ یہاں تک ہنسے کہ آپؐ کی کچلیاں نمودار ہو گئیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ یہ اپنے ہی بال بچوں کو کھلا دو۔''

تشریح: اس حدیث سے کئی مسائل معلوم ہوئے:

ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر ایک آدمی اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے اور قصداً روزہ توڑ دے تو اس کا کفارہ کیا ہے — پہلا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اگر آدمی یہ کفارہ ادا کر سکتا ہو تو اسے یہی کفارہ ادا کرنا چاہیے اگر وہ یہ کفارہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس صورت میں دوسرا کفارہ یہ ہے کہ وہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اس طرح کہ بیچ میں چھوڑے نہیں۔ اگر وہ اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس کے لیے جائز ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے مراد دونوں وقت کا پیٹ بھر کر کھانا کھلانا ہے اور اس طرح کا کھانا کھلانا جیسا کہ آدمی خود کھاتا ہے۔

یہاں تک تو مسئلہ کی عمومی نوعیت تھی۔ اس کے بعد ایک خاص شکل سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان چیزوں میں سے کسی پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے کیا حکم ہے۔ اس چیز کا تعین بھی پیشِ نظر حدیث سے ہوتا ہے۔

جب سائل نے کہا کہ میں تو تینوں صورتوں میں کفارہ ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے اس مالِ زکوٰۃ میں سے، جو آپؐ کے پاس آیا تھا اس شخص کی مدد فرمائی۔ اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بیت المال سے اس طرح کے لوگوں کی مدد کی جا سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی کسی غلطی کا مرتکب ہو جائے جس سے اس نوعیّت کا شدید کفارہ لازم آ جاتا ہے اور وہ یہ کفارہ ادا کرنے پر قادر بھی نہ ہو تو اس کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو یہ کہ وہ اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ اس کو ان تینوں چیزوں میں سے کسی ایک کی قدرت حاصل ہو جائے (اور ہو سکتا ہے کہ اسی انتظار میں اس کی عمر گزر جائے) یا یہ کہ بیت المال سے اس کی مدد کی جائے، یا کچھ دوسرے نیک لوگ اس کی مدد کریں۔ معلوم ہوا کہ مالِ زکوٰۃ اس چیز پر بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح کسی ایسے مقروض کا قرضہ بیت المال سے ادا کیا جا سکتا ہے جو خود قرضہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، اسی طرح اگر کسی شخص پر اس طرح کے کفّارے لازم آ گئے ہوں تو ان کفاروں کے ادا کرنے میں مالِ زکوٰۃ سے اس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ اگر بیت المال موجود نہ ہو تو جو لوگ زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ مالِ زکوٰۃ سے اس کی مدد کریں تاکہ ان کا ایک مسلمان بھائی جس پیچیدگی میں پھنس گیا ہے اس سے نکل جائے۔

فقہاء کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ کفّارہ (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی ہے) آیا اس صورت میں واجب آتا ہے جب کہ مباشرت روزہ توڑنے کی وجہ بنی ہو یا اس صورت میں بھی واجب آتا ہے جب کہ آدمی قصداً کھا پی لے۔ فقہاء کا ایک گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ کفارہ صرف اس صورت میں لازم آتا ہے جب کہ مباشرت روزہ توڑنے کا سبب بنی ہو۔ دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اگر آدمی نے کسی طرح بھی قصداً روزہ توڑ دیا ہے تو اس سے یہی کفارہ لازم آتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تمام شکلوں میں جب کہ روزہ توڑا جائے کفارے کی یہی شکل ہے۔

اب آگے اس حدیث میں ایک بہت ہی خاص بات آئی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ سے سائل نے یہ کہا کہ مدینے میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مفلس نہیں ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ اچھا یہ کھجوریں لے جا اور اپنے ہی اہل و عیال پر صدقہ کر دے۔ اس

سلسلے میں بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ یہ معاملہ صرف اسی شخص کے لیے خاص تھا، دوسرے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ جس معاملے میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے سہولت اور فراخی رکھی ہے اس میں کسی اور کو تنگی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اگر کوئی آدمی ایسی حالت میں ہے کہ اسے خود کھانے کو نصیب نہیں ہے اور آپ اس کے ہاتھ میں مال دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اسے غریبوں پر صدقہ کر دے تو سوال یہ ہے کہ آخر خود اسے یہ مال لینے کا حق کیوں نہیں پہنچتا۔ یہ صدقہ تو وہ شخص دے جس کے پاس کم از کم کھانے کو تو موجود ہو۔ لیکن جو اس فکر میں ہے کہ رات کو میرے بچے کھائیں گے کیا اور آپ اس کے ہاتھ سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو یہ بات یقیناً محلِ نظر ہے۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں شریعت کا منشا یہ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے ایک مسئلہ شرعی معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فعل جذباتی نہیں تھا اور آپ کے ہر فعل سے دراصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے حدود کیا ہیں اور اس کی حقیقی روح کیا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شخص سے کوئی ایسا قصور ہو جائے جس سے کفارہ لازم آتا ہو اور وہ شخص فی الواقع خود صدقے کا مستحق ہو تو بیت المال سے اس کی مدد کرنا جائز ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ایک مرتبہ اس مال کا مالک بنا دیا جائے اور پھر اس سے کہا جائے کہ تجھے صدقہ کرنے کا پورا حق ہے لیکن اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ تو خود ہی صدقے کا مستحق ہے تو خود بھی اسے استعمال کر سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا عمل یہ بتا رہا ہے کہ ایسا کرنا جائز ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَان اَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ، قَالَ اَخْبَرَنِی حُمَیْدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَنَّ اَبَاهُرَیْرَةَ قَالَ: بَیْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ اِذْ جَآءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هَلَکْتُ قَالَ : مَالَكَ؟ قَالَ : وَقَعْتُ عَلٰی امْرَأَتِی وَاَنَا صَائِمٌ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا، قَالَ:لَا، قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِیْعُ اَنْ تَصُوْمَ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ؟ قَالَ:لَا، قَالَ:فَهَلْ تَجِدُ اِطْعَامَ سِتِّیْنَ مِسْکِیْنًا؟ قَالَ :لَا، قَالَ: اِجْلِسْ وَمَکَثَ النَّبِیُّ ﷺ فَبَیْنَا نَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ اُتِیَ النَّبِیُّ ﷺ بِعَرَقٍ فِیْهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِکْتَلُ الضَّخْمُ، قَالَ: اَیْنَ السَّائِلُ؟ قَالَ:اَنَا، قَالَ: خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهٖ، فَقَالَ الرَّجُلُ: اَعَلٰی اَفْقَرَ مِنِّیْ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَاللّٰهِ مَابَیْنَ لَابَتَیْهَا یُرِیْدُ الْحَرَّتَیْنِ اَهْلُ بَیْتٍ اَفْقَرُ مِنْ اَهْلِ بَیْتِیْ، فَضَحِكَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی بَدَتْ اَنْیَابُهٗ، ثُمَّ قَالَ: اَطْعِمْهُ اَهْلَكَ۔(۱۶)

ترمذی نے اس روایت کو بیان کر کے لکھا ہے:

قال ابو عیسیٰ: حدیث ابی هریرة حدیث حسن صحیح۔ والعمل علی هذا الحدیث عند اهل العلم فی من افطر فی رمضان متعمدًا من جماع ـــ واما من افطر متعمداً من اکل او شرب۔ فان اهل العلم قد اختلفوا فی ذلك۔ فقال بعضهم علیه القضاء والکفارة۔ وشبّهوا الاکل والشرب بالجماع۔ وهو قول سفیان الثوری وابن المبارك واسحٰق وقال بعضهم عَلیه القضاء ولا کفارة علیه لانه انما ذکر عن النبی ﷺ الکفارة فی الجماع۔ ولم یذکر عنه فی الاکل والشرب۔ وقالوا لایشبه الاکلُ والشرب الجماع وهو قول الشافعی واحمد۔ وقال الشافعی وقول النّبی ﷺ للرجل الذی افطر فتصدق علیه خذه فاطعمه اهلك یحتمل

هذا معانی۔ يحتمل ان يكون الكفارة علىٰ من قدر عليها۔ وهذا رجل لم يقدر على الكفارة فلما اعطاه النبى ﷺ شيئًا وملكه۔ قَال الرجل: ما احد افقر منا۔ فقال النبى ﷺ خذه فَاطْعِمْه اهلك لان الكفارة انما يكون بعض الفضل عن قوتِهِ واختار الشافعى لمن كان على مثل هذا الحال ان ياكله وتكون الكفارة عليه دَينا فمتى ما ملك يوما كفر۔(۱۷)

ترجمہ : امام ترمذیؒ کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی روایت حسن صحیح کے درجہ میں ہے۔ اہل علم کے نزدیک اس حدیث پر عمل درآمد اس صورت میں ہوگا جب کہ روزہ توڑنے والے نے رمضان میں بالارادہ مجامعت کی ہو۔ رہی وہ صورت کہ کسی نے عمداً کھانے پینے کی وجہ سے روزہ توڑا ہو تو اس صورت میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک اس پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ ان حضرات نے کھانے پینے کو جماع سے تشبیہ دی ہے۔ یہ رائے سفیان ثوری، ابن المبارک اور اسحاق کی ہے اور بعض کے نزدیک صرف قضا ہے کفارہ نہیں ہے کیونکہ کفارہ کا ذکر نبی ﷺ سے صرف مجامعت کی صورت میں ہوا ہے۔ کھانے پینے کی صورت میں آپ سے اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ کھانے پینے کو مجامعت کے مشابہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ رائے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ہے۔ امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ جس آدمی نے روزہ توڑا تھا اور اسے صدقہ دیا گیا تھا اسے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ صدقہ کی یہ کھجوریں لے لو اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔ یہ اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ کفارہ اس پر لازم ہو جو اس کی مقدرت رکھتا ہو۔ رہا یہ شخص تو اسے اس کی مقدرت ہی نہیں تھی جب تک کہ نبی ﷺ نے اسے صدقہ کا مال دے کر اسے اس کا مالک نہ بنا دیا۔ اس شخص نے کہا تھا کہ ہم سے زیادہ ضرورت مند تو اور کوئی بھی نہیں ہے تو پھر آپ نے فرمایا تھا اچھا یہ لے لو اور جا کر اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو، کیونکہ کفارہ تو اپنی خوراک سے بچت پر لازم ہے۔ امام شافعی نے یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ جو شخص ایسی حالت میں ہو تو وہ اسے کھا لے مگر کفارہ کی ادائیگی اس پر قرض رہے گی پس جس روز وہ خود اتنی چیز کا مالک ہوگا کفارہ دے گا۔

قال فی الحديث بمكتل فيه خمسة عشر صاعاً من تمر۔

حدیث میں لفظِ مِکتل بیان ہوا ہے۔ ایک مکتل (یعنی ٹوکرا) میں پندرہ صاع چھوہارے آتے تھے۔

رواه الاوزاعى ومحمد بن ابى حفصة عن الزهرى هكذا وذكره هشام بن سعد عن الزهرى، عن ابى سلمة، عن اَبى هُريرة مثلهٗ ورواه عبد الله بن المبارك عن الاوزاعى، عن الزهرى۔ وجعل هذا التقدير عن عمروبن شعيب فالذى يشبه ان يكون تقدير المكتل بخمسة عشر صاعاً من رواية الزهرى عن عمرو بن شعيب والله اعلم۔(۱۸)

روزے کی حالت میں بیوی سے میل جول کا مسئلہ

۵۰۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً سَئَلَ النَّبِىَّ ﷺ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ اٰخَرُ فَسَئَلَهٗ فَنَهَاهُ فَاِذَا الَّذِىْ رَخَّصَ لَهٗ شَيْخٌ وَاِذَا الَّذِىْ نَهَاهُ شَابٌّ۔ (ابوداؤد)

”حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا ایک روزہ دار کے لیے اپنی بیوی

کے ساتھ اختلاط (میل جول) کی اجازت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس کی اجازت دے دی۔ پھر ایک دوسرا شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بھی یہی بات دریافت کی تو آپؐ نے اسے اس چیز سے منع کر دیا ـــــ جس شخص کو آپؐ نے اجازت دی وہ سن رسیدہ آدمی تھا اور جس کو منع کیا وہ جوان آدمی تھا۔"

تشریح: اس حدیث کے متن میں بیوی کے ساتھ میل جول اور اختلاط کے لیے مباشرۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ احادیث میں یہ لفظ اس سلسلے میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے اور اردو سے عربی سمجھتے ہیں وہ اس لفظ کو بہانہ بنا کر احادیث کے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیتے ہیں کہ یہ دیکھو ان احادیث میں کیا غلط سلط چیزیں جمع کر دی گئی ہیں۔ یہ لوگ بلا تحقیق اس طرح کے طوفان کھڑے کرتے رہتے ہیں اور درحقیقت اپنی جہالت کو حدیثِ رسول کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کی غلط فہمی کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ اُردو میں لفظِ مباشرت صرف جنسی عمل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے حالانکہ عربی میں ایسا نہیں ہے۔

مباشرۃ کا لفظ باشر سے ہے جس کے معنی ہیں کسی کام کو خود کرنا۔ ایک عرب جب یہ کہے گا کہ دیکھو فلاں کام دوسرے پر نہ چھوڑو بلکہ خود اس کام کو کرو تو وہ یہ کہے گا کہ اِفۡعَلۡهُ مُبَاشَرَةً (اس کام کو خود کر) یا جب وہ یہ کہنا چاہے گا کہ میں خود وہاں گیا تھا، کسی کو بھیجا نہیں تھا تو وہ یہ کہے گا کہ ذَهَبۡتُ مُبَاشَرَةً (میں خود گیا تھا) اسی طرح اس لفظ کے ایک معنی عورت اور مرد کی باہمی جسمانی قربت کے بھی ہیں جس میں جنسی عمل شامل نہیں ـــــ یہاں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے ـــــ چنانچہ جس آدمی نے آکر مسئلہ پوچھا تھا اس نے دراصل یہ پوچھا تھا کہ میں روزے کی حالت میں اختلاط کر سکتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اجازت دے دی کیونکہ وہ سن رسیدہ آدمی تھا۔ دوسرے نے آکر پوچھا تو حضورؐ نے اُسے منع کر دیا کیونکہ وہ جوان آدمی تھا ـــــ ظاہر بات ہے کہ سن رسیدہ آدمی پر جذبات کا اتنا غلبہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے۔ لیکن جوان آدمی بسا اوقات ضبط نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ روزہ توڑ بیٹھے اور ایک مشکل میں مبتلا ہو جائے۔ چنانچہ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ احتیاط برتے اور اختلاط سے پرہیز کرے۔

اس حدیث میں واضح طور پر یہ بات بتائی گئی کہ اگرچہ یہ کام جائز ہے اور یہ آخری حد ہے جس تک آدمی روزے کی حالت میں جا سکتا ہے لیکن جو آدمی ضبط نہ کر سکتا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس سے پرہیز کرے۔ البتہ جو شخص اپنے اوپر پورا قابو رکھتا ہو وہ اس رُخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا نَصۡرُبۡنُ عَلِيٍّ، ثَنَا اَبُوۡاَحۡمَدُ یعنی الزُّبَیۡرِیُّ، اَخۡبَرَنَا اِسۡرَائِیۡلُ، عَنۡ اَبِیۡ عَنۡبَسٍ، عَنِ الۡاَغَرِّ، عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ ﷺ عَنِ الۡمُبَاشَرَةِ لِلصَّآئِمِ فَرَخَّصَ لَهٗ وَاَتَاهُ آخَرُ (فَسَالَهٗ) فَنَهَاهُ۔ فَاِذَا الَّذِیۡ رَخَّصَ لَهٗ شَیۡخٌ وَالَّذِیۡ نَهَاهُ شَابٌّ۔ (۱۹)

خود بہ خود قے آجانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

۵۱۔ عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنۡ ذَرَعَهُ الۡقَیۡءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَیۡسَ عَلَیۡهِ قَضَآءٌ وَمَنِ اسۡتَقَاءَ عَمۡدًا فَلۡیَقۡضِ۔ (ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

’’حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو قے خود بخود آجائے اس حالت میں کہ وہ روزے سے ہوتو اس پر کوئی قضا نہیں، اور جو شخص عمداً قے کرے اُسے چاہیے کہ قضا ادا کرے۔ اگر کسی شخص کو خود بخود قے آجائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے عمداً روزہ نہیں توڑا ہے اس لیے اس کا حکم وہی ہے جو بھولے سے کھالینے والے کا ہے۔ بھولے سے اگر کوئی شخص پیٹ بھر کر بھی کھالے تب بھی اس پر کوئی قضا نہیں۔ قضا صرف اس صورت میں ہوگی جب کہ اس نے عمداً ایسا کیا ہو۔ اسی طرح کوئی شخص اگر قصداً قے کرے تو اس صورت میں اس پر قضا لازم آئے گی۔ لیکن اگر اس کے پیٹ میں کوئی ایسی تکلیف ہو جس کی وجہ سے اُسے خود بخود قے آجائے تو چاہے قے پوری طرح سے منہ بھر کر آئے یا کئی مرتبہ آئے، اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اور نہ قضا لازم آئے گی۔‘‘

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثنا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، ثنا هِشَامُ بْنُ حَسَّان، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ ذَرَعَهُ قَـیْءٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَاِنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ۔(۲۰)

قال ابوداوٗد: رواه ايضًا حفص بن غياث عن هشام مثله۔

ابن ماجہ کے الفاظ:

﴿۲﴾ من ذرعه القیٔ فلا قضاء عليه ومن استقاء فعليه القضاء۔

ترجمہ : جس شخص کو خود قے آجائے اس پر کوئی قضا نہیں، اور جو شخص عمداً قے کرے تو اس پر قضا لازم ہے۔

دارمی میں ہے:

﴿۳﴾ اذا ذرع الصائم القیٔ وهو لايريده فلاقضاء عليه واذا استقاء فعليه القضاء۔

ترجمہ : جب روزے دار کو خود قے آجائے اور ارادۃً قے نہ کرے تو اس پر قضا لازم نہیں۔ البتہ جب عمداً قے کرے تو اس پر قضا لازم ہے۔

قال عيسیٰ: زعم اهل البصرة ان هشاما اوهم فيه فموضع الخلاف ههنا۔(۲۱)

﴿۴﴾ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ، نا عِيسٰى بْنُ يُونُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّان، عَنِ ابْنِ سِيرِيْنَ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ، اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ قَالَ: مَنْ ذَرَعَهُ الْقَیُّ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمَدًا فَلْيَقْضِ۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو خود قے آجائے تو اس پر کوئی قضا لازم نہیں ہاں جو عمداً قے کرے تو اسے قضا کرنا چاہیے۔

وفى الباب عن ابى الدرداء وثوبان وفضالة بن عبيد۔

قال ابوعيسیٰ حديث ابى هزيرة حديث حسن غريب لانعرفه من حديث هشام

عن ابی سیرین، عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ الا من حدیث عیسی بن یونس وقال محمد لا اراہ محفوظاً۔

قال ابوعیسی وقد روی ھذا الحدیث من غیر وجھه عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ ولایصح اسنادہ،وروی عن ابی الدرداء وثوبان وفُضَالة بن عُبید ان النبی ﷺ قاء فافطروا انما معنی ھذا الحدیث ان النبی ﷺ کان صائما متطوعا فقاء فضعف فافطر لذلك ھکذا روی فی بعض الحدیث مفسرًا۔

والعمل عند اھل العلم علی حدیث ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ ان الصائم اذا ذرعه القیٔ فلا قضاء علیه واذا استقاء عمدًا فلیقض۔ وبه یقول الشافعی وسفیان الثوری واحمد واسحاق۔(۲۲)

ترجمہ : ابوالدرداء،ثوبان اور فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قے کے بعد افطار کرلیا۔اس کا معنی دراصل یہ ہے کہ آپؐ نفلی روزہ سے تھے۔اس حالت میں آپؐ کو قے آگئی جس سے بدن میں نقاہت وکمزوری پیدا ہوگئی۔اس وجہ سے آپ نے روزہ توڑدیا۔

ورنہ اصل عمل اہلِ علم حضرات کا اس حدیث پر ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے روزہ دار کو جب خود قے آجائے تو اس پر کوئی قضا لازم نہیں ہے اور جب عمداً قے کرے تو قضا کرنی چاہیے۔امام شافعی،سفیان ثوری،احمد،اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

قے آجانے پر نفلی روزہ کھول لینا جائز ہے

۵۲ ۔ عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ اِنَّ اَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَاءَ فَاَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَاَنَا صَبَبْتُ لَهٗ وَضُوْءَہٗ۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

”جناب معدان بن طلحہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابُوا لدَّرداءؓ نے مجھ سے یہ بات فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کی اور روزہ افطار کرلیا۔مَعدان اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ پھر دمشق کی مسجد میں میری ملاقات حضرت ثوبانؓ سے ہوئی تو میں نے کہا کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے مجھ سے یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قے کرکے روزہ افطار کرلیا تھا۔ حضرت ثوبانؓ نے جواب دیا کہ حضرت ابوالدرداءؓ نے سچ کہا ہے۔میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر خود پانی ڈالا تھا اور کُلّی کرنے کے لیے آپؐ کو پانی دیا تھا۔“

تشریح: واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ روزہ نفلی تھا۔حضورؐ کو کوئی ایسی تکلیف لاحق ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے آپؐ کو روزہ افطار کرنا پڑا۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعْمَرٍ عَبْدُاللّٰہِ بْنُ عَمْرٍو، ثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ، ثَنَا الْحُسَیْنُ، عَنْ یَحْیٰ، حَدَّثَنِی عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَمْرٍو الْاَوْزَاعِیُّ عَنْ یَعِیْشَ بْنِ الْوَلِیْدِ بْنِ ہِشَامٍ اَنَّ اَبَاہُ حَدَّثَہٗ حَدَّثَنِی مَعْدَانُ بْنُ طَلْحَۃَ اَنَّ اَبَا الدَّرْدَآءِ حَدَّثَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَاءَ فَاَفْطَرَ فَلَقِیْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ، فَقُلْتُ : اِنَّ اَبَا الدَّرْدَآءِ، حَدَّثَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَاءَ فَاَفْطَرَ، قَالَ: صَدَقَ، وَاَنَا صَبَبْتُ لَہٗ وَضُوْءَہٗ ﷺ۔(۲۳)

روزے کی حالت میں مسواک کرنا جائز ہے

۵۳۔ عَنْ عَامِرِبْنِ رَبِیْعَۃَ قَالَ رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مَالَا اُحْصِیْ یَتَسَوَّکُ وَھُوَ صَائِمٌ ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

''حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اتنی بار رسول اللہ ﷺ کو روزے کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا ہے کہ میں اس کا شمار نہیں کرسکتا۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں مسواک کی جاسکتی ہے اور اس میں روزہ نہیں ٹوٹتا۔

تخریج(۱): حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَھْدِیِّ، نَا سُفْیَانُ عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ، عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَامِرِ بْنِ رَبِیْعَۃَ، عَنْ اَبِیْہِ قَالَ:رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ مَالَا اُحْصِیْ یَتَسَوَّکُ وَھُوَ صَائِمٌ۔

وفی الباب عن عائشۃ:

قال ابو عیسیٰ: حدیث عامر بن ربیعۃ حدیث حسن۔

والعمل علی ھذا عند اھل العلم لایرون بالسواک للصائم باسا الا ان بعض اھل العلم کرھوا السواک للصائم بالعود الرطب و کرھوا لہ السواک و اخر النھار ولم یرالشافعی بالسواک باسا اول النھار اخرہ و کرہ احمد واسحاق السواک اخر النھار۔(۲۴)

ترجمہ : اہل علم کی اکثریت اس پر عمل پیرا ہے اور ان کے نزدیک روزہ دار کے لیے مسواک کرنا کسی حرج کا موجب نہیں ہے۔تاہم بعض اہل علم گیلی مسواک کو مکروہ سمجھتے ہیں اور دن کے آخری حصہ میں بھی مسواک کرنا ناپسند کرتے ہیں۔امام شافعیؒ دن کے کسی بھی حصہ میں مسواک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔البتہ امام احمد اور اسحاق دن کے آخری حصہ میں مسواک کرنا مکروہ تصوّر کرتے ہیں۔

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی ہے:

﴿۲﴾ قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مِنْ خَیْرِ خِصَالِ الصَّائِمِ السِّوَاکُ۔(۲۵)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔روزہ دار کی عمدہ عادتوں میں سے مسواک کرنا بہترین عادت ہے۔

بخاری میں ہے:

〈۳〉 ویذکر عن عامر بن ربیعة قال: رَأَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَسْتَاکُ وَھُوَ صَائِمٌ مَالَا اُحْصِیْ اَوْ اَعُدُّ۔

ترجمہ: عامر بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو روزے کی حالت میں اتنی بار مسواک کرتے دیکھا ہے جسے میں نہ شمار کرسکتا ہوں، نہ گن کر بتا سکتا ہوں۔

〈۴〉 وَقَالَ اَبُوْھُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ وُضُوْءٍ۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں اپنی اُمت کو مشقت میں ڈال دوں گا تو ان کو ہر وضو کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دے دیتا۔

ویُروی نحوہ عن جابر وزید بن خالد عن النبی ﷺ ولم یخص الصائم من غیرہ۔

〈۵〉 وقالت عائشةؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم السِّوَاکُ مَطْھَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ الخ۔(۲۶)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ نبی ﷺ کا ارشاد بیان کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ مسواک منہ کی طہارت اور خوشنودی رب کا ذریعہ ہے۔

روزے کی حالت میں سرمہ لگانے کا مسئلہ

۵٤۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ قَالَ اشْتَکَتْ عَیْنِیَّ اَفَاَکْتَحِلُ وَاَنَا صَائِمٌ، قَالَ نَعَمْ۔ (ترمذی)

”حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میری آنکھوں میں تکلیف ہے، کیا میں روزے کی حالت میں سرمہ لگا لوں؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں لگا لو۔“

تشریح: یہ روایت ضعیف ہے۔ تاہم اگر اس کو صحیح مانا جائے تو اس سے صرف اتنی گنجایش نکلتی ہے کہ سرمہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ایک ذرا سی چیز ہوتی ہے لیکن اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ آنکھ میں باقاعدہ دوائی ٹپکانی بھی جائز ہے کیونکہ آنکھ اور حلق کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اگر آپ کوئی رنگین دوا آنکھ میں ڈالیں تو تھوڑی دیر کے بعد اس کا رنگ آپ کے حلق میں آجائے گا اور تھوکنے سے تھوک بھی اسی رنگ کا نکلے گا۔

آنکھ کے برعکس کان میں دوا ڈالنا جائز ہے کیونکہ کان اور حلق کے درمیان ایسا پردہ ہوتا ہے جس سے دوا نہیں گزر سکتی۔ اگر کان کو دوا سے بھر بھی دیا جائے تب بھی کان کے پردے سے دوا کی ذرا سی نمی بھی حلق میں نہیں پہنچے گی، جب کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے فوراً حلق میں پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ بعض لوگوں کو یہ بات معلوم نہیں ہے اس لیے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کان چونکہ گہرا ہوتا ہے اور اس پر بظاہر جوف کا اطلاق ہوسکتا ہے اس لیے اس میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔

اصل میں یہ مسئلہ فقہ کا نہیں ہے بلکہ طب کا ہے۔ اگر ایک آدمی علم الاعضاء (فزیالوجی) سے واقف ہو تو وہ اسے بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا عَبۡدُ الۡاَعۡلٰی بۡنُ وَاصِلٍ، نَا الۡحَسَنُ بۡنُ عَطِیَّةَ، نَا اَبُوۡعَاتِکَةَ عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ، قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اشۡتَکَتۡ عَیۡنِیَّ اَفَاَکۡتَحِلُ وَاَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمۡ۔

وفی الباب عن ابی رافع۔ قَالَ ابوعیسیٰ: حدیث انس حدیث اسناده لیس بالقوی ولایصح عن النبی ﷺ فی هذا الباب شیٔ وابو عاتکه یضعف۔

واختلف اهل العلم فی الکحل للصائم فکرهه بعضهم وهو قول سفیان وابن المبارک واحمد واسحاق ورخص بعض اهل العلم فی الکحل للصائم وَهُوَ قول الشافعی۔(۲۷)

وَلَمۡ یَرَ اَنَسٌ وَالۡحَسَنُ وَاِبۡرَاهِیۡمُ بِالۡکُحۡلِ لِلصَّائِمِ بَاۡسًا۔

—— امام ترمذی کہتے ہیں کہ حضرت انس کی روایت کی سند قوی نہیں ہے اور اس باب میں نبی ﷺ سے کوئی چیز صحیح سند کے ساتھ مروی نہیں ہے۔ اس سند میں ابو عاتکہ راوی ہے جسے ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

—— البتہ اہل علم کے ہاں روزہ دار کا سرمہ لگانا مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ بعض ان میں سے اسے مکروہ قرار دیتے ہیں جن میں سفیان ثوری اور ابنِ مبارک کے علاوہ امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے نام نمایاں ہیں اور بعض اہل علم جن میں امام شافعی کا نام سرِفہرست ہے۔ روزہ دار کے لیے سرمہ لگانے کو جائز سمجھتے ہیں۔

—— حضرت انس، حضرت حسن اور ابراہیم روزہ دار کے سرمہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

ابوداؤد نے کتاب الصوم باب فی الکحل عند النوم للصائم کے تحت حضرت انس اور ابراہیم کا نظریہ بسند نقل کیا ہے:

(۱) حَدَّثَنَا وَهۡبُ بۡنُ بَقِیَّةَ، اَخۡبَرَنَا اَبُوۡمُعَاوِیَةَ، عَنۡ عُتۡبَةَ اَبِیۡ مُعَاذٍ عَنۡ عُبَیۡدِ اللّٰهِ بۡنِ اَبِیۡ بَکۡرِ بۡنِ اَنَسٍ، عَنۡ اَنَسِ بۡنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ کَانَ یَکۡتَحِلُ وَهُوَ صَائِمٌ۔

حضرت انس بن مالک روزے کی حالت میں خود آنکھوں میں سرمہ لگاتے تھے۔

دوسری روایت یحیٰ بن عیسیٰ حضرت انس سے بیان کرتے ہیں:

(۲) عَنۡ اَنَسٍ، قَالَ: مَا رَاَیۡتُ اَحَدًا مِنۡ اَصۡحَابِنَا یَکۡرَهُ الۡکُحۡلَ لِلصَّائِمِ، وَکَانَ اِبۡرَاهِیۡمُ یُرَخِّصُ اَنۡ یَّکۡتَحِلَ الصَّائِمُ الصَّبِرَ۔

''حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ میں نے کسی صحابیِ رسول ﷺ کو روزہ دار کے لیے آنکھوں میں سرمہ لگانے کو ناپسند کرتے نہیں دیکھا۔ ابراہیم روزہ دار کو صبر سرمہ لگانے کی اجازت دیتے تھے۔''

روزے کی شدّت کم کرنے کے لیے نہانا اور سر پر پانی ڈالنا جائز ہے

۵۵۔ عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ اَوْمِنَ الْحَرِّ۔ (مالك، ابو داؤد)

''رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو عَرْج[1] کے مقام پر دیکھا کہ آپؐ سر پر پانی ڈال رہے ہیں اور اس وقت آپ روزے سے تھے، پیاس کی وجہ سے یا گرمی کی شدت کی وجہ سے۔''

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے یہ صحابی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کو روزے کی حالت میں پیاس یا گرمی کی تکلیف کو کم کرنے کے لیے اپنے سر مبارک پر پانی ڈالتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس چیز سے روزے میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر آپ پانی کے ٹب میں اس طرح بیٹھے رہیں کہ آپ کا سارا جسم اس میں بھیگتا رہے اور آپ سر پر بھی بار بار پانی ڈالتے رہیں تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ چاہے یہ عمل کتنی دیر تک ہوتا رہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پانی میں بیٹھے رہنے یا نہانے سے گرمی کی تکلیف اور پیاس کی شدّت میں کمی واقع ہوگی لیکن یہ روزہ توڑنے والی چیز نہیں ہے۔ البتہ اگر آپ حلق سے پانی کا ایک قطرہ بھی گزار دیں گے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

تخریج : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ الْقَعْنَبِيُّ، عَنْ مَالِكٍ عَنْ سِمَيٍّ مَوْلٰى اَبِيْ بَكْرٍ (بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ) عَنْ اَبِيْ بَكْرِبْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ النَّاسَ فِيْ سَفَرِهٖ عَامَ الْفَتْحِ بِالْفِطْرِ، وَقَالَ تَقَوَّوْا لِعَدُوِّكُمْ وَصَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ۔ قَالَ الَّذِيْ حَدَّثَنِيْ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلٰى رَأْسِهِ الْمَآءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ، اَوْ مِنَ الْحَرِّ۔(۲۸)

ترجمہ : کسی ایک صحابیٔ رسول کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا کہ آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو روزہ توڑ دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اپنے دشمن کے لیے قوت حاصل کرو، حالانکہ خود آپؐ اور ابوبکرؓ روزہ سے تھے۔ مجھے جس نے روایت بیان کی اس نے بتایا کہ میں نے بہ چشمِ خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ عرج کے مقام پر اپنے سر پر پانی ڈال رہے ہیں۔ اس وقت آپؐ روزے سے تھے، پیاس کی وجہ سے یا شدّتِ گرمی کی وجہ سے۔

روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے کا مسئلہ

٥٦۔ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَتٰى رَجُلًا بِالْبَقِيْعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَاٰخِذٌ بِيَدِيْ، لِثَمَانِيْ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ۔ (ابو داؤد، ابن ماجه، دارمی)

''حضرت شدّاد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بقیع کے مقام پر تشریف لے گئے تو وہاں دیکھا کہ ایک شخص پچھنے

---

[1] مکے اور مدینے کے درمیان ایک مقام ہے۔

لگوا رہا ہے۔ آپؐ اس وقت میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور اس دن رمضان کی اٹھارہویں تاریخ تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔"

تشریح: اس سے پہلے ایک حدیث گزری ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے، لیکن یہاں یہ بات کہی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پچھنے لگانے والے اور پچھنے لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دونوں میں سے کس حدیث کو قبول کیا جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے اسی حدیث کو قبول کیا ہے اور اسی کی بنیاد پر وہ اس بات کے قائل ہیں کہ روزے کی حالت میں پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک امام احمد بن حنبلؒ نے اس حدیث کو اس بنا پر قبول کیا ہے کہ پچھنے لگوانے میں اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ جس شخص کے پچھنے لگائے جائیں اس کو خون نکلنے سے اتنی کمزوری لاحق ہو جائے کہ وہ آخر کار روزہ کھولنے پر مجبور ہو جائے۔ اسی طرح جو شخص سینگی سے خون چوستا ہے اس کے لیے بھی اس بات کا خدشہ ہوتا ہے کہ خون چوستے چوستے کہیں کوئی قطرہ اس کے حلق میں نہ چلا جائے اور وہ روزہ توڑ بیٹھے۔

لیکن اس حدیث کے بارے میں دوسری روایات سے جو تفصیلات معلوم ہوتی ہیں ان کے مطابق جس واقعہ کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے وہ فتح مکہ کے زمانے کی بات ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کو پچھنے لگواتے ہوئے دیکھا تھا وہ حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے، جو یقیناً بعد کے زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی لیے فقہاء کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ چونکہ اس معاملے میں حضرت عبداللہؓ بن عباس کا مشاہدہ ترتیبِ زمانی کے لحاظ سے نبی ﷺ کے ایک بعد کے عمل کو ظاہر کرتا ہے اس لیے اس معاملے میں آخری حکم یہ ہے کہ پچھنے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ، ثَنَا وُهَيبٌ، ثَنَا اَيُّوبُ عَنْ اَبِی قِلَابَةَ، عَنْ اَبِی الْاَشْعَثِ، عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَتٰی رَجُلًا بِالْبَقِیعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ آخِذٌ بِیَدِیْ، لِثَمَانِیَ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ، فَقَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُومُ۔(۲۹)

قال ابو داؤد: وروی خالد الحذاء عن ابی قلابة باسناد ایوب مثلهٗ۔(۳۰)

امام ترمذی نے رافع بن خدیج سے مروی روایت بیان کر کے لکھا ہے:

وفی الباب عن سعد وعلی وشداد بن اوس وثوبان واسامة بن زید وعائشة ومعقل بن یسار ویقال معقل بن سنان وابی هریرة وابن عباس وابی موسیٰ وبلال۔

قال ابوعیسیٰ: حدیث رافع بن خدیج حدیث حسن صحیح۔

وذکر عَنْ احمد بن حنبل انه قال اصح شئی فی هذا الباب حدیث رافع بن خدیج وذکر عن علی بن عبدالله انه قال اصح شیٔ فی هذا الباب۔

——— امام احمد کا قول یہ منقول ہے فرماتے ہیں کہ اس باب میں رافع بن خدیج کی روایت سب روایات سے صحیح ہے۔علی بن عبداللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

حديث ثوبان وشداد بن اوس لان يحيٰ بن ابى كثير روى عن ابن قلابة الى الحديثين جميعًا حديث ثوبان وحديث شداد بن اوس، وقدكره قوم من اهل العلم من اصحاب النبى ﷺ وغيرهم الحجامة للصائم حتىٰ ان بعض اصحاب النبى ﷺ احتجم بالليل منهم ابوموسى الاشعرى وابن عمر وبهٰذا يقول ابن المبارك۔

ترجمہ : اہل علم صحابہ کرام میں سے کچھ اور کچھ دوسرے حضرات روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانا مکروہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن عمر اسی وجہ سے رات کو پچھنے لگوایا کرتے تھے۔

قال ابوعيسى: وسمعت اسحاق بن منصور يقول: قال عبدالرحمٰن بن مهدى من احتجم وهو صائمٌ فعليه القضاء

ترجمہ : عبدالرحمٰن بن مہدی کا خیال ہے کہ جس نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے اس پر قضا لازم ہے۔

قال اسحاق بن منصور وهكذا قال احمد بن حنبل واسحاق بن ابراهيم۔ قال ابوعيسٰى واخبرنى الحسن بن محمد الزعفرانى قال: قال الشافعى قَدْ رُوِىَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ احْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ وَرُوِىَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ اَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ۔

وَلَا اَعْلَمُ اَحَدًا مِنْ هٰذَيْنِ الْحَدِيْثَيْنِ ثَابِتًا وَلَوْ تَوَقّٰى رَجُلٌ الْحَجَامَةَ وَهُوَ صَائِمٌ كَانَ اَحَبَّ اِلَيَّ وَاِنِ احْتَجم وهو صائمٌ لم ار ذٰلكَ اَن يفطّره۔

قال ابوعيسٰى: هكذا كان قول الشافعى ببغداد واما بمصر فمال الى الرخصة ولم يره بالحجامة باسًا واحتج ان النبى ﷺ احتجم فى حجة الوداع وهو محرم صائم۔(۳۰)

ترجمہ : امام شافعی کا قول ہے کہ نبی ﷺ کا اپنا فعل ثابت ہے کہ آپؐ نے روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے اور دوسری جانب آپؐ سے یہ بھی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: پچھنے لگانے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔

میرے علم کی حد تک تو یہ دونوں حدیثیں ثابت نہیں ہیں، اگر ایک روزہ دار روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے سے پرہیز کرے تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ فعل ہے اور اگر پچھنے لگوالے تو میرے خیال میں اسے روزہ توڑنے کی ضرورت نہیں۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ امام شافعی جب بغداد میں تھے تو ان کی رائے مذکورہ بالا تھی اور جب آپ مصر میں آگئے تو ان کا میلان رخصت کی جانب ہوگیا۔ کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حالتِ احرام اور روزے کی حالت میں پچھنے لگوائے تھے۔

ساری عمر کے روزے بھی رمضان کے ایک روزے کا بدل نہیں ہو سکتے

۵۷۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَامَرَضٍ لَّمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجه، دارمی، بخاری)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کسی شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑا بغیر کسی رخصت (معقول عذر) کے اور بغیر کسی مرض کے تو اگر وہ ساری عمر کے روزے بھی رکھے تب بھی وہ اس کی قضا نہیں ہو سکتے۔''

تشریح: یہ رمضان کے روزے کی قضا کا شرعی حکم نہیں ہے کیونکہ قضا روزہ اگر کوئی شخص رکھے گا تو وہ اس کا ادا ہو جائے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک اس کے عمر بھر کے روزے بھی اجر اور مرتبے کے لحاظ سے اس ایک روزے کا بدل نہیں ہو سکتے جو اس نے رمضان میں جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو۔ کسی شرعی عذر کی بنا پر روزہ چھوڑنا اور بات ہے کیونکہ اس صورت میں تو آدمی قضا روزہ رکھ سکتا ہے اور یہ چیز قابلِ مؤاخذہ نہیں ہے لیکن کسی شرعی عذر کے بغیر جان بوجھ کر روزہ چھوڑنا ایسا ہے کہ پھر ساری عمر کے روزے بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیجیے کہ شریعت میں بعض چیزیں تو قانونی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض اخلاقی ــــ قانونی حیثیت تو یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر کوئی روزہ چھوڑا ہو تو اس پر قضا لازم آئے گی اور قانون کا تقاضا فقط اتنا ہے کہ وہ قضا روزہ رکھے۔ لیکن اس کے روزہ قضا کرنے کی اخلاقی حیثیت اس حدیث کے مطابق یہ ہے کہ ایک روزہ نہیں بلکہ عمر بھر کے روزے بھی اس ایک روزے کا بدل نہیں ہو سکتے جو اس نے رمضان کے زمانے میں جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو۔

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا بُنْدَارٌ، نا یَحْیَ بْنُ سَعِیْدٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِیٍّ، قَالَا: نَاسُفْیَانُ عَنْ حَبِیْبِ ابْنِ اَبِیْ ثَابِتٍ نَا اَبُوالْمُطَوِّسِ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِّنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَامَرَضٍ لَّمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ۔(۳۱)

قال ابوعیسٰی: حدیث ابی هریرة حدیث لانعرفه الا من هذا الوجه وسمعت محمدًا یقول ابو المطوس اسمه یزید بن المطوس ولا اعرف له غیرهذا الحدیث۔

''امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد محمد بن اسماعیل بخاری سے یہ سنا فرما رہے تھے کہ ابوالمطوس جس کا نام یزید بن مطوس ہے اس حدیث کے علاوہ مجھے تو اس کی کوئی اور حدیث معلوم نہیں ہے۔''

ابوداؤد نے اس روایت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿۲﴾ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ فِیْ غَیْرِ رُخْصَةٍ رَخَّصَهَا اللّٰهُ لَهٗ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صِیَامُ الدَّهْرِ۔(۳۲)

ترجمہ : جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بھی اس رخصت کے بغیر چھوڑا جو رخصت اللہ تعالیٰ نے اسے خود دی ہے تو ساری عمر کے روزے بھی اس کی قضا نہیں ہو سکتے۔

ابن ماجہ میں ابن المطوس کی سند سے مروی روایت کے الفاظ:

﴿۳﴾ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ لَمْ یُجْزِهٖ صِیَامُ الدَّھْرِ۔

ترجمہ: جس شخص نے رمضان کا ایک روزہ بغیر شرعی رخصت کے چھوڑا تو ساری عمر کے روزے اس کمی کو پورا نہیں کر سکتے۔

نقل السندی عن البخاری، قَالَ: لااعرف لابن المطوس حدیثًا غیر حدیث الصیام، ولاادری أسمع من ابیه عن ابی ھریرة ام لا۔(۳۳)

امام بخاریؒ نے تو یہاں تک فرمایا ہے ابن المطوس سے حدیثِ صیام کے علاوہ کوئی دوسری حدیث میرے علم میں نہیں ہے اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ اس نے اپنے باپ سے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالہ سے جو روایت بیان کی ہے وہ باپ سے سنی بھی ہے یا نہیں۔

امام بخاری نے کتاب الصوم میں باب اذا جامَعَ فی رمضان ویُذکر عن ابی ھریرة رفعه۔

﴿۴﴾ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا فِیْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ عُذْرٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِهٖ صِیَامُ الدَّھْرِ وَاِنْ صَامَہٗ۔

ترجمہ: جس شخص نے رمضان میں ایک روزہ بھی بغیر عذر (شرعی) اور مرض کے چھوڑا تو وہ اگر ساری عمر کے روزے رکھے تب بھی وہ اس کی قضا نہیں ہو سکتے۔

وبه قال ابن مسعود وقال سعید بن المسیب والشعبی وابن جبیر وابراھیم وقتادة وحماد یقضی یومًا مکانه۔(۳٤)

اصل مطلوب روزے کی ظاہری شکل نہیں بلکہ اس کی حقیقی روح ہے

۵۸۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: کَمْ مِنْ صَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ صِیَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَکَمْ مِنْ قَائِمٍ لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّھَرُ۔ (دارمی)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں کہ جنہیں اپنے روزوں سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ایسے ہیں کہ جنہیں اپنی اس عبادت سے رات کی نیند سے محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو ان کی ظاہری حیثیت ہے، یعنی وہ ظاہری شکل جس کے مطابق وہ انجام دیے جاتے ہیں اور دوسری ان کی باطنی حیثیت ہے، یعنی ان کی اصل حقیقت اور روح جو اُن سے مطلوب ہوتی ہے۔ اگر آپ شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کوئی عمل انجام دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذمے جو فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ اس کے بعد دوسری چیز ہے اس عمل کی حقیقت، تو اس کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسے جسم

کے اندر روح ہوتی ہے۔ روح اگر آدمی کے جسم سے نکل جائے تو دیکھنے کو تو اس کا پورا جسم جوں کا توں موجود ہوتا ہے (اور بظاہر کوئی چیز اس میں سے کم نہیں ہوتی) لیکن فرق یہ واقع ہوجاتا ہے کہ پہلے وہ زندہ تھا اور اب زندہ نہیں ہے۔ جب تک وہ زندہ تھا تو آپ اُسے دفن کرنے کا خیال تک نہیں کرسکتے تھے لیکن اب وہ مُردہ ہے تو آپ اسے اپنے پاس رکھنے کے متعلق نہیں سوچ سکتے۔ یہی تعلق ہے اعمال کی اصل حقیقت اور ان کی ظاہری شکل کے درمیان ـــــ پس اگر ایک آدمی عمل کی وہ شکل پوری نہیں کرتا جو شریعت نے بتائی ہے تو شریعت کی نگاہ میں اس کا وہ عمل بیکار ہے، اور اگر وہ اس عمل کے اندر اس کی حقیقی روح پیدا نہیں کرتا تو اس صورت میں اس کا وہ عمل خدا کے ہاں بے وزن اور بے حقیقت ہے۔

مثلاً اگر ایک آدمی نے روزہ رکھا اور اس نے دن بھر کچھ کھایا پیا نہیں تو اُس نے روزے کی ظاہری شکل کو تو پورا کردیا لیکن اگر وہ دن بھر خدا کو بھولا رہا اور روزے کی حالت میں ہر طرح کے ناجائز افعال کرتا رہا تو اگرچہ اس کے متعلق یہ تو نہیں کہا جائے گا کہ اس نے روزہ ہی نہیں رکھا، یا اس کا روزہ ٹوٹ گیا کیونکہ اس نے جھوٹ بولا تھا یا کسی پر بہتان لگایا تھا یا کسی کا حق مارا تھا لیکن ظاہر بات ہے کہ اس نے روزے کے اصلی مقصد کو فوت کردیا۔ اس کا روزہ ویسے ہی بے جان ہے جیسے کوئی مردہ اور بے جان وجود ـــ اس طرح درحقیقت اس شخص نے اپنے روزے سے سوائے بھوک پیاس کے اور کچھ حاصل نہیں کیا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص رمضان کی راتوں میں قیام کرتا ہے اور خدا کی عبادت میں وقت گزارتا ہے تو اس کے متعلق یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے قیام نہیں کیا، یا عبادت نہیں کی لیکن اگر اس نے اپنے اس قیام میں صحیح معنوں میں رجوع الی اللہ کی کیفیت پیدا نہیں کی اور اپنی عبادت کی بنا اخلاص پر نہیں رکھی تو اس کا یہ عبادت کرنا اور راتوں کو کھڑا ہونا محض ایک مشینی عمل ہے جس میں کوئی جان اور روح نہیں ہے۔ اس سے اسے سوائے رَت جگے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

پس شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ آپ کے اعمال ظاہری شکل کے اعتبار سے بھی قانون کے مطابق ہوں اور ان کے اندر حقیقی روح بھی موجود ہو ـــ اعمال کی یہ حقیقی روح ہے اللہ تعالیٰ کی یاد، اس کی محبت، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ، اس کے حضور جواب دہی کا احساس، اس کا خوف اور اس کے احکام وقوانین کی ہمہ وقت پیروی اور ان کی بجا آوری کا خیال۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے اعمال کے اندر حقیقی روح پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہ ہوں تو ظاہری عمل کی حد تک تو قانون کی پابندی ہوجائے گی اور بظاہر آدمی اس کی خلاف ورزی سے بھی بچ جائے گا لیکن اعمال کی حقیقی روح سے محروم رہے گا۔ نتیجتاً اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کے اعمال کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔

تخریج〈۱〉: اَخۡبَرَنَا اِسۡحَاقُ بۡنُ عِیۡسٰی، عَنۡ عَبۡدِالرَّحۡمٰنِ بۡنِ اَبِی الزِّنَادِ، عَنۡ عَمۡرِوبۡنِ اَبِیۡ عَمۡرٍو، عَنۡ سَعِیۡدِنِ الۡمَقۡبُرِیِّ، عَنۡ اَبِیۡ هُرَیۡرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: کَمۡ مِنۡ صَآئِمٍ لَیۡسَ لَهٗ مِنۡ صِیَامِهٖ اِلَّا الظَّمَأُ وَکَمۡ مِنۡ قَآئِمٍ لَیۡسَ لَهٗ مِنۡ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ۔(۳۵)

ابن ماجہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت:

〈۲〉 قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: رُبَّ صَآئِمٍ لَیۡسَ لَهٗ مِنۡ صِیَامِهٖ اِلَّا الۡجُوۡعُ وَرُبَّ قَائِمٍ لَیۡسَ لَهٗ مِنۡ قِیَامِهٖ اِلَّا السَّهَرُ۔(۳۶)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنہیں روزوں سے سوائے بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اور بہت سے رات کو قیام کرنے والے ایسے ہیں جنہیں اپنے اس قیام کی عبادت سے سوائے بیداری کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

المستدرک للحاکم نے اس روایت کو درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

﴿۳﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رُبَّ صَآئِمٍ حَظُّهٗ مِنْ صِیَامِهِ الْجُوْعُ وَرُبَّ قَآئِمٍ حَظُّهٗ مِنْ قِیَامِهِ السَّهَرُ۔ هذا حديث صحيح على شرط البخارى ولم يخرجاه۔(۳۷)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزے کا حصہ بھوک کے سوا اور کچھ نہیں اور بہت سے رات کو کھڑے ہو کر عبادت کرنے والے ایسے ہیں کہ قیام کرنے کا حصہ، سوائے بیداری کے اور کچھ بھی نہیں۔

السنن الکبریٰ للبیہقی کی روایت:

﴿۴﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: رُبَّ قَآئِمٍ حَظُّهٗ مِنْ قِیَامِهِ السَّهَرُ وَرُبَّ صَآئِمٍ حَظُّهٗ مِنْ صِیَامِهِ الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ۔(۳۸)

ترجمہ : ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے بہت سے راتوں کو قیام کرنے والوں کا حصہ سوائے بیداری کے کچھ بھی نہیں اور بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے روزے کا حصہ سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ بھی نہیں۔

تین چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

۵۹۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ثَلَاثٌ لَایُفَطِّرْنَ الصَّآئِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَیْءُ وَالْاِحْتِلَامُ۔ (ترمذی)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں روزہ دار کا روزہ نہیں توڑتیں: ۱۔ پچھنے لگانا یا لگوانا ۲۔ قے کا آنا ۳۔ خواب میں جنابت کا لاحق ہو جانا۔''

تشریح: اس حدیث میں قے سے مراد وہ قے ہے جو خود بخود آ جائے۔ وہ قے مراد نہیں جو آدمی کسی ضرورت یا تکلیف کی بنا پر خود منہ میں انگلی ڈال کر یا کسی دوسرے طریقے سے کرے۔ ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم آتی ہے۔

تخریج ﴿۱﴾ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُبَیْدِ نِ الْمُحَارِبِیُّ، نَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ زَیْدِ بْنِ اَسْلَمَ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ یَسَارٍ، عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلَاثٌ لَایُفَطِّرْنَ الصَّآئِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَیْءُ وَالْاِحْتِلَامُ۔

قَالَ ابو عیسٰی : حدیث ابی سعید الخدری غیر محفوظ۔

وَقد روی عبداللّٰہ بن زید بن اسلم وعبد العزیز بن محمد وغیر واحد ھذا الحدیث عن زید بن اسلم مرسلاً ولم یذکروا فیه عن ابی سعید وعبدالرحمن بن زید بن اسلم یضعف فی الحدیث۔

سمعت ابا داؤد السجزی یقول سألت احمد بن حنبل عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم فقال اخوه عبد الله بن زید لا بأس به وسمعت محمداً یذکر عن علی بن عبدالله قال عبدالله ابن زید بن اسلم ثقة وعبدالرحمن بن زید بن اسلم ضعیف قال محمد ولا ا روی عنه شیئاً۔(۳۹)

السنن الکبرٰی للبیہقی کی روایت:

﴿۲﴾ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَایُفطِرُ مَنْ قَاءَ وَلَا مَنِ احْتَجَمَ وَلَا مَنِ احْتَلَمَ۔(۴۰)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو خود قے آجائے اور جو پچھنے لگوائے اور جسے شب خوابی میں احتلام ہو جائے وہ روزہ نہ چھوڑے۔

روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے کی صحیح شرعی حیثیت

۶۰ ـ عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِیِّ، قَالَ : سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ کُنْتُمْ تَکْرَھُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ ، قَالَ: لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضُّعُفِ۔ (بخاری)

”جناب ثابت بُنانیؒ (جو تابعی ہیں) بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ (صحابہ کرامؓ) رسول اللہ ﷺ کے عہد میں روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نہیں، البتہ اس وجہ سے پرہیز کرتے تھے کہ اس سے ضعف لاحق ہو جاتا ہے۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ چونکہ پچھنے لگوانے سے کمزوری لاحق ہو جاتی ہے اور اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی ناقابلِ برداشت تکلیف ہو جائے جس سے روزہ توڑنا پڑ جائے تو اس بنا پر صحابہ کرامؓ پچھنے لگوانے سے پرہیز کرتے تھے، لیکن وہ اس بات کے قائل نہیں تھے کہ بجائے خود پچھنے لگوانے سے روزے میں کوئی خرابی واقع ہو جاتی ہے۔

بعض احادیث میں چونکہ یہ ذکر آیا ہے کہ پچھنے لگوانے سے پچھنے لگوانے والے اور لگانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے تابعین نے صحابہ کرامؓ سے ملاقاتیں کر کے یہ معلومات حاصل کیں کہ اس معاملے میں فی الواقع شرعی پوزیشن کیا ہے۔ یہ حدیث اسی چیز پر روشنی ڈالتی ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِیْ اِیَاسٍ، ثَنَا شُعْبَةُ قَالَ: سَمِعْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِیَّ: سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَکُنْتُمْ تَکْرَھُوْنَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ قَالَ: لَا اِلَّا مِنْ اَجْلِ الضُّعُفِ۔ (۴۱)

وزاد شَبابةُ ثنا شُعبَةُ علٰی عهد النبی ﷺ۔

ترجمہ: جناب ثابت بنانی بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ (صحابہ کرامؓ) رسول اللہ ﷺ کے عہد میں روزہ دار کے لیے پچھنے لگوانے کو مکروہ سمجھتے تھے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا کہ نہیں، البتہ اس وجہ سے پرہیز کرتے تھے کہ اس سے ضعف لاحق ہو جاتا ہے۔

روزے کی حالت میں پچھنے لگوانے کے متعلق عبداللہ بن عمرؓ کا عمل

۶۱۔ عَنِ الْبُخَارِیِّ تَعْلِیْقًا قَالَ: کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَکَهٗ فَکَانَ یَحْتَجِمُ بِاللَّیْلِ۔

''امام بخاریؒ تعلیقاً (سند کے حوالے کے بغیر) بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ روزے کی حالت میں پچھنے لگوایا کرتے تھے۔ بعد میں انہوں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا اور رات کے وقت پچھنے لگوانے لگے۔''

تشریح: امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ بعض اوقات وہ کسی مسئلے کی وضاحت میں کسی صحابی یا تابعی کا کوئی قول یا فعل بغیر سند کے نقل کر دیتے ہیں۔ ایسے اقوال وافعال کو باقاعدہ احادیث میں شمار نہیں کیا جاتا لیکن ان کا ایک وزن ضرور ہے کیونکہ امام بخاری محقق آدمی تھے اور انہوں نے تعلیقاً بھی جو کچھ کہا ہے وہ بے حقیقت نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر روزے میں پچھنے لگوانا مکروہ ہوتا یا اس سے روزے میں کوئی خرابی واقع ہوتی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسا نہ کرتے۔ بعد میں انہوں نے دن کو پچھنے لگوانے کا طریقہ چھوڑ کر رات کو پچھنے لگوانے کا طریقہ اس لیے اختیار کیا کہ عمر میں اضافے سے وہ روزے میں دن کے وقت پچھنے لگوانے سے کمزوری محسوس کرنے لگے تھے۔

تخریج: وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَکَهٗ فَکَانَ یَحْتَجِمُ بِاللَّیْلِ۔ وَاحْتَجَمَ اَبُوْمُوْسٰی لَیْلًا۔ وَیُذْکَرُ عَنْ سَعْدٍ وَزَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ وَاُمِّ سَلَمَةَ احْتَجَمُوْا صِیَامًا وَقَالَ بُکَیْرٌ عَنْ اُمِّ عَلْقَمَةَ کُنَّا نَحْتَجِمُ عِنْدَ عَائِشَةَ فَلَا نُنْهٰی۔ (۴۲)

ترجمہ: حضرت سعد، زید بن ارقم اور اُمّ سلمہؓ سے منقول ہے کہ یہ سب روزے کی حالت میں پچھنے لگواتے تھے۔ ام علقمہ کے حوالہ سے بُکیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہم حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں پچھنے لگواتے ہمیں اس سے منع نہیں کیا جاتا تھا۔

کُلّی کرنے کے بعد تھوک نگلنے اور مصطگی وغیرہ چبانے کا مسئلہ

۶۲۔ عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِیْهِ مِنَ الْمَآءِ لَایَضِیْرُهٗ اَنْ یَزْدَرِدَ رِیْقَهٗ وَمَا بَقِیَ فِیْ فِیْهِ، وَلَا یَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنِ ازْدَرَدَ رِیْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهٗ یُفْطِرُ وَلٰکِنْ یُنْهٰی عَنْهُ۔ (بخاری)

''جناب عطاءؒ (جو مشہور تابعی اور بہت بڑے فقیہ ہیں) مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص (روزے کی حالت میں) کُلّی کرے اور پھر منہ سے پانی بالکل نکال دے تو اس کے لیے اپنا تھوک نگلنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور وہ بھی کہ جو کچھ اس کے منہ

میں بچ رہا ہو (اس پانی کا اثر) ــــ اور وہ (روزے کی حالت میں) مصطگی نہ چبائے کیونکہ اگر اس کا اثر اس کے تھوک میں رہا اور اس نے تھوک نگلا تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس شخص کا روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اس چیز سے روکا جاتا ہے۔''

تشریح: گزشتہ روایت کی طرح اسے بھی بطور حدیث کے نہیں بلکہ جنابِ عطاء کے ایک فتوے کے طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر آدمی روزے میں کُلی کرے اور منہ سے پانی نکال دینے کے بعد بھی اس کا اثر باقی رہے تو تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ــــ ظاہر بات ہے کہ جب آدمی کلی کرتا ہے تو پانی سے اس کے منہ میں کچھ تری تو پیدا ہوتی ہے اور پانی پوری طرح نکال دینے کے باوجود اس کا کچھ نہ کچھ اثر تھوک کے ساتھ اندر جاتا ہے لیکن یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہو ــــ البتہ اگر کوئی شخص قصداً کچھ پانی منہ میں بچا کر رکھے اور اسے تھوک کے ساتھ نگل لے تو ظاہر بات ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

پھر یہاں مصطگی نہ چبانے کے بارے میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے اسی سے منجن یا ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کا حکم بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ فرض کیجیے کہ جس طرح ایک آدمی منہ میں پانی لے کر نکال دیتا ہے اسی طرح وہ منجن لگاتا ہے یا ٹوتھ پیسٹ استعمال کرتا ہے اور اس کے بعد پوری کوشش کے ساتھ منہ کو خوب صاف کر لیتا ہے تو اس پر یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا (جیسا کہ اوپر مصطگی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے) لیکن آدمی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

پانی تو ایک ایسی چیز ہے کہ یہ تھوک کے ساتھ مل کر پوری طرح سے نکل جاتا ہے لیکن دوسری چیزیں چونکہ کچھ نہ کچھ گاڑھی ہوتی ہیں اس لیے اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ پوری کوشش کے باوجود منہ میں لگی رہ جائیں اور روزے میں خرابی کا باعث بنیں ــــ البتہ مسواک کا معاملہ اس سے مختلف ہے کیونکہ مسواک کے متعلق تو یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ روزے میں مسواک فرمایا کرتے تھے ــــ پھر اگرچہ مسواک بھی کچھ نہ کچھ چبائی جاتی ہے اور اس کا رس نکلتا ہے لیکن اس رس میں ایسا گاڑھا پن نہیں ہوتا ہے جس کے منہ میں چمٹ کر رہ جانے کا خطرہ ہو، اس لیے مسواک کے بارے میں کسی طرح کا تذبذب لاحق نہیں ہوتا ــــ البتہ دوسری چیزوں کو اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔ اسی لیے مصطگی کی مثال دی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں ایک طرح کا گاڑھا پن ہوتا ہے۔ ایسی ہی کچھ صورت منجن یا ٹوتھ پیسٹ کی بھی ہوتی ہے، اس لیے ان سے پرہیز ہی کرنا چاہیے۔[1]

تخریج: وَقَالَ عَطَاءٌ: اِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ اَفْرَغَ مَا فِیْ فِیْهِ مِنَ الْمَآءِ لَا یَضِیْرُهٗ اَنْ یَزْدَرِدَ رِیْقَهٗ وَمَابَقِیَ فِیْ فِیْهِ، وَلَا یَمْضَغُ الْعِلْكَ فَاِنِ ازْدَرَدَ رِیْقَ الْعِلْكِ لَا اَقُوْلُ اِنَّهٗ یُفْطِرُ وَلٰکِنَّهٗ یُنْهٰی عَنْهُ۔ (۴۳)

اُمُّ حَبِیْبَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ تَقُوْلُ: لَا یَمْضَغِ الْعِلْكَ الصَّائِمُ۔ (۴۴) (الحدیث موقوف)

وَبَلَّ بْنُ عُمَرَ ثَوْبًا فَاُلْقِیَ عَلَیْهِ وَهُوَ صَائِمٌ۔

وَدَخَلَ الشَّعْبِیُّ الْحَمَامَ وَهُوَ صَآئِمٌ۔

---

[1] درس کے بعد ایک سوال کے جواب میں بھی مولانائے محترم نے وضاحت فرمائی کہ روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ کا استعمال مناسب نہیں ہے کیونکہ وہ مسواک سے مختلف چیز ہے۔ (مرتب)

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا بَأْسَ اَنْ يَتَطَعَّمَ الْقِدْرَ وَالشَّئَ ۔

وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ بِالْمَضْمَضَةِ وَالتَّبَرُّدِ لِلصَّائِمِ۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ: اِذَا كَانَ صَوْمُ اَحَدِكُمْ فَلْيُصْبِحْ دَهِيْنًا مُتَرَجِّلًا۔

وَقَالَ اَنَسٌ: اِنَّ لِيْ اَبْزَنَ اَتَقَحَّمُ فِيْهِ وَاَنَا صَائِمٌ۔

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَسْتَاكُ اَوَّلَ النَّهَارِ وَاٰخِرَهٗ۔

وَقَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ لَابَأْسَ بِالسِّوَاكِ الرَّطْبِ قِيْلَ لَهٗ طَعْمٌ قَالَ وَالْمَآءُ لَهٗ طَعْمٌ وَاَنْتَ تُمَضْمِضُ بِهٖ۔

وَلَمْ يَرَ اَنَسٌ وَالْحَسَنُ وَاِبْرَاهِيْمُ بِالْكُحْلِ لِلصَّائِمِ بَأْسًا ۔ (٤٥)

- حضرت ام حبیبہؓ فرماتی ہیں کہ روزہ دار مصطگی نہ چبائے۔
- حضرت ابن عمرؓ کپڑا بھگو لیتے روزے کی حالت میں ان پر ڈال دیا جاتا۔
- امام شعبی روزے کی حالت میں حمام میں داخل ہو جاتے۔
- عبداللہ بن عباس کا قول ہے۔ ہنڈیا میں سے ذرا چکھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔
- امام حسن بصری کہتے ہیں کہ کلی کرنے اور ٹھنڈک حاصل کرنے میں روزہ دار کے لیے کوئی مضائقہ نہیں۔
- عبداللہ بن مسعود کا قول ہے جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو صبح سویرے سر میں تیل ڈال سکتا ہے کنگھی کرکے بالوں کو سنوار سکتا ہے۔
- حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک ٹب ہے روزے کی حالت میں اس میں داخل ہو جاتا ہوں۔
- حضرت عبداللہ بن عمر پہلے پہر اور پچھلے پہر مسواک کرلیا کرتے تھے۔
- ابن سیرین کہتے ہیں گیلی یعنی تر مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ پوچھا گیا اس میں ایک خاص قسم کا ذائقہ ہوتا ہے انھوں نے جواب دیا کہ پانی میں بھی ایک ذائقہ موجود ہے اور تم اس سے کلی کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔
- حضرت انس، حسن بصری اور ابراہیم نخعی تینوں روزہ دار کے آنکھوں میں سرمہ لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے۔

ماٰخذ

(۱) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزّور والعمل به فی الصوم۔☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی التشدید فی الغیبة للصائم۔☆ ابو داوٗد ج۲ کتاب الصوم باب الغیبة للصائم۔☆مُسندِ احمد مرویات ابی هریرة۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الغیبة والرفث للصائم۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب الصائم ینزه صیامه عن اللغط وَالمشاتمة۔

(۳) المستدرك للحاکم ج ۱،ص ٤٣١۔

(٤) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب القُبلة للصائم وقال جابربن زید ان نظر فامنیٰ یتم صومه۔ ☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب ان القبلة فی الصیام الخ۔ ☆ ابوداوٗد ج۱ کتاب الصوم باب القُبلة للصائم۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب اباحة القُبلة لمن لم تحرك شهوته اوکان یملك اربه۔ قال ابن عباس: مآرِبٌ حاجةٌ وقال طاؤس اولِی الْإِرْبَةِ۔ الاحمق لاحاجة له فی النساءِ۔ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی مباشرة الصّائم۔ ترمذی نے لاربه کامعنی لنفسه بیان کیا ہے۔ ☆ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی القُبلة للصائم۔ ☆دارمی کتاب الصوم باب الرخصة فی القبلة للصائم۔ مختصر روایت بیان ہوئی ہے۔ ☆مؤطا امام مالك کتاب الصیام باب ماجاء فی الرخصة فی القبلة للصائم۔☆ مسندِ احمد ج۱☆ دارقطنی ج۲ میں حضرت عائشہؓ سے منقول روایت میں ہے۔ کان رسول اللهﷺ یقبل فی شهر رمضان هذا اسناد صحیح۔

(٥) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب اغتسال الصائم۔☆ مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب صحة صوم من طلع علیه الفجر وهو جنب۔☆ ابوداوٗد ج۲ کتاب الصوم باب فیمن اصبح جنبا فی شهر رمضان۔ ☆دارمی کتاب الصوم باب فیمن اصبح جنبا وهو یرید الصیام۔ ☆ مؤطا امام مالك کتاب الصیام باب ماجاء فی صیام الذی یصبح جنبا فی رمضان۔ ☆ السنن الکبری للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب من اصبح جنبا فی شهر رمضان۔ ابوداوٗد نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ دونوں کی روایت بیان کی ہے۔☆ترمذی،ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الجنب یدرکه الفجر وهو یرید الصیام۔☆مُسندِ احمد ج۱ص٤٤٥۔ج٦ ص ٤٠-٤٢-٥٩-١٢٦-١٢٨-١٥٤-١٧٤- ٢٠١- ٢٠٤- ٢٠٦-٢١٦-٢٣٠-٢٦٦۔ مرویات ام سلمة ام المؤمنین۔ ☆ قال ابو عیسٰی حدیث عائشة وام سلمة حدیث حسن صحیح۔ ☆ والعمل علی هذا عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم وهو قول سفیان والشافعی واحمد واسحاق۔ ☆ وقد قال قوم من التابعین اذا اصبح جنبًا یقضی ذٰلِكَ الیوم والقول الاول اصح۔ ☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الرجل یصبح جنبا وهو یرید الصیامْ۔ ☆ ابن ماجہ نے حضرت اُمّ سلمہؓ کی روایت لی ہے۔

(٦) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الحجامة والقیٔ للصائم۔☆ بخاری کتاب الصید باب ۲۲ اور کتاب الطب۔

(٧) مسلم ج۱ کتاب الحج باب جواز الحجامة للمحرم۔

(۸) ابو داؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی الصائم یحتجم....الرخصة فی ذٰلك اور کتاب المناسك باب ۳۵۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الحجامة للصائم۔(مقسم والی روایت بیان کی ہے) کتاب المناسك باب ۸۷۔ اور کتاب الطب۔☆السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب الصائم یحتجم لا یبطل صومه۔

(۹) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء من الرخصة فی ذٰلك۔☆ نسائی ج۵ کتاب الحج۔☆ دارمی کتاب المناسك باب ۲۰۔ ☆المستدرك ج۱ کتاب الصوم باب افطر الحَاجِم والمحجوم۔ مستدرک نے تمام روایات پر نظر نقد ڈالی ہے۔ ☆ مؤطا امام مالك کتاب الحج باب ۷٤۔☆مُسندِ احمد ج۱ص۲۱۵، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۳٦، ۲٤٤، ۲٤۸۔۲۵۰،۲۵۸،۲٦۰،۲۸۳،۲۸٦،۲۹۲،۲۹۹، ۳۰۵، ۳۰٦، ۳۱۵، ۳۳۳، ۳٤٤،۳٤٦،۳۵۱، ۳۷۲، ۳۷٤، ج۳ص١٦٤،۲٦۷،۳۰۵،۳۵۷،۳٦۳ وغیره۔

(۱۰) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب اکل الناسی وشربه الخ۔☆ دارمی کتاب الصوم باب فیمن اکل ناسیا۔ ☆مُسندِ احمد ج۲ مرویات ابی هریرة۔

(۱۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الصَّائم اذا اکل اوشرب ناسیا۔☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فیمن افطر ناسیا۔☆ دارمی کتاب الصوم باب فیمن اکل ناسیا۔☆السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام باب من اکل او شرب ناسیا فلیتم صومه ولا قضاء۔

(۱۲) ابوداؤد ج۱ کتاب الصوم باب مَنْ اکل نَاسیا۔

(۱۳) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الصائم یاکل ویشرب ناسیا۔☆دارقطنی کتاب الصیام ج۲۔

(۱٤) المستدرك للحاکم ج۱۔ کتاب الصوم باب من افطر فی رمضان ناسیًا فَلا قضاء علیه ولا کفارة۔

(۱۵) مُسنداحمد ج۲ص۳۹۵۔ مرویات ابی هریرة۔☆دارقطنی ج۲۔

(۱٦) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب اذا جَامَع فی رمضان ولم یکن له شئٌ فتُصُدِّق علیه فلیکَفِّر۔ ☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب تغلیظ تحریم الجماع فی رمضان علی الصائم ووجوب الکفارة الکبریٰ فیه الخ۔ مسلم نے افقر کی جگہ احوج الیه نقل کیا ہے☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب کفارة من اتی اهلهٗ فی رمضان۔مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عائشه صدیقہؓ کی روایت بھی بیان کی ھے جس میں ایك آدمی کا ذکر ھے جو اپنے گدھے پر سامانِ خوردونوش لاد کر خدمتِ رسالت مآب میں حاضر ھوا۔دارمی کتاب الصوم باب فی الذی یقع علی امرأته فی شهر رمضان نهاراً۔☆ ابن ماجہ میں حدیث کے آخری الفاظ فَاَطْعِمْهُ عیالك ہیں۔ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی کفارة من افطر یومًا من رمضان۔☆دارقطنی کتاب الصیام ج۲ص۱۹۔☆ السنن الکبری ج۱ کتاب الصیام باب کفارة من اتی اهله فی نهار رمضان وهو صائمٌ۔

(۱۷) ترمذی ج۱ص ابواب الصوم باب ماجاء فی کفارة الفطر فی رمضان۔

(۱۸) السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب کفارة من اتی اهله فی نهار رمضان وهو صائم۔

(۱۹) ابوداؤد کتاب الصوم باب کراهیته للشَّابِ۔

(۲۰) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب الصائم یستقئ عامداً۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب ذرعه القئ وَلم یفطر ومن استقاء افطر۔☆ السمتدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب من ذرعه القئ فلیس علیه قضاء ومن

استقاء فليقض۔ ☆ ابن ماجه كتاب الصيام باب ماجاء فى الصائم يقئ۔

(۲۱) دارقطنى كتاب الصيام ج ۲۔

(۲۲) ترمذى ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فى من استقاء عمداً۔

(۲۳) ابوداؤد ج ۱ كتاب الصوم باب الصائم يستقئ عمداً۔☆ ترمذی نے ابواب الصوم باب ماجاء فی من استقاء عمداً کے ضمن میں صرف وفى الباب عن ابى الدرداء وثوبان وفضالة بن عبيد بیان کیا ہے۔ثوبان والی روایت نقل نہیں کی۔ ☆دارمى كتاب الصوم باب القئ للصائم۔ ☆دارقطنى كتاب الصيام ج ۲۔☆السنن الكبرىٰ ج ٤ كتاب الصيام باب من ذرعه القئ لم يفطر ومن استقاء افطر۔☆المستدرك للحاكم ج ۱ كتاب الصوم باب الافطار من القئ۔

(۲٤) ترمذى ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فى السواك للصائم۔☆ ابوداؤد كتاب الصوم باب السواك للصائم۔☆ابوداود نے قال رأيت النبى ﷺ يستاك وهو صائم زاد مسدد مالا أعد ولا أحصى۔☆دارقطنى كتاب الصيام ج ۲۔

(۲٥) ابنِ ماجه كتاب الصيام باب ماجاء فى السواك والكحل للصائم۔☆مسندِ احمد ج۳ ص ٤٤٥۔ عامر بن ربيعه۔

(۲٦) بخارى ج ۱ كتاب الصوم باب السواك الرطب واليابس للصائم۔☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج ٤۔كتاب الصيام باب السواك للصائم۔ السنن الکبریٰ للبیہقی میں حضرت عائشہؓ کی ابن ماجہ والی روایت بھی منقول ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں: مجالد غيره اثبت منه وعاصم بن عبيدالله ليس بقوى والله اعلم۔

(۲۷) ترمذى ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فى الكحل للصائم۔ السنن الکبریٰ ج ۴ میں حضرت عائشہؓ، ابنِ عباسؓ اور دیگر روایات بیان کر کے جرح کی ہے۔امام بخاری نے كتاب الصوم باب اغتسال الصائم کے ضمن میں بیان کیا۔

(۲۸) ابوداؤد ج ۲ كتاب الصوم باب الصائم يصب عليه الماء من العطش ويبالغ فى الاستنشاق۔ ☆مؤطا امام مالك كتاب الصيام باب ماجاء فى الصيام فى السفر۔

(۲۹) ابوداؤد ج ۲ كتاب الصوم باب فى الصائم يحتجم۔☆ ابن ماجه كتاب الصيام باب ماجاء فى الحجامة للصائم۔ ☆دارمى كتاب الصوم باب الحجامة تفطر الصائم۔☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج ٤۔كتاب الصيام باب الحديث الذى روى فى الافطار بالحجامة۔☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج ٤ کے ذیل پر صاحبِ الجواہر النقی نے ابنِ عباس کی روایت ناسخ اور حديث افطر الحاجم والمحجوم کو بدلائل منسوخ ثابت کیا ہے۔☆امام بخاری نے كتاب الصوم باب الحجامة القئ للصائم کے ضمن میں ويروى عن الحسن عن غيرواحدٍ مرفوعًا افطر الحاجم والمحجوم روایت کیا ہے۔☆ دارقطنى كتاب الصيام ج ۲۔دارقطنی نے لثمان عشرة کے بجائے لسبع عشرة بیان کیا ہے ☆مُسندِ احمد ج ٤ ص ۱۲۳ شداد بن اوس۔ج ۲ ص ۳٦٤۔ج ۳ ص ٤٦٥۔٤٧٤۔٤٨٠ ج ٤ ص ۱۲٤۔۱۲٥۔ ج ٥ ص ۲۱۰۔۲۷٦۔۲۷۷۔ ۲۸۰۔ ۲۸۲۔ ج ٦ ص ۱۲۔۱٥٧۔۲٥٨۔

(۳۰) ترمذى ابواب الصوم باب ماجاء فى كراهية الحجامة للصائم۔

(۳۱) ترمذى ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فى الافطار متعمداً۔☆ دارقطنى كتاب الصبام ج ۲۔ ☆المصنف ج ٤ كتاب الصيام۔

(۳۲) ابوداؤد ج ۲ كتاب الصوم باب التغليظ فى من افطر عمدًا۔ ابوداؤد نے سند میں ابوالمطوس کے بجائے ابن المطوس بیان کیا ہے۔ دارمى كتاب الصوم باب من افطر يومًا من رمضان متعمداً ابوداؤد اور دارمی کا متن ایک سا ہے۔ ☆مسنداحمد ج ۲ ص ۳۸٦۔

(۳۳) ابن ماجه كتاب الصيام باب ماجاء فى كفارة من افطر يوما من رمضان۔☆مُسندِ احمد۔ج ۲ ص ۳۸٦-۲٤۲ ابوهريرة۔☆ السنن الكبرىٰ ج ٤ كتاب الصيام۔

(۳٤) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان الخ۔

(۳٥) دارمی کتاب الرقاق باب فی محافظة علی الصوم۔☆ مُسند احمد ج۲ ص ٤٤١ مرویات ابی ھریرۃ۔

(۳٦) ابوداؤد اور دارمی کا متن ایک سا ہے۔ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الغیبة والرفث للصائم۔☆فی الزوائد اسنادہٗ ضَعِیفٌ۔

(۳۷) المستدرك ج۱ کتاب الصوم باب من افطر فی رمضان ناسیًا فلا قضاء علیه ولا کفارۃ۔

(۳۸) السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب الصّائم ینزہ صیامه عن اللغط والمشاتمة۔

(۳۹) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الصائم یذرعه القیٔ۔☆دارقطنی کتاب الصیام ج۲۔

(٤۰) السنن الکبری ج٤ کتاب الصیام۔

(٤۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الحجامة والقَیٔ للصائم۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصوم باب الصائم یحتجم لایبطل صومه۔

(٤۲) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الحجامة والقیٔ للصائم۔

(٤۳) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب قول النبی ﷺاذا توضأ فَلْیستنشق بمنخرہٖ الماء ولم یمیّز بین الصائم۔

(٤٤) السنن الکبریٰ للبیهقی کتاب الصوم ج٤ باب من کرہ مضغ العلك للصائم۔

(٤٥) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب اغتسال الصائم الخ۔

فصل پنجم:

مسافر کے لیے روزے کے احکام

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا بھی جائز ہے اور نہ رکھنا بھی

٦٣ ـعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍونِ الْاَسْلَمِيّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَصُوْمُ فِي السَّفَرِ، وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ، فَقَالَ: اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت حمزہؓ بن عمرو اسلمی نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں سفر کی حالت میں روزہ رکھ لوں؟ــــ اور حضرت حمزہؓ کثرت سے روزے رکھا کرتے تھے ــــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا جی چاہے تو روزہ رکھ لو، نہ جی چاہے تو نہ رکھو۔''

تشریح: حضرت عائشہؓ نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ سائل کیسا آدمی تھا کیونکہ وہ بہت بڑے درجے کی فقیہ تھیں اس لیے قانونی باریکیاں ان کی نگاہ میں ہوتی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے واضح فرمادیا کہ حضرت حمزہؓ جنہوں نے سوال کیا تھا، کثرت سے روزے رکھنے کے عادی تھے۔ یہاں ان کا یہ سوال نفلی روزے کے بارے میں نہیں تھا بلکہ فرض روزے کے بارے میں تھا کہ اگر رمضان میں مجھے سفر پیش آجائے تو کیا حالتِ سفر میں مجھے روزہ رکھنا چاہیے یا نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمہیں اس بات کا اختیار ہے کہ چاہے سفر میں روزہ رکھو، چاہے نہ رکھو۔

حضرت عائشہؓ نے اس وضاحت سے کہ حضرت حمزہؓ بن عمرو کثرت سے روزہ رکھنے کے عادی تھے دراصل یہ بات بتائی ہے کہ اگر ایک آدمی سال کے دوران میں بہ کثرت روزے رکھنے کا عادی ہو تو اُسے عام آدمیوں کی بہ نسبت روزے کی سختی کو برداشت کرنے کی زیادہ عادت اور مشق ہوتی ہے۔ چنانچہ ایسا آدمی حالتِ سفر میں بھی روزہ رکھے تو وہ دورانِ سفر میں روزے سے پیش آنے والی سختی کو اس آدمی کی بہ نسبت زیادہ آسانی سے برداشت کرلیتا ہے جو صرف رمضان ہی میں روزے رکھنے کا عادی ہو۔

حضرت عائشہؓ کی اس وضاحت کی روشنی میں یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اس اختیار میں ایسی مساوات نہیں ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا یا چھوڑنا دونوں بالکل مساوی درجے کے کام ہوں، بلکہ اس میں یہ دیکھنا ہوگا کہ کس آدمی میں تحمّل کی زیادہ طاقت ہے اور کس آدمی میں کم ہے۔ اگر کسی آدمی میں تحمّل کی طاقت زیادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ سفر میں روزہ رکھے لیکن اگر کسی آدمی میں یہ طاقت کم ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے۔

اسی طرح یہ بات سفر کے حالات پر بھی موقوف ہے کہ کیسے حالات میں آدمی کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے اور کیسے

حالات میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ فقہاء کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف ہے ـــ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور نہ رکھنے کو اس سے کم درجے کا فعل قرار دیتے ہیں۔ بعض دوسرے فقہاء روزہ نہ رکھنے کو افضل قرار دیتے ہیں اور بعض نے وہی تصریح کی ہے جو میں نے ابھی بیان کی ہے کہ یہ چیز آدمی اور اس کے حالات اور سفر کی نوعیت پر منحصر ہے کہ اس کے لیے روزہ رکھنے یا چھوڑنے میں سے کون سی صورت افضل ہے۔ اگر ایک آدمی کی قوتِ برداشت زیادہ ہو اور وہ ایسے حالات میں سفر کر رہا ہو جن میں بہت زیادہ مشقت بھی پیش آنے کا خدشہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہوگا۔ اس کے برعکس اگر ایک آدمی کی قوتِ برداشت کم ہو اور اسے سفر میں بھی ایسے حالات پیش آنے کا خطرہ ہو جن میں روزے کی سختی برداشت کرنا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا ہی صحیح ہے۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحيٰ عَنْ هِشَامٍ، ثَنِي اَبِىْ، عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرِوِ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ اَسْرُدُ الصَّوْمَ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ اَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِيْهِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، اَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرِوِ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ اَصُوْمُ فِى السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔(۱)

مسلم میں یہ روایت مختلف الفاظ میں منقول ہے:

〈۲〉 عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّهَا قَالَتْ: سَأَلَ حَمْزَةُ بْنُ عَمْرِوِ الْاَسْلَمِيُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الصِّيَامِ فِى السَّفَرِ فَقَالَ : اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَاَفْطِرْ۔

〈۳〉 عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرِوِ الْاَسْلَمِيَّ سَاَلَ النَّبِىَّ ﷺ فَقَالَ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ رَجُلٌ اَسْرُدُ الصَّوْمَ اَفَاَصُوْمُ فِى السَّفَرِ قَالَ: صُمْ اِنْ شِئْتَ وَاَفْطِرْ اِنْ شِئْتَ۔

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ حمزہ بن عمرو نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! میں کثرت سے روزے رکھنے کا عادی ہوں تو کیا میں سفر میں بھی روزہ رکھ لوں آپؐ نے فرمایا تمہارا جی چاہے تو رکھ لو، نہ جی چاہے تو نہ رکھو۔

〈۴〉 عَنْ اَبِىْ مِرْوَاحٍ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرِوِ الْاَسْلَمِيِّ اَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَجِدُ بِىْ قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِى السَّفَرِ فَهَلْ عَلَىَّ جُنَاحٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ هِىَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔(۲)

ترجمہ : حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں سفر کے دوران میں روزہ رکھنے کی اپنے اندر قوت پاتا ہوں (اگر میں رکھ لوں) تو کیا مجھ پر گناہ لازم آئے گا؟ رسول اللہؐ نے فرمایا یہ تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک رخصت ہے پس جو شخص اسے اخذ کرے اس نے بھی اچھا کیا اور جسے روزہ رکھنا پسند ہو تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔

ابوداؤد میں منقول روایت ذرا واضح عکاسی کرتی ہے:

〈۵〉 حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ النُّفَيْلِىُّ، ثَنَا مُحَمَّدُبْنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ (الْمَدَنِىُّ) قَالَ:سَمِعْتُ

حَمْزَةَ بْنَ مُحَمَّدِ بْنِ حَمْزَةَ الْاَسْلَمِيَّ يَذْكُر اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهٗ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ:قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ صَاحِبُ ظَهْرٍ اُعَالِجُهٗ اُسَافِرُ عَلَيْهِ وَاُكْرِيْهِ وَاِنَّمَا رُبَمَا صَادَفَنِيْ هٰذَا الشَّهْرُ۔ يعنى رَمَضَانُ۔ وَاَنَا اَجِدُ الْقُوَّةَ وَاَنَا شَابٌّ وَاَجِدُ بِاَنْ اَصُوْمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ اَنْ اُؤَخِّرَهٗ فَيَكُوْنُ دَيْنًا، اَفَاَصُوْمُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْظَمُ لِاَجْرِيْ اَوْ اُفْطِرُ؟ قَالَ اَيَّ ذٰلِكَ شِئْتَ يَا حَمْزَةُ۔(۳)

ترجمہ: حضرت حمزہ اسلمی بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں تو سواری کی پیٹھ پر رہنے والا، عام طور پر سفر کرنے والا ہوں اور اسے کرایہ پر بھی دے دیتا ہوں۔ بسا اوقات رمضان کا مبارک مہینہ دورانِ سفر آ جاتا ہے۔ میرے لیے یہ امر آسان ہے کہ اسے موخر کیے بغیر ہی سفر میں روزے رکھ لوں۔ مؤخر کرنے کی صورت میں تو یہ مجھ پر قرض رہے گا تو کیا ارشاد ہے آپؐ کا؟ میں زیادہ اجر کے حصول کی نیت سے روزے رکھ لوں یا چھوڑ دوں۔ آپؐ نے فرمایا اے حمزہ! جس طرح تمہارا جی چاہے (اس طرح کرلو)۔

علاوہ ازیں **مسلم** نے کتاب الصیام، **ابوداؤد** نے کتاب الصوم، **ترمذی** نے ابواب الصوم اور **نسائی** نے کتاب الصیام میں صُمْ اِنْ شِئْتَ وَاَفْطِرْ اِنْ شِئْتَ بھی بیان کیا ہے۔

سفر میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے والے ایک دوسرے پر اعتراض نہ کریں

٦٤۔عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِسِتَّ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَاالْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔

(مسلم)

’’حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رمضان کی سولہ تاریخ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ کے لیے سفر پر نکلے تو ہم میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو روزے سے تھے اور کچھ ایسے تھے جو روزے سے نہیں تھے ــــ لیکن نہ تو روزہ داروں نے روزہ نہ رکھنے والوں کو ملامت کی اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ داروں پر اعتراض کیا۔‘‘

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں روزہ نہیں رکھتا یا روزہ رکھتا ہے تو اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ کسی ایسے شخص کو ملامت کرے جس نے اس کے برعکس عمل کیا ہے، کیونکہ جب شریعت میں دونوں کاموں کا اختیار دیا گیا ہے تو کسی کو کسی پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔

اس معاملے میں شریعت کی اس باریکی کو سمجھ لینا چاہیے جس کی بناء پر حضرت ابوسعید خدریؓ نے یہ واقعہ بیان فرمایا ہے۔ــ شریعت کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص شریعت کی رُو سے دو متبادل کام کرنے کا اختیار رکھتا ہو اور وہ دونوں برابر کے کام ہوں تو اس صورت میں وہ جو کام بھی کرے اس پر کسی شخص کو اس کے اوپر اعتراض کرنے یا اسے ملامت کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس طرح درحقیقت وہ شریعت کے مزاج میں بے اعتدالی کو داخل کرنے بلکہ شریعت سازی کا اختیار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت نے تو لوگوں کو برابر کا اختیار دیا تھا لیکن وہ ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دے کر دوسروں کو

ملامت کرنے پر اتر آتا ہے۔ اس طرح لوگوں پر بے جا سختی کر کے جو رعایت اللہ تعالیٰ نے انہیں دی تھی اسے چھیننے کی کوشش کرتا ہے ـــــ یہ بات اگرچہ دیکھنے میں بڑی چھوٹی سی معلوم ہوتی ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی بنا پر ملامت کر رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک بہت بڑی بات ہے۔ لوگوں کے اندر اعتدال پیدا کرنے اور ان میں شریعت کے احکام کی پابندی اور اطاعت پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر کوئی شخص خدا کی دی ہوئی رعایت سے جائز طور پر فائدہ اٹھا رہا ہے تو کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا انسان کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ نبی ﷺ کے ساتھ جو صحابہ کرامؓ سفر میں جایا کرتے تھے، ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا۔

جنگ کے موقع پر تو آپؐ حکماً روزے سے روک دیا کرتے تھے تاکہ دشمن سے لڑنے میں کمزوری لاحق نہ ہو۔

عام سفر کے معاملے میں یہ بات کہ کتنی مسافت کے سفر پر روزہ چھوڑا جا سکتا ہے، حضورؐ کے کسی ارشاد سے واضح نہیں ہوتی اور صحابۂ کرامؓ کا عمل اس باب میں مختلف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جس مسافت پر عرفِ عام میں سفر کا اطلاق ہوتا ہے اور جس میں مسافرانہ حالت انسان پر طاری ہوتی ہے، وہ افطار کے لیے کافی ہے۔

یہ امر متفق علیہ ہے کہ جس روز آدمی سفر کی ابتداء کر رہا ہو اس دن کا روزہ افطار کر لینے کا اسے اختیار ہے چاہے تو گھر سے کھانا کھا کر چلے اور چاہے تو گھر سے نکلتے ہی کھا لے۔ دونوں عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں۔

یہ امر کہ اگر کسی شہر پر دشمن کا حملہ ہو، تو کیا لوگ مقیم ہونے کے باوجود جہاد کی خاطر روزہ چھوڑ سکتے ہیں۔ علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء اس کی اجازت نہیں دیتے، مگر علامہ ابن تیمیہؒ نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ فتویٰ دیا تھا کہ ایسا کرنا بالکل جائز ہے۔ (تفہیم القرآن ج۱، البقرۃ، حاشیہ:۱۸۶)

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ، حَدَّثَنَا هَمَّامُ بْنُ يَحْيٰ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ اَبِی نَضْرَةَ، عَنْ اَبِی سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لِسِتَّ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ اَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَاالْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔(٤)

بخاری نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے:

⟨۲⟩ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كُنَّا نُسَافِرُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَاالْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔(٥)

ترجمہ: حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کی رفاقت میں سفر پر تھے۔ اس اثناء میں کسی روزہ دار نے روزہ چھوڑنے والے پر ملامت نہیں کی اور نہ ہی روزہ چھوڑنے والے نے روزہ دار پر اعتراض کیا۔

ابوداؤد نے حضرت انسؓ کی روایت قدرے وضاحت سے بیان کی ہے:

⟨۳⟩ عَنْ اَنَسٍ، قَالَ : سَافَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ، فَصَامَ بَعْضُنَا وَاَفْطَرَ بَعْضُنَا فَلَمْ یَعِبِ الصَّآئِمُ عَلَی الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَی الصَّآئِمِ۔(٦)

ترجمہ: حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کررہے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ ہم میں سے بعض روزہ دار تھے اور بعض نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا مگر نہ تو کسی روزہ دار نے کسی مفطِر پر اعتراض کیا اور نہ ہی کسی روزہ چھوڑنے والے نے روزہ دار پر ملامت کی۔

مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ایک اور روایت کے الفاظ:

⟨۴⟩ قَالَ: کُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ فَمِنَّا الصَّآئِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَلَا یَجِدِ الصَّآئِمُ عَلَی الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَی الصَّآئِمِ یَرَوْنَ اَنَّ مَنْ وَجَدَ قُوَّۃً فَصَامَ فَاِنَّ ذٰلِکَ حَسَنٌ وَیَرَوْنَ اَنَّ مَنْ وَجَدَ ضُعْفًا فَاَفْطَرَ فَاِنَّ ذٰلِکَ حَسَنٌ۔(٧)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ خدری کا بیان ہے کہ رمضان کے مہینہ میں ہم رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں لڑ رہے تھے۔ ہم میں روزہ دار بھی تھے اور غیر روزہ دار بھی۔ کوئی مُفطِر کسی صائم پر اور کوئی صائم کسی مفطر پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جسے روزہ رکھنے کی دورانِ سفر طاقت ہو وہ رکھ لے تو یہ بھی اچھا ہے اور جسے دورانِ سفر روزہ رکھنے کی ہمت نہ پڑے وہ نہ رکھے تو یہ بھی اچھا ہے۔

اگر برداشت سے باہر ہو تو سفر میں روزہ نہ رکھا جائے

٦٥۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ : کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَرَاٰی زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَیْہِ فَقَالَ مَا ھٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ، فَقَالَ لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ۔ (متفق علیہ)

''حضرت جابر بن عبداللہؓ سے ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سفر میں تھے۔ آپؐ نے دیکھا کہ لوگوں کا ہجوم ہو گیا ہے اور ایک آدمی پر سایہ کیا گیا ہے۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کہ کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ ایک روزہ دار ہے (جس کی حالت روزے کی وجہ سے غیر ہو رہی ہے) اس پر آپؐ نے فرمایا: سفر میں (ایسا) روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔''

تشریح: جن فقہاء کے نزدیک سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔ لیکن اس حدیث سے اس بات کی وضاحت نہیں ہوتی کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں ہر حالت میں سفر میں روزہ رکھنے کو نیکی کے خلاف کام قرار دیا ہے یا آپ کا ارشاد خاص حالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہاں خاص حالت خود سامنے موجود نظر آتی ہے کہ ایک آدمی روزے کی تکلیف سے نڈھال ہو گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سخت گرمی کا زمانہ تھا اور سفر بھی دن کے وقت کیا گیا تھا اس لیے اس حالت میں اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ گر گیا۔ چنانچہ لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس پر سایہ کرنے لگے۔ اس

صورتِ حال کو دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ سفر میں اس حال کا روزہ رکھا جائے ـــ یعنی اگر کوئی شخص سفر میں روزہ رکھے تو وہ حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے اور یہ دیکھے کہ آیا میری طاقت ایسی ہے کہ سفر کی تکلیف برداشت کر سکوں گا، اور یہ بھی کہ سفر میں کوئی ایسی غیر معمولی سختی پیش آنے کا خدشہ تو نہیں جو برداشت سے باہر ہو جائے۔ چنانچہ جن حالات میں کوئی شخص اپنے اندر ایسی قوتِ برداشت بھی محسوس نہ کرتا ہو اور سفر بھی زیادہ سخت نظر آ رہا ہو تو اس کا روزہ رکھنا اور پھر تکلیف اُٹھانا کوئی نیکی نہیں ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا آدَمُ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْاَنْصَارِیُّ قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ سَفَرٍ فَرَأٰی زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَیْهِ فَقَالَ : مَا هٰذَا؟ فَقَالُوْا: صَائِمٌ، فَقَالَ : لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِی السَّفَرِ۔(۸)

ابوداؤد نے اس طرح روایت کیا ہے:

⟨۲⟩ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰی رَجُلًا یُظَلَّلُ عَلَیْهِ وَالزِّحَامُ عَلَیْهِ فَقَالَ : لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ(۹)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا جا رہا ہے اور لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: سفر میں ایسا روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

ابنِ ماجہ نے ابنِ عمر اور کعب بن عاصم سے روایت کیا ہے کہ:

⟨۳⟩ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَیْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ۔(۱۰)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

ترمذی نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت نقل کر کے اس پر ناقدانہ تبصرہ کیا ہے:

⟨۴⟩ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ اِلٰی مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ۔ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِیْمِ وَصَامَ النَّاسُ مَعَهٗ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّ النَّاسَ قَدْ شَقَّ عَلَیْهِمُ الصِّیَامُ وَاِنَّ النَّاسَ یَنْظُرُوْنَ فِیْمَا فَعَلْتَ۔ فَدَعَا بِقَدَحٍ مِّنْ مَّآءٍ بَعْدَ الْعَصْرِ فَشَرِبَ وَالنَّاسُ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ فَاَفْطَرَ بَعْضُهُمْ وَصَامَ بَعْضُهُمْ فَبَلَغَهٗ اِنَّ نَاسًا صَامُوْا فَقَالَ : اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ۔"

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ مکّہ کی طرف نکلے۔ اس سفر میں آپ روزے سے تھے اور لوگوں نے بھی روزہ رکھا ہوا تھا جب آپؐ کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے تو آپؐ سے ذکر کیا گیا کہ روزہ لوگوں پر شاق گزر رہا ہے۔ اب لوگوں کی نظریں آپؐ کے عمل پر ہیں۔ اسی وقت آپؐ نے نمازِ عصر کے بعد پانی سے بھرا ہوا پیالہ منگوایا اور سب کے روبرو پیا۔ تو آپؐ کا یہ عمل دیکھ کر کچھ لوگوں نے بھی روزہ افطار کر لیا۔ لیکن بعض لوگوں نے بدستور روزہ رکھا۔ یہ بات آپؐ تک بھی پہنچ گئی۔ آپؐ نے فرمایا: بلاشبہ جن لوگوں نے ہنوز روزہ رکھا ہوا ہے انہوں نے میرا کہا نہیں مانا۔

وفی الباب عن کعب بن عاصم وابن عباس وابی هريرة، قال ابوعیسٰی حدیث جابر حدیث حسن صحیح۔

وقد روی عن النبیّ ﷺ انه قال لیس من البر الصیام فی السفرواختلف اهل العلم فی الصوم فی السفر۔ فرای بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم۔ ان الفطر فی السفر افضل حتّٰی رأی بعضهم علیه الاعادة اذا صام فی السفر۔ واختار احمد واسحاق الفطر فی السفر۔ وقال بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم۔ ان وجد قوة فصام فحسن وهو افضل وان افطر فحسن۔ وهو قول سفیان الثوری ومالك بن انس وعبدالله بن المبارك۔وقال الشافعی: انما معنی قول النبی ﷺ لیس من البر الصیام فی السفر وقوله حین بلغه ان ناسًا صاموا فقال اولئك العصاة۔ فوجه هذا اذا لم یحتمل قلبه قبول رخصة الله تعالٰی فاما من رای الفطر مباحا وصام وقویٰ علی ذٰلك فهو اعجب اِلَیَّ۔

ترجمہ : امام ترمذی فرماتے ہیں: سفر میں روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔ بعض صحابہؓ کرام اور دیگر اہل علم اس جانب رجحان رکھتے ہیں کہ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ بعض کی تو یہاں تک رائے ہے کہ اگر کسی نے سفر میں روزہ رکھا تو اس پر اس کا اعادہ لازم ہے۔ امام احمد اور اسحاق کا مسلک یہ ہے کہ سفر میں افطار کرنا چاہیے، مگر بعض اہل علم صحابہ کرام کے علاوہ دیگر حضرات کی یہ رائے ہے کہ کسی میں روزہ رکھنے کی قوت ہو تو یہ اچھا اور افضل کام ہے اور اگر چھوڑ دے تو یہ بھی اچھا ہے۔ یہ رائے سفیان ثوری، مالک بن انس اور عبداللہ بن مبارک کی ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ولیس من البر الصیام فی السفر الخ اور آپؐ کے ارشاد ''کہ جب آپؐ کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا ہے تو آپؐ نے فرمایا یہ گناہ گار لوگ ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت کو قبول نہیں کیا پس جس نے مباح سمجھتے ہوئے روزہ سفر میں رکھا اور اس کی اپنے اندر قوت بھی پائی تو یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

مشکل سفر درپیش ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے

٦٦۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِيْ يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ۔ (متفق علیه)

''حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور کوئی ہم میں سے روزے سے تھا اور کوئی روزے سے نہیں تھا۔ ایک سخت گرمی کے دن ہم نے ایک مقام پر جا کر پڑاؤ ڈالا تو روزہ دار تو وہاں جا کر لیٹ گئے اور جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا تھا وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے خیمے ایستادہ کیے اور سواری کے اونٹوں کو پانی پلایا ـــ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آج روزہ نہ رکھنے والے اَجر لوٹ لے گئے۔''

تشریح : اس حدیث کی رو سے پلڑا اس قول کے حق میں جھک رہا ہے جس کے مطابق حالتِ سفر میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ یہاں بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ سفر میں چونکہ سخت گرمی کا زمانہ تھا اس لیے جن لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا وہ روزے کی شدت برداشت نہ کر سکے اور جاتے ہی پڑ گئے۔ ان کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ اٹھ کر خیمے لگاتے اور سواریوں کو پانی پلاتے ـــــ چنانچہ جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا تھا انہوں نے دوسروں کے آرام کا سامان کیا ـــــ اگر وہ بھی روزے سے ہوتے تو وہ بھی سب کے سب پڑ جاتے اور نہ کوئی خیمہ لگاتا اور نہ جانوروں کو پانی پلاتا اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آج وہ لوگ اَجر لوٹ لے گئے جنھوں نے روزہ نہیں رکھا تھا اور انہوں نے لوگوں کے لیے آرام و آسایش کا سامان کیا۔

اب غور کیجیے کہ دورانِ سفر میں روزے کے جواز یا رخصت کے متعلق جو احادیث اب تک گزری ہیں ان میں دونوں طرف کے دلائل میں ایسا وزن ہے کہ کوئی شخص نہ تو پورے زور کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے اور نہ پورے زور کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ نہ رکھنا افضل ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ بات دراصل آدمی کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اپنے حالات کا خود اندازہ کر کے یہ رائے قائم کرے کہ آیا وہ روزہ رکھے یا نہ رکھے ـــــ کام دونوں یکساں حیثیت کے ہیں ـــــ یہ خیال دل میں ہرگز نہ رہنا چاہیے کہ اگر سفر میں روزہ نہ رکھا تو اجر کم ہو جائے گا اور بعد میں قضا کرنے کی صورت میں اتنا ثواب نہیں ملے گا جو رمضان کے دنوں میں ملتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کا اختیار دیا ہے اور اس بات کی اجازت دے دی ہے کہ بعد میں ان روزوں کی قضا کر لی جائے تو اس امر کے شُبہ کی کوئی گنجایش نہیں رہنی چاہیے کہ بعد میں قضا کا روزہ رکھنے کی صورت میں اس کا وہ اجر نہیں ہوگا جو رمضان کے زمانے میں رکھنے کا ہو سکتا ہے ـــــ رمضان کے اندر جو روزہ بلا وجہ چھوڑ دیا گیا ہو اس کا معاملہ تو یکسر مختلف ہے کیونکہ اس کی ایک قضا تو کیا آدمی ساری عمر بھی قضا ادا کرتا رہے تو اس روزے کا بدل نہیں ہو سکتی، لیکن یہاں معاملہ بالکل دوسرا ہے اور اس صورت میں روزہ قضا کر کے رکھنے سے ثواب میں کسی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کر کے یہ فیصلہ کرے کہ آیا وہ سفر میں روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ دونوں صورتوں میں جس جانب وہ زیادہ جھکاؤ محسوس کرتا ہو اسے اختیار کر لے، اجر کے لحاظ سے دونوں صورتیں یکساں ہیں۔

تخریج ⟨۱⟩: عَنْ اَنَسٍ قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ اَكْثَرُنَا ظِلًّا الَّذِىْ يَسْتَظِلُّ بِكِسَآئِهٖ وَاَمَّا الَّذِيْنَ صَامُوْا فَلَمْ يَعْمَلُوْا شَيْئًا وَاَمَّا الَّذِيْنَ اَفْطَرُوْا فَبَعَثُوا الرِّكَابَ وَامْتَهَنُوْا وَعَالَجُوْا فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ: ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ۔ (۱۲)

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ہم میں زیادہ سے زیادہ سایہ جو کسی کے پاس تھا وہ یہ کہ اس نے چادر سے سر پر سایہ کیا ہوا تھا۔ روزہ داروں نے اس روز کچھ بھی کام نہ کیا اور جنھوں نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا انہوں نے سواریوں کو بٹھایا اٹھایا اور محنت و مشقت کے کام کیے اور سخت جان ماری دکھائی۔ آپؐ نے ان کی کارکردگی دیکھ کر فرمایا: آج روزہ نہ رکھنے والے اجر لوٹ کر لے گئے۔

⟨۲⟩ حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِ بْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا اَبُوْ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ مُوَرِّقٍ، عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: كُنَّا

مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ قَالَ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ اَكْثَرُنَا ظِلًّا صَاحِبُ الْكِسَآءِ وَمِنَّا مَنْ يَتَّقِي الشَّمْسَ بِيَدِهٖ قَالَ: فَسَقَطَ الصُّوَّامُ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْاَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْاَجْرِ۔(١٣)

﴿٣﴾ عَنْ اَبِي الدَّرْدَآءِ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ اَسْفَارِهٖ فِي يَوْمٍ حَارٍّ حَتّٰى يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهٗ عَلٰى رَاْسِهٖ مِنْ شِدَّةِ الْحَرِّ وَمَا فِيْنَا صَائِمٌ اِلَّا مَا كَانَ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ وَابْنُ رَوَاحَةَ۔(١٤)

ترجمہ: حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کی رفاقت میں کسی سفر پر نکلے۔ وہ دن سخت گرم تھا اتنا شدید گرم کہ آدمی نے اپنے سر پر اپنا ہاتھ شدتِ گرمی سے تحفظ کے لیے رکھ لیا تھا۔ ہم میں نبی ﷺ اور ابنِ رواحہ کے ماسوا کوئی بھی روزے سے نہیں تھا۔

سخت مجبوری میں روزہ قبل از وقت کھول لینا درست ہے

٦٧۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ، فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ، فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ: قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَفْطَرَ، فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔ (متفق علیہ)

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ۔

''حضرت عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ ''فتح مکہ والے سفر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ مدینے سے مکے کی طرف نکلے تو راستہ بھر آپؐ روزہ رکھتے گئے یہاں تک کہ آپ عُسفان کے مقام ـــــ مدینے اور مکّے کے درمیان ایک ساحلی مقام ـــــ پر پہنچے۔ وہاں آپؐ نے پانی منگوایا اور اسے ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھایا تاکہ لوگ بھی اسے دیکھ لیں۔ پھر آپؐ نے روزہ افطار کیا۔ پھر مکے پہنچنے تک آپؐ نے روزے نہیں رکھے اور یہ واقعہ رمضان کے زمانے کا ہے اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے (ان کا یہ فتویٰ تھا) کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے زمانے میں حالتِ سفر میں روزے رکھے بھی ہیں اور چھوڑے بھی ہیں اس لیے (تمہارے لیے بھی حکم یہ ہے کہ) جو چاہے سفر میں روزہ رکھے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔'' (متفق علیہ)

اور امام مسلم کی روایت میں حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے یہ الفاظ زائد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مقامِ عسفان پر) پانی عصر کے بعد پیا تھا۔

تشریح: حضرت عبداللہؓ بن عباس کی اس روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دن کے کس وقت روزہ کھولا تھا لیکن صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ وہ عصر کا وقت تھا۔ ویسے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے بیان کا حاصل بھی یہی ہے کہ وہ دن کا وقت تھا، خواہ صبح کا ہو یا شام سے پہلے کا۔ کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ نے سحری سے پہلے پانی پیا تھا تو اسے بیان کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہوسکتا تھا، اور اگر مغرب کے بعد پیا تھا تو پھر بھی اس کے بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں تھی بہر حال حضرت جابرؓ کی روایت میں اس بات کی صراحت آگئی ہے کہ وہ عصر کا وقت تھا۔

اس حدیث میں حضرت ابن عباسؓ نے اس بات کی اچھی طرح وضاحت فرمادی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر پانی پیا تھا تاکہ لشکر کے سارے لوگ یہ دیکھ لیں کہ آپ روزہ کھول رہے ہیں۔

اس حدیث سے ایک مزید بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص پر روزے کی حالت میں کوئی ایسی سختی آجائے جسے وہ برداشت نہ کر سکتا ہو تو وہ وقت سے پہلے روزہ کھول سکتا ہے[1]۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ آدمی نے کسی مجبوری کی بنا پر روزہ ہی نہ رکھا ہو اور دوسری شکل یہ ہے کہ اس نے روزہ تو رکھ لیا لیکن بعد میں کوئی ایسی سختی پیش آگئی کہ وہ اس کی برداشت سے باہر ہو گئی تو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ روزہ کھول لے۔ اس طرح روزہ کھولنا روزہ توڑنے کی تعریف میں نہیں آتا کہ اس پر کفارہ لازم آئے۔ اس کی صرف قضا لازم آتی ہے۔

تخریج ‹۱›: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ اِسْمَاعِيلَ، ثَنَا اَبُو عَوَانَةَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ طَاؤسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلَى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَآءٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ۔ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔(۱۵)

مسلم میں اس روایت کے الفاظ:

‹۲› عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: سَافَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِاِنَآءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَشَرِبَهٗ نَهَارًا لِيَرَاهُ النَّاسُ ثُمَّ اَفْطَرَ حَتّٰى دَخَلَ مَكَّةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَصَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَفْطَرَ فَمَنْ شَآءَ صَامَ وَمَنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔(۱٦)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ماہِ رمضان میں سفر کیا۔ آپؐ روزے سے تھے۔ جب عُسفان کے مقام پر پہنچے تو ایک برتن طلب فرمایا جس میں کوئی مشروب تھا۔ دن دہاڑے آپؐ نے اسے نوش فرمایا تاکہ لوگ اسے دیکھ لیں۔ پھر مکّہ میں داخل ہونے تک روزہ نہیں رکھا۔ ابنِ عباسؓ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ روزہ رکھتے تھے اور چھوڑ بھی دیتے تھے اب جس کا جی چاہے روزہ رکھ لے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔

مسافر، دودھ پلانے والی اور حاملہ کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے

٦٨ ـ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نِ الْكَعْبِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ

[1] س: ''مولانا! روزے کی حالت میں آدمی کسی شدید تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو کیا اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے؟''

ج: ''اگر تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جائے یا ڈاکٹر اسے بتادے کہ جان جانے کا خطرہ ہے تو روزہ توڑنا جائز ہے۔''

س: ''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایسی حالت میں انسان روزہ نہ توڑے اور جان دے دے تو اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے۔''

ج: ''ایسا نہیں ہوتا بلکہ شریعت کی رو سے انسان گناہ گار قرار پاتا ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ ہمیں انسانی جان کے معاملے میں وہی معیار سامنے رکھنا چاہیے اور مومن کی زندگی کو وہی اہمیت دینی چاہیے جو خود اسلام دیتا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ جان پر آبنے یا تکلیف برداشت سے باہر ہو جائے تو روزہ توڑنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (۵اے ذیلدار پارک دوم: ص ۲۱۰-۲۱۱)

شَطْرَ الصَّلوٰةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰی۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

''حضرت انس بن مالک کعبیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز ساقط کردی ہے اور اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت بھی دے دی ہے۔ اسی طرح دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔''

تشریح: آدھی نماز ساقط کرنے سے مراد چار رکعتوں والی نماز میں دو رکعتوں کی معافی ہے۔ یہاں چونکہ ایک اور بات بیان کرنی مقصود تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قصر نماز کا تفصیلی حکم ارشاد نہیں فرمایا۔ صرف یہ فرمایا کہ مسافر سے نماز کا ایک حصہ ساقط کردیا گیا۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ تین اور دو رکعتوں والی نماز میں کوئی قصر اور معافی نہیں ہے۔ نماز میں رُخصت کے علاوہ مسافر سے روزہ رکھنے کی پابندی بھی اٹھالی گئی ہے، البتہ ان دونوں رُخصتوں میں فرق یہ ہے کہ مسافر پر روزے کی قضا تو لازم آتی ہے لیکن قصر نمازوں کی کوئی قضا نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ حالتِ سفر میں وہ چار کے بجائے دو رکعتیں پڑھے اور پھر گھر پہنچ کر جو دو رکعتیں اس نے سفر میں چھوڑ دی تھیں وہ بھی ادا کرے۔

مسافر اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ روزہ نہ رکھیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ البتہ ایک مسافر اگر دورانِ سفر میں پوری نماز پڑھے تو یہ اس کے لیے درست نہیں جب کہ اگر وہ روزہ رکھنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے روزہ رکھنے کی اجازت ہے بلکہ یہ افضل ہے، جیسا کہ دوسری احادیث میں یہ بات گزر چکی ہے۔

اِس سلسلے میں دوسری بات یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں روزے چھوڑتا ہے تو اُسے اُن کی قضا ادا کرنی ہوگی۔ اس طرح اگر دودھ پلانے والی عورت دودھ پلانے کے زمانے میں اور حاملہ عورت دورانِ حمل میں غیر معمولی تکلیف محسوس کرے تو اُنہیں اس بات کی اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں۔ یہ دَور گزر جانے پر بعد میں انہیں ان روزوں کی قضا ادا کرنی ہوگی۔

تخریج (۱): حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوْخَ، ثَنَا اَبُوْهِلَالِ الرَّاسِبِيُّ، ثَنَا ابْنُ سَوَادَةَ الْقُشَيْرِيُّ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِىْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ اِخْوَةِ بَنِىْ قُشَيْرٍ، قَالَ: اَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَانْتَهَيْتُ اَوْقَالَ فَانْطَلَقْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَاْكُلُ فَقَالَ: اِجْلِسْ فَاَصِبْ مِنْ طَعَامِنَا هٰذَا فَقُلْتُ: اِنِّىْ صَآئِمٌ قَالَ: اِجْلِسْ اُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّلَاةِ وَعَنِ الصَّوْمِ، اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ شَطْرَ الصَّلَاةِ اَوْنِصْفَ الصَّلَاةِ، وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ اَوِالْحُبْلٰى، وَاللّٰهِ لَقَدْ قَالَهُمَا جَمِيْعًا اَوْ اَحَدَهُمَا قَالَ:فَتَلَهَّفَتْ نَفْسِىْ اَنْ لَّا اَكُوْنَ اَكَلْتُ مِنْ طَعَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ۔(۱۷)

ترجمہ: بنو عبداللہ کے انس بن مالک نامی شخص نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھوڑ سوار دستہ نے ہم پر غارت گری کی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت کھانا تناول فرمارہے تھے۔ فرمایا تشریف رکھیے اور ہمارے ساتھ کھانے میں شریک ہوں، میں نے عرض کیا حضور! میں تو روزے سے ہوں۔ پھر فرمایا، اچھا بیٹھ جاؤ ابھی میں تمہیں نماز اور

روزے سے متعلق کچھ بتاتا ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز ساقط کردی ہے اور اسے روزہ چھوڑنے کی بھی اجازت دے دی ہے۔اسی طرح دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے راوی کا بیان ہے کہ افسوس ہے مجھ پر میں نے رسول اللہ ﷺ کا پیش کردہ کھانا کیوں نہ کھایا۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ وَيُوْسُفُ بْنُ عِيْسٰى، قَالَا: نَا وَكِيْعٌ نَا اَبُوْهِلَالٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَوَادَةَ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَجُلٍ مِنْ بَنِىْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ كَعْبٍ، قَالَ: اَغَارَتْ عَلَيْنَا خَيْلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَوَجَدْتُهٗ يَتَغَدّٰى فَقَالَ: اُدْنُ فَكُلْ فَقُلْتُ: اِنِّىْ صَائِمٌ، فَقَالَ: اُدْنُ اُحَدِّثْكَ عَنِ الصَّوْمِ اَوِ الصِّيَامِ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ وَعَنِ الْحَامِلِ اَوِالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ اَوِ الصِّيَامَ وَاللّٰهِ لَقَدْ قَالَهُمَا النَّبِىُّ ﷺ كِلَيْهِمَا اَوْ اَحَدَهُمَا فَيَالَهْفَ نَفْسِىْ اَنْ لَّا اَكُوْنَ طَعِمْتُ مِنْ طَعَامِ النَّبِىِّ ﷺ۔

ترجمہ: بنی عبداللہ بن کعب کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھوڑ سواروں نے ہم پر حملہ کیا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت صبح کا ناشتہ فرمارہے تھے۔فرمایا: آؤ کھانا کھاؤ۔ میں نے عرض کیا میں تو روزے سے ہوں۔فرمایا: آؤ قریب ہو، میں تمہیں روزے کے متعلق یا روزوں کے متعلق مسئلہ بتاتا ہوں، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مسافر سے آدھی نماز ساقط کردی ہے اور اسے روزہ چھوڑنے کی بھی اجازت دے دی ہے اور اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کو بھی روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ بخدا نبی ﷺ نے دونوں باتیں فرمائیں یا ایک۔ ہائے افسوس کہ میں نبی ﷺ کی کھانے کی پیشکش قبول کرلیتا۔

وفی الباب عن ابی امیة۔ قال ابو عیسیٰ: حدیث انس بن مالك الكعبی حدیث حسن ولانعرف لانس بن مالك هذا عن النبی ﷺ غیرهذا الحدیث الواحد۔ والعمل علیٰ هذا بعض اهل العلم وقال بعض اهل العلم الحامل والمرضع یفطران ویقضیان ویُطعمان وبه یقول سفیان ومالك والشافعی واحمد وقال بعضهم یفطران ویطعمان ولا قضاء علیهم وان شاء نا قضتا ولا اطعام علیهما وبه یقول اسحاق۔(۱۸)

ــــامام ترمذیؒ کہتے ہیں بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ دونوں روزہ چھوڑ دیں گی پھر دونوں پر قضا بھی ہوگی اور کھانا بھی کھلائیں گی سفیانؒ ثوری، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ سب کی یہی رائے ہے اور بعض کے نزدیک صرف کھانا کھلائیں گی قضا ان پر ضروری نہیں ہے۔ اگر چاہیں تو قضا کرلیں کھانا اس صورت میں ان پر لازم نہیں آتا، اسحاق بن راہویہ کا یہی مسلک ہے۔

نسائی نے اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

﴿۳﴾ فَقَالَ النَّبِىُّ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَضَعَ لِلْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلَاةِ وَعَنِ الْحُبْلٰى وَالْمُرْضِعِ۔(۱۹)

السنن الکبریٰ للبیہقی میں روایت کا متن:

﴿۴﴾ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَعَنِ الْمُسَافِرِ وَالْحَامِلِ والْمُرْضِعِ الصَّوْمَ اَوِ الصِّيَامَ -(۲۰)

ابوداوٗد میں اس طرح ہے:

﴿۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى وَضَعَ شَطْرَ الصَّلٰوةِ اَوْ نَصْفَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ اَوِ الْحُبْلٰى (۲۱)

سفر میں مشکلات درپیش نہ ہوں تو روزہ رکھنا چاہیے

٦٩ - عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَأْوِىْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهٗ - (ابوداؤد)

”جناب سلمہ بن محبقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو اسے (رات تک) کسی ایسی جگہ پہنچا سکتی ہو جہاں وہ (اطمینان سے) پیٹ بھر کر کھانا کھا سکے تو اُسے چاہیے کہ جہاں بھی رمضان اس پر آجائے وہ روزہ رکھے۔“

تشریح: حضورؐ نے یہاں مسافر کا حکم یہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص سفر کی حالت میں ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو یا سواری ہو تو خستہ حال ہو اور اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر اس نے سفر میں روزہ رکھ لیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ مغرب کے بعد تک کسی ایسے مقام تک نہ پہنچ سکے گا جہاں وہ اطمینان سے کھا پی سکے تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ روزہ نہ رکھے ــــ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کے پاس اچھی سواری موجود ہو اور اسے اس بات کا یقین ہو کہ وہ رات تک کسی ایسے مقام تک پہنچ جائے گا جہاں وہ اطمینان سے کھا پی سکے گا تو اسے چاہیے کہ جہاں بھی رمضان اس پر آجائے وہ وہاں سے روزے رکھنا شروع کر دے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیجیے کہ فَلْيَصُمْ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ لازماً روزہ رکھے کیونکہ اس سلسلے کی دوسری احادیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافر کے لیے یہ لازم نہیں ہے بلکہ اسے محض اس کی اجازت ہے۔ اس لیے اگرچہ فَلْيَصُمْ امر غائب کا صیغہ ہے (چاہیے کہ وہ روزہ رکھے) لیکن اس کے معنی وُجوب کے نہیں ہیں کیونکہ دوسری احادیث کو جمع کرنے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے ــــ اگر صرف اسی حدیث کو لے لیا جائے تو ایک آدمی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ایسے مسافر پر روزہ رکھنا واجب ہے لیکن یہ بات درست نہ ہوگی۔

احادیث سے، اور اسی طرح قرآن مجید سے حکم معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس مضمون سے متعلق جتنی احادیث اور آیات موجود ہیں آدمی انہیں جمع کر کے کسی حکم کا استنباط کرے۔ وہ آدمی سخت غلطی کرے گا جو قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو لے کر اس سے حکم نکالنے کی کوشش کرے اور اس بات سے صرف نظر کر لے کہ قرآن میں اسی موضوع سے متعلق دوسرے مقامات پر کیا کہا گیا ہے۔ یہی صورت حدیث کے معاملے میں ہے کہ کسی ایک حدیث کو لے کر اس سے حکم نکالنے کے بجائے

یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اس موضوع سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے دوسرے ارشادات کیا ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص صرف اسی حدیث کو سامنے رکھ کر حکم نکالے گا تو وہ یہ کہے گا کہ جس مسافر کو اچھی سواری میسّر ہو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ حضورؐ نے فَلْيَصُمْ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں، لیکن یہ درست نہ ہوگا، کیونکہ دوسری احادیث میں نہایت واضح الفاظ میں مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے کی رعایت موجود ہے۔ اس لیے یہاں فَلْيَصُمْ کے معنی یہ ہوں گے کہ ''بہتر یہ ہے کہ وہ روزہ رکھے۔''

قرآن اور حدیث میں اس امر کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ ایک بات کو حکم کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، یعنی اس کے لیے صیغہ امر استعمال کیا گیا ہے مگر اس کے معنی وجوب کے نہیں ہیں۔ مثلاً سورۂ مائدہ: ۲ میں ارشاد ہوا ہے۔ اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ''جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو'' ــــ یہاں اگر محض فَاصْطَادُوْا (پس شکار کرو) کے لفظ کو لے لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آدمی احرام کھولتے ہی پہلا کام یہ کرے کہ جا کر شکار کرے ــــ درآنحالیکہ یہ مراد نہیں ہے ــــ اصل مراد یہ ہے کہ احرام کی حالت میں تمہیں شکار کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن احرام کھولنے کے بعد تم شکار کر سکتے ہو۔ چنانچہ یہاں اگرچہ صیغۂ امر ہے مگر وجوب کے معنی میں نہیں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ محض صیغۂ امر سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

تخریج: حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ يَحْيٰ، ثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، ح وثَنَا عُقْبَةُ بْنُ مُكَرَّمٍ، ثَنَا اَبُوقُتَيْبَةَ المعنى، قَالَا: ثَنَا عَبْدُالصَّمَدِ بْنُ حَبِيْبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْاَزْدِيُّ، حَدَّثَنِيْ حَبِيْبُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: سَمِعْتُ سِنَانَ بْنَ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ الْهُذَلِيَّ يُحَدِّثُ، عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَأْوِيْ اِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ اَدْرَكَهٗ۔ (۲۲)

فتح مکّہ کے سفر میں حضورؐ کے روزہ افطار کرنے کا واقعہ

۷۰۔ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ اِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَّاءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ، اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ۔ (مسلم)

''حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکّہ کے سال رمضان کے مہینے میں مدینے سے مکے کی جانب نکلے تو راستہ بھر آپؐ روزے رکھتے گئے یہاں تک کہ آپؐ کراع الغمیم[۱] کے مقام پر پہنچے۔ لوگوں نے اس روز بھی معمول کے مطابق روزہ رکھا ــــ پھر حضورؐ نے ایک برتن میں پانی طلب فرمایا اور اسے ہاتھ میں لے کر اتنا اوپر اٹھایا کہ لوگ اسے بخوبی دیکھ لیں، پھر آپؐ نے اسے نوش فرمایا (روزہ کھول لیا) ــــ اس کے بعد حضورؐ سے جا کر عرض کیا گیا کہ بعض لوگ ابھی تک روزے سے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ نافرمان لوگ ہیں، وہ نافرمان لوگ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ جب فتح مکہ کی مہم پر روانہ ہوئے تو یہ رمضان کا زمانہ تھا اور گرمی کا موسم تھا۔ آپؐ ایک لمبا سفر کرتے ہوئے جا رہے تھے اور بہت بڑی مہم درپیش تھی۔ اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر لوگ کمزور ہو گئے تو جنگ نہیں کر سکیں گے، اس لیے

[۱] کراع الغمیم: مدینے اور مکّے کے درمیان ایک مقام جو عُسفان کے قریب ہے۔

ان مصالح کی بنا پر آپؐ نے علانیہ روزہ کھولا تاکہ لوگ آپؐ کے اس فعل کی تقلید کرتے ہوئے روزہ کھول لیں۔ آپؐ نے لوگوں کو یہ کہلا کر نہیں بھیجا کہ روزہ کھول لیا جائے بلکہ خود ایک فعل سب کے سامنے کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اب روزہ نہیں رکھنا ہے اور اب اس رمضان میں معافی ہے لیکن اس کے بعد بھی جب کچھ لوگوں نے روزہ نہ کھولا اور آپؐ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ نافرمان ہیں، وہ نافرمان ہیں۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ جب اللہ کے رسولؐ نے اللہ کی عطا کردہ ایک رعایت سے فائدہ اٹھایا ہے تو یہ لوگ کون ہیں جو اس رعایت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہم تو عزیمت کے مقام پر ہیں، اور ہمیں اس رخصت سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں ـــــ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ اس سے یہ مراد نہیں لینی چاہیے کہ اگر رمضان کی حالت میں کسی آدمی کو سختی پیش آئے اور وہ روزہ نہ کھولے تو گنہگار ہوگا، بلکہ نبی ﷺ کے ارشادِ گرامی کا منشا یہ تھا کہ جب میں نے روزہ کھول لیا ہے تو اس کے بعد دوسرے لوگوں کا روزہ نہ کھولنا ایک نافرمانی کا فعل ہے ـــــ ظاہر بات ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے جن مصالح کے پیشِ نظر علانیہ روزہ افطار فرمایا تھا ان کا تقاضا یہی تھا کہ دوسرے لوگ بھی اس معاملے میں آپؐ کی اتباع کریں۔

تخریج: حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بُنُ الْمُثَنّٰی، حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ يعنى ابنُ عَبْدِ الْمَجِيْدِ، حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ عَنُ اَبِيهِ، عَنُ جَابِرِ بُنِ عَبُدِاللهِ، اَنَّ رَسُوُلَ اللهِ ﷺ خَرَجَ عَامَ الْفَتحِ اِلٰى مَكَّةَ فِى رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ، فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنُ مَّآءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ اِلَيُهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيلَ لَهٗ بَعُدَ ذٰلِكَ اِنَّ بَعُضَ النَّاسِ قَدُ صَامَ فَقَالَ: اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ، اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ۔(۲۳)

سفر میں ـــــ جب کہ سختی پیش آنے کا خدشہ ہو ـــــ روزہ رکھنا مناسب نہیں

۷۱۔ عَنُ عَبُدِ الرَّحْمٰنِ بُنِ عَوُفٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوُلُ اللهِ ﷺ: صَآئِمُ رَمَضَانَ فِى السَّفَرِ كَالْمُفُطِرِ فِى الْحَضَرِ۔ (ابن ماجه)

”حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سفر کی حالت میں رمضان کا روزہ رکھنے والا شخص ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ شخص جو گھر پر رہتے ہوئے روزہ نہ رکھے۔“

تشریح: جس طرح یہ غلط ہے کہ کوئی شخص گھر پر مقیم ہوتے ہوئے کسی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ ترک کر دے اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ آدمی حالتِ سفر میں اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر روزہ رکھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دونوں فعلوں کا درجہ بھی ایک سا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آدمی گھر پر ہو تو روزہ نہ رکھنا بُرا، اور سفر میں ہو تو روزہ رکھنا بُرا! لیکن یہ اُس وقت ہے جب کہ سفر کی حالت میں آدمی کو سختی پیش آئے یا سختی پیش آنے کا خطرہ ہو۔ ورنہ اس سے پہلے احادیث گزر چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بھی سفر کی حالت میں روزہ رکھا ہے اور صحابہ کرامؓ نے بھی روزہ رکھا ہے۔ مزید برآں ایسی حالت بھی گزری ہے کہ ایک سفر میں صحابہ کرامؓ میں سے بعض روزے سے تھے اور بعض نہیں تھے۔ اس لیے لامحالہ ان سب

احادیث کی روشنی میں اس حدیث کی یہ تاویل کی جائے گی کہ سفر کی حالت میں اگر آدمی کو سختی پیش آئے یا اس کا شدید اندیشہ ہو تو اس حالت میں روزہ رکھنا بُرا ہے ـــــ اسی طرح بُرا ہے جس طرح کہ آدمی گھر پر آرام سے ہو اور روزہ نہ رکھے، اگرچہ دونوں کا درجہ یکساں نہیں ہے کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اگر آدمی گھر پر مقیم ہوتے ہوئے رمضان کا کوئی روزہ بغیر کسی عذر کے چھوڑ دیتا ہے تو بعد میں عمر بھر کی قضا بھی اس کی تلافی نہیں کرسکتی ـــــ لیکن ظاہر بات ہے کہ حالتِ سفر میں روزہ رکھنے کو ـــــ خواہ اس میں سختی ہی کیوں نہ پیش آئے ـــــ کسی طرح بھی اس درجے کا بُرا فعل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تخریج : حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِیُّ، ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰی التَّیْمِیُّ، عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِیْهِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صَآئِمُ رَمَضَانَ فِی السَّفَرِ کَالْمُفْطِرِ فِی الْحَضَرِ۔(۲۴)

قال ابو اسحق هذ الحدیث لیس بشیء۔

فی الزوائد: فی اسناده انقطاع۔ اسامة بن زید متفق علیه علی تضعیفه۔ وابو سلمة بن عبدالرحمٰن لم یسمع من ابیه شیئاً قاله ابن معین والبخاری ورواه النسائی عن انس بن مالك وهو عبد غیر انس بن مالك خادم النبی ﷺ۔(۲۵)

سفر میں روزہ چھوڑنے کی اجازت اللہ کی بخشی ہوئی ایک رُخصت ہے

۷۲۔ عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَسْلَمِیِّ اَنَّهٗ قَالَ : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَجِدُ بِیْ قُوَّةً عَلَی الصِّیَامِ فِی السَّفَرِ۔ فَهَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ، قَالَ: هِیَ رُخْصَةٌ مِّنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ۔ (مسلم)

''حضرت حمزہ بن عَمرو اسلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے اندر اتنی قوت پاتا ہوں کہ سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھوں۔ اگر میں ایسا کروں تو کیا میں گنہگار رہوں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو اللہ بزرگ و برتر کی طرف سے ایک رعایت ہے۔ اگر کوئی شخص اس رعایت سے فائدہ اٹھائے تو یہ اچھی بات ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس کے لیے کوئی گناہ بھی نہیں۔''

تشریح: یہ اصل پوزیشن ہے جو اس فصل کی آخری حدیث میں بیان کی گئی ہے۔ صحیح ترین صورت یہی ہے کہ اگر ایک آدمی اپنے اندر اتنی قوت پاتا ہو اور اس کے حالاتِ سفر بھی سازگار ہوں تو اس کے لیے روزہ رکھنا بالکل درست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس کے اندر سفر کی حالت میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے یا اس کو سختی پیش آنے کا خطرہ ہے تو اس حالت میں روزہ چھوڑ کر اللہ کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی معاملے میں رعایت دے تو آدمی کے لیے مستحسن یہ ہے کہ وہ اس رعایت سے فائدہ اٹھائے۔

تخریج : حَدَّثَنِیْ اَبُوالطَّاهِرِ وَهَارُوْنُ بْنُ سَعِیْدِ نِ الْاَیْلِیُّ، قَالَ هَارُوْنُ: حَدَّثَنَا وَقَالَ اَبُو الطَّاهِرِ اَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ، اَخْبَرَنِیْ عَمْرُوبْنُ الْحَارِثِ، عَنْ اَبِی الْاَسْوَدِ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ اَبِیْ مُرَاوِحٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرِونِ الْاَسْلَمِیِّ، اَنَّهٗ قَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَجِدُ بِیْ قُوَّةً عَلَی الصِّیَامِ فِی السَّفَرِ فَهَلْ عَلَیَّ جُنَاحٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : هِیَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ فَمَنْ اَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّصُوْمَ فَلَاجُنَاحَ عَلَیْهِ۔ قَالَ هَارُوْنُ فِیْ حَدِیْثِهٖ هِیَ رُخْصَةٌ وَلَمْ یَذْکُرْ مِنَ اللّٰهِ۔(۲۶)

ماٰخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الصوم فی السفر والافطار۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر۔☆ دارمی کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الصوم فی السفر۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب الرخصة فی الصوم فی السفر۔

(۲) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر الخ۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ ☆مؤطا امام مالك کتاب الصیام۔

(۳) ابوداؤد ج۱ کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔☆نسائی ج٤ کتاب الصیام باب الصیام فی السفر۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب جوازالفطر فی السفر القاصد دون القصیر۔☆ المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔

(٤) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان الخ۔☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر۔ ☆نسائی ج٤ کتاب الصیام باب الصیام فی السفر۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب من اختار الصوم فی السفر۔

(۵) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب لم یعب اصحاب النبی ﷺ بعضهم بعضًا فی الصوم والافطار۔ مسلم کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان۔

(٦) ابوداؤد ج۱ کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔ مؤطا امام مالك کتاب الصیام باب جاء فی الصیام فی السفر☆ مسند احمد ج۳ص ۱۲، ٤۵، ۵۰، ۷٤۔

(۷) مسلم کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب من اختار الصوم فی السفر الخ۔

(۸) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب قول النبی ﷺ لمن ظُلِّل علیه واشتد الْحَرُّ لیس من البرّ الصیام فی السفر۔☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب جوازالصوم والفطر فی شهر رمضان الخ۔

(۹) ابوداؤد ج۱ کتاب الصوم باب اختیار الفطر۔

(۱۰) ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الافطار فی السفر۔☆ نسائی ج٤ کتاب الصیام باب مایکره من الصیام فی السفر۔☆دارمی کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔☆ المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم باب لیس من البر

الصیام فی السفر۔☆ مسنداحمد ج۳ص ۲۹۹۔۳۱۷۔۳۹۹☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج۳کتاب الصیام باب تاکید الفطر فی السفر اذا کان یجھدہ الصوم۔

(۱۱) ترمذی ج۱ابواب الصیام باب ماجاء فی کراھیة الصوم فی السفر۔

(۱۲) بخاری ج۱کتاب الجھاد والسیر باب فضل الخدمة فی الغزو۔

(۱۳) مسلم ج۱کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان الخ۔☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج٤کتاب الصیام باب تاکید الفطر فی السفر اذا کان یجھدہ الصوم۔☆ نسائی ج٤کتاب الصیام باب فضل الافطارفی السفر علی الصیام۔

(۱٤) بخاری ج۱کتاب الصیام۔

(۱۵) بخاری ج۱کتاب الصوم باب من افطر فی السفر لیراہ الناس۔☆مسلم ج۱کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان الخ۔☆ابوداؤدج۲کتاب الصوم باب الصوم فی السفر۔☆ نسائی ج۱کتاب الصیام باب الصیام فی السفر۔ الرخصة فی الافطار۔☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج٤۔کتاب الصیام باب الرخصة فی الصوم فی السفر۔

(۱٦) مؤطا امام مالك نے کتاب الصیام باب ۲۱، اور دارمی نے کتاب الصوم باب ۱۵ میں اسی مفہوم کی حدیث بیان کی ہے۔
مسند احمد ج۱،ص۲۱۹۔۲٤٤۔۲۵۹۔۲٦۱۔۲٦٦۔۲۹۱۔۳۲۵۔۳٤۰۔۳٤۲۔۳٤٤۔ مؤطا امام مالك نے کتاب الصیام باب۲۱ اور دارمی کتاب الصوم باب ۱۵ میں اسی مفھوم کی حدیث بیان کی ھے۔

(۱۷) ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب اختیار الفطر۔

(۱۸) ترمذی ج۱ابواب الصوم باب ماجاء فی الرخصة فی الافطار للحُبلٰی والمرضع۔☆ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الافطار للحامل والمرضع۔

(۱۹) نسائی ج٤کتاب الصیام باب وضع الصیام عن الحبلٰی والمرضع۔

(۲۰) السنن الکبریٰ ج٤۔کتاب الصیام باب الحامل والمرضع لاتقدران علی الصوم الخ۔

(۲۱) ابوداؤد ج۱کتاب الصوم باب اختیار الفطر۔دارمی کتاب الصوم باب۱٦باب الرخصة للمسافر فی الافطار۔اس نے حاملہ اورمرضعہ کاذکرنہیں کیا۔

(۲۲) ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب فیمن اختار الصیام۔

(۲۳) مسلم ج۱کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان۔☆نسائی ج٤کتاب الصیام باب ذکر اسم الرجل۔☆السنن الکبریٰ ج٤کتاب الصیام باب تاکید الفطر فی السفر اذا کان یرید لقاء العدو۔اس کی بیان کردہ روایت میں فدعا بقدح من ماء بعدالعصر کااضافہ ہے۔

(۲٤) ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الافطار فی السفر۔

(۲۵) نسائی ج٤کتاب الصیام باب ذکر قوله الصائم فی السفرکالمفطر فی الحضر۔نسائی میں مروی رواۃ میں اسامہ بن زید نہیں ہیں☆نسائی کے الفاظ "الصائم فی السفر کالمفطر فی الحضر"ھیں۔☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج٤کتاب الصیام باب الرخصة فی الصوم فی السفر۔وھو موقوف وفی اسنادہ انقطاع وروی مرفوعا واسنادہ ضعیف۔

(۲٦) مسلم ج۱کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شھر رمضان الخ۔☆ نسائی ج٤کتاب الصیام باب الصیام فی السفر ذکر الاختلاف علی عروۃ فی حدیث حمزۃ فیه۔☆دارقطنی کتاب الصیام ج۲۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج٤۔ کتاب الصیام باب الرخصة فی الصوم فی السفر۔ترمذی نے ابواب الصوم باب ماجاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر میں حمزہ سے روایت نقل کی ہے مگراس کامتن متذکرہ بالاروایت کانہیں۔اسی طرح دارمی نے کتاب الصوم باب الصوم فی السفر میں بھی ان سے روایت نقل کی ہے۔اس کے الفاظ بھی مختلف ہیں۔

فصل ششم:

قضائے صوم

رمضان کے قضا روزے شعبان کے نصف آخر میں بھی رکھے جا سکتے ہیں

۷۳۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَ اِلَّا فِيْ شَعْبَانَ۔ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ تَعْنِي الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ اَوْ بِالنَّبِيِّ ﷺ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میرے ذمے رمضان کے کچھ روزے ہوتے تھے مگر میں شعبان کے سوا اور کسی مہینے میں قضا کے یہ روزے نہ رکھ پاتی تھی ــــ اس حدیث کے ایک راوی یحییٰ بن سعیدؒ حضرت عائشہؓ کے اس قول کی وضاحت کرتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنی مصروفیت کی وجہ سے شعبان سے پہلے یہ روزے نہ رکھ سکتی تھیں۔''

تشریح: پہلے ایک حدیث گزری تھی جس میں یہ بات بتائی گئی تھی کہ شعبان کی پندرہ تاریخ کے بعد حضورؐ نے نفلی روزے رکھنے سے منع فرمایا ہے ــــ شعبان کے ابتدائی زمانے میں اس کی اجازت ہے ــــ کیونکہ اگر آدمی شعبان کے آخری زمانے میں بھی روزے رکھے تو اُسے ایسی کمزوری لاحق ہوسکتی ہے جس کی وجہ سے وہ رمضان کے روزے پورے نہ کرسکے، درآنحالیکہ شعبان میں تو وہ نفلی روزے رکھتا ہے اور رمضان میں معاملہ فرض روزوں کا ہوتا ہے ــــ یہاں حضرت عائشہؓ یہ فرماتی ہیں کہ میں قضا کے روزے شعبان کے مہینے میں رکھتی تھی کیونکہ باقی دس مہینوں کے اندر مجھے ایسی مصروفیات رہتی تھیں جن کی وجہ سے قضا کے روزے ٹلتے رہتے تھے یہاں تک کہ شعبان آجاتا۔ انہوں نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ آیا وہ یہ روزے شعبان کی پندرہ تاریخ سے پہلے رکھتی تھیں یا اس کے بعد۔ لیکن حدیث کے انداز سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ قضا کے روزے پندرہ تاریخ کے بعد رکھنے کا ذکر فرما رہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قضا کے روزے حقیقت میں فرض ہیں اور نفل کی حیثیت نہیں رکھتے اس لیے وہ اس زمانے میں بھی رکھے جاسکتے ہیں۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ يُوْنُسَ، ثَنَا زُهَيْرٌ، ثَنَا يَحْيٰ، عَنْ اَبِيْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ تَقُوْلُ: كَانَ يَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَ اِلَّا فِيْ شَعْبَانَ قَالَ يَحْيٰ: الشُّغْلُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ اُو بِالنَّبِيِّ ﷺ۔(۱)

ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں:

⟨۲⟩ اِنْ كَانَ لَيَكُوْنُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا اسْتَطِيْعُ اَنْ اَقْضِيَهُ حَتّٰى يَأْتِيَ شَعْبَانُ۔(۲)

ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے مروی روایت کے الفاظ:

(۳) عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كُنْتُ اَقْضِي مَايَكُوْنُ عَلَيَّ مِنْ رَمَضَانَ اِلَّا فِي شَعْبَانَ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ـ(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات تک رمضان کے واجب القضا روزے میں صرف شعبان ہی میں رکھتی تھی۔

قال ابوعیسیٰ ھٰذا حدیث حسن صحیح وقد رواہ یحيٰ بن سعید الانصاری عن ابی سلمة عن عائشة نحو ھٰذَا۔

نفلی اور قضا روزے رکھنے سے پہلے بیوی کو شوہر سے اجازت لینی چاہیے

۷٤ـعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَايَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَلَا تَأْذَنَ فِي بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (مسلم)

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہو اور وہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے اور اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے اِلّا یہ کہ اس کے شوہر نے اسے اجازت دے رکھی ہو۔''

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا گیا ہے کہ عورت کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہو لیکن وہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے۔ اس سے نفلی روزے بھی مراد ہو سکتے ہیں اور قضا کے روزے بھی ــــ یہاں یہ حدیث بیان بھی بابُ الْقَضَاءِ میں ہو رہی ہے ــــ چونکہ قضا کے روزوں میں اس بات کی گنجایش ہوتی ہے کہ وہ گیارہ مہینوں کے اندر کسی وقت بھی رکھے جا سکتے ہیں اس لیے عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے شوہر سے اس بات کی اجازت لے لے۔ اس کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر روزے رکھنے شروع کر دے، خواہ نفلی ہوں یا قضا کے۔ کیونکہ بعض حالات میں یہ چیز شوہر کے لیے باعثِ تکلیف ہو سکتی ہے۔ ایسی کسی چیز سے میاں بیوی کے درمیان چپقلش واقع ہونا یا کم از کم شوہر کے دل میں بیوی کے لیے ناراضی کا جذبہ پیدا ہونا شریعت کی نگاہ میں پسندیدہ نہیں ہے۔ شریعت اس بات کو بڑی اہمیت دیتی ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات زیادہ سے زیادہ خوشگوار ہوں کیونکہ ان تعلقات میں ناخوشگواری کے نتائج بہت بُرے اور دُوررس ہوتے ہیں۔ اس لیے شریعت اس بات کو ملحوظ رکھتی ہے کہ کسی معاملہ میں زوجین کے درمیان کسی قسم کی بدمزگی پیدا نہ ہونے پائے ــــ بعض حالات میں ایسا ہوتا ہے کہ شوہر کو بیوی کا روزہ رکھنا (خواہ وہ نفلی ہو یا قضا کا) اتنا ناگوار محسوس ہوتا ہے کہ وہ روزے ہی کے متعلق نامناسب الفاظ اپنی زبان سے نکال بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف میاں بیوی کے تعلقات میں بدمزگی پیدا ہوتی ہے بلکہ وہ آدمی بھی گنہگار ہوتا ہے۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ روزہ رکھنے سے پہلے بیوی

اپنے شوہر سے اس بات کی اجازت لے لے ـــــ البتہ رمضان کے روزوں کا معاملہ مختلف ہے۔ رمضان کے زمانے میں شوہر کی اجازت اور رضامندی حاصل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ رمضان کے روزے چھوڑنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا اَبُو الْیَمَان، قَالَ : اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَایَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَلَاتَأْذَنُ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَمَا اَنْفَقَتْ مِنْ نَفَقَةٍ مِنْ غَیْرِ اَمْرِهٖ فَاِنَّهٗ یُؤَدّٰی اِلَیْهِ شَطْرُهٗ۔(٤)

ورواه ابوالزناد ایضًا عن مُوسی عن ابیه عن ابی هریرة فی الصوم۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک عورت کے لیے یہ بات حلال نہیں ہے کہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہو اور وہ اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے اور اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت دے الّا یہ کہ اس کے شوہر نے اسے اجازت دے رکھی ہو اور وہ جو کچھ بھی اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر انفاق کرے گی اس کا نصف خاوند کی جانب لوٹا دیا جائے گا۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ، قَالَ: نَا عَبْدُالرَّزَّاق، قَالَ: نَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ، قَالَ: هٰذَا مَاحَدَّثَنَا اَبُوْهُرَیْرَةُ عَنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَکَرَ اَحَادِیْثَ مِنْهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَاتَصُمِ الْمَرْأَةُ وَبَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَأْذَنُ فِیْ بَیْتِهٖ وَهُوَ شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَمَا اَنْفَقَتْ مِنْ کَسْبِهٖ مِنْ غَیْرِ اَمْرِهٖ فَاِنَّ نِصْفَ اَجْرِهٖ لَهٗ۔(٥)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا عورت روزہ نہ رکھے جب کہ اس کا شوہر گھر پر موجود ہو اور اس کی اجازت کے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔ خاوند کی کمائی میں سے اس کی اجازت کے بغیر جتنا کچھ انفاق وہ کرے گی اس کا آدھا ثواب شوہر کے کھاتے میں جائے گا۔

ابوداؤد نے لَاتَصُمُ کی جگہ لَاتصوم اور الا باذنه کے بعد غیر رمضان کے الفاظ بھی روایت کیے ہیں:

﴿۳﴾ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَاتَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ یَوْمًامِنْ غَیْرِ شَهْرِ رَمَضَانَ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔(٦)

قَالَ ابوعیسٰی: حدیث ابی هریرة حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورت رمضان کے علاوہ ایک دن کا روزہ بھی اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نہ رکھے۔

حائضہ عورت پر روزوں کی قضا لازم آتی ہے مگر نمازوں کی نہیں

۷۵۔ عَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِیَّةِ اَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ: مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِی الصَّوْمَ وَلَاتَقْضِی الصَّلٰوةَ، قَالَتْ عَائِشَةُ: کَانَ یُصِیْبُنَا ذٰلِکَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَانُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ۔ (مسلم)

''ایک تابعی خاتون مُعاذہ عدویہؒ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ ایک

حائضہ عورت ایامِ ماہواری میں جو روزے چھوڑتی ہے ان کی قضا تو وہ ادا کرتی ہے لیکن جو نمازیں چھوڑتی ہے ان کی قضا ادا نہیں کرتی[1] ـــــ حضرت عائشہؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ (رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں) ہم پر یہ حالت گزرتی تھی تو ہمیں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ ہم روزوں کی قضا کریں لیکن یہ حکم نہیں دیا جاتا تھا کہ ہم نمازوں کی قضا بھی کریں۔''

تشریح: یہاں دیکھیے، سوال کرنے والی خاتون اس بات کی علّت دریافت کرتی ہیں کہ حائضہ عورت ایام ماہواری کے روزوں کی قضا کیوں ادا کرتی ہے جب کہ نمازوں کی قضا ادا نہیں کرتی، لیکن حضرت عائشہؓ اس کے جواب میں فرماتی ہیں کہ حکم یہی ہے۔ اگرچہ اس حکم کے اندر مصلحت موجود ہے اور غور کرنے سے وہ سمجھ میں بھی آسکتی ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ قانون اور حکم یہ ہے۔ قطع نظر اس سے کہ علّت تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہارا کام اس قانون کی پابندی کرنا ہے۔ یہ گویا ایک مسلمان کی اولین صفت ہے ـــــ اگر وہ یہ شرط لگاتا ہے کہ میں حکم اس وقت مانوں گا جب مجھ پر اس کی مصلحت واضح ہو جائے گی تو وہ سرے سے مسلمان ہی نہیں ہے۔ ایک شخص جب اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے، رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو مان لے اور خدا کی کتاب کے متعلق یہ جان لے کہ یہ کتابِ برحق ہے تو اس کا کام حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر حکم کی علّت اور مصلحت بھی اس کی سمجھ میں آئے اور کسی پر یہ لازم بھی نہیں ہے کہ وہ اسے اس کی حکمت و مصلحت بتائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے اس کا کام یہ ہے کہ جہاں اللہ کا حکم اس کے سامنے آئے وہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔

جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے اس میں بیان کردہ حکم کی حکمت اور مصلحت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ نماز دن میں پانچ وقت فرض ہے۔ اب فرض کیجیے کہ ایک عورت کو ایاّم ماہواری میں آٹھ یا دس روز تک نماز چھوڑنی پڑتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ذمّے قضا کی چالیس یا پچاس نمازیں ہو گئیں جو اسے بعد میں ادا کرنی پڑیں گی۔ ظاہر بات ہے کہ اس طرح اسے سخت مشکل پیش آئے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں رعایت فرمائی اور نماز کی قضا لازم نہیں کی ـــــ اس کے برعکس روزوں کا معاملہ یہ ہے کہ سال کے ایک مہینے میں فرض ہوتے ہیں اور قضا ہونے کی صورت میں سال کے باقی مہینوں میں کسی وقت بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ اس لیے یہاں وہ رعایت نہیں دی گئی جو نماز کے بارے میں دی گئی ہے ـــــ یہ ایک بالکل واضح بات تھی اور حضرت عائشہؓ چاہتیں تو وہ سوال کرنے والی خاتون کو اس حکم کی حکمت اور علت بتا سکتی تھیں، لیکن انہوں نے حکمت بتانے کے بجائے صرف حکم بتا دینے پر اکتفا فرمایا۔

تخریج (۱): حَدَّثَنَا عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: اَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ، قَالَ: اَنَا مَعْمَرٌ عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ: مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِى الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِى الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَتْ: اَحَرُوْرِيَّةٌ اَنْتِ؟ قُلْتُ: لَسْتُ بِحَرُوْرِيَّةٍ، وَلٰكِنِّى اَسْأَلُ قَالَتْ: كَانَ يُصِيْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَآءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَآءِ الصَّلَاةِ۔ (۷)

ترجمہ: حضرت معاذۃ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ ایک حائضہ عورت ایاّمِ ماہواری میں جو روزے وہ چھوڑتی ہے ان کی قضا تو وہ ادا کرتی ہے لیکن جو نمازیں چھوڑتی ہے ان کی قضا ادا نہیں کرتی۔ تو

[1] حیض کی حالت میں روزہ و نماز دونوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ نماز کی کوئی قضا نہیں البتہ روزے بعد میں ادا کر دینے چاہئیں۔
(مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اول: ۹۵)

حضرت عائشہؓ نے اس سے پوچھا تو حروریہ[1] تو نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا حروریہ تو میں نہیں ہوں لیکن مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم پر یہ حالت گزرتی تھی تو ہمیں یہ حکم تو دیا جاتا تھا کہ ہم روزوں کی قضا کریں لیکن یہ حکم نہیں دیا جاتا تھا کہ ہم نمازوں کی قضا بھی کریں۔

امام بخاری نے کتاب الصوم میں باب الحائض تترك الصوم والصلاة وقال ابو الزناد ان السنن ووجوهَ الحق لتاتی کثیرا علی خِلاف الرأی فیما یجدالمسلمون بُدًّا من اتباعها من ذٰلكَ اِنَّ الْحَائِضَ تَقْضِی الصِّیَامَ وَلَا تَقْضِی الصَّلَاةَ۔ اس طرح نقل کی ہے۔(۸)

ترمذی نے حضرت عائشہؓ سے روایت بیان کی ہے:

﴿۲﴾ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنَّا نَحِیضُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ نَطْهُرُ فَیَأْمُرُنَا بِقَضَآءِ الصِّیَامِ وَلَا یَأْمُرُنَا بِقَضَآءِ الصَّلَاةِ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہم پر ایام ماہواری آتے تھے پھر ایامِ طہر میں جب ہم ہوتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ ہمیں روزوں کی قضا کا حکم فرمایا کرتے تھے مگر نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔

قَال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن وقد روی عن معاذة، عن عائشة ایضًا والعمل علی هذا عند اهل العلم لانعلم بینهم اختلافًا فی ان الحائض تقضی الصیام ولاتقضی الصلاة۔(۹)

دارمی نے اس روایت کو قدرے مختلف اسلوب میں بیان کیا ہے:

﴿۳﴾ قَالَ: اَتَتْ اِمْرَأَةٌ اِلٰی عَائِشَةَ فَقَالَتْ: اَقْضِیْ مَاتَرَكْتُ مِنْ صَلَاتِی فِی الْحَیْضِ عِنْدَ الطُّهْرِ؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: اَحَرُوْرِیَّةٌ اَنْتِ؟ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَتْ اِحْدَانَا تَحِیْضُ وَتَطْهُرُ فَلَا یَأْمُرُنَا بِالْقَضَآءِ۔(۱۰)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور عرض کیا: ایامِ ماہواری میں جو نمازیں میں چھوڑتی ہوں ایامِ طہر میں انہیں پڑھتی ہوں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: تو حروریہ تو نہیں ہے؟ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتی تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک کو ایام ماہواری سے واسطہ پڑتا تھا۔ حالتِ طہر بھی آتی تھی مگر آپؐ نے کبھی ہمیں تو نمازوں کی قضا کا حکم نہیں دیا۔

کیا فوت شدہ آدمی کے روزوں کی قضا اس کے ولی کے ذمّے ہوگی

۷۶۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ مَّاتَ وَعَلَیْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِیُّهٗ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کے ذمے کچھ روزے ہوں تو اس کا ولی اس کے بدلے میں روزے رکھے۔''

[1] حروراء دراصل کوفے کے قریب ایک مقام تھا، جہاں خوارج کا ایک گروہ رہتا تھا جو تشددِ عقیدہ کے باعث حائضہ عورتوں کو ایام کے بعد نماز کی قضا کا حکم دیتے تھے جو انکارِ سنت کے مترادف ہے۔ یہ لوگ حروریہ کہلاتے تھے۔

تشریح: یہ ایک پیچیدہ فقہی بحث ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اس کے ذمّے کچھ روزے رہ گئے ہوں تو آیا اس کے ولی پر ان کی قضا لازم آتی ہے یا نہیں۔

اس سلسلے میں چونکہ متعدد احادیث آئی ہیں اور ان میں اختلاف ہے اس لیے اس حدیث کے بارے میں بھی بحث پیدا ہوئی ہے اور فقہاء کے مسلک بھی مختلف ہو گئے ہیں ـــــ امام احمد بن حنبلؒ اس حدیث کی بناء پر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمّے رمضان کے روزے رہ جائیں تو اس کے ولی کو اس کی طرف سے روزے رکھنے ہوں گے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس بات کے قائل نہیں ہیں۔ یہ ائمہ اس حدیث کو رد تو نہیں کرتے البتہ وہ اس کی تاویل کرتے ہیں ـــــ اول تو ان کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ یہاں رمضان کے روزے ہی مراد ہوں بلکہ نذر کے روزے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ (اگر کسی شخص نے نذر مانی تھی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اتنے روزے رکھوں گا لیکن یہ نذر پوری کرنے سے قبل وہ فوت ہو گیا تو اس کا ولی اس کی طرف سے یہ روزے رکھ سکتا ہے) دوسرے یہ ضروری نہیں ہے کہ صیغۂ امر کے معنی لازماً وجوب کے ہوں، (جیسا کہ پہلے بھی ایک حدیث کی وضاحت کے سلسلے میں یہ بات گزر چکی ہے) اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہاں اس سے مراد یہ ہو کہ اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ سکتا ہے ـــــ تیسرے یہ کہ اس سلسلے کی بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان احادیث سے پہلے کی ہے۔ اس لیے ان فقہاء کے نزدیک اب یہ حکم منسوخ سمجھا جائے گا۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَالِدٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُوسٰی بْنِ اَعْیَنَ، ثَنَا اَبِیْ، عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، عَنْ عُبَیْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ جَعْفَرٍ، اَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جَعْفَرٍ، حَدَّثَهٗ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ مَّاتَ وَعَلَیْهِ صِیَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِیُّهٗ۔ (۱۱)

تابعه ابن وهب عن عمرو ورواه یحیٰ بن ایوب عن ابن ابی جعفرٍ۔

فوت شدہ آدمی کے قضا روزوں کے بدلے میں مساکین کو کھانا کھلانے کا مسئلہ

۷۷۔ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ مَاتَ وَعَلَیْهِ صِیَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْیُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ یَوْمٍ مِّسْكِیْنٌ۔ [۱]

جناب نافعؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں فوت ہو جائے کہ اُس کے ذمے رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین آدمی کو کھانا کھلایا جائے (یعنی اس کا فدیہ دیا جائے)۔"

تشریح: امام ترمذیؒ کے نزدیک یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرؓ کا اپنا فتویٰ ہے یعنی یہ ثابت نہیں ہے کہ یہ بات حضورؐ نے فرمائی ہے، بلکہ مضبوط سندوں سے جو روایات آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اپنی رائے ہے ـــــ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمّے رمضان کے روزے رہ گئے ہوں اور وہ فوت ہو جائے تو اس کی طرف سے فدیہ کے طور پر مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔ یہ وہی فدیہ ہے جو اس کی زندگی میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے ـــــ قرآن

---

[۱] رواہ الترمذی وقال: والصحیح اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلٰی ابْنِ عُمَرَ۔

مجید میں یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص بیماری وغیرہ کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے وہ فدیہ ادا کرے۔ یعنی ہر روزے کے بدلے میں کسی مسکین کو کھانا کھلائے۔ اب فرض کیجیے کہ وہ بیماری کے زمانے میں کھانا نہیں کھلا سکا اور فوت ہو گیا تو اس کے بعد اس کے ولی کو چاہیے کہ وہ اس کے فدیہ کے طور پر ہر روزے کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

اگر اسے رسول اللہ ﷺ کا قول مانا جائے تو اس صورت میں یہ اوپر والی حدیث کے خلاف پڑتا ہے جس کی رُو سے یہ حکم نکلتا ہے کہ ایسے شخص کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے۔ لیکن اگر اسے حضرت ابن عمرؓ کا قول مانا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فتویٰ حضورؐ کے ارشاد کے خلاف ہے حالانکہ یہ ایک یقینی امر ہے کہ اگر ان کے علم میں یہ بات ہوتی کہ اس سلسلے میں حضورؐ کا ارشاد یہ ہے کہ ولی کو روزہ رکھنا چاہیے تو وہ ہرگز اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔ اس لیے فقہاء اس بات سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر پہلے وہ حکم تھا بھی کہ ولی کو روزہ رکھنا چاہیے تو بعد کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ یا پھر اس کی یہ تاویل کرنی ہو گی کہ اُس میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے صرف اس بات کی اجازت نکلتی ہے کہ ولی روزہ رکھ سکتا ہے۔

اب اس سلسلے کی تیسری حدیث آگے آ رہی ہے:

تخریج ‹۱›: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، نا عَبْثَرٌ عَنْ أَشْعَثَ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرٍ، فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِّسْكِيْنٌ۔ (۱۲)

قَال ابوعيسٰى: حديث ابن عمر لانعرف مرفوعًا اِلّامن هذا الوجه والصحيح عن ابن عمر موقوفًا قولُهٗ،واختلف اهل العلم فى هذا فقال بعضهم يصام عن الميت وبه يقول احمد واسحاق قالا اذا كان على الميت نذر صيام يُصَام عنه واذا كان عليه قضاء رمضان اطعم عنه وقال مالك وسفيان والشافعى لايصوم احد عن احد۔

واشعث هو ابن سوّار ومحمد هو محمد بن عبدالرحمن بن ابى ليلى۔

ترجمہ : اہلِ علم کی آراء اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ میّت کی طرف سے روزے رکھے جائیں گے یہ رائے امام احمد اور اسحاق کی ہے۔ دونوں کی رائے ہے کہ جب روزے نذر کے ہوں تو پھر روزے ہی میّت کی جانب سے رکھے جائیں گے اور جب رمضان کے روزوں کی قضا ہو تو مساکین کو کھانا کھلایا جائے گا۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہیں رکھے گا۔

سنن کے الفاظ یہ ہیں:

‹۲› سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ رَجُلٍ مَّاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ يُطْعَمُ عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ۔

ترجمہ : بیہقی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو مر گیا تھا مگر رمضان کے مہینے کے روزے اس پر واجب الادا تھے۔ حضورؐ نے فرمایا: ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

کوئی شخص کسی دوسرے کے بدلے میں نہ روزہ رکھ سکتا ہے نہ نماز پڑھ سکتا ہے

۷۸ ـ عَنْ مَالِكٍ، بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْيُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ فَيَقُوْلُ لَايَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلَايُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔ (مؤطا امام مالک)

''امام مالکؒ بیان کرتے ہیں کہ ان تک یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب یہ مسئلہ پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی شخص دوسرے کے بدلے میں روزے رکھ سکتا ہے یا کوئی شخص دوسرے کی جگہ نماز پڑھ سکتا ہے تو آپ یہ فرمایا کرتے تھے کہ نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے اور نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ فتویٰ نبی ﷺ کے کسی ارشاد کے خلاف نہیں پڑتا کیونکہ اگر مفروضے کے طور پر یہ مان لیا جائے کہ حضورؐ کا وہ حکم ــــ کہ آدمی کے ولی کو اس کے بدلے میں روزہ رکھنا چاہیے ــــ انہیں نہیں پہنچا تھا تو وہ صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا، بہت سے صحابیؓ ایسے ہو سکتے تھے جو ان سے کہتے کہ جب حضورؐ کا حکم یہ ہے تو آپ یہ فتویٰ کیسے دے رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ان سے کسی نے یہ بات نہیں کہی اس لیے اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں یہ بات عام طور پر معلوم تھی کہ کسی شخص کے روزوں کی قضا کسی دوسرے شخص کے ذمے لازم نہیں آتی، خواہ وہ اس کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

تخریج ‹۱›: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، كَانَ يُسْأَلُ هَلْ يَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ اَوْ يُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ؟ فَيَقُوْلُ : لَايَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ، وَلَا يُصَلِّي اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ۔ (۱۳)

السنن الکبریٰ میں ابنِ عمرؓ کا ایک اور فتویٰ بھی منقول ہے:

‹۲› اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يَمُوْتُ عَلَيْهِ صَوْمٌ مِنْ رَمَضَانَ اَوْ نَذْرٍ يَقُوْلُ: لَايَصُوْمُ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ وَلٰكِنْ تَصَدَّقُوْا عَنْهُ مِنْ مَالِهٖ لِلصَّوْمِ لِكُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنًا۔ (۱٤)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ جب ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا جاتا جو فوت ہو چکا ہو اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں یا نذر کے، تو وہ جواب میں فرماتے۔ کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے بلکہ اس کی جانب سے صدقہ دے اس کے اپنے مال میں سے۔ باقی رہا روزہ تو ایک روزے کے بدلے ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

ماٰخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب متٰی یقضی قَضاء رمضان۔☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب جواز قضاء رمضان مالم یجئی رمضان اٰخر لِمَنْ اَفْطَرَبعذرکمرض والسفروالحیض ونحو ذٰلک۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج۴ کتاب الصیام باب المفطر من شهر رمضان یؤخر القضاء ما بینه وبین رمضان آخر۔

(۲) ابوداؤدج۲ کتاب الصوم باب تاخیر قضاء رمضان۔☆ نسائی ج۴ کتاب الصیام باب وضع الصیام عن الحائض۔ ☆مؤطا کتاب الصیام باب جامع قضاء الصیام۔

(۳) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی تاخیر قضاء رمضان۔ ☆ ابن ماجة کتاب الصیام باب ماجاء فی قضاء رمضان۔

(۴) بخاری ج۲ کتاب النکاح باب لَا تأذن المرأة فی بیت زوجها اِلَّا باذنه۔

(۵) مسلم ج۱ کتاب الزکوٰة باب اجرالخازن الامین والمرأة اذا تصدقت من بیت زوجها غیر مفسدة باذنه الصریح اوالعرفی۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب المرأة تصوم بغیر اذن زوجها۔☆ السنن الکبریٰ ج۴ کتاب الصیام باب المرأة لاتصوم تطوعًا وبعلها شاهد الا باذنه۔☆ مسند احمد ج۲ مرویات ابی هریرة۔

(۶) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی کراهیة صوم المرأة الا باذن زوجها۔☆ المستدرك للحاکم ج۱ کتاب الصوم۔ ☆ابن ماجه کتاب الصیام باب فی المرأة تصوم بغیر اذن زوجها۔☆ دارمی کتاب الصوم باب النهی عن صوم المرأة تطوعًا اِلَّا باذنِ زوجها۔

(۷) مسلم ج۱ کتاب الحیض باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوٰة۔☆نسائی ج۴ کتاب الصیام باب سقوط الصلاة عن الحائض۔☆ابن ماجه کتاب الطهارة وسننها باب الحائض لاتقضی الصلاة۔☆ السنن الکبری للبیهقی ج۴ کتاب الصیام باب الحائض تقضی الصوم اذا طهرت ولاتقضی الصلوٰة۔

(۸) بخاری ج۱ کتاب الصوم، باب الحائض تترك الصوم والصلوة☆ابوداؤدج۱ کتاب الطهارة باب فی الحائض لاتقضی الصلوٰة۔

(۹) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی قضاء الحائض الصیام دون الصلاة۔

(۱۰) دارمی کتاب الصوم باب فی الحائض تقضی الصَّوم ولا تقضی الصلاة۔ ☆ مسند احمد ج۶ص۳۲۔۹۴۔۹۷۔ ۱۲۰۔۱۴۳۔۱۸۵۔۲۳۱۔

(۱۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب من مات وعلیه صوم وقال الحسن ان صام عنه ثلاثون رجلا یومًا واحدًا جاز۔ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل الصوم عن المیت۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فیمن مات وعلیه صیام۔ ابوداوَد نے نقلِ روایت کے بعد قال ابوداؤد: هذا فی النذر وهو قول احمد بن حنبل لکھا ہے۔☆ دارقطنی ج۲ کتاب الصیام۔☆مُسندِ احمد ج٦عن عائشة۔☆السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب من قال یصوم عنه ولیه۔

(۱۲) ترمذی ج۱ کتاب الصیام باب ماجاء فی الکفارة۔☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب من مات وعلیه صیام رمضان قد فرّد فیه۔ ☆ دارقطنی کتاب الصیام ج۲۔☆ السنن الکبریٰ ج٤۔کتاب الصیام باب من قال اذا فرط فی القضاء بعد الامکان۔

(۱۳) مؤطا امام مالك، کتاب الصیام باب النذر فی الصیام والصیام عن المیت۔

(۱٤) السنن الکبریٰ ج٤۔کتاب الصیام باب من قال اذا فرط فی القضاء بعدالامکان حتی مات اطعم عنه مکان کل یوم مسکیناً مد من طعام۔

فصل ہفتم:

نفلی روزے

تَطَوُّع کے معنی ہیں اپنی رضا اور غبت سے کوئی کام کرنا ــــ یہ فرض کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ فرض تو وہ چیز ہے جس کی پابندی کرنا ضروری ہوتا ہے لیکن تطوع وہ چیز ہے جو آدمی خود اپنی مرضی سے کرے، بغیر اس کے کہ وہ اس پر فرض اور لازم کی گئی ہو چنانچہ صِیَامُ التَّطَوُّع سے مراد نفلی روزے ہیں اور اس فصل میں انہیں کا ذکر ہے۔

حضورؐ سب سے زیادہ نفلی روزے شعبان میں رکھتے تھے

۷۹۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَايُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَايَصُوْمُ، وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ اِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَيْتُهٗ فِيْ شَهْرٍ اَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ: كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ كَاَنَّ يَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کبھی تو مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہم یہ سمجھتے کہ اب آپ روزہ نہیں چھوڑیں گے۔ اور کبھی روزے نہیں رکھتے تھے یہاں تک کہ ہم یہ سمجھتے کہ اب آپ روزہ نہیں رکھیں گے۔ اور میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ حضورؐ نے کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں سوائے رمضان کے۔ اور میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ آپؐ نے شعبان سے زیادہ کسی مہینے کے روزے رکھے ہوں ــــ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ شعبان کے کم ہی دن ایسے ہوتے تھے جن میں حضورؐ روزہ نہیں رکھتے تھے، گویا کہ آپؐ پورے شعبان کے روزے رکھ لیتے تھے۔''

تشریح: ''اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے نفلی روزوں کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔ آئندہ احادیث میں آپ کو حضورؐ کے نفلی روزوں کے متعلق مختلف اقوال ملیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ نفلی روزوں کے بارے میں آپؐ کا کیا طرزِ عمل تھا۔ یہاں حضرت عائشہؓ یہ بتا رہی ہیں کہ کبھی تو ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ مسلسل روزے رکھتے چلے جاتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپؐ مسلسل روزے رکھنا چھوڑ دیتے تھے۔ دوسرے الفاظ میں حضورؐ نے نوافل کے بارے میں کوئی ایک مقرر طریقہ اختیار نہیں کیا ہوا تھا۔

حضرت عائشہؓ نے دوسری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ رمضان کے سوا آپؐ نے کبھی کسی پورے مہینے کے روزے نہیں رکھے۔ البتہ صرف شعبان ایسا مہینہ تھا جس میں آپؐ باقی مہینوں سے زیادہ روزے رکھا کرتے تھے اور بسا اوقات شعبان میں اتنے روزے رکھتے تھے کہ گویا آپؐ نے پورے مہینے ہی کے روزے رکھ لیے۔ اس چیز کا خاص طور پر ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ

حضورؐ نے دوسرے لوگوں کو یہ ہدایت فرمادی تھی کہ نصف شعبان کے بعد نفلی روزے نہ رکھے جائیں کیونکہ اس سے انسان کو ایسی کمزوری لاحق ہوسکتی ہے جو رمضان کے روزوں پر اثر انداز ہونے والی ہو۔ البتہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جن کے ذِمّے مثلاً قضا یا نذر کے روزے رہ گئے ہوں یا کچھ لوگ ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو ان خاص دنوں ہی میں نفلی روزے رکھنے کے عادی ہوں۔ چنانچہ اس طرح کی مستثنیٰ صورتوں کو چھوڑ کر حضورؐ کی عام ہدایت یہی تھی ــــ معلوم ہوا کہ حضورؐ کی یہ ہدایت صرف دوسرے لوگوں کے لیے تھی اور آپؐ کا اپنا طریقہ یہ تھا کہ آپؐ شعبان میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھا کرتے تھے۔

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، اَنَا مَالِكٌ، عَنْ اَبِی النَّضْرِ، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَایُفْطِرُ، وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ لَایَصُوْمُ، وَمَارَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اسْتَكْمَلَ صِیَامَ شَهْرٍ اِلَّا رَمَضَانَ، وَمَا رَأَیْتُهٗ اَكْثَرَ صِیَامًا مِنْهُ فِیْ شَعْبَانَ۔(۱)

دوسری روایت مسلم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں نقل کی ہے:

﴿۲﴾ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صِیَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ: كَانَ یَصُوْمُ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ صَامَ وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ قَدْ اَفْطَرَ وَلَمْ اَرَهٗ صَائِمًا مِنْ شَهْرٍ قَطُّ اَكْثَرَ مِنْ صِیَامِهٖ مِنْ شَعْبَانَ كَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ كَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ اِلَّا قَلِیْلًا۔(۲)

بخاری سے حضرت عائشہؓ کی روایت:

﴿۳﴾ اِنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهُ، قَالَتْ: لَمْ یَكُنِ النَّبِیُّ ﷺ یَصُوْمُ شَهْرًا اَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ، فَاِنَّهٗ كَانَ یَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهٗ۔(۳)

بخاری ومسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت بیان کی ہے:

﴿۴﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَاصَامَ النَّبِیُّ ﷺ شَهْرًا كَامِلًا قَطُّ غَیْرَرَمَضَانَ، وَیَصُوْمُ حَتّٰی یَقُوْلَ الْقَائِلُ لَا وَاللّٰهِ لَایُفْطِرُ وَیُفْطِرُ حَتّٰی یَقُوْلَ الْقَائِلُ لَا وَاللّٰهِ لَایَصُوْمُ۔(۴)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے نہیں رکھے۔ آپؐ روزے مسلسل رکھتے جاتے کہنے والا کہتا کہ بخدا آپؐ اب روزہ نہیں چھوڑیں گے اور آپؐ روزہ چھوڑے رکھتے یہاں تک کہ کہنے والا کہتا کہ آپ روزہ رکھیں گے ہی نہیں۔

حضورؐ رمضان کے سوا کسی پورے مہینے کے روزے نہیں رکھتے تھے

۸۰۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِیْقٍ، قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهٗ، قَالَتْ: مَا عَلِمْتُهٗ صَامَ شَهْرًا كُلَّهٗ اِلَّا رَمَضَانَ وَلَا اَفْطَرَهٗ كُلَّهٗ حَتّٰی یَصُوْمَ مِنْهُ، حَتّٰی مَضٰی لِسَبِیْلِهٖ۔ (مسلم)

ترجمہ : جناب عبداللہ بن شقیقؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کسی پورے مہینے کے روزے رکھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میرے علم میں نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی رمضان کے سوا کسی پورے مہینے کے روزے رکھے ہوں اور اسی طرح یہ بات بھی میرے علم میں نہیں ہے کہ حضورؐ نے کبھی کوئی مہینہ ایسا چھوڑا ہو جس میں کوئی ایک روزہ بھی نہ رکھا ہو۔ اور یہ طریقہ آپؐ کا اس وقت تک رہا جب تک کہ آپؐ اپنے راستے پر نہ چلے گئے۔

مراد یہ ہے کہ اپنی دنیوی زندگی کے خاتمے تک حضورؐ کا طریقہ یہی تھا کہ کبھی رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے آپؐ نے نہیں رکھے، اور کبھی کوئی ایسا مہینہ بھی نہیں گزرا جس میں آپؐ نے کوئی روزہ نہ رکھا ہو۔

تخریج : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُعَاذٍ، حَدَّثَنَا اَبِی، حَدَّثَنَا كَهْمَسٌ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ، قَالَ: قُلْتُ: لِعَائِشَةَ اَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ شَهْرًا كُلَّهٗ؟ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهٗ صَامَ شَهْرًا كُلَّهٗ اِلَّا رَمَضَانَ، وَلَاَافْطَرَهٗ كُلَّهٗ حَتّٰى يَصُومَ مِنْهُ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيلِهٖ ﷺ۔(۵)

شعبان کے آخری دو دنوں کے روزوں کا مسئلہ

۸۱۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ سَاَلَهٗ اَوْ سَاَلَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ : يَا اَبَا فُلَانٍ اَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ، قَالَ: لَا، قَالَ: فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔ (متفق علیہ)

”حضرت عمران بن حصینؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا (یا یہ ہے کہ حضورؐ نے کسی دوسرے شخص سے دریافت فرمایا اور میں سُن رہا تھا ـــــ بعد کے راویوں کو یہ شک ہو گیا ہے کہ حضورؐ کا سوال کس سے تھا) کہ اے فلاں، کیا تم نے شعبان کے آخری دو دن کے روزے نہیں رکھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: (کہ اگر تم نے ان دو دنوں کے روزے نہیں رکھے تو) جب تم موجودہ (رمضان کے) روزوں سے فارغ ہو جاؤ تو کچھ دوسرے دو دنوں کے روزے (ان کے بدلے میں) رکھ لینا۔“

تشریح : اس روایت میں یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ نبی ﷺ کا سوال کس سے تھا۔ بعد کے راویوں کو یہ یاد نہیں رہا کہ حضرت عمران بن حُصینؓ نے یہ کہا تھا کہ مجھ سے حضورؐ نے یہ سوال کیا تھا، یا یہ کہا تھا کہ کسی شخص سے آپؐ نے پوچھا تھا اور میں سُن رہا تھا۔ تاہم یہ بات ثابت ہے کہ حضرت عمران بن حُصینؓ نے نبی ﷺ سے یہ روایت کی ہے۔ اس روایت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جو راوی حضرت عمران بن حُصینؓ سے یہ حدیث روایت کر رہے ہیں غالباً وہ فقیہ نہیں تھے اس لیے انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ سوال حضورؐ نے اُن سے کیوں کیا تھا اور انہیں وہ روزے رکھنے کی تاکید کیوں فرمائی تھی ـــــ اس بات کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے یہ غلط فہمی لاحق ہوتی ہے کہ کیا شعبان کے آخری دو دنوں کا روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اور اگر ایک آدمی یہ روزے نہ رکھ سکا ہو تو کیا بعد کے دنوں میں ان کی قضا لازم آ جاتی ہے؟

دوسری روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غالباً صورت یہ پیش آئی تھی کہ وہ صاحب جن سے حضورؐ نے یہ سوال کیا تھا یا تو ان کے ذمے قضا یا نذر کے روزے تھے یا وہ ان دنوں میں نفلی روزوں کا التزام کیا کرتے تھے، جیسا کہ نفلی روزوں کے متعلق

مختلف لوگ مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کچھ حضرات ہر مہینے کے درمیانی تین دن کے نفلی روزے رکھتے ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ کوئی اور دن مقرر کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ ان صاحب نے مہینے کے آخری دو دنوں کا التزام کر رکھا ہو ــــ اب ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ان سے یہ بات دریافت فرمانے کا سبب یہی ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کے علم میں یہ بات ہو کہ نذر یا قضا کے کچھ روزے ان کے ذمے تھے، یا ان دنوں کے روزوں کا وہ التزام کیا کرتے تھے، اس لیے آپؐ نے ان سے یہ سوال کیا کہ کیا تم نے یہ روزے رکھ لیے؟ ــــ اب خود ان صاحب کے یہ روزے نہ رکھنے کا سبب بھی بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نبی ﷺ نے پندرھویں شعبان کے بعد روزے نہ رکھنے کی ہدایت فرمادی تھی اس لیے انہوں نے ان دنوں میں روزے رکھنے بند کر دیے ــــ اس پر حضورؐ نے انہیں مسئلہ بتانے کے لیے یہ سوال دریافت فرمایا کہ کیا تم نے ان دنوں کے روزے رکھ لیے؟ جب انہوں نے کہا کہ نہیں رکھے تو آپؐ نے فرمایا کہ اب ان کے بدلے میں دوسرے دنوں کے روزے رکھ لینا تا کہ جو التزام تم کیا کرتے ہو وہ پورا ہو جائے (یا تمہارے ذمّے نذر یا قضا کے جو روزے ہیں وہ ادا ہو جائیں)۔

یہی اس حدیث کی تاویل ہوسکتی ہے ورنہ اگر اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ شعبان کے آخری دو دنوں کے روزے رکھنا ضروری ہے اور اگر نہ رکھے جائیں تو ان کی قضا لازم آتی ہے تو یہ ایک ایسی بات ہوگی جو نہ کسی دوسری حدیث سے ثابت ہوتی ہے اور نہ کوئی فقیہ اس بات کا قائل ہے۔

تخریج ⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا الصَّلْتُ بْنُ مُحَمَّدٍ، ثَنَامَهْدِیٌّ عَنْ غَيْلَانَ، ح وَحَدَّثَنَا اَبُوالنُّعْمَان، ثَنَا مَهْدِیُّ بْنُ مَيْمُوْن، ثَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيْرٍ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، اَنَّهٗ سَاَلَهٗ اَوسَأَلَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ: يَا اَبَا فُلَانَ اَمَا صُمْتَ سَرَرَ هٰذَا الشَّهْرِ؟ قَالَ: اَظُنُّهٗ قَالَ : يَعْنِی رَمَضَانَ قَالَ الرَّجُلُ : لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ : فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔ لَمْ يَقُلِ الصَّلْتُ اَظُنُّهٗ يعنی رَمَضَانَ۔ وَقَالَ ثَابِتٌ: عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، مِنْ سَرَرَ شَعْبَانَ قَالَ: اَبُوْ عَبْدِاللّٰهِ وَشَعْبَانَ اَصَحُّ۔(٦)

مسلم میں اس روایت کا متن:

⟨۲⟩ اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ لَهٗ اَوْ قَالَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَسْمَعُ يَا فُلَانُ أَصُمْتَ مِنْ سُرَّةِ هٰذَا الشَّهْرِ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَاِذَا اَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔(٧)

ترجمہ : نبی ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا اے فلاں شخص کیا تو نے اس ماہ کے آخری دو روزے رکھ لیے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب رمضان کے روزے پورے کر لو تب یہ دو روزے رکھ لینا۔

ماہ محرّم کے روزوں اور نماز تہجّد کی فضیلت

۸۲۔ عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ... صَلٰوةُ اللَّيْلِ۔ (مسلم)

''حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رمضان کے بعد سب سے افضل روزے محرم کے مہینے کے ہیں، اور فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز صلوٰۃُ اللّیل (تہجد کی نماز) ہے۔

تشریح: محرّم کے روزوں کے متعلق آگے متعدد احادیث آ رہی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے روزے کا التزام فرماتے تھے اور محرم کے مہینے میں زیادہ روزے رکھتے تھے۔ یہاں یہ معلوم ہوا کہ رمضان کے سوا دوسرے دنوں میں سب سے زیادہ بہتر دن جن میں روزہ رکھا جائے محرم کا مہینہ ہے ـــ اس کی مختلف علّتیں ہو سکتی ہیں لیکن چونکہ اس بات کی وضاحت نہیں کی گئی اس لیے یقینی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ محرم کے مہینے کے نفلی روزے دوسرے مہینوں کی بہ نسبت کیوں زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔

اس حدیث میں دوسری بات رات کی نماز کے متعلق فرمائی گئی ہے۔ رات کی نماز سے مراد تہجُّد کی نماز ہے۔ وہ نماز جو آدمی خاموشی کے ساتھ رات کی تنہائی میں پڑھتا ہے۔ اور وہ نوافل جن کا علم خود آدمی کے اور اس کے خُدا کے سوا کسی کو نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کے بعد سب سے زیادہ افضل اور پسندیدہ ہیں۔

جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے اس کے بارے میں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جب ایک موقع پر ایک چیز کو افضل کہا جاتا ہے اور دوسرے موقع پر دوسرے کو تو اس میں درحقیقت کوئی تضاد یا تناقض نہیں ہوتا۔ بعض کاموں کی فضیلت کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ دراصل لوگوں کو یہ توجہ دلانے کے لیے آئی ہیں کہ فلاں کام بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس کے کرنے کا بڑا اجر ہے۔ ایسے مواقع پر اس کام کی تعریف ایسے انداز سے کی گئی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے شوق اور لگن پیدا ہو۔ پھر بعض اوقات ایک ہی وقت میں متعدد کاموں کے لیے افضل کا لفظ آیا ہے۔ اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ بس ان سے زیادہ فضیلت رکھنے والا دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔ حقیقت میں بہت سے کام ایسے ہو سکتے ہیں جو افضل ہوں ـــ اب مثلاً یہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ محرم میں نفلی روزے رکھنا بہت افضل ہے ـــ دوسری جگہ عرفہ (نویں ذی الحجہ) کے روزے کو بہت بڑی فضیلت والا قرار دیا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں حقیقت میں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں، بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ بھی بڑی فضیلت رکھتا ہے اور محرم (عاشوراء) کا روزہ بھی بڑی فضیلت کا حامل ہے ـــ اسی طرح فرمایا کہ فرض نماز کے بعد سب سے زیادہ افضل صلوٰۃ اللّیل یعنی تہجد کی نماز ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسری کوئی نماز کسی طرح کی فضیلت نہیں رکھتی ہے یا کم تر درجے کی فضیلت رکھتی ہے۔ ایسا سمجھنا درست نہیں ہے۔ احادیث میں مؤکّدہ سنتوں کی بھی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ مؤکّدہ سنّتیں بھی بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تہجد کی نماز بھی اپنی جگہ پر بڑی فضیلت کی حامل ہے۔ دونوں حدیثوں میں کسی طرح کا تضاد نہیں ہے۔

فرض نمازوں کے بعد تہجُّد کی فضیلت جس بنا پر ہے وہ یہ ہے کہ فرض نماز تو رکنِ اسلام ہے اور اسلام کے اس رُکن کو قائم کرنے کے لیے فرض نمازوں کا علانیہ اور منظّم طریقے سے انجام دینا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اسلام کی عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ نظامِ دین میں نماز کو بڑی اہمیّت اور فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے برعکس تہجد کی نماز بڑے اخفا کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور جب تک آدمی کے اندر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلّق، بہت زیادہ محبت اور مخلصانہ ایمان موجود نہ ہو اس وقت تک یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی راتوں کو اٹھ کر خاموشی کے ساتھ اس طریقے سے یہ نماز ادا کرے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے۔

یہ چیز غیر معمولی اخلاص وللّٰہیت کے بغیر ممکن نہیں ہے ــــ فرض نماز میں تو ریا کاری کا امکان ہوتا ہے کیونکہ جو شخص باقاعدگی کے ساتھ مسجد میں نماز کے لیے آتا ہے اس کی غرض دنیا کو یہ دکھانا ہو سکتی ہے کہ یہ صاحب بڑے نمازی ہیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ تہجّد میں اس کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔ تہجّد تو وہی شخص ادا کرے گا جس کا اللہ کے ساتھ نہایت گہرا اور مخلصانہ تعلّق ہو اور وہ لوگوں میں نام پیدا کرنے کا نہیں بلکہ اللہ کو خوش کرنے کا آرزومند ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تہجّد کو اس قدر فضیلت حاصل ہے۔

یہاں عاشوراء، یعنی دسویں محرم کے روزے کے بارے میں یہ بات بھی سمجھ لیجیے کہ اس کی فضیلت اس وجہ سے نہیں ہے کہ یہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا دن ہے بلکہ عاشوراء کی اہمیت بہت پہلے سے ہے۔ یعنی حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے چلی آرہی تھی۔ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات اسی روز نصیب ہوئی تھی۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ شکرانے کے طور پر پابندی کے ساتھ اس دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ چونکہ یہ حضرت موسیٰؑ کی سنت تھی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی عاشوراء کے دن کے روزے کو افضل قرار دیا اور اس کے رکھنے کی ہدایت فرمائی ــــ آگے چل کر ایک دوسری حدیث میں اس کے متعلق مزید ایک وضاحت آرہی ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اَبُو عَوَانَةَ عَنْ اَبِى بِشْرٍ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحِمْيَرِىِّ، عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَاَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلٰوةُ اللَّيْلِ۔(۸)

''مسلم اور السنن'' دونوں میں ابوہریرہؓ سے مروی ایک اور روایت:

⟨۲⟩ سُئِلَ اَىُّ الصَّلَاةِ اَفْضَلُ بَعْدَ الْمَكْتُوْبَةِ وَاَىُّ الصِّيَامِ اَفْضَلُ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ؟ قَالَ: اَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ الصَّلٰوةُ فِى جَوْفِ اللَّيْلِ وَاَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ شَهْرِ رَمَضَانَ صِيَامُهُ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ۔(۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا گیا کہ فرض نماز کے بعد کون سی نماز اور ماہِ رمضان کے بعد کون سے روزے افضل ہیں؟ فرمایا: فرض نماز کے بعد وہ نماز افضل ہے جو رات کے نصف حصہ میں پڑھی جائے اور ماہِ رمضان کے بعد جن روزوں کی افضلیت ہے وہ ماہ محرم کے روزے ہیں۔

عاشوراء۔ دسویں محرم۔ کے روزے کی فضیلت

۸۳۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَارَاَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يعنى شَهْرَ رَمَضَانَ۔ (متفق علیه)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی دن کے روزے کی فضیلت کی بنا پر اس کا التزام کیا ہو سوائے عاشوراء کے دن کے، اور (کسی مہینے کی فضیلت کی بنا پر اس کے روزے رکھنے کا التزام کیا ہو) سوائے اس مہینے کے، یعنی رمضان کے۔''

تشریح : حضورؐ کا عمل یہ تھا کہ جس طرح آپؐ رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھنے کا التزام فرماتے تھے اسی طرح آپؐ عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کا التزام بھی فرماتے تھے۔ اس سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ حضورؐ کے نزدیک عاشوراء کے دن کی فضیلت باقی دنوں کی بہ نسبت زیادہ ہے۔ اسی لیے آپؐ اس کا روزہ رکھنے کا التزام فرماتے تھے۔

واضح رہے کہ عاشوراء کے روزے کی فضیلت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ اپنا ارشاد نہیں ہے کہ عاشوراء کے دن کا روزہ سب سے افضل ہے بلکہ یہ ایک نتیجہ ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضورؐ کے اس التزام کو دیکھ کر خود اخذ کیا۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری ہے کہ آگے ایک اور حدیث آرہی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرفہ کے دن کی فضیلت عاشوراء کے دن سے بھی زیادہ ہے۔ اس سے یہ تاثر پیدا ہوسکتا ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں اختلاف یا تناقض پایا جاتا ہے، لیکن ایسا خیال کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ اس حدیث میں خود رسول اللہ ﷺ نے یہ بات ارشاد نہیں فرمائی ہے بلکہ یہ حضرت ابنِ عباسؓ کا اپنا ایک اخذ کردہ نتیجہ ہے، اور آئندہ جو حدیث آرہی ہے اس میں عرفہ کی فضیلت کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ کا اپنا ارشاد بیان ہوا ہے۔

تخریج ⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى عَنِ ابْنِ عُيَيْنَةَ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِىْ يَزِيْدَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: مَارَاَيْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يعنى شَهْرَ رَمَضَانَ۔(۱۰)

مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

⟨۲⟩ سُئِلَ عَنْ صِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ: مَاعَلِمْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَامَ يَوْمًا يَطْلُبُ فَضْلَهٗ عَلَى الْاَيَّامِ اِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ وَلَاشَهْرًا اِلَّا هٰذَا الشَّهْرَ يعنى رَمَضَانَ۔

ترجمہ : ابن عباسؓ سے یوم عاشوراء کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے علم میں تو یہ بات نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی دن روزہ رکھا ہو اس خیال سے کہ آپؐ دوسرے ایام پر اس کی فضیلت کے طلب گار ہوں مگر اس دن کے اور نہ کسی مہینے کو مگر ماہِ رمضان کے۔

امام بخاری و مسلم نے چند روایات عاشوراء کے بارے میں اور بھی نقل کی ہیں:

⟨۳⟩ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِىُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ فَرَاَى الْيَهُوْدَ تَصُوْمُ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ، فَقَالَ: مَا هٰذَا؟ قَالُوْا: هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ، هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهٗ مُوْسٰى قَالَ: فَاَنَا اَحَقُّ بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهٗ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ۔(۱۱)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ کیسا روزہ ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ نہایت اچھا دن ہے۔ یہ دن وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا۔ یہ سن کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا پھر تو میں تم سے کہیں زیادہ موسیٰؑ کے عمل پر عمل پیرا ہونے کا حق دار ہوں۔ چنانچہ آپؐ نے اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور دوسروں کو بھی اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

عاشوراء کے ساتھ نویں یا گیارہویں تاریخ کا روزہ ملانا ضروری ہے

٨٤ـ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حِينَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : لَئِنْ بَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔(مسلم)

’’حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب (ایک دفعہ) رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے رکھنے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، یہ تو ایک ایسا دن ہے کہ جس کی تعظیم یہود ونصاریٰ بھی کرتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو محرم کی نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔‘‘

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ یہ بات لوگوں نے حضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری سال میں عرض کی تھی۔ اس سے پہلے جب آپؐ عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے تو اس وقت کسی نے آپؐ کی توجہ اس طرف مبذول نہیں کرائی۔ لیکن جب آپؐ نے آخری سال یہ روزہ رکھا تو صحابہؓ نے آپؐ سے یہ بات عرض کی۔ اس سے غالباً اُن کا منشا یہ نہیں تھا کہ آپؐ یہ عمل نہ فرمائیں۔ بلکہ اپنے نزدیک وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ یہود اور نصاریٰ کے ہاں بھی اس دن کی فضیلت ہے اور آپؐ نے بھی اسے افضل قرار دیا ہے، ہوسکتا ہے کہ یہود ونصاریٰ اس سے ہمارے تقلید کرنے کا پہلو نکال لیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں محرم کا روزہ بھی ضرور رکھوں گا تا کہ میرا عمل یہود ونصاریٰ کے عمل سے مختلف ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص عاشوراء کا روزہ رکھنے کا ارادہ کرے اسے چاہیے کہ وہ اس سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ بھی اس کے ساتھ ملائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا کسی کام کے کرنے کی خواہش یا ارادے کا اظہار کرنا بھی اس کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔ آگے ایک اور حدیث آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عاشوراء کے ساتھ ملا کر نویں تاریخ ہی کا روزہ رکھنا ضروری نہیں بلکہ گیارہویں تاریخ کا روزہ بھی رکھا جاسکتا ہے۔

اس بات سے آپ اسلام کے مزاج کی نزاکت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ کس طرح اسلام ہر مقام پر مسلمانوں کی امتیازی شان برقرار رکھنا چاہتا ہے اور اس بات کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ مسلمان کسی صورت میں بھی یہود ونصاریٰ یا دوسرے کافروں کی تقلید کرنے لگیں۔

یہ اسی ہدایت کو ملحوظ نہ رکھنے کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے چُن چُن کر یہود ونصاریٰ کی برائیوں کی تقلید کرنا شروع کردی اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کی کوئی ظاہری تمیز باقی نہیں رہ گئی ہے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک آدمی سے یہ سمجھ کر بات کررہے ہوتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے لیکن کچھ دیر کے بعد یہ بات کھلتی ہے کہ یہ حضرت کسی اور مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ایک وقت وہ آئے گا جب تم یہود ونصاریٰ کے قدم بقدم چلو گے یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسیں گے تو تم بھی اس کے اندر گھسو گے ـــــ تو آج وہ نقشہ پوری طرح سامنے موجود ہے اور یہ فقط اس بات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں نے زندگی کے تقریباً سبھی معاملات میں اسلامی شریعت کے مزاج اور اسلامی شان کو نظر انداز کردیا ہے۔

تخریج⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيِّنِ الْحُلْوَانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِيْ مَرْيَمَ، حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ

أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي اِسْمَاعِيلُ بْنُ اُمَيَّةَ، اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا غَطَفَانَ بْنَ طَرِيفِ نِ الْمُرِّيِّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، يَقُوْلُ: حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُوْرَآءَ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ يَوْمٌ تُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: فَاِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ قَالَ: فَلَمْ يَاْتِ الْعَامُ الْمُقْبِلُ حَتّٰى تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔(١٢)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا خود روزہ رکھا تو ساتھ ہی صحابہ کرامؓ کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم دے دیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو ایسا دن ہے کہ جس کی یہودی بھی تعظیم کرتے ہیں اور نصاریٰ بھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آئندہ سال ان شاء اللہ ہم نویں محرم کا بھی روزہ رکھیں گے۔ راوی کا بیان ہے کہ آئندہ سال کی آمد سے پہلے ہی آپ کی وفات ہوگئی۔

﴿٢﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَئِنْ لَقِيْتُ اِلٰى قَابِلٍ لَاَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ۔(١٣)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میں آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں محرم کا ضرور روزہ رکھوں گا۔

﴿٣﴾ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى، قَالَ: كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ تَعُدُّهُ الْيَهُوْدُ عِيْدًا قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَصُوْمُوْهُ اَنْتُمْ۔(١٤)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ یہودی عاشوراء کے دن کو عید تصور کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا تو پھر تم اس دن کا روزہ رکھا کرو۔

﴿٤﴾ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ، قَالَ: اَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مِنْ اَسْلَمَ اَنْ اَذِّنْ فِي النَّاسِ اَنْ مَنْ كَانَ اَكَلَ فَلْيَصُمْ بَقِيَّةَ يَوْمِهٖ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ اَكَلَ فَلْيَصُمْ فَاِنَّ الْيَوْمَ يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ۔(١٥)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے اسلم قبیلہ کے کسی ایک شخص کو حکم فرمایا کہ وہ لوگوں میں اعلان کردے کہ جس کسی نے کھانا کھالیا ہے اسے چاہیے کہ بقیہ دن کا روزہ رکھے۔ اور جس نے ابھی تک کچھ کھایا پیا نہیں ہے اسے روزہ رکھ لینا چاہیے۔ یاد رہے یہ عاشوراء کا دن تھا۔

﴿٥﴾ اَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ تَصُوْمُهٗ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ۔ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُهٗ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهٗ، وَ اَمَرَ بِصِيَامِهٖ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ، تُرِكَ يَوْمُ عَاشُوْرَآءَ فَمَنْ شَآءَ صَامَهٗ، وَمَنْ شَآءَ تَرَكَهٗ۔(١٦)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یومِ عاشوراء کو دورِ جاہلیت میں قریش روزہ رکھا کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی اس دور میں اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ جب آپؐ نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا تو خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور اس کا حکم بھی صادر فرمایا لیکن جب فرضیتِ رمضان کا حکم نازل ہوا تو عاشوراء کا روزہ متروک ہوگیا۔ اب جس کا جی چاہے روزہ رکھے جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے اور اسے چھوڑ دے۔

﴿۶﴾ عَنْ حُمَیْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، اَنَّهٗ سَمِعَ مُعَاوِیَةَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ، یَوْمَ عَاشُوْرَآءَ عَامَ حَجَّ عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ: یَا اَهْلَ الْمَدِیْنَةِ اَیْنَ عُلَمَآءُ کُمْ؟ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: هٰذَا یَوْمُ عَاشُوْرَآءَ، وَلَمْ یَکْتُبِ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ صِیَامَهٗ وَاَنَا صَائِمٌ فَمَنْ شَآءَ، فَلْیَصُمْ وَمَنْ شَآءَ فَلْیُفْطِرْ۔(۱۷)

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ انہوں نے معاویہ بن ابی سفیان کو حج کے سال منبر پر خطبہ کے دوران یوم عاشوراء کے بارے میں یہ بیان کرتے سنا کہ اے اہلِ مدینہ تمہارے اہلِ علم حضرات کہاں ہیں؟ (کہ تمہیں بتاتے نہیں) حالانکہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپؐ فرماتے تھے کہ یہ یوم عاشورہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض تو نہیں کیا کہ تم اس دن کا روزہ رکھو حالانکہ میں خود اس دن کا روزہ رکھتا ہوں۔ اب جس کا جی چاہے اس کا روزہ رکھ لے اور جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے۔

﴿۷﴾ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ وَاَبُوْ کُرَیْبٍ، قَالَ: نا وَکِیْعٌ عَنْ حَاجِبِ بْنِ عُمَرَ عَنِ الْحَکَمِ بْنِ الْاَعْرَجِ، قَالَ: انْتَهَیْتُ اِلَی ابْنِ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ رِدَآءَهٗ فِیْ زَمْزَمٍ فَقُلْتُ: اَخْبِرْنِیْ عَنْ یَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَیُّ یَوْمٍ اَصُوْمُهٗ؟ فَقَالَ: اِذَا رَأَیْتَ هِلَالَ الْمُحَرَّمِ، فَاعْدُدْ ثُمَّ اَصْبِحْ مِنْ یَوْمِ التَّاسِعِ صَائِمًا، قَالَ: قُلْتُ: اَهٰکَذَا کَانَ یَصُوْمُهٗ مُحَمَّدٌ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ۔(۱۸)

ترجمہ: حکم بن اعرج کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت زمزم کے پاس چادر لپیٹ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے عرض کیا مجھے آپ یومِ عاشوراء کے متعلق بتائیں کہ وہ کون سی تاریخ کا دن ہے کہ میں اس کا روزہ رکھوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ماہِ محرم کا جب تجھے ہلال نظر آجائے تو دنوں کا شمار کرتے رہو تا آنکہ نویں تاریخ کی صبح ہو تو تمہیں روزہ سے ہونا چاہیے میں نے عرض کیا، کیا محمد ﷺ بھی اسی طرح روزہ رکھا کرتے تھے؟ انہوں نے کہا "ہاں"۔

ابن عباسؓ سے مروی دوسری ایک روایت میں یوم العاشر ہے:

﴿۸﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِصَوْمِ عَاشُوْرَآءَ یَوْمَ الْعَاشِرِ۔

قال ابوعیسیٰ: حدیث ابن عبّاس حدیث حسن صحیح وقد اختلف اهل العلم فی یَوْمِ عاشورآء فقال بعضهم یوم التاسع وقال بعضهم یوم العاشر۔(۱۹)

ترجمہ: حضرت ابنِ عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دسویں محرم کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

___امام ترمذی کہتے ہیں کہ ابنِ عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس کے باوجود اہلِ علم حضرات کے مابین یہ بات مختلف فیہ ہے کہ اس سے مراد دسویں محرم ہے یا نویں۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس سے نویں محرم مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ دسویں محرم کا دن ہے۔

عرفہ۔ ۹ ذی الحجہ۔ کے روزے کا مسئلہ

۸۵۔ عَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتُ الْحَارِثِ اَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا یَوْمَ عَرَفَةَ فِیْ صِیَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ، فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهُ۔ (متفق علیہ)

''حضرت اُمُّ الفضلؓ بنتِ حارث بیان کرتی ہیں کہ میرے ہاں عَرَفہ کے روز لوگوں میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ آیا آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہیں یا نہیں۔ ان میں سے بعض کا خیال تھا کہ حضورؐ روزے سے ہیں اور بعض یہ کہتے تھے کہ آپ روزے سے نہیں ہیں۔ اس پر انہوں نے (حقیقتِ حال معلوم کرنے کے لیے) حضورؐ کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ بھیجا۔ آپؐ اس وقت میدانِ عرفات میں اپنے اونٹ پر سوار تھے۔ آپؐ نے (دودھ کا پیالہ لیا اور) دودھ نوش فرمالیا۔''

تشریح: حضورؐ کے آخری حج (حجۃ الوداع) کے موقع پر عرفات کے میدان میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہیں یا نہیں کیونکہ جب آپؐ مدینہ طیّبہ میں تھے تو عرفہ کے دن (نویں ذی الحجہ) کا روزہ لازماً رکھا کرتے تھے۔ جب حضورؐ نے اونٹ کے اوپر ہی دودھ نوش فرمالیا تو سب کو معلوم ہو گیا کہ آج آپؐ روزے سے نہیں ہیں ــــ اسی سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ عَرفہ کا روزہ باقی سب مقامات پر تو رکھا جائے گا لیکن جو لوگ حج انجام دے رہے ہوں ان کے لیے اس کا نہ رکھنا ہی درست ہے، کیونکہ عرفات کے میدان میں جو دوڑ دھوپ کرنا پڑتی ہے اور بعض اوقات سخت گرمی کے عالم میں کھلے میدان میں رہنا پڑتا ہے اس کے ساتھ اگر آدمی نے روزہ بھی رکھ لیا ہو تو اس سے سخت مشکل پیش آسکتی ہے۔ یہاں تک ہوسکتا ہے کہ روزہ توڑنا پڑ جائے۔ اسی بنا پر نبی علیہ السلام نے عرفہ کا روزہ نہیں رکھا اور پھر اپنے عمل سے بھی سب پر یہ بات واضح فرمادی کہ آپؐ روزے سے نہیں ہیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنِي يَحْيٰ عَنْ مَالِكٍ، ثَنِي سَالِمٌ، ثَنِي عُمَيْرٌ مَوْلَى أُمِّ الْفَضْلِ أَنَّ أُمَّ الْفَضْلِ حَدَّثَتْهُ ح وَحَدَّثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ يُوسُفَ، ثَنَا مَالِكٌ عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِاللهِ، عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ، أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِي صَوْمِ النَّبِيِّ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ صَائِمٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: لَيْسَ بِصَائِمٍ فَأَرْسَلَتْ أُمُّ الْفَضْلِ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ، وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى بَعِيرِهِ، فَشَرِبَهُ۔(۲۰)

حضورؐ نے ذی الحجّہ کے عشرۂ اوّل کے پورے روزے کبھی نہیں رکھے

۸۶۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ۔ (مسلم)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے (پورے) روزے رکھے ہوں۔''

تشریح: حضرت عائشہؓ نے یہ بات اس لیے بیان فرمائی کہ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ کے پہلے دنوں کے روزے رکھنے کا التزام فرمایا کرتے تھے اور آپؐ نے اس کی ہدایت بھی فرمائی ہے۔ اس سے کوئی شخص یہ قیاس کرسکتا ہے کہ حضورؐ کبھی کبھی یا ہمیشہ پہلے پورے ۹ دن کے روزے ضرور رکھتے ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ کے اس قول کے بارے میں بعض حضرات نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے علم میں یہ بات نہ آئی ہو کہ آپ مسلسل نو دن روزے رکھتے رہے ہیں جب کہ بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کا اپنا عمل جا ہے یہ نہ ہو کہ آپ ان پورے دنوں کے روزے رکھنے کا التزام فرماتے ہوں لیکن جب آپؐ نے ان دنوں میں روزہ رکھنے کی بہت زیادہ فضیلت بیان فرمائی ہے تو کسی کے لیے اس بات میں مضائقہ نہیں ہے کہ وہ مسلسل ان دنوں کے روزے رکھے۔

تخریج ‹۱›: حَدَّثَنَا اَبُوْ بَكْرِبْنِ اَبِىْ شَيْبَةَ، وَاَبُوْ كُرَيْبٍ، وَاِسْحَاقُ، قَالَ اِسْحَاقُ: اَخْبَرَنَا وَقَالَ الْآخَرَانِ : حَدَّثَنَا اَبُوْ مَعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اِبْرَاهِيْمَ، عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَارَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَائِمًا فِى الْعَشْرِ قَطُّ۔

ایک دوسری روایت جوانہی سے مروی ہے میں ارشاد ہے:

‹۲› اَنَّ النَّبِىَّ ﷺ لَمْ يَصُمِ الْعَشْرَ۔(۲۱)

ترجمہ: نبی ﷺ نے ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے روزے نہیں رکھے۔

نفلی روزوں کا مسنون طریقہ

۸۷۔ عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِىَّ ﷺ، فَقَالَ : كَيْفَ تَصُوْمُ، فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَوْلِهٖ، فَلَمَّا رَاٰى عُمَرُ غَضَبَهٗ قَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ، فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ مَنْ يَصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ، قَالَ لَاصَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا، قَالَ: وَيُطِيْقُ ذٰلِكَ اَحَدٌ؟ قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا، قَالَ: ذٰلِكَ صَوْمُ دَاوٗدَ، قَالَ كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ، قَالَ: ذٰلِكَ وَدِدْتُّ اَنِّىْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ، صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِىْ بَعْدَهٗ، وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ۔ (مسلم)

''حضرت ابوقتادہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ کس طرح روزہ رکھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کو اس کی بات پر غصہ آیا۔ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی اس ناراضی اور غصے کو دیکھا تو یہ کہنا شروع کیا۔ ''ہم اس بات پر راضی ہو گئے کہ اللہ ہی ہمارا رب ہو، اسلام ہی ہمارا دین ہو اور محمد ﷺ ہی ہمارے نبی ہوں۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب سے، اور اس کے رسولؐ کے غضب سے'' ـــ حضرت عمرؓ یہ بات بار بار کہتے چلے گئے یہاں تک کہ نبی ﷺ سے غصے کی کیفیت دور ہوگئی ـــ پھر حضرت عمرؓ نے (خود حضورؐ سے) پوچھنا شروع کیا: ''یا رسول اللہ وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے؟'' آپؐ نے فرمایا: ''نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ اس نے روزہ چھوڑا'' ـــ

حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا۔ ”وہ شخص کیسا ہے جو دو دن مسلسل روزہ رکھے اور ایک دن چھوڑے؟“ حضورؐ نے فرمایا: ”کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے؟“ حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا۔ ”وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے؟“ حضورؐ نے فرمایا: ”یہ حضرت داؤدؑ کا روزہ (رکھنے کا طریقہ) ہے۔“ — حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا۔ وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن روزہ چھوڑ دے؟“ آپؐ نے فرمایا: ”میں چاہتا ہوں کہ کاش مجھے اس کی طاقت حاصل ہو“ — اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا۔ ”ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا اور پھر رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھنا صَومِ دَھر (ہمیشہ روزے رکھنے) کے مترادف ہے“ — پھر آپؐ نے فرمایا: عرفہ کے دن کا روزہ رکھنا ایسا (اجر رکھتا) ہے کہ میں اللہ سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ (اس کی برکت سے) ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو بخش دے گا، اور عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا ایسا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس سے ایک سال پہلے کے گناہوں کی بخشش فرما دے گا۔“

تشریح: حضورؐ کو اس شخص کی بات پر غصہ اس لیے آیا کہ اُسے آپؐ سے پوچھنا یہ چاہیے تھا کہ حضورؐ میں روزہ کس طرح رکھوں، نہ یہ کہ آپؐ روزہ کیسے رکھتے ہیں۔ ہدایت اسے یہ لینی چاہیے تھی کہ اسے روزہ کس طرح رکھنا چاہیے نہ کہ وہ یہ معلوم کرے کہ حضورؐ کا طرزِ عمل کیا ہے۔ حضورؐ کے معمولات میں تو بہت سی عبادات ایسی تھیں جو صرف آپؐ کی ذات کے لیے خاص تھیں۔ مزید برآں نفلی اعمال کی اصل روح تو یہ ہے کہ انہیں چھپا کر کیا جائے نہ یہ کہ اعلان کر کے کیا جائے۔ اس لیے ان کا ظاہر کرنا بھی ناپسندیدہ ہے اور ان کے متعلق دریافت کرنا بھی غلط ہے۔ اگر آپ کسی شخص سے یہ پوچھیں کہ آپ تہجُّد میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو وہ آپ کے سامنے یہ اقرار کرے کہ میں تہجُّد پڑھتا ہوں اور پھر اس کی رکعتیں اور دوسری تفصیلات بھی بتائے۔ تہجُّد تو ہے ہی ایک ایسی نماز کہ آپ اسے لوگوں سے چھپا کر پڑھیں تاکہ آپ کے اور آپ کے رب کے درمیان وہ ایک راز رہے اور دوسرا کوئی شخص اسے نہ جان سکے۔ جس طرح فرائض کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ علانیہ ادا کیے جاتے ہیں اسی طرح نوافل کی روح یہ ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ چھپا کر انجام دیا جائے۔

اب اس شخص کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ عام لوگوں میں اس بات کا اعلان کریں کہ آپ نفلی روزے کتنے اور کب کب رکھتے ہیں اور اس باب میں آپؐ کا اپنا خاص معمول کیا ہے۔ یہ چیز حضورؐ کو ناگوار گزری اور آپؐ نے اس پر غصے کا اظہار فرمایا تاکہ لوگ اس طرح سوالات کر کے لوگوں کے ان اعمال کی کرید نہ کریں جو وہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان خلوص کی بنا پر چھپا کر رکھنا چاہتے ہیں۔

جب حضرت عمرؓ نے وہ بات بار بار کہی جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور حضورؐ کا غصہ جاتا رہا تو اس کے بعد انہوں نے اب خود سوال کرنا شروع کیا۔ اس طرح گویا انہوں نے یہ بتایا کہ یہی بات پوچھنے کا صحیح انداز کیا ہونا چاہیے تھا۔

حضورؐ نے یہ جو فرمایا کہ ”نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ اس نے روزہ چھوڑا“ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلسل روزہ رکھتا چلا جائے اور کوئی وقفہ نہ کرے تو یہ گویا اس کی عادت ہی بن گئی۔ اس کی مثال تو اس شخص کی سی ہے جس نے دن میں صرف ایک وقت کھانا کھانے کی عادت ڈال لی ہو — ظاہر بات ہے کہ اس طرح نفلی روزے رکھنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ اب تو اسے بھوک ہی اس وقت لگے گی جو اس نے اپنے کھانے کے لیے مقرر کر لیا ہے۔ باقی اوقات میں تو وہ گویا

روزے سے ہے ہی نہیں۔ اس لیے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے تو گویا نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ کبھی افطار کیا۔

پھر فرمایا کہ '': کیا کوئی شخص یہ طاقت رکھتا ہے کہ دو دن روزہ رکھے اور ایک دن چھوڑے؟ مراد یہ ہے کہ آدمی کا مسلسل یہ طریقہ اختیار کرنا ایک بہت بڑی مشقت ہے جس سے عہدہ برآ ہونے پر شاید ہی کوئی قادر ہو سکتا ہو۔

حضرت عمرؓ کے دریافت کرنے پر کہ وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن چھوڑے، آپؐ نے فرمایا کہ حضرت داؤدؑ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ ایسا کرو یا نہ کرو۔ بس یہی فرمانے پر اکتفا کیا کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے گا تو وہ حضرت داؤدؑ کے طریقے پر عمل کرے گا۔

جب حضرت عمرؓ نے یہ سوال کیا کہ وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن چھوڑ دے، تو آپؐ نے اس طریقہ کو پسندیدہ تو قرار دیا لیکن فرمایا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں اس پر ہمیشہ عمل کرسکوں ــــ مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اتنی طاقت رکھتا ہو تو وہ ایسا کرسکتا ہے لیکن اگر اتنی طاقت نہ رکھتا ہو تو ایسا نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے یہ سوال مدینہ طیبّہ ہی میں دریافت کیا تھا کیونکہ روزے ہجرت کے بعد فرض کیے گئے تھے۔ جب حضورؐ مدینہ طیبہ پہنچے تھے تو آپؐ کی عمر مبارک تقریباً ۵۳، ۵۴ سال کی ہو چکی تھی اور رسالت کے فرائض انجام دینے میں آپؐ کو بہت زبردست محنت کرنی پڑتی تھی۔ اس کے ساتھ آپؐ کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ آپؐ ہر تیسرے دن روزہ رکھنے کی مستقل عادت اختیار فرمالیں۔ اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ میں ایسا کرسکوں۔ کاش مجھ میں یہ طاقت ہوتی۔

جب حضرت عمرؓ کے سوالات ختم ہو گئے تو اب خود حضورؐ نے نفلی روزوں کے متعلق ہدایات ارشاد فرمائیں: فرمایا کہ ہر مہینے کے تین روزے رکھنا اور پھر رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص ہمیشہ ہی روزہ رکھے۔

مراد یہ ہے کہ نفلی عبادات کے سلسلے میں لوگوں کو اتنی لمبی چوڑی مشقتیں اٹھانے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے دنیا میں وہ فرائض بھی انجام دینے ہیں جو خلافتِ الٰہیہ کے سلسلہ میں ان پر عائد ہوتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ انہیں اپنے بال بچوں کا پیٹ بھی پالنا ہے اور دنیا کے دوسرے کام بھی انجام دینے ہیں۔ اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے فرائض اور نوافل کے درمیان توازن اور اعتدال قائم رکھیں اور نوافل کے لیے اپنے آپ کو ایسی مشقت میں نہ ڈالیں کہ اس کا اثر فرائض پر پڑے۔

ہر مہینے کے تین نفلی روزوں اور رمضان کے پورے مہینے کے روزوں کی فضیلت بیان کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ مزید برآں اگر آدمی عَرَفہ کے دن کا روزہ بھی رکھے تو اس کی فضیلت یہ ہے کہ اس سے ایک سال قبل اور ایک سال بعد کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اگر عاشوراء کے دن کا روزہ رکھے تو وہ ایک سال قبل کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ عَرَفہ کا روزہ عاشوراء کے روزے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

یہاں کفّارے کے متعلق کسی کو غلط فہمی نہ ہو کہ جب عرفہ کے دن کا روزہ آدمی کے ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تو اب کھلی چھوٹ ہے کہ وہ عرفہ کا روزہ رکھے اور ایک سال تک جو جی چاہے کرتا رہے ــــ

پچھلے سال کا حساب بھی صاف اور اگلے سال کے لیے بھی چھٹی مل گئی۔اس حدیث کا یہ مطلب لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ایسی حدیث کے مخاطب دراصل وہ لوگ نہیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کے بہانے تلاش کررہے ہوں بلکہ اُن کے مخاطب وہ لوگ ہیں جن کو رات دن یہ فکر رہتی تھی کہ ہم کون سا کام ایسا کریں جس سے ہمیں اپنے رب کی خوشنودی اور تقرب نصیب ہوجائے۔ چنانچہ اس طرح کی باتیں دراصل ان لوگوں کو شوق دلانے کے لیے فرمائی گئی ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنے کی کوشش کریں ـــــ یہ روزے ان گناہوں کا کفارہ نہیں بنتے جو آدمی جان بوجھ کر بے خوفی اور ڈھٹائی کے ساتھ کرے، بلکہ یہ کفارہ ہیں ان خطاؤں اور اعمال کا جو آدمی سے بشری کمزوریوں کی بنا پر سرزد ہوجاتے ہیں درآنحالیکہ اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری فرمانبرداری کرے ـــــ پھر یہ کفارہ ہیں آدمی کی ایسی لغزشوں کا، جن سے توبہ کرنے کا اسے موقع نہیں ملا، اور پھر وہ انہیں بھول گیا یا کسی وجہ سے اس سے غفلت ہوگئی۔اب چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بنیادی طور پر ایک فرمانبردار بندہ ہے اس لیے اس کے نیک اعمال اس کی خطاؤں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ یہ سراسر اپنے بندوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کیونکہ وہ مغفرت کرنا چاہتا ہے غلطیوں اور خطاؤں پر پکڑنا نہیں چاہتا۔وہ رحیم ہے اس لیے چاہتا ہے کہ کوئی کام بندے سے ایسا ہوجائے جس کی وجہ سے وہ اسے بخش دے۔ چنانچہ ایک بندۂ مومن کی نفل عبادات (خواہ وہ نفلی نمازیں ہوں یا نفلی روزے یا نفلی صدقات) سب کی سب اس کی لغزشوں اور خطاؤں کا کفارہ اور گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

تخریج : حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ يَحْيٰ التَّمِيمِيُّ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيْدٍ جَمِيعًا، عَنْ حَمَّادٍ، قَالَ يَحْيٰ: اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلاَنَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَعْبَدِالزِّمَانِيِّ، عَنْ اَبِىْ قَتَادَةَ رَجُلٌ اَتَى النَّبِىَّ ﷺ، فَقَالَ : كَيْفَ تَصُوْمُ؟ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ قَوْلِهٖ، فَلَمَّا رَأٰى عُمَرُ غَضَبَهٗ، قَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ، فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهٗ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ بِمَنْ يَصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهٗ؟ قَالَ لَاصَامَ وَلَا اَفْطَرَ اَوْ قَالَ: لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟ قَالَ: وَيُطِيْقُ ذٰلِكَ اَحَدٌ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا؟ قَالَ: ذٰلِكَ : ذَاكَ صَوْمُ دَاوٗدَ، قَالَ: كَيْفَ مَنْ يَّصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ؟ قَالَ: وَدِدْتُّ اَنِّىْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِىْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِىْ قَبْلَهٗ۔(۲۲)

ترجمہ : حضرت ابوقتادہ انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے حضورؐ سے پوچھا کہ آپؐ کس طرح روزہ رکھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کو اس کی بات پر غصہ آیا۔ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ کی اس ناراضی اور غصے کو دیکھا تو یہ کہنا شروع کیا۔ ہم اس بات پر راضی ہوگئے کہ اللہ ہی ہمارا رب ہو، اسلام ہی ہمارا دین ہو اور محمد ﷺ ہی

ہمارے نبی ہوں۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب سے، اور اس کے رسول کے غضب سے“۔۔۔ حضرت عمرؓ یہ بات بار بار کہتے چلے گئے یہاں تک کہ نبی ﷺ سے غُصّے کی کیفیت دور ہوگئی۔۔۔ پھر حضرت عمرؓ نے (خود حضورؐ سے) پوچھنا شروع کیا: یا رسول اللہ وہ شخص کیسا ہے جو ہمیشہ روزہ رکھے؟“ آپؐ نے فرمایا”: نہ اس نے روزہ رکھا اور نہ اس نے روزہ چھوڑا“۔۔۔ حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا ”وہ شخص کیسا ہے جو دو دن مسلسل روزہ رکھے اور ایک دن چھوڑے؟“ حضورؐ نے فرمایا: کیا کوئی شخص اس کی طاقت رکھتا ہے؟“ حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا۔”وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن نہ رکھے؟“ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ (رکھنے کا طریقہ) ہے“۔۔۔ حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا ”وہ شخص کیسا ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور دو دن روزہ چھوڑ دے؟ آپؐ نے فرمایا:”میں چاہتا ہوں کہ کاش مجھے اس کی طاقت حاصل ہو“۔۔۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا: ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا اور پھر رمضان کے پورے مہینے کے روزے رکھنا صَومِ دَھر (یعنی ہمیشہ روزے رکھنے) کے مترادف ہے“۔ پھر آپؐ نے فرمایا: عَرفہ کے دن کا روزہ رکھنا ایسا (اجر رکھتا) ہے کہ میں اللہ سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ (اس کی برکت سے) اس سے ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کو بخش دے گا، اور عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنا ایسا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس سے ایک سال پہلے کے گناہوں کی بخشش فرمادے گا۔

پیر کے روزے کی فضیلت

۸۸۔ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ، فَقَالَ فِیْہِ وُلِدْتُّ وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ۔ (مسلم)

”حضرت ابو قتادہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پیر کے روزے کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی روز مجھ پر قرآن نازل ہوا۔“

تشریح: آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس دن کا روزہ رکھو یا نہ رکھو بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اس دن کی فضیلت یہ ہے کہ یہ میرا یوم پیدائش بھی ہے اور نزولِ قرآن کے آغاز کا دن بھی ہے۔۔۔ چنانچہ اگر کوئی شخص اس دن کا روزہ رکھے تو اس کے لیے اچھا ہے کیونکہ اس میں یہ فضیلت پائی جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے تو اس پر کوئی گرفت بھی نہیں ہے۔

تخریج: حَدَّثَنِیْ زُھَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ مَھْدِیٍّ، حَدَّثَنَا مَھْدِیُّ بْنُ مَیْمُوْنٍ، عَنْ غَیْلَانَ، عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَعْبَدِ نِ الزِّمَّانِیِّ، عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ الْاَنْصَارِیِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَیْنِ، فَقَالَ: فِیْہِ وُلِدْتُّ، وَفِیْہِ اُنْزِلَ عَلَیَّ۔(۲۳)

ہر مہینے میں تین نفلی روزے رکھنا حضورؐ کی سنّت ہے

۸۹۔ عَنْ مُعَاذَۃَ الْعَدَوِیَّۃِ اَنَّھَا سَاَلَتْ عَائِشَۃَ، اَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَصُوْمُ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ ثَلَاثَۃَ

اَیَّامٍ، قَالَتُ نَعَمُ، فَقُلْتُ لَهَا مِنُ اَیِّ اَیَّامِ الشَّهُرِ كَانَ یَصُومُ، قَالَتُ لَمُ یَكُنُ یُبَالِیُ مِنُ اَیِّ اَیَّامِ الشَّهُرِ یَصُومُ۔ (مسلم)

''حضرت معاذۂ عدویہؒ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینے تین دن کے روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے پھر عرض کیا، حضور ﷺ مہینے کے کون سے تین دنوں میں روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: حضورؐ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے میں کون سے تین دنوں میں روزہ رکھیں۔''

تشریح: مراد یہ ہے کہ حضورؐ نے نفلی روزوں کے لیے کوئی خاص تاریخیں اور دن مقرر نہیں کر رکھے تھے۔ آپ جس چیز کا التزام فرماتے تھے وہ یہ تھی کہ کوئی مہینہ ایسا نہ جائے جس میں آپؐ نے تین دن کے نفلی روزے نہ رکھے ہوں۔

تخریج: حَدَّثَنَا شَیْبَانُ بُنُ فَرُّوخٍ، حَدَّثَنَا عَبُدُالْوَارِثِ عَنُ یَزِیُدَ الرِّشُكِ، قَالَ: حَدَّثَتُنِی مُعَاذَةُ الْعَدَوِیَّةُ، اَنَّهَا سَأَلَتُ عَائِشَةَ زَوُجَ النَّبِیِّ ﷺ : اَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَصُومُ مِنُ كُلِّ شَهُرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ؟ قَالَتُ : نَعَمُ، فَقُلْتُ لَهَا مِنُ اَیِّ اَیَّامِ الشَّهُرِ كَانَ یَصُومُ؟ قَالَتُ : لَمُ یَكُنُ یُبَالِیُ مِنُ اَیِّ اَیَّامِ الشَّهُرِ یَصُومُ۔(٢٤)

ترجمہ: حضرت مُعاذۂ عدویہؒ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا: کیا رسول اللہ ﷺ ہر مہینے تین دن کے روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! میں نے پھر عرض کیا، حضور ﷺ مہینے کے کون سے تین دنوں میں روزہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جواب دیا: حضورؐ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے کہ مہینے میں کون سے تین دنوں میں روزہ رکھیں۔

رمضان کے ساتھ شوال کے چھ نفلی روزے رکھنے والا صائم الدہر ہے

۹۰۔ عَنُ اَبِی اَیُّوبَ الْاَنُصَارِیِّ اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: مَنُ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنُ شَوَّالٍ كَانَ كَصِیَامِ الدَّهُرِ۔ (مسلم)

''حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رمضان کے پورے روزے رکھے اور پھر ان کے بعد شوال کے چھ دن کے روزے رکھے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے ہمیشہ کے روزے رکھے۔''

تشریح: اس سے پہلے ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر آدمی ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھے اور پھر رمضان کے پورے روزے بھی رکھے تو وہ ایسا ہے کہ گویا اس نے ہمیشہ روزہ رکھا۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے چھ دن کے مزید روزے رکھ لے تو یہ بھی ایسا ہے کہ جیسے اس نے ہمیشہ روزہ رکھا ــــ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہ سمجھنا چاہیے۔ درحقیقت اپنی اپنی جگہ دونوں کی یہی حیثیت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اگر کوئی شخص پہلی چیز پر عمل کرے گا تو اسے بھی ہمیشہ روزہ رکھنے کا اجر ملے گا اور اگر دوسری چیز پر عمل کرے گا تو اس کا بھی یہی اجر ہوگا۔

تخریج: حَدَّثَنَا یَحْیَ بُنُ اَیُّوبَ، وَقُتَیْبَةُ، وَابُنُ حُجُرٍ جَمِیعًا، عَنُ اِسُمَاعِیلَ، قَالَ ابُنُ اَیُّوبَ: حَدَّثَنَا اِسُمَاعِیلُ بُنُ جَعُفَرٍ، اَخُبَرَنِی، سَعُدُ بُنُ سَعِیدِ بُنِ قَیْسٍ، عَنُ عُمَرَ بُنِ ثَابِتِ بُنِ الْحَارِثِ

الْخَزْرَجِيِّ عَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ، اَنَّهٗ حَدَّثَهٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔(۲۵)

عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن کوئی روزہ نہیں

۱۹۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔

(متفق علیہ)

''حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرما دیا تھا۔''

—— وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاصَوْمَ فِیْ يَوْمَيْنِ، الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى۔ (متفق علیہ)

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن کوئی روزہ نہیں ہے۔''

تشریح: یہاں پھر اسلام کی شانِ اعتدال دیکھیے۔ اگرچہ روزہ بھی اسی طرح ایک عبادت ہے جس طرح کہ نماز ایک عبادت ہے لیکن اسلام کا مزاج یہ ہے کہ نامناسب اوقات و مواقع پر عبادت انجام دینا نیکی شمار ہونے کے بجائے گناہ بن جاتا ہے۔ عید الفطر وہ دن ہے کہ جس میں تیس دن کے روزوں کے بعد اللہ تعالیٰ آپ سے یہ چاہتا ہے کہ آپ ایک زائد عبادت کے ذریعے سے اس کا شکر بھی ادا کریں اور اس کے شکرانے کے طور پر آزادی کے ساتھ کھائیں پئیں بھی۔ اب جس دن اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتا ہے کہ آپ آزادی کے ساتھ کھائیں پئیں اور دنیوی آسایشوں اور لذتوں سے شاد کام ہوں۔ اس روز بھی اگر آپ بزعمِ خود زہد و پارسائی اختیار کر کے روزہ رکھ لیتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ یہ چیز سراسر اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوگی۔ جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ آرام و آسایش حاصل کریں اس وقت آپ کا فرض ہے کہ آپ آرام و آسایش حاصل کریں اور جس وقت وہ چاہتا ہے کہ آپ مشقت اٹھائیں تو اس وقت آپ کا یہ کام ہے کہ مشقت اٹھائیں۔ اگر آپ مشقت کے وقت بھی مشقت اٹھائیں اور آرام و آسایش کے وقت بھی مشقت اٹھائیں تو اس طرح گویا آپ اپنے رب سے یہ کہتے ہیں کہ نہیں جناب ہمیں آپ کی کسی رعایت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو اس سے بے نیاز ہیں —— اسی چیز کا سدِ باب کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے عیدین کے دن روزہ رکھنے سے سختی سے منع فرما دیا۔

تخریج (۱): حَدَّثَنَا مُوْسَى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيٰ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ، قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ، وَعَنِ الصَّمَّآءِ[۱] وَاَنْ يَحْتَبِىَ الرَّجُلُ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَعَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ۔(۲۶)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرما دیا تھا۔ نیز آپؐ نے ایک ہی کپڑے میں پورا جسم لپیٹنے اور صلاۃِ فجر اور صلاۃ عصر کے بعد نماز پڑھنے سے بھی منع فرما دیا تھا۔

۱۔ پورا جسم ایک ہی کپڑے میں لپیٹ لینا۔

〈۲〉 حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، ثَنَا شُعْبَةُ، ثَنَا عَبْدُالْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ قَزَعَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا سَعِيْدِ نِالْخُدْرِيَّ وَكَانَ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ثِنْتَي عَشَرَةَ غَزْوَةً قَالَ: سَمِعْتُ اَرْبَعًا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ فَاَعْجَبْنَنِيْ قَالَ: لَاتُسَافِرِ الْمَرْاَةُ مَسِيْرَةَ يَوْمَيْنِ اِلَّا وَمَعَهَا زَوْجُهَا اَوْ ذُوْمَحْرَمٍ وَلَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ، وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔(۲۷)

ترجمہ: قزعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدریؓ کو جو نبی ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک رہے یہ بیان کرتے سنا ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو چار ارشادات فرماتے سنا ہے جو میرے لیے پسندیدہ ہیں کہ کوئی عورت (مسلمان عورت) دوروز کی مسافت کا سفر بغیر اپنے کسی محرم رشتہ دار یا اپنے خاوند کی معیّت کے تنہا نہ کرے اور عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں کوئی روزہ نہیں ہے۔ صبح صادق کے بعد فرض نماز کے علاوہ طلوعِ آفتاب تک اور کوئی نماز نہیں اور نہ نمازِ عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ تین مساجد کے علاوہ دوسرے کسی مقام کے لیے ثواب کی نیت سے سفر کرنا درست نہیں۔ وہ تین مساجد مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ ہیں۔

اس حدیث کا آخری حصہ یعنی وَلَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ هٰذَا۔ مختلف دوسرے مقامات پر بھی منقول ہے۔(۲۸)

ایامِ تشریق میں روزہ رکھنا درست نہیں

۹۲۔ عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِاللّٰهِ۔

(مسلم)

''حضرت نُبَیشہ ہذلیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایامِ تشریق کھانے پینے اور ذکر کرنے کے دن ہیں۔''

تشریح: اَيَّام تَشْرِيْق سے مراد بقرعید کے بعد کے تین دِن ہیں، یعنی ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ ــــ اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا درست نہیں۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِيْ اَبِيْ، ثَنَا هُشَيْمٌ، اَنَا خَالِدٌ عَنْ اَبِي الْمَلِيْحِ، عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔(۲۹)

〈۲〉 حَدَّثَنَا سُرَيْجُ بْنُ يُوْنُسَ، حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، اَخْبَرَنَا خَالِدٌ عَنْ اَبِيْ مَلِيْحٍ، عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيَّامُ التَّشْرِيْقِ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ۔(۳۰)

ترجمہ: نُبَیشہ ہذلی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایامِ تشریق کھانے پینے کے دن ہیں۔

ابوداؤد نے عقبہ بن عامر سے روایت بیان کی ہے:

〈۳〉 قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَوْمُ عَرَفَةَ وَيَوْمُ النَّحْرِ وَاَيَّامُ التَّشْرِيْقِ عِيْدُنَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ وَهِيَ اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ۔(۳۱)

ترجمہ : حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یوم عرفہ اور یوم النحر اور ایامِ تشریق ہم اہلِ اسلام کے لیے عید ہے اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔

قال ابوعیسٰی: حدیث عقبة بن عامر حدیث حسن صحیح۔ والعمل علی هذا عند اهل العلم یکرهون صیام ایام التشریق الا ان قومًا مِن اصحاب النبی ﷺ وغیرهم رَخَّصُوا للمتمتع اذا لم یجد هَدیًا ولم یَصُم فی العشر ان یّصُوم ایام التشریق۔

ـــ امام ترمذی کہتے ہیں کہ اہلِ علم کے نزدیک ایامِ تشریق میں روزہ رکھنا مکروہ ہے۔مگر کچھ اصحابِ نبی ﷺ اور دیگر اہلِ علم حضرات نے حجِ تمتع کرنے والے کے لیے رخصت دی ہے جب کہ اسے ہدی نہ ملے۔ایامِ تشریق کے روزے اس عشرہ میں نہ رکھے۔

وبه یقول مالك بن انس والشافعی واحمد واسحاق۔

ـــ یہی قول امام مالکؒ بن انس اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحٰق راہویہ کا ہے۔

ابن ماجہ نے ”کتاب الصیام باب ماجاء فی النهی عن صیام ایام التشریق“ کے ضمن میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے:

〈۴〉 عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيَّامُ مِنًی، اَيَّامُ اَكْلٍ وَشُرْبٍ۔(۳۲)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایامِ منٰی کھانے پینے کے دن ہیں۔

جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مخصوص کر لینا جائز نہیں

۹۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَّصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْ يَصُوْمَ بَعْدَهٗ۔ (متفق علیه)

”حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھے الا یہ کہ وہ اس سے ایک دن پہلے کا یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مخصوص کر لینا صحیح نہیں ہے ـــ حضورؐ کے اس ارشاد سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام کا مزاج کیا ہے۔اسلام یہ چاہتا ہے کہ آدمی خود اپنا شارع نہ بنے۔شارع صرف اللہ اور اس کا رسول ہے۔کسی کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مقرر کردہ شریعت میں اپنی طرف سے قیاسات

کر کے اضافہ کرنا شروع کر دے۔ اس کا نتیجہ وہی کچھ ہوگا جو یہود و نصاریٰ کے ہاں ہوا کہ انہوں نے خدا کے دین میں تحریف کر کے اس کی شکل ہی بدل ڈالی ــــ اللہ اور اس کے رسولؐ نے ایک خاص نماز کے لیے جمعہ کے دن کو ایک خاص فضیلت عطا کی ہے۔ اب اگر ایک آدمی یہ خیال کر کے کہ یہ دن فضیلت والا ہے اس لیے اس کو روزے کے لیے مخصوص کر لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے خدا کی شریعت میں اپنے طور پر ایک اضافہ کر لیا۔ ایک فضیلت تو اس دن کو ایک خاص غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے دی تھی اور ایک فضیلت اب اس شخص نے اسے اپنے طور پر دے دی ــــ اگر یہ طریقہ رائج ہو جائے تو رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کے روزوں کا التزام کیا جاتا ہے اسی طرح جمعہ کے روزے کا التزام بھی شروع ہو جائے گا اور یہ چیز نئی شریعت بنانے کے مترادف ہوگی۔ اسی لیے حضورؐ نے جمعہ کے نفلی روزے کا التزام کرنے سے منع فرمادیا ــــ ہاں اس کی اجازت اس صورت میں دے دی جب کہ اس سے ایک دن پہلے یا بعد کا روزہ بھی رکھا جائے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا عُمَرُ بُنُ حَفُصِ بنِ غِيَاثٍ، ثَنَا اَبِىُ، ثَنَا الْاَعُمَشُ، ثَنِى اَبُو صَالِحٍ عَنْ اَبِىُ هُرَيْرَةَ، قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ ﷺ يَقُوْلُ: لَايَصُوْمُ (يَصُوْمَنَّ) اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا يَوْمًا قَبْلَهٗ اَوْ بَعْدَهٗ۔(۳۳)

ابنِ ماجہ میں ہے:

⟨۲⟩ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اِلَّا بِيَوْمٍ قَبْلَهٗ اَوْ يَوْمٍ بَعْدَهٗ۔(۳٤)

دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے:

⟨۳⟩ أَ نَهَى النَّبِىُّ ﷺ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَرَبِّ هٰذَا الْبَيْتِ۔(۳۵)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ آیا نبی ﷺ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟ انہوں نے کہا اس گھر یعنی بیت اللہ کے رب کی قسم آپؐ نے خاص طور پر اس روز روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

⟨۴⟩ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، نَا اَبُوْمُعَاوِيَةَ عَنِ الْاَعْمَشِ، عَنْ اَبِىْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَايَصُوْمُ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ يَّصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْيَصُوْمَ بَعْدَهٗ۔

وفی الباب عن علی و جابر و جنادة الازدی و جویرة و انس و عبدالله بن عمرو۔

قال ابوعیسٰی: حدیث ابی هریرةؓ حدیث حسن صحیح۔ والعمل علی هذا عند اهل العلم یکرهون ان یختص یوم الجمعة بصیام لایصوم قبله ولا بعده و به یقول احمد واسحاق۔(۳٦)

جمعہ کی رات کو قیام کے لیے اور دن کو روزے کے لیے مخصوص کر لینا درست نہیں

٩٤۔ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاتَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِىْ وَلَاتَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِىْ يَوْمٍ يَصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ۔ (مسلم)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کی رات کو قیام (نفل عبادات اور تہجد وغیرہ) کے لیے مخصوص نہ کرلو بجز اس صورت کے کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو پڑ جائے جب تم میں سے کوئی شخص روزہ رکھا کرتا تھا۔''

تشریح: اوپر اس سے متصل ہی حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت گزری ہے کہ نبی ﷺ نے التزام کے ساتھ جمعہ کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔اب اس حدیث میں وہی بات زیادہ تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

اس سے شریعت کے مزاج کی نزاکت کا اندازہ ہوتا ہے۔شریعت میں اس معاملہ میں بہت زیادہ نزاکت پائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو پابندیاں انسان پر عائد کی ہیں ان میں کوئی شخص اپنی طرف سے اضافہ کرلے۔اس سے پہلے دوسری قوموں کا جو حشر ہوا وہ اسی وجہ سے ہوا کہ لوگوں نے قیاس کرکر کے یا اپنے نفس کے ذاتی میلانات کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و فرائض پر اپنی طرف سے مزید حدود و فرائض کا اضافہ کرلیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی شریعت کے ساتھ ایک نئی شریعت اور بن گئی اور اس شریعت نے لوگوں کو باندھنا اور جکڑنا شروع کیا۔قرآن مجید نے سورہ اعراف میں اس چیز کو اِصر اور اَغلَال سے تعبیر کیا ہے۔یعنی لوگوں نے اپنے ہاتھ سے طوق اور سلاسل بنائے اور اپنے گلے میں پہن کر انہیں اپنے اوپر کسنا شروع کردیا۔آگے چل کر وہ شریعت اتنی بوجھل بن گئی کہ آخرِ کار لوگ اس کے بندھنوں سے نکل بھاگے اور انہوں نے خدا کی پوری شریعت ہی کو اتار کر پھینک دیا۔یہ ایک فطری بات ہے کہ جب پابندیاں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں تو انسان آخر کار تنگ آجاتا ہے۔ظلم یہ ہے کہ بعض مذہبی پیشواؤں کی طرف سے بڑھائی ہوئی پابندیاں عام لوگوں کے سامنے اسی حیثیت سے پیش ہوتی ہیں کہ یہ خدا کی شریعت کا حصّہ ہیں۔چنانچہ جب لوگ ان سے تنگ آکر انہیں توڑتے ہیں تو وہ یہ تمیز کیے بغیر کہ انسانوں کی طرف سے بڑھائی ہوئی پابندیاں کون سی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حدود کون سے ہیں، وہ سب کچھ توڑ تاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور بالکل آزاد ہوجاتے ہیں ___ اسی بدبختی میں یہود و نصاریٰ مبتلا ہوئے اور اسی خطرے میں دوسرے انبیاءؑ کی اُمتیں مبتلا ہوئیں۔یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامی میں یہ اصول مقرر کردیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے جو چیز فرض کی گئی ہے بس وہی فرض ہے اور کسی کو اس میں اضافہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔جو کچھ واجب کیا گیا ہے بس وہی واجب ہے،کوئی شخص اس پر اپنی طرف سے کسی قسم کا اضافہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔حرام وہی ہے جو خدا کی شریعت میں حرام کیا گیا ہے، کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ اپنی طرف سے کچھ مزید چیزوں کو حرام کردے۔اسی طرح مکروہ وہ چیز ہے جس کے متعلق اللہ اور اس کے رسولؐ نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے، کسی شخص کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی طرف سے کچھ مزید مکروہات مقرر کردے۔اگر کوئی شخص کسی چیز کے حرام یا حلال ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اسے لازماً یہ بتانا پڑے گا کہ قرآن کی کس آیت اور کس حدیث کی رُو سے وہ یہ بات کہہ رہا ہے۔اگر وہ حدیث اور قرآن کا حوالہ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ فلاں بزرگ نے اسے حلال یا حرام کہا تھا یا فلاں کتاب میں ایسا لکھا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اسے مانیں، جب تک کہ وہ دلیل لے کر نہ آئے اور یہ نہ بتائے کہ قرآن کی کس آیت یا کس حدیث سے یہ حلّت یا حرمت ثابت ہوتی ہے ___ یہ ہے اس معاملے میں شریعت کا مزاج۔اور یہ اس عظیم الشّان حکمت کی وجہ سے ہے کہ خدا کے بندوں کو کسی ایسی پابندی میں نہیں جکڑنا چاہیے جو خدا نے ان پر عائد نہیں کی ہے۔اگر لوگوں کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی طرف سے بھی اس میں اضافہ کرسکتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا اور اس کا رسول ہی شارع نہیں کچھ دوسرے حضرات بھی شارع ہیں۔لوگ محض خدا ہی کے بندے نہیں

ہیں بلکہ کچھ دوسرے حضرات بھی ایسے ہیں جن کے وہ بندے ہیں اور انہیں بھی یہ حق ہے کہ وہ خدا کے بندوں پر اپنی طرف سے پابندیاں عائد کریں۔

یہاں یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں احکام ومسائل کا استنباط کرنے کی گنجایش بھی نہیں ہے جیسا کہ فقہاء کا طریقہ ہے، بلکہ مراد صرف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کی دلیل قرآن اور حدیث سے پیش نہ کی جاسکتی ہو دین میں اضافے کے مترادف ہے اور اس لیے ایک ایسی گمراہی ہے جس سے ایک بندۂ خدا کو خود بھی بچنا چاہیے اور دوسرے بندگانِ خدا کو بھی اس میں مبتلا کرنے کی ذمہ داری اٹھانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

اب دیکھیے، رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ جمعہ کی راتوں کو عبادت اور دن کو روزوں کے لیے مخصوص نہ کرلو اِلَّا یہ کہ جمعہ کسی ایسی تاریخ کو آپڑے جس میں تم پہلے ہی روزہ رکھا کرتے ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن اس غرض کے لیے مقرر کیا ہے کہ لوگ اس میں ایک خاص نماز اجتماعی طور پر ادا کریں۔ دوسری نمازوں کے متعلق تو اس بات کی اجازت ہے کہ اگر آپ کسی ایسی جگہ پر ہوں جہاں قریب کوئی مسجد نہیں ہے اور وہاں اذان کی آواز نہیں پہنچتی، یا آپ کسی جنگل میں ہیں تو آپ اپنی جگہ پر نماز ادا کرسکتے ہیں اور اگر دو چار آدمی آپ کے ساتھ ہیں تو آپ وہیں جماعت کرسکتے ہیں اور یہ لازم نہیں ہے کہ آپ مسجد ہی میں جائیں، لیکن جمعہ کی نماز ایسی ہے کہ یہ مسجد میں جماعت کے ساتھ ہی ادا ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دن اسی لیے مقرر کیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلمان مسجد میں جمع ہو کر ایک خاص نماز جماعت کے ساتھ ادا کریں اور امام کا خطبہ سنیں تاکہ ہفتے میں کم از کم ایک دن اللہ تعالیٰ کے احکام باقاعدگی کے ساتھ انہیں یاد دلائے جائیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ چونکہ جمعہ کا دن فضیلت رکھتا ہے اس لیے کیوں نہ وہ اس دن روزہ بھی رکھے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ شریعت نے جمعہ کو جو فضیلت ایک خاص وجہ سے دی تھی اور اس دن کے لیے جو عبادت لازم قرار دی تھی اس نے اس میں ایک اور چیز کا اضافہ کرلیا۔ پھر صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ رات کے لیے بھی ایک عبادت کو لازم ٹھہرالیا۔ اب اگر اس کی گنجایش دے دی جاتی تو پہلے ایک آدمی یہ کام کرتا، پھر دو چار اور کرتے۔ یہاں تک کہ گروہِ کثیر اس کام کو کرنا شروع کردیتا۔ رفتہ رفتہ ایک دو صدی گزرنے کے بعد لوگوں کے لیے یہ لازم ہوجاتا کہ نہ صرف یہ کہ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز ادا کریں بلکہ روزہ بھی رکھیں۔ اس طرح یہ فرق کرنا مشکل ہوجاتا کہ کیا چیز اللہ نے فرض کی تھی اور کیا چیز لوگوں نے اپنی طرف سے اپنے اُوپر عائد کرلی۔ گویا ایک ایسی چیز شریعت کا جُز قرار پاجاتی جو درحقیقت اس کا جُز نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے واضح طور پر فرمادیا کہ جمعہ کے دن کو ان نفلی عبادات کے لیے مخصوص نہ کرلو۔ اگرچہ بجائے خود نہ روزہ رکھنا کوئی برائی ہے اور نہ راتوں کو کھڑے ہوکر عبادت کرنا کوئی معیوب چیز ہے، بلکہ دونوں چیزیں عین پسندیدہ ہیں لیکن چونکہ جمعہ کے ساتھ مخصوص کرکے ان کا التزام کرنے سے شریعت میں اضافے کا خطرہ تھا اس لیے حضورؐ نے وضاحت کے ساتھ اس سے منع فرمادیا۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوْ كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ يعنى الْجُعْفِىُّ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ، عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِىِّ ﷺ قَالَ: لَاتَخْتَصُّوا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ اللَّيَالِىِّ، وَلَاتَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِّنْ بَيْنِ الْاَيَّامِ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ فِىْ صَوْمٍ يَصُوْمُهٗ اَحَدُكُمْ۔ (۳۷)

خدا کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھنے کا غیر معمولی اجر

۹۵۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ : مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بَعَّدَ اللّٰہُ وَجْھَہٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا۔ (متفق علیہ)

''حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ستر سال کے فاصلے تک جہنّم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔''

تشریح: اللہ تعالیٰ کی راہ میں روزہ رکھنے سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک آدمی جہاد کے لیے نکلتا ہے اور وہ اس جہاد کے لیے سفر کرتے ہوئے، یا کسی کیمپ میں قیام کی حالت میں روزہ بھی رکھتا ہے تو اس کا یہ روزہ رکھنا خدا کی راہ میں روزہ رکھنا ہے۔ یا مثلاً ایک شخص حج یا عمرے کے لیے سفر کر رہا ہے اور اس سفر کے دوران میں روزے بھی رکھتا ہے، تو اس کا یہ روزہ رکھنا خدا کی راہ میں روزہ رکھنا ہے اور اس کے لیے ایک عظیم اجر اور فائدے کا موجب ہے۔

فی سبیل اللہ کا مطلب لِوَجْہِ اللّٰہِ بھی ہوسکتا ہے، یعنی خالصتاً اللہ کی رضا کی خاطر روزہ رکھنا۔ ان دونوں صورتوں میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جہنّم کی آگ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دے گا۔ یہاں اس بات کا تعین نہیں کیا گیا کہ یہ ستر سال کی مسافت کس رفتار سے ہے۔ آیا وہ اونٹ کی رفتار سے ہے یا انسان کے پیدل چلنے کی رفتار سے۔ کسی پرندے کے اُڑنے کی رفتار سے ہے یا کسی جیٹ ہوائی جہاز یا روشنی کی رفتار سے ــــ اصل مدّعا درحقیقت یہ ہے کہ اس عمل سے انسان جہنّم کی آگ سے بہت دُور ہو جاتا ہے، اتنی دُور کہ گویا ستر سال کی مسافت درمیان میں حائل ہو جاتی ہے، اور یہ صرف اتنے عمل کی بنا پر فرمایا گیا کہ اس نے اللہ کی راہ میں روزہ رکھا۔

جو شخص اللہ کی راہ میں نکلا یعنی جہاد کے لیے جا رہا ہے اس کے متعلق یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے جو جان بوجھ کر گناہ کرنے والا ہو۔ اس سے اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے بجا طور پر وہ بہت بڑے اجر کا مستحق قرار پائے گا۔ قرآن و حدیث میں نیکو کار لوگوں کے لیے نفلی عبادات پر جن انعامات اور بھاری اجر و ثواب کی بشارت دی گئی ہے وہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو جان بوجھ کر گناہ کرنے والے ہوں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کی عام زندگیاں نیکوکاری اور صلاح و تقویٰ کا نمونہ ہوں ــــ یہاں فی سبیل اللہ کی قید خود بتا رہی ہے کہ یہ اجر اس شخص کے لیے ہے جو نہ صرف یہ کہ فرائض ادا کرنے والا اور حرام سے بچنے والا ہے بلکہ وہ اپنی جان خدا کے راستے میں لڑانے کے لیے نکلا ہے۔ اس کے ساتھ اگر وہ نفلی روزہ بھی رکھتا ہے تو وہ یقیناً اس بات کا مستحق ہے کہ جہنم کی آگ سے زیادہ سے زیادہ دور ہو جائے۔

اسی طرح اس اجر کا مستحق وہ شخص بھی ہوسکتا ہے جو محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے حج یا عمرے کا سفر اختیار کرتا ہے اور اس دوران میں روزہ بھی رکھتا ہے۔ جو لوگ حرام کھاتے ہوئے حج کے لیے نکلتے ہیں اور آ کر بھی حرام کھاتے ہیں۔ یہ اَجر ان کے لیے نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ انہوں نے فی سبیل اللہ یہ سفر اختیار کیا اور نہ انہوں نے خود کو اللہ تعالیٰ کے انعامات کا مستحق ٹھہرایا۔

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، ثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ، اَنَا ابْنُ جُرَیْجٍ، اَخْبَرَنِیْ یَحْیَ بْنُ سَعِیْدٍ وَسُهَیْلُ بْنُ اَبِیْ صَالِحٍ، اَنَّهُمَا سَمِعَا النُّعْمَانَ ابْنَ اَبِیْ عَیَّاشٍ، عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا۔(۳۸)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ستّر سال کے فاصلے تک جہنم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔

ابوسعید خدریؓ سے مروی ایک اور روایت:

﴿۲﴾ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ عَبْدٍ یَّصُوْمُ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اِلَّا بَاعَدَ اللّٰهُ بِذٰلِكَ الْیَوْمَ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا۔(۳۹)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خُدریؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں کہ جو اللہ کی راہ میں روزہ رکھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس دن کے روزے کے بدلے اس کے چہرے کو ستر سال کے فاصلہ تک جہنم کی آگ سے دور کر دیتا ہے۔

ابنِ ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بیان کی ہے۔ ترمذی نے ابوسعید خدریؓ کے علاوہ ابو ہریرہؓ سے مروی ایک اور روایت بھی نقل کی ہے:

﴿۳﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : مَنْ صَامَ یَوْمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ زَحْزَحَهُ اللّٰهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِیْنَ خَرِیْفًا اَحَدُهُمَا یَقُوْلُ وَالْاٰخَرُ یَقُوْلُ اَرْبَعِیْنَ۔ (٤٠)

هٰذا حدیث غریب من هذا الوجه۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو ستر سال کے فاصلہ تک جہنم کی آگ سے دُور کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک نے سبعین خریفا اور دوسرے نے اربعین بیان کیا ہے۔

نفلی عبادات میں اعتدال کی ضرورت

۹۶ ۔ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ: قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ؟ فَقُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ : فَلَاتَفْعَلْ، صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ، فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَیْنِكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَیْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، لَاصَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ، صَوْمُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ، صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ كُلِّ شَهْرٍ۔ قُلْتُ اِنِّیْ اُطِیْقُ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ۔ قَالَ صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ، صَوْمَ دَاوٗدَ، صِیَامُ یَوْمٍ وَاِفْطَارُ یَوْمٍ، وَاقْرَأْ فِیْ كُلِّ سَبْعِ لَیَالٍ مَرَّةً وَلَاتَزِدْ عَلٰی ذٰلِكَ۔ (متفق علیه)

ترجمہ: ”حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے عبداللہ! کیا میں نے یہ ٹھیک سنا ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں یا رسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا: اچھا اب ایسا مت کیا کرو، روزہ رکھو بھی اور نہ بھی رکھو، اور راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمہارے ہاں ملاقات کے لیے آنے والے کا بھی تم پر ایک حق ہے۔ جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے گویا کوئی روزہ نہیں رکھا ـــــ ہر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا گویا صَومِ دَھر (ہمیشہ روزہ رکھنے کے مترادف) ہے۔ ہر مہینے تین دن کے روزے رکھو اور قرآن مہینے میں ایک مرتبہ پورا پڑھ لیا کرو ـــــ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اچھا پھر تم افضل ترین روزہ رکھو اور وہ حضرت داؤدؑ کا روزہ ہے، یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا (یعنی روزہ نہ رکھنا) اور ہر سات راتوں میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیا کرو اور اس پر اضافہ ہرگز نہ کرو۔“

تشریح: ”آنکھوں کے حق“ سے مراد یہ ہے کہ کبھی تم انہیں جاگتے ہوئے کھلا رکھو اور کبھی انہیں سونے کے لیے بند رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم دن بھر بھی جاگتے رہو اور پھر رات کو بھی آرام نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی جو عظیم الشان نعمت تمہیں عطا کی ہے تم اس کے ساتھ زیادتی اور ناقدری کا معاملہ کرنا چاہتے ہو۔“

”ملاقات کے لیے آنے والے کے حق“ سے مراد یہ ہے کہ اگر تم رات رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے رہے اور پھر دن کو تم نے روزہ بھی رکھا تو ظاہر ہے کہ تمہارے اندر طبیعت کی وہ تازگی اور شگفتگی باقی نہیں رہ سکتی۔ جس سے کسی ملنے والے کا استقبال کیا جائے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ مثلاً گرمی کا زمانہ ہے اور آپ روزے سے ہیں۔ اس حالت میں جو شخص بھی آپ سے ملنے کے لیے آتا ہے آپ اس سے اس شگفتگی اور دل کی کشادگی سے پیش نہیں آ سکتے جس سے دوسری حالت میں پیش آ سکتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ آنے والے کو تو یہ معلوم ہونا ضروری نہیں کہ آپ روزے سے ہیں۔ اگر آپ نے بے دلی کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور روکھے پن سے اس سے گفتگو کی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس کا برا مانے اور یہ محسوس کرے کہ یہ عجیب انسان ہے جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ چل کر ملنے کے لیے آنے والے سے کس اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

نفلی روزہ رکھنے والوں کو خاص طور پر اس کا عملی تجربہ ہوا ہوگا کہ خصوصاً گرمی کے زمانے میں جب آدمی ایک لمبے روزے سے ہو اور کوئی شخص افطار کے قریب ملنے کے لیے آ جائے تو بعض اوقات آدمی اس سے بڑے روکھے پن سے ملتا ہے۔ اب چونکہ نفلی روزے میں آدمی خود تو یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ روزے سے ہے اور آنے والے کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ شخص روزے سے ہے اس لیے اس سے بعض اوقات بڑی شکایت پیدا ہوتی ہے اور تعلقات میں کشیدگی تک واقع ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے ـــــ یہ رسول اللہ ﷺ کی حکیمانہ نگاہ ہے کہ آپؐ نے یہ ساری چیزیں گنا کر بتا دیں کہ اگر ہمیشہ روزہ رکھو گے اور راتوں کو کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے رہو گے اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو گے تو اس طرح اپنے جسم، اپنی آنکھوں، اپنی بیوی اور اپنے ملنے والوں سب کے ساتھ زیادتی کرو گے اور ان میں سے کسی کا حق ٹھیک طرح سے ادا نہیں کر سکو گے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر آدمی پر ہر وقت خشکی طاری رہے تو نہ عام لوگوں کے ساتھ ہی اس کے تعلقات خوشگوار رہ سکتے ہیں اور نہ اپنے

گھر والوں کے ساتھ ہی وہ صحیح سلوک کر سکتا ہے۔ ہر شخص بجا طور پر دوسرے سے اچھے برتاؤ کی توقع رکھتا ہے لیکن جب یہ توقع پوری نہیں ہوتی تو فطری طور پر اس کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا ''جو شخص ہمیشہ روزہ رکھے اس نے گویا کوئی روزہ نہیں رکھا۔'' اس کی وجہ اس سے پہلے بھی بیان کی جا چکی ہے کہ اگر آدمی نے عادت ہی ایک وقت کھانا کھانے کی بنا لی ہو تو گویا یہ بات اس کے معمول میں داخل ہوگئی۔ اب اگر وہ روزہ رکھتا بھی ہے تو اس کا روزہ کہاں ہوا۔ روزہ تو اس چیز کا نام ہے کہ آپ کسی وقت اپنے معمول کے خلاف اپنے نفس پر یہ بار ڈالیں کہ وہ کھانا پینا ترک کرے اور کچھ دوسری پابندیاں قبول کرے۔ لیکن اگر آپ کو عادت ایک ہی وقت کھانا کھانے کی پڑ گئی ہے تو آپ کے لیے روزے کی اہمیت عملاً ختم ہوگئی۔ اب اس میں کوئی غیر معمولی چیز کیا رہی۔ اسی لیے فرمایا کہ اس شخص کا کوئی روزہ نہیں جو ہمیشہ روزہ رکھے۔ پھر یہ ارشاد ان معنوں میں بھی ہے کہ اس طریقے سے روزہ رکھنے والے کے لیے روزے کا کوئی اجر نہیں ہے کیونکہ نیکی وہی شمار ہوگی جو شریعت کے مطابق ہو اور شریعت کی رُو سے یہ بات درست نہیں ہے کہ آدمی ہمیشہ روزہ رکھے۔

پھر فرمایا: ''ہر مہینے کے تین دنوں کا روزہ رکھنا گویا صومِ دہر ہے'' یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کے مترادف ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھنے سے تم جس بڑے سے بڑے ثواب کی اُمید کر سکتے ہو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ثواب تمہیں ہر مہینے کے تین دن کے روزے رکھنے پر بھی دے گا۔

یہ جو فرمایا کہ ''ہر مہینے میں ایک مرتبہ قرآن پڑھ لیا کرو'' تو اس سے مراد تہجّد کی نماز میں قرآن پڑھنا ہے۔ اس غرض کے لیے روزانہ تہجّد میں ایک پارہ پڑھ لینا کافی ہے۔

جب نبی ﷺ کے ان ارشادات کے جواب میں حضرت عبداللہؓ نے یہ عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو حضورؐ نے فرمایا کہ ''اچھا پھر اَفْضَلُ الصَّوْم رکھ لیا کرو اور وہ صومِ داوٗد ہے۔'' اس کی تشریح یہ فرمائی کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن نہ رکھو۔ یعنی اگر تم ہر ماہ تین دن سے زیادہ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہو تو پھر داؤدؑ کے طریقے پر عمل کر سکتے ہو ـــــ پھر فرمایا: ہر سات راتوں میں ایک مرتبہ قرآن ختم کر لیا کرو اور اس پر اضافہ ہرگز نہ کرو۔ یعنی زیادہ سے زیادہ تمہیں اس بات کی اجازت ہے کہ سات راتوں میں ایک دفعہ قرآن ختم کر لیا کرو لیکن اس پر اضافہ کرنے کی اجازت نہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ خدا کی شریعت اعتدال کو پسند کرتی ہے انتہا پسندی کو نہیں۔ شریعت یہ چاہتی ہے کہ آدمی تمام حقوق و فرائض میں توازن برقرار رکھے۔ سب کے حقوق ادا کرے۔ جسم کا حق بھی ادا کرے اور انسانوں کے حقوق بھی ادا کرے۔ ایسا نہ ہو کہ آدمی کسی ایک حق کو ادا کرنے میں ایسا غیر متوازن ہو جائے کہ باقی حقوق کو نقصان پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مختلف فرائض عائد کیے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ اس نے بس نماز اور روزہ ہی فرض کیا ہو اور اس کا اجر بس انہی چیزوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ آدمی کو اپنی روزی کمانے کے لیے بھی جِدّ و جہد کرنی ہوتی ہے اور یہ بھی اس کا فرض ہے۔ اگر وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا اور راتوں کو کھڑے ہو کر لمبی لمبی نمازیں پڑھے گا تو اس میں اتنی طاقت کہاں باقی رہے گی کہ وہ اپنی روزی بھی کمائے اور شریعت کے عائد کیے ہوئے دوسرے فرائض بھی ادا کر سکے۔ اس لیے عبادت میں بھی اعتدال

ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ یہی چیز ہمیں سکھائی گئی ہے۔ حضورؐ نے ہمیں وظیفے بھی بتائے ہیں مگر کوئی وظیفہ ایسا نہیں ہے جو ہزار دانہ تسبیح سے رات بھر پڑھا جائے۔ آپؐ نے اگر زیادہ سے زیادہ تعداد میں کوئی وظیفہ بتایا ہے تو ۳۳، ۳۳ اور ۳۴ مرتبہ پڑھنا بتایا ہے۔ خود وظائف بھی چھوٹے چھوٹے بتائے ہیں اور جو ذرا زیادہ لمبے ہیں ان کی تعداد اس سے بھی کم کر دی ہے۔ اس طرح حضورؐ نے نفلی عبادات میں ایک خوشگوار اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھا ہے۔ جن لوگوں نے بعد میں ان چیزوں میں اضافہ کیا ہے درحقیقت انہوں نے خدا کی شریعت کے مزاج کو نظر انداز کر کے اعتدال کو چھوڑ کر راہبانہ انتہا پسندی اختیار کر لی ہے۔

تخریج ⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، اَنَا عَبْدُاللّٰهِ، اَنَا الْاَوْزَاعِیُّ، ثَنَا یَحْیَ بْنُ اَبِیْ کَثِیْرٍ، ثَنِیْ اَبُوْسَلَمَةَ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، ثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ، قَالَ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَا عَبْدَاللّٰهِ اَلَمْ اُخْبَرْاَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ؟ فَقُلْتُ بَلٰی، یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَلَاتَفْعَلْ، صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِعَیْنِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَاِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَیْكَ حَقًّا، وَاِنَّ بِحَسْبِكَ اَنْ تَصُوْمَ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ فَاِنَّ لَكَ بِکُلِّ حَسَنَةٍ عَشْرَ اَمْثَالِهَا فَاِذَا ذٰلِكَ صِیَامُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ فَشَدَدْتُّ عَلَیْهِ فَشُدِّدَ عَلَیَّ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اَجِدُ قُوَّةً قَالَ فَصُمْ صِیَامَ نَبِیِّ اللّٰهِ دَاوٗدَوَلَاتَزِدْ عَلَیْهِ قُلْتُ وَمَا کَانَ صِیَامُ نَبِیِّ اللّٰهِ دَاوٗدَ؟ قَالَ نِصْفَ الدَّهْرِ۔(۴۱)

قَالَ: فَکَانَ عَبْدُاللّٰهِ یَقُوْلُ بَعْدَ مَاکَبِرَ یٰلَیْتَنِیْ قَبِلْتُ رُخْصَةَ النَّبِیِّ ﷺ۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: اے عبداللہ! کیا میں نے یہ ٹھیک سنا ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا اب ایسا مت کیا کرو، روزہ رکھو بھی اور نہ بھی رکھو، اور راتوں کو کھڑے ہو کر عبادت بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو۔ کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر ایک حق ہے اور تمہارے ہاں ملاقات کے لیے آنے والے کا بھی تم پر ایک حق ہے۔ بس تمہارے لیے یہ کافی ہے کہ تم مہینے میں تین روزے رکھو، تمہاری ایک نیکی کے بدلے تمہیں دس گنا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ یہ مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا گویا صیام الدہر ہے (یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کے مترادف ہے) پس میں نے اس پر مزید سختی کی تو مجھ پر سختی ہوگئی میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: اچھا پھر تم اللہ کے نبی حضرت داوٗدؑ کا روزہ رکھو اور اس پر اضافہ مت کرو۔ میں نے پھر عرض کیا۔ اللہ کے نبی حضرت داوٗدؑ کا روزہ کیا ہے؟ فرمایا نصف الدھر۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہؓ بڑھاپے میں کہتے تھے کہ کاش میں نے نبی ﷺ کی دی ہوئی رخصت کو قبول کرلیا ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی دوسری روایت:

⟨۲⟩ قَالَ: قَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ اِنَّكَ لَتَصُوْمُ الدَّهْرَ وَتَقُوْمُ اللَّیْلَ؟ فَقُلْتُ : نَعَمْ، فَقَالَ : اِنَّكَ اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ هَجَمَتْ لَهُ الْعَیْنُ وَنَفِهَتْ لَهُ النَّفْسُ لَاصَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ صَوْمُ

الدَّهرِ كُلِّهِ، قُلتُ: فَاِنِّی اُطِيقُ اَكثَر مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ : فَصُمْ صَوْمَ دَاوٗدَ وَكَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفطِرُ يَوْمًا وَلَا يَفِرُّ اِذَا لَاقٰى۔(۴۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھ سے پوچھا: تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا: جب تم اس پر کاربند رہو گے تو آنکھیں تمہاری اندر دھنس جائیں گی۔ جسم اس سے تھک جائے گا اور فرمایا: جس نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے گویا کوئی روزہ نہیں رکھا۔ ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنا گویا صومِ دہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کے مترادف ہے۔ میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا: اچھا تو پھر تم داؤدؑ کا روزہ رکھو وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے (یعنی ایک دن روزہ چھوڑ دیتے تھے) اور میدانِ جہاد میں دشمن سے سامنا ہو جاتا تو پھر راہِ فرار اختیار نہ کرتے تھے۔

مسلم میں مروی روایت:

〈۳〉 قَالَ: كُنْتُ اَصُوْمُ الدَّهْرَ وَ أَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كُلَّ لَيْلَةٍ قَالَ فَاَمَّا ذُكِرْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ وَاَمَّا اُرْسِلَ اِلَيَّ فَاَتَيْتُهٗ فَقَالَ لِيْ اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّكَ تَصُوْمُ الدَّهْرَ وَتَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ كُلَّ لَيْلَةٍ؟ فَقُلْتُ بَلٰى يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَلَمْ اُرِدْ بِذٰلِكَ اِلَّا الْخَيْرَ قَالَ: فَاِنَّ بِحَسْبِكَ اَنْ تَصُوْمَ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ، قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ : فَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا قَالَ: فَصُمْ صَوْمَ دَاوٗدَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ فَاِنَّهٗ كَانَ اَعْبَدَالنَّاسِ قَالَ قُلْتُ يَانَبِيَّ اللّٰهِ وَمَاصَوْمُ دَاوٗدَ؟ قَالَ :كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يومًا، قَالَ: وَاقْرَاِ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ، قَالَ فَاقْرَاْهُ فِيْ كُلِّ عِشْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ: فَاقْرَاْهُ فِيْ كُلِّ عَشْرٍ قَالَ قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنِّيْ اُطِيْقُ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ : فَاقْرَأْهُ فِيْ سَبْعٍ وَلَاتَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ۔ فَاِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا قَالَ: فَشَدَّدْتُ فَشُدِّدَ عَلَيَّ۔ قَالَ: وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اِنَّكَ لَاتَدْرِيْ لَعَلَّكَ يَطُوْلُ بِكَ عُمْرٌ قَالَ : فَصِرْتُ اِلَى الَّذِيْ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَمَا كَبِرْتُ وَدِدْتُ اَنِّيْ كُنْتُ قَبِلْتُ رُخْصَةَ نَبِيِّ اللّٰهِ ﷺ۔(۴۳)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے پختہ عزم کر لیا اس بات کا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور ہر رات کو پورا قرآن پاک تہجد میں پڑھا کروں گا۔ کہتے ہیں کہ میرے اس عندیے کا نبی ﷺ کی خدمت میں تذکرہ کیا گیا یا آپؐ نے خود مجھے کسی کے ذریعہ طلب فرمایا۔ بہر حال میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے یہ ٹھیک سنا ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھا کرو گے اور ہر رات ایک قرآن ختم کیا کرو گے؟ میں نے عرض کیا اے خدا کے نبی ﷺ! ہاں میں نے یہ کہا ہے مگر اس سے میری مراد تو بھلائی اور خیر کی طلب ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: تیرے لیے بس یہ کافی ہے کہ تو ہر مہینے تین روزے رکھ لیا کرے۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا تجھ پر تیری بیوی کا ایک حق ہے اور تجھ پر تیرے پاس ملاقات کے لیے آنے والے کا بھی ایک حق ہے اور تجھ پر تیرے جسم کا بھی ایک حق

ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے نبی داؤدؑ کا روزہ رکھ لیا کرو۔ وہ سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بندے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اے خدا کے نبیؐ! حضرت داؤدؑ کس طرح روزہ رکھتے تھے؟ فرمایا: وہ ایک روز روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی آپؐ نے فرمایا: مہینے میں ایک دفعہ قرآن ختم کیا کرو۔ میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، تو فرمایا: اچھا بیس روز میں ایک مرتبہ قرآن ختم کرلیا کرو۔ میں نے پھر عرض کیا یا نبی اللہ! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا تو پھر دس دن میں۔ میں نے پھر عرض کیا اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تو پھر سات دن میں ایک قرآن۔ اس میں اضافہ مت کرو۔ کیونکہ تجھ پر تیری بیوی کا ایک حق ہے اور تجھ پر تیرے ملاقاتیوں کا بھی ایک حق ہے اور تجھ پر تیرے جسم کا بھی ایک حق ہے مگر میں نے اپنے آپ پر سختی کی تو مجھ پر سختی مسلّط ہوگئی۔ خود بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ تجھے معلوم نہیں کہ شاید تجھے لمبی عمر ملے اور تو اسے نباہ نہ سکے۔ عبداللہ بن عمرو خود کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ارشاد کی جانب جارہا ہوں اور عمر رسیدہ ہوگیا ہوں۔ اب میری خواہش ہے کہ کاش میں نے آپؐ کی عطا کردہ رخصت کو مان لیا ہوتا۔

﴿۴﴾ اَنَّ عَبۡدَاللّٰهِ بۡنَ عَمۡرٍو، قَالَ: اُخۡبِرَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ اَنِّیۡ اَقُوۡلُ وَاللّٰهِ لَاَصُوۡمَنَّ النَّهَارَ وَلَاَقُوۡمَنَّ اللَّيۡلَ مَاعِشۡتُ فَقُلۡتُ لَهٗ قَدۡ قُلۡتُهٗ بِاَبِیۡ اَنۡتَ وَاُمِّیۡ، قَالَ: فَاِنَّكَ لَاتَسۡتَطِيۡعُ ذٰلِكَ فَصُمۡ وَاَفۡطِرۡ وَقُمۡ وَنَمۡ وَصُمۡ مِنَ الشَّهۡرِ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَاِنَّ الۡحَسَنَةَ بِعَشۡرِ اَمۡثَالِهَا وَذٰلِكَ مِثۡلُ صِيَامِ الدَّهۡرِ، قُلۡتُ: اِنِّیۡ اُطِيۡقُ اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِكَ، قَالَ فَصُمۡ يَوۡمًا وَاَفۡطِرۡ يَوۡمَيۡنِ، قُلۡتُ: اِنِّیۡ اُطِيۡقُ اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِكَ قَالَ: فَصُمۡ يَوۡمًا وَاَفۡطِرۡ يَوۡمًا وَذٰلِكَ صِيَامُ دَاوٗدَ وَهُوَ اَفۡضَلُ الصِّيَامِ، فَقُلۡتُ: اِنِّیۡ اُطِيۡقُ اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِكَ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا اَفۡضَلَ مِنۡ ذٰلِكَ۔(۴۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی طرح میری یہ بات پہنچ گئی کہ میں کہتا ہوں، خدا کی قسم! میں دن میں ضرور روزہ رکھوں گا اور رات کو قیام بھی لازماً کروں گا۔ یہ عمل میں زندگی بھر کرتا رہوں گا۔ آپؐ کے دریافت فرمانے پر میں نے عرض کیا۔ میں نے یہ یقیناً کہا ہے۔ اے رسولِ پاک میرے ماں باپ آپؐ پر نثار ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: تم اس پر عمل پیرا نہیں رہ سکو گے لہٰذا رکھو بھی اور چھوڑ بھی دیا کرو۔ قیام لیل بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ بس مہینے میں تین روز کے روزے رکھ لیا کرو۔ نیکی دس گنا بڑھا دی جاتی ہے۔ مہینے میں یہ تین دن کے روزے صیام الدہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے کی طرح ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپؐ نے فرمایا: اچھا تو پھر ایک دن روزہ رکھ لیا کرو اور دو دن افطار کرلیا کرو۔ میں نے پھر عرض کیا کہ میں اس سے زیادہ کام کی طاقت رکھتا ہوں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تو پھر تم ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن چھوڑ دو۔ یہ طریق حضرت داؤدؑ کا ہے اور روزے کے بارے میں افضل طریقہ ہے۔ میں نے پھر عرض کیا: میں تو اس سے زیادہ عمل کی طاقت رکھتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا اس سے افضل اور بہتر طریقِ عمل اور کوئی نہیں ہے۔

شبِ براءت سے متعلق ایک روایت کی علمی تحقیق

۹۷۔ ''ایک دفعہ شعبان کی پندرہویں شب کو حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کو بستر پر نہ پایا۔ اور وہ آپؐ کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے بقیع کے قبرستان پہنچیں۔ وہاں آپ کو موجود پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر آنحضرتؐ نے

فرمایا کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف توجہ فرماتا ہے اور قبیلۂ کلب کی بھیڑوں کے جس قدر بال ہیں اس قدر انسانوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔''

تشریح: حدیث کے مشہور امام، ترمذیؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور اپنی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند صحیح طور پر حضرت عائشہؓ تک نہیں پہنچتی۔ بعض دوسری روایات ہیں، جو کم درجہ کی کتبِ حدیث میں ملتی ہیں، اس رات کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس میں قسمتوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور پیدائش اور موت کے معاملات طے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ ہر ایک کی سند میں کوئی نہ کوئی کمزوری موجود ہے۔ اس لیے حدیث کی قدیم تر اور زیادہ معتبر کتابوں میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ تاہم اگر ان کی کوئی اصلیت تسلیم بھی کر لی جائے تو حد سے حد بس اتنا ہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا اور خدا سے مغفرت کی دُعا کرنا ایک اچھا فعل ہے۔ جسے انفرادی طور پر لوگ کریں تو ثواب پائیں گے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز ان روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی جس سے یہ سمجھا جائے کہ چودہویں کو یا پندرہویں شب کو اسلام میں عید قرار دیا گیا ہے یا کوئی اجتماعی عبادت مقرر کی گئی ہے۔

حدیث کی زیادہ معتبر کتابوں سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر رمضان کی آمد سے پہلے ہی شعبان کے مہینہ میں ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری جیسے عظیم الشان منصب پر مامور کیا گیا اور قرآن جیسی لازوال کتاب کے نزول کا آغاز ہوا اس وجہ سے نہ صرف رمضان میں آپؐ غیر معمولی طور پر عبادت فرمایا کرتے تھے بلکہ اس سے پہلے ہی آپؐ کی لو خدا سے لگ جاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رمضان کے سوا سال کے باقی گیارہ مہینوں میں صرف شعبان ہی ایسا مہینہ تھا جس میں آپؐ سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے، بلکہ تقریباً پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے گزر جاتا تھا۔[1] لیکن آپؐ کا یہ طرزِ عمل اپنی ذات کے لیے خاص تھا۔ اور اس گہرے روحانی تعلق کی بنا پر تھا جو نزولِ قرآن کے مہینے سے آپؐ کو تھا۔ رہے عام مسلمان، تو اُن کو آپؐ نے ہدایت فرما دی تھی کہ ماہِ شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزے نہ رکھا کریں، کیونکہ اس میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر عادۃً لوگ اس مہینہ کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے لگے، تو رفتہ رفتہ یہ ایک لازمی رسم بن جائے گی اور رمضان کے فرض روزوں پر خواہ مخواہ دس پندرہ مزید روزوں کا اضافہ ہو جائے گا، اور اس طرح لوگوں پر وہ بار پڑ جائے گا جو خدا نے ان پر نہیں رکھا ہے۔

اسلام میں خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ خدا نے اپنے بندوں کے لیے لازم کیا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری چیز بندے خود اپنے اوپر لازم نہ کر لیں۔ کوئی خود ساختہ رسم، کوئی مصنوعی قاعدہ، کوئی اجتماعی عمل ایسا نہ ہو جس کی پابندی لوگوں کے لیے فرض کی طرح بن جائے۔ خدا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی بھلائی کن چیزوں کی پابندی میں ہے اور کس چیز کی کتنی پابندی میں ہے۔ اس کی قائم کی ہوئی حدوں سے تجاوز کر کے اگر بندے بطورِ خود کچھ رسمیں مقرر کر لیں گے اور فرض کی طرح ان کی پابندی کریں گے تو اپنی زندگی کو آپ تنگ کر لیں گے۔ پچھلی قوموں نے یہی غلطی کی تھی کہ نئی نئی رسمیں ایجاد کر کے اپنے اوپر فرائض اور واجبات کے ردّے چڑھاتی چلی گئیں اور رفتہ رفتہ رسمیات کا ایک ایسا تانا بانا اپنے گرد بُن ڈالا جس کے جال نے آخر کار ان کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر رکھ دیے۔ قرآن ان رسموں کو زنجیروں سے تشبیہ

---

[1] ملاحظہ ہو باب صیام التطوع۔ حدیث ۷۹، ۸۰، ۸۱۔

دیتا ہے اور حضرت محمد ﷺ کے مشن کا ایک بڑا کام یہ بتاتا ہے کہ ان زنجیروں کو کاٹ پھینکیں جن میں انسان نے اپنے آپ کو خود کس رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ شریعتِ محمدی میں فرائض کا ایک نہایت ہلکا اور سادہ ضابطہ تجویز کر کے باقی تمام رسموں کا خاتمہ کردیا گیا۔ عید اور بقرعید کے سوا کوئی تہوار نہ رکھا گیا۔ حج کے سوا کوئی جاترا نہ رکھی گئی، زکوٰۃ کے سوا کوئی نذر و نیاز یا دان پُن کو فرض نہ کیا گیا۔ اور ہمیشہ کے لیے یہ اصول طے کردیا گیا کہ انسان کو جس طرح خدائی فرض میں کوئی چیز کم کرنے کا حق نہیں ہے، اسی طرح کوئی چیز بڑھانے کا بھی حق نہیں ہے۔ (شب براءت)

تخریج: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، نَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، نَا الْحَجَّاجُ ابْنُ اَرْطَاةَ، عَنْ يَحْيَ بْنِ اَبِى كَثِيرٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: فَقَدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَيْلَةً، فَخَرَجْتُ، فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيعِ۔ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ؟ قُلْتُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ظَنَنْتُ اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ، فَقَالَ : اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلٰى سَمَآءِ الدُّنْيَا، فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔(٤٥)

وفى الباب عن ابى بكر الصديق۔

قال ابوعيسٰى: حديث عائشة لانعرفه الا من هذا الوجه من حديث الحجاج وسمعت محمدا يقول يضعف هذا الحديث۔ وقال يحي بن ابى كثير لم يسمع من عروة وقال محمد والحجاج لم يسمع من يحي بن ابى كثير۔

پیر اور جمعرات کے نفلی روزوں کی فضیلت

٩٨ ۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسَ۔ (ترمذی، نسائی)

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن نفلی روزہ رکھا کرتے تھے۔"

تشریح: آگے ایسی حدیثیں آرہی ہیں جن میں نفلی روزوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے مختلف طرزِ عمل منقول ہوئے ہیں، اس لیے اس سلسلہ میں ایک بات ابتدا میں سمجھ لینی چاہیے۔

رسول اللہ ﷺ کا دور گزر جانے کے بعد جب لوگوں نے مختلف صحابہؓ سے حضورؐ کے معمولات کے بارے میں پوچھا تو جس صحابی کے علم میں جو چیز تھی اس نے وہ بیان کردی۔ اس لیے اگر آپ کو ان احادیث میں کہیں اختلاف نظر آئے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان میں کوئی تضاد پایا جاتا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نفلی روزوں کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی ایک ہی لگا بندھا معمول نہیں تھا۔ کبھی آپؐ کسی طرح عمل کرتے تھے اور کبھی کسی طرح۔ کیونکہ نوافل کے معاملے میں آزادی ہے۔ فرض میں تو یہ ہوتا ہے کہ جو چیز مقرر کردی گئی وہی مقرر ہے لیکن نوافل میں یہ پابندی نہیں ہوتی۔ نوافل کے معاملے میں مختلف زمانوں میں اور مختلف اوقات میں رسول اللہ ﷺ کا عمل مختلف رہا، چنانچہ جن لوگوں کے علم میں حضورؐ کا جو معمول تھا انہوں نے وہی بیان کیا۔

یہاں حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نفلی روزہ پیر اور جمعرات کے دن رکھا کرتے تھے ـــ پیر کے دن کے متعلق پہلے ایک حدیث میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ میں پیر کے روز پیدا ہوا ہوں اور پیر ہی کے روز مجھ پر سب سے پہلے وحی نازل ہوئی۔ اس لیے پیر کے دن کی یہ فضیلت ہے ـــ جمعرات کی فضیلت آگے آرہی ہے۔

تخریج ⟨۱⟩ : اَخْبَرَنَا اِسْحَاقُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ بْنِ حَبِيبِ بْنِ الشَّهِيدِ، قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَ بْنُ يَمَانٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنِ الْمُسَيَّبِ بْنِ رَافِعٍ، عَنْ سَوَاءٍ الْخُزَاعِيِّ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ۔(٤٦)

ترمذی اور نسائی دونوں نے حضرت عائشہؓ سے یہ روایت بھی بیان کی ہے:

⟨۲⟩ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَتَحَرّٰى صَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسَ۔(٤٧)

قال ابو عيسٰى حديث عائشة حديث حسن غريب من هذا الوجه۔

ابوداؤد کتاب الصوم میں ہے:

⟨۳⟩ فَكَانَ يَصُومُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ۔

پیر اور جمعرات کے دنوں کی فضیلت

۹۹۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِي وَاَنَا صَائِمٌ۔ (ترمذی)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز اعمال کی پیشی ہوتی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حالت میں پیش ہو کہ میں روزے سے ہوں۔''

تشریح: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پیر اور جمعرات کے دن کو نفلی روزے کے لیے کیوں ترجیح دیتے تھے ـــ رہا یہ سوال کہ پیر اور جمعرات کے روز اعمال کی کیسی پیشی ہوتی ہے تو اس کا علم صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کو حاصل ہے، کوئی دوسرا شخص وضاحت کے ساتھ اس کو نہیں جان سکتا، کیونکہ اعمال کی پیشی کا ذکر مختلف صورتوں میں آیا ہے۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کس کس نوعیت کی پیشیاں ہوتی ہیں۔

تخریج ⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰ، نَا اَبُوعَاصِمٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:تُعْرَضُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ فَاُحِبُّ اَنْ يُّعْرَضَ عَمَلِي وَاَنَا صَائِمٌ۔(٤٨)

قال ابو عيسٰى: حديث ابى هريرة فى هذا الباب، حديث حسن غريب۔

دارمی کے الفاظ:

﴿۲﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ، فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ : اِنَّ الْاَعْمَالَ تُعْرَضُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ۔ (۴۹)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ میں نے آپؐ سے عرض کیا (کہ آپؐ ان ایام کا روزہ کیوں رکھتے ہیں) تو فرمایا: پیر اور جمعرات کے روز اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔

ہر مہینے کی تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخوں میں روزہ رکھنے کی ہدایت

۱۰۰۔ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : یَا اَبَا ذَرٍّ، اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ، فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔ (ترمذی، نسائی)

''حضرت ابوذر غفاریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر! اگر مہینے میں تین دن کے روزے رکھنا چاہو تو تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے روزے رکھا کرو۔''

تشریح: حضورؐ نے متعدد لوگوں کو یہ بات سکھائی ہے کہ اگر مہینے میں تین روزے رکھنے ہوں تو تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخوں کو رکھے جائیں۔ اگرچہ ایسا کرنا لازم نہیں ہے لیکن آپؐ نے اس طریقے کو پسند فرمایا ہے۔ اور خود آپؐ کا عمل بھی یہ تھا۔

تخریج : حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ غَیْلَانَ، نَا اَبُوْدَاوٗدَ، اَنْبَانَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَعْمَشِ، قَالَ: سَمِعْتُ یَحْیَی بْنَ بَسَّامٍ یُحَدِّثُ عَنْ مُوْسٰی بْنِ طَلْحَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا ذَرٍّ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : یَا اَبَا ذَرٍّ، اِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ، فَصُمْ ثَلٰثَ عَشْرَةَ وَاَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔ (۵۰)

وَفِی الباب عَنْ اَبِیْ قتادة وعبدالله بن عمرو وقُرَّة بن ایاس الْمزنی وعبدالله بن مسعود وابی عَقْرَبَ وابن عباس وعائشة وقتادة بن ملحان وعثمان بن ابی العاص وجریر۔

قال ابوعیسٰی: حدیث ابی ذَرٍّ حدیث حسن ۔

حضورؐ ہر مہینے کے ابتدائی تین دنوں کے روزے رکھتے تھے

۱۰۱۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ کُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ وقَلَّمَا کَانَ یُفْطِرُ یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

''حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہینے کے آغاز میں تین روزے رکھا کرتے تھے اور کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ آپ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھیں۔''

تشریح : اس حدیث میں دو باتیں وضاحت طلب ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ابھی گزشتہ حدیث میں یہ آیا ہے، اور دوسری حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضورؐ ہر

مہینے کی تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں تاریخ کو روزہ رکھا کرتے تھے اور اسی چیز کی آپؐ نے ہدایت بھی فرمائی ہے لیکن اس حدیث میں یہ بات آئی ہے کہ آپؐ مہینے کے آغاز میں روزہ رکھا کرتے تھے۔

اس اختلاف کی وجہ کیا ہے ــــ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفلی روزہ کسی اعلان کے ساتھ نہیں رکھا جاتا۔ نہ آدمی خود اعلان کرتا ہے اور نہ کوئی لازمی موقع ایسا پیدا ہوتا ہے جس سے دوسروں کو یہ پتہ چل جائے کہ فلاں شخص روزے سے ہے۔ حتّٰی کہ بعض اوقات خود بیوی تک کو یہ معلوم ہونا ضروری نہیں ہوتا کیونکہ اگر شوہر نے کہیں باہر دن گزارا ہے اور گھر آکر کھانا نہیں کھایا تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ لازماً اس نے کہیں باہر سے کھانا کھالیا ہے ــــ چنانچہ لازمی طور پر کسی شخص کے روزے کا پتہ نہیں چل سکتا ــــ اب جن لوگوں کو بعض آثار سے یہ معلوم ہوجاتا تھا کہ آج حضورؐ روزے سے ہیں تو وہ اپنی جگہ یہ رائے قائم کرتے تھے کہ نفلی روزوں کے بارے میں حضورؐ کا معمول یہ ہے۔ اس طرح ہر ایک کا اپنا اپنا قیاس اور اندازہ ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے جو بات جس طرح کسی کے علم میں آئی اس نے اسی طرح بیان کردی۔ چنانچہ اگر کسی کے علم میں یہ بات آئی کہ آپؐ تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کا روزہ رکھتے ہیں تو اس نے اسی کو بیان کیا۔ اگر کسی کے علم میں یہ آیا کہ آپؐ مہینے کے آغاز میں روزہ رکھتے ہیں تو اس نے اسی کو بیان کردیا ــــ لیکن یہ عین ممکن ہے کہ نبی ﷺ مہینے میں پندرہ دن کے روزے رکھ لیتے ہوں، کبھی مہینے کے آغاز میں، کبھی درمیان میں اور کبھی جمعہ کو بھی۔ اس طرح یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ حضورؐ مہینے میں صرف تین ہی دن کے روزے رکھتے تھے اور وہ فلاں فلاں تاریخ کے ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ بیان ان احادیث کے خلاف نہیں پڑتا جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضورؐ تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کا روزہ رکھتے تھے اور نہ یہ بیان اِن احادیث کے خلاف پڑتا ہے جن میں یہ کہا گیا ہے کہ حضورؐ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔

دوسری بات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ فرمائی ہے کہ کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ حضورؐ جمعہ کا روزہ نہ رکھتے ہوں۔ لیکن اس سے پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی ﷺ نے لوگوں کو جمعہ کے دن کو روزے کے لیے مخصوص کرلینے سے منع فرمادیا تھا۔ غور کرنے پر یہ اشکال بآسانی رفع ہوسکتا ہے۔ چونکہ حضورؐ کا روزہ رکھنا اعلان کے ساتھ نہیں ہوتا تھا اور عام پتہ بھی نہیں چل سکتا تھا کہ آپؐ نے کس کس دن کا روزہ رکھا ہے اس لیے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ چیز بہ کثرت دیکھنے کا اتفاق ہوا کہ آپؐ نے جمعہ کو روزہ رکھا ہے تو انہوں نے اپنے قیاس سے یہ رائے قائم کی کہ آپؐ جمعہ کو اکثر و بیشتر روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن یہ کوئی قطعی رائے نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ حضورؐ پہلے سے روزے رکھتے چلے آرہے ہوں اور جمعہ کا روزہ بھی ان میں آگیا ہو اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم میں صرف جمعہ کا روزہ آیا ہو۔ اس لیے انہوں نے یہ سمجھا کہ حضورؐ بہ کثرت جمعہ کا روزہ رکھنے کا اہتمام فرماتے ہیں۔ اس امکانی صورت کی موجودگی میں ان کا یہ بیان ان احادیث کے خلاف نہیں پڑتا جن میں التزام کے ساتھ جمعہ کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ دِينَارٍ، نَا عُبَيْدُاللّٰهِ بْنُ مُوسٰى وَطَلْقُ بْنُ غَنَّامٍ، عَنْ شَيْبَانَ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ زِرٍّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (۵۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر مہینے کے ابتدائی تین روزے رکھا کرتے تھے اور کم ہی ایسا ہوتا تھا کہ آپ جمعہ کے دن کا روزہ نہ رکھیں۔

وفی الباب عن ابن عمر و ابی ہریرۃ۔ قال ابو عیسیٰ حدیث عبداللہ حدیث حسن غریب۔

نفلی روزوں کے بارے میں حضورؐ کا ایک اور طریقہ

۱۰۲۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْاَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ، وَمِنَ الشَّهْرِ الْآخَرِ الثَّلَاثَاءَ وَالْاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيسَ۔ (ترمذی)

''حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مہینے ہفتہ، اتوار اور پیر کا روزہ رکھتے تھے اور دوسرے مہینے منگل، بدھ اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے۔''

تشریح: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی جو روایت اس سے پہلے گزری ہے وہ اس سے بالکل مختلف کیوں ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک مدّتِ دراز یعنی ۴۷، ۴۸ سال تک بقید حیات رہیں۔ چونکہ لوگوں کو حضورؐ کے معمولات، آپؐ کی ہدایات و احکام اور آپؐ کی زندگی کے حالات کی مستقل جستجو اور کھوج رہتی تھی اس لیے وہ سینکڑوں ہزاروں میلوں سے سفر کر کر کے مدینہ آتے تھے اور خاص طور پر حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، کیونکہ ان کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حالات زیادہ تفصیل سے جانتی اور بیان فرماتی ہیں۔ چنانچہ اس طویل مدت کے دوران میں مختلف اوقات میں بے شمار لوگوں نے آ کر ان سے حضورؐ کے حالات دریافت کیے ہیں۔ اب چونکہ ہر حدیث میں ہر بات کا پس منظر تو بیان نہیں کیا جاتا بلکہ صرف اتنی بات مذکور ہوتی ہے جو اس حدیث کے باب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو۔ اس لیے اس چیز کا تعیّن کرنا بہت مشکل ہوتا ہے کہ اصل مفصّل گفتگو کیا ہوئی تھی جس کا ایک حصّہ راوی نے بیان کیا ہے۔ اِس بناء پر مختلف روایات کے اختلاف کو مختلف احوال وشئون کے لحاظ سے مختلف نوعیّت کے جوابات اور بیانات پر محمول کیا جائے گا اور اسے تضاد قرار نہیں دیا جائے گا ـــ حضرت عائشہؓ نے کسی شخص کے پوچھنے پر یہ بتایا کہ حضورؐ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھتے تھے تو وہ شخص وہی بات پلّے باندھ کر لے گیا اور اس نے اُسی کو جا کر روایت کیا۔ اسی طرح کسی دوسرے شخص سے کسی اور موقع پر حضرت عائشہؓ نے یہ ذکر کیا کہ حضورؐ کسی مہینے فلاں دنوں کے روزے رکھتے تھے اور کسی مہینے فلاں دنوں کے، اور اگر ایک مہینے میں ایک دفعہ تین دن کے روزے رکھ لیتے تھے تو پھر دوسرے مہینے میں دوسرے تین دنوں کے روزے رکھ لیتے تھے تاکہ ہر دو مہینوں میں ہفتے کا کوئی دن ایسا نہ ہو جس میں آپؐ نے روزہ نہ رکھا ہو، تو اس شخص نے اُسی چیز کو روایت کیا ـــ چنانچہ دراصل اس طرح کی مختلف روایات مختلف مواقع سے تعلّق رکھتی ہیں اور ان کے متعلق یہ سوال اٹھانا کوئی معقول بات نہیں کہ نفلی روزوں کے بارے میں حضرت عائشہؓ کے علم میں حضورؐ کے جو مختلف معمولات آئے تھے انہوں نے وہ ہر گفتگو میں ہر ایک کے سامنے سب کے سب کیوں نہ بیان فرما دیے ـــ ایسا ہی معاملہ دوسرے صحابہؓ کا ہے۔ ان سے بھی مختلف روایات مروی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں آنے والے لوگ ان سے بہ کثرت مسائل پوچھتے رہے، کسی سے دس سال تک پوچھتے رہے، کسی سے تیس سال تک اور کسی سے چالیس سال تک۔ اس طرح ان ہزاروں لوگوں نے مختلف صحابہؓ سے مختلف مواقع پر جو بات سُنی اسے

انہوں نے اس طرح سے روایت کیا۔ یہ چیز کسی تضاد کا نہیں بلکہ اس امر کا ثبوت ہے کہ سننے والوں نے جو بات معلوم کی تھی انہوں نے اسی کو آگے پہنچایا۔

تخریج : حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلاَنَ، نَا اَبُوْاَحْمَدَ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ : نَا سُفيَانُ عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ خَيْثَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبتَ وَالاَحَدَ وَالاِثْنَيْنِ، وَمِنَ الشَّهْرِ الآخِرِ الثَّلاَثَاءَ وَالاَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ۔(۵۲)

قال ابوعيسٰى: هذا حديث حسن وروى عبدالرحمن بن مهدى هذا الحديث عن سفيان ولم يرفعه۔

نفلی روزوں کے متعلق حضرت اُمِّ سلمہؓ کو حضورؐ کی ہدایت

۱۰۳۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنِىْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلاَثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ اَوَّلُهَا الاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسُ۔ (ابو داؤد، نسائی)

''حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھے ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر مہینے تین دن کے روزے رکھا کروں اور ان کی ابتدا پیر یا جمعرات سے کیا کروں۔''

تشریح : اس روایت کو گزشتہ روایات کے ساتھ ملا کر دیکھنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نبی ﷺ نے نفلی روزوں کے بارے میں مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہدایات ارشاد فرمائیں۔ اس سے خود بخود یہ بات نکلتی ہے کہ نفلی روزوں میں کوئی لگا بندھا طریقہ نہیں ہے۔ اگر حضورؐ نے ہر شخص کو چند مخصوص دنوں ہی میں روزہ رکھنے کے لیے کہا ہوتا تو یہی قانون بن جاتا اور پھر جو شخص بھی نفلی روزہ رکھتا انہی دنوں میں رکھتا۔ اس لیے نبی ﷺ نے مختلف لوگوں کو مختلف طریقے بتائے تاکہ جب وہ جمع کیے جائیں تو معلوم ہو کہ اس معاملے میں کوئی ایک ہی مقرر طریقہ نہیں ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا زُهَيرُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ، عَنْ هُنَيْدَةَ الْخُزَاعِيِّ، عَنْ اُمِّهِ، قَالَتْ: دَخَلْتُ عَلَى اُمِّ سَلَمَةَ، فَسَاَلْتُهَا عَنِ الصِّيَامِ، فَقَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُنِىْ اَنْ اَصُوْمَ ثَلاَثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ۔ اَوَّلُهَا الاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسُ۔(۵۳)

کون سا شخص صائم الدہر ہے؟

۱۰۴۔ عَنْ مُسْلِمِ نِ الْقُرَشِيِّ قَالَ سَئَلْتُ اَوْسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ، فَقَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِىْ يَلِيْهِ وَكُلَّ اَرْبِعَاءَ وَخَمِيْسٍ فَاِذًا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهُ۔

(ابو داؤد، ترمذی)

''حضرت مسلم قُرشیؓ سے روایت ہے کہ میں نے یا کسی اور شخص نے رسول اللہ ﷺ سے صَومِ دَھر (ہمیشہ روزہ رکھنے) کے متعلق سوال کیا (کہ اس کا کیا حکم ہے؟) اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا: تمہارے بال بچوں کا بھی تم پر حق ہے۔ رمضان کے روزے رکھو اور اس سے ملحقہ مہینے یعنی شوال کے (چھ دنوں کے) روزے رکھو اور پھر ہر بدھ اور جمعرات کو بھی روزہ رکھ لیا کرو۔ اس طرح گویا تم ہمیشہ روزہ رکھنے والے شمار ہو گے۔''

تشریح: معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں چونکہ رہبانیت کا بہت زور تھا اس لیے اہلِ مذاہب میں راہب، سنیاسی اور جوگی وغیرہ قسم کے لوگ صَومِ دَھر کو بڑی فضیلت اور اہمیت دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ نیک آدمی وہ ہے جو صَائِمُ الدَّھر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضورؐ سے صَومِ دَھر کے متعلق بہ کثرت پوچھا گیا ہے اور آپؐ نے لوگوں کو بہ کثرت اس کے متعلق احکام بتائے ہیں۔۔۔ پیشِ نظر حدیث کے مطابق جب آپؐ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے پوچھنے والے سے فرمایا کہ تمہارے بال بچوں کا بھی تم پر حق ہے۔ یعنی جو شخص صَومِ دَھر رکھتا ہے وہ بال بچوں کے حقوق ادا نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے ایک حدیث میں تفصیل سے یہ بتایا جا چکا ہے کہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا، اور تمہارے پاس ملاقات کے لیے آنے والوں کا تم پر حق ہے اور صومِ دہری کے ساتھ یہ حقوق تم خوش اسلوبی سے ادا نہیں کر سکتے۔ اس طرح گویا حضورؐ نے عبادات کے سلسلے میں انتہا پسندی کا راستہ بند فرما دیا اور ہر ایسے شخص کے لیے جو فرائض سے زائد عبادت کرنا چاہتا ہے ایک اعتدال کا طریقہ مقرر فرما دیا۔

صَائِمُ الدَّھر بن کر بیٹھ رہنا ان لوگوں کا کام ہے جنہیں دنیا اور اس کے معاملات سے کوئی سروکار نہ ہو، اور ایسا وہی لوگ کر سکتے ہیں جو گوشوں میں جا کر بیٹھ رہیں۔ لیکن جن لوگوں کو دنیا میں خدا کی خلافت کا حق ادا کرنا ہے وہ یہاں شادی بیاہ بھی کریں گے، بال بچوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے، کاروبار اور تجارتیں اور ملازمتیں بھی کریں گے، عدالت کی کرسیوں پر بھی بیٹھیں گے اور حکومت کا کاروبار بھی چلائیں گے۔ غرض دنیا میں خلافتِ خداوندی کے جو کام ہیں وہ سب انہیں انجام دینے ہوں گے۔ ایسے لوگ صائم الدہر کیسے بن سکتے ہیں۔ پھر صائم الدہر بننے والے شخص کے بارے میں انسان جس بڑی سے بڑی نیکی اور اجر کی توقع کرتا ہے اس کے متعلق فرمایا گیا کہ وہ ساری نیکی اور سارا اَجر ایک بندۂ مومن کو اس صورت میں بھی حاصل ہو جائے گا جب کہ وہ اپنے باقی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ رمضان کے فرض روزوں کے بعد شوال کے چھے روزے اور ہر مہینے بدھ اور جمعرات کے روزے بھی رکھ لے۔

اس حدیث میں سائل کو بدھ اور جمعرات کا روزہ بتایا گیا ہے۔ اس سے پہلے کسی کو پیر اور جمعرات کا روزہ بتایا گیا اور کسی کو بعض دوسرے دنوں کا۔ اس طرح مختلف لوگوں کو مختلف دنوں کے روزے بتائے گئے۔ گویا مختلف اشخاص کے لیے مختلف نسخے ہیں۔ وہ حکیم کہ جس کے پاس ہر مریض کے لیے ایک ہی لگا بندھا نسخہ ہوتا ہے کوئی دانا حکیم نہیں ہوتا۔ دانا حکیم تو وہ ہوتا ہے جو مریض کے مزاج، اس کے حالات، اس کے ماحول کی طبعی خصوصیات، ملکی آب و ہوا کے خصائص وغیرہ غرض ہر چیز کو سامنے رکھ کر نسخہ تجویز کرتا ہے اور دوا اور خوراک مقرر کرتا ہے ۔۔۔ بالکل اسی طرح مختلف پوچھنے والوں میں سے ہر ایک کے حسبِ حال حضورؐ نے نفلی روزوں کے متعلق مختلف طریقے ارشاد فرمائے اور ان میں سے ہر طریقہ اپنی اپنی جگہ پر یکساں اَجر و ثواب کا موجب ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ مُحَمَّدِ نِ الْحَرِيرِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ مَدُّوِيَةَ، قَالَا : نَا عُبَيْدُاللهِ بْنُ

مُوسٰی، نَاهَارُوْنُ بْنُ سَلْمَانَ عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ الْمُسْلِمِ الْقُرَشِيِّ، عَنْ اَبِيهِ، قَالَ : سَاَلْتُ اَوْ سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ، فَقَالَ اِنَّ لِاَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، ثُمَّ قَالَ :صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِى يَلِيهِ وَكُلَّ اَرْبِعَاءَ وَخَمِيسٍ فَاِذًا اَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ وَاَفْطَرْتَ۔(٥٤)

وفی الباب عن عائشة قال ابوعیسٰی حدیث المسلم القرشی حدیث غریب وروی بعض عن هارون بن سلمان عن مسلم بن عبید الله عن ابیه۔

میدانِ عرفات میں یومِ عرفہ کا روزہ رکھنا درست نہیں

۱۰۵۔ عَنْ اَبِى هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ۔ (ابوداود)

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفات میں عرفہ کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمادیا تھا۔''

تشریح: اس سے پہلے بعض احادیث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ عرفہ کے دن کا روزہ بڑی فضیلت رکھتا ہے اور اس روزے کی فضیلت یہاں تک بیان ہوئی ہے کہ یہ ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔اس بنا پر لوگ اس کی بہت پابندی کرتے تھے لیکن حضورؐ نے حاجیوں کو یہ روزہ رکھنے سے منع فرمادیا۔

پہلے بھی یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ حج ایک بڑی مشقت کا کام ہے اس لیے حضورؐ نے حالتِ حج میں روزہ رکھنے سے منع فرمادیا تھا۔اصل میں آدمی کو ایک عبادت کا حق ہے ــــ جسے وہ انجام دے رہا ہو، پوری طرح ادا کرنا چاہیے۔اگر وہ حج کررہا ہے تو وہ حج ہی کا حق پوری طرح ادا کرے۔حج کے اندر کٹوتی کر کے کچھ نفلی روزے کا بھی حق ادا کرنے کی کوشش کرنا، جس سے آدمی نہ پوری طرح حج کا حق ادا کرسکے اور نہ نفلی روزے کا، درست نہیں ہے۔پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ حج تو خود ایک بہت بڑی نیکی اور بڑا اہم فریضہ ہے۔اس کے ساتھ ایک نفلی عبادت بڑھا کر اپنے لیے ایسی مشقت پیدا کرلینا جس کی وجہ سے ایک شخص اس فریضے کے مناسک میں سے کوئی چیز چھوڑنے پر مجبور ہوجائے، کوئی معقول بات نہیں۔یہاں تو دراصل نیکیوں میں بھی ایک توازن مطلوب ہے اور اسے ملحوظ رکھ کر ہی آدمی کو نیکی انجام دینی چاہیے۔

تخریج : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، ثَنَا حَوْشَبُ بْنُ عَقِيلٍ، عَنْ مَهْدِيِّ الْهَجَرِيِّ، ثَنَا عِكْرِمَةُ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ اَبِى هُرَيْرَةَ فِى بَيْتِهِ فَحَدَّثَنَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ۔(٥٥)

ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا جائز نہیں

۱۰۶۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ اُخْتِهِ الصَّمَّاءِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَاتَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ اِلَّا فِيمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ، فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اَحَدُكُمْ اِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ اَوْعُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ۔

(مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی،ابن ماجه، دارمی)

''حضرت عبداللہ بن بسر اپنی بہن صمّاءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو الّا یہ کہ

ہفتہ اس دن آجائے جس میں روزہ رکھنا تم پر فرض ہو۔ اگر کسی شخص نے غلطی سے ہفتے کے دن کا روزہ رکھ لیا اور روزہ توڑنے کے لیے اسے انگور کا چھلکا یا کسی درخت کی چھال ہی مل جائے تو وہ اسی کو چبا کر روزہ توڑ دے۔‘‘

تشریح: ’’جس دن میں روزہ رکھنا فرض ہو‘‘ کے الفاظ سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ ہفتہ اگر رمضان کے اندر آجائے، جیسا کہ آتا ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے کہ اگر تمہیں رمضان کے روزوں کی قضا ادا کرنی ہے یا کفارے کے روزے رکھنے ہیں اور بیچ میں ہفتہ آرہا ہے تو اس کا روزہ رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن خاص طور پر سَبت یعنی ہفتے کے دن کا قصد کر کے روزہ رکھنا درست نہیں۔ یہ ممانعت یہاں تک ہے کہ اگر کسی شخص نے غلطی سے ہفتے کا روزہ رکھ لیا تو اسے توڑ دینا چاہیے —— یہ اس لیے کہ ہفتہ یہودیوں کے نزدیک مقدّس دن ہے اور ان کے ہاں اس کا روزہ رکھنے کا التزام کیا جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ ہفتے کے دن کو روزہ رکھنے کے لیے مخصوص کر لینا یا اس دن اکثر روزہ رکھنا، یا کبھی کبھار بھی اس کا انتخاب کر کے روزہ رکھنا ممنوع ہے، اور اگر کسی شخص نے یہ روزہ رکھ ہی لیا ہو تو اسے چاہیے کہ توڑ دے۔ معلوم ہوا کہ اس معاملے میں شدت ہے اور اس چیز کی اجازت نہیں ہے کہ اگر کسی نے غلطی سے روزہ رکھ لیا ہو تو وہ اسے پورا کرے۔ یہ شدت اس لیے اختیار کی گئی کہ اہلِ اسلام اور یہود و نصاریٰ کے درمیان مشابہت پیدا نہ ہو۔ کیونکہ مسلمانوں کو ایک امت کی حیثیت سے اپنا امتیاز قائم کرنا چاہیے اور اسے سختی سے قائم رکھنا بھی چاہیے۔ مسلمان ان امتیازی سرحدوں کو جتنا زیادہ دھندلا کرتے چلے جائیں گے اتنا ہی وہ یہود و نصاریٰ میں گم ہوتے چلے جائیں گے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ ان کے درمیان یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے گا کہ کون کیا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مُسْعِدَةَ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَبِيْبٍ، ح وَثَنَا يَزِيْدُ بْنُ قُبَيْسٍ مِنْ اَهْلِ جَبَلَةَ، ثَنَا الْوَلِيْدُ، جَمِيْعًا عَنْ ثَوْرِبْنِ يَزِيْدَ، عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بُسْرِ السُّلَمِيِّ، عَنْ اُخْتِهٖ، وَقَالَ يَزِيْدُ الصَّمَّآءُ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَاتَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ اِلَّا فِيْمَاافْتُرِضَ عَلَيْكُمْ، وَاِنْ لَّمْ يَجِدْ اَحَدُكُمْ اِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ اَوْعُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ۔(۵۶)

قال ابو داوٗد، وهٰذا حديث منسوخ۔

قال ابوعيسٰى هذا حديث حسن، ومعنى الكراهية فى هذا ان يختص الرجل يوم السبت بصيام لان اليهود يعظّمون يوم السبت۔

خدا کی راہ میں ایک دن کے روزے کا غیر معمولی اجر

۱۰۷۔ عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ صَامَ يَوْمًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (ترمذی)

’’حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کے اور دوزخ کے درمیان اتنی وسیع خندق حائل کر دیتا ہے جتنی آسمان اور زمین کی دوری ہے۔‘‘

تشریح : ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو متعدد مرتبہ مختلف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ اس سے پہلے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں حضور کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں ایک دن کا روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے ستر سال کے فاصلے تک دور کر دیتا ہے۔ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا مطلب یہ بیان کیا گیا تھا کہ اس سے جہاد فی سبیل اللہ بھی مراد ہے اور حج اور عمرے کا سفر بھی۔ اسی طرح علمِ دین کی تحصیل کے لیے سفر کرنا اور لوگوں کو اللہ کی راہ کی طرف دعوت دینے کے لیے نکلنا بھی ''فی سبیل اللہ'' کی تعریف میں آتا ہے۔ بہرحال جس آدمی کا سفر اللہ کی راہ میں ہو اور وہ اس حالت میں نفلی روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے اتنے بڑے اجر سے نوازے گا۔

یہ بات بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ یہ احادیث اس غرض کے لیے نہیں بیان کی گئی ہیں کہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ بس کسی ایک وقت میں تبلیغی سفر پر نکل گئے اور اس سفر میں ایک دن کا روزہ رکھ لیا تو اب ہمیشہ کے لیے جہنم سے خلاصی ہو گئی۔ ان احادیث کا یہ مفہوم لینا درست نہیں ہے۔ اصل مدعا یہ ہے کہ جو لوگ فی الواقع خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض بھی انجام دے رہے ہوں اور اللہ کی راہ میں اپنے اوقات اور محنتیں اور قابلیتیں بھی صرف کر رہے ہوں ان کے لیے ایک ایک نفلی عبادت کا اتنا کچھ اجر ہے۔

آسمان اور زمین کی دوری کے برابر خندق بنا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ واقعی خندق کھودی جاتی ہے بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ اس شخص کے اور دوزخ کے درمیان ایک بہت بڑا فاصلہ حائل کر دیا جاتا ہے اور وہ اسی قدر دوزخ سے محفوظ ہو جاتا ہے ــــ آگے بھی اسی مضمون کی ایک حدیث آ رہی ہے جس میں دوسرے طریقے سے اس کو بیان کیا گیا ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا زِيَادُ بْنُ اَيُّوبَ، ثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُوْنَ، ثَنَا الْوَلِيْدُ بْنُ جَمِيْلٍ، عَنِ الْقَاسِمِ اَبِى عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ صَامَ يَوْمًا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جَعَلَ اللّٰهُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ (۵۷) (هذا حديث غريب من حديث ابى امامة)

سرما کا روزہ غنیمت بارِدَہ

۱۰۸۔ عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْغَنِيْمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِى الشِّتَاءِ۔

(مسند احمد، ترمذی)

''حضرت عامر بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاڑے کے زمانے کا روزہ غنیمت باردہ ہے۔''

تشریح: غنیمت باردہ اس مال کو کہتے ہیں جو مفت میں ہاتھ آ جائے اور اس کے لیے کوئی محنت و مشقت نہ کرنی پڑے۔ نہ تو اس پر کچھ خرچ اٹھے اور نہ اس کے لیے جان جوکھوں میں ڈالنی پڑے۔

جاڑے کے زمانے میں روزے کی نوعیت بھی مفت ہاتھ آئے ہوئے مال کی سی ہے کیونکہ اس میں کوئی زیادہ تکلیف نہیں اٹھانی پڑتی۔

یہاں اس روزے سے مراد رمضان کا روزہ بھی ہے اور نفلی روزہ بھی۔ رمضان کے روزے بھی آدمی کو مفت کا ثواب دلوا دیتے ہیں اور نفلی روزوں کا بھی یہی معاملہ ہے، کیونکہ ان میں گرما کی سی سختی اور تکلیف سے سابقہ پیش نہیں آتا۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا يَحيَ بْنُ سَعِيدٍ، نَا سُفيَانُ عَنْ اَبِىْ اِسْحَاق، عَنْ نُمَيرِ بْنِ عُرَيْبٍ عَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَلْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِى الشِّتَاءِ۔(۵۸)

قال ابوعیسٰی هذا حدیث مرسل۔ عامر بن مسعود لم یدرك النبی ﷺ والد ابراهیم بن عامر القرشی الذی روی عنه شعبة والثوری۔

"السنن الکبریٰ" میں دو روایتیں اور بھی منقول ہیں:

⟨۲⟩ اَخبَرَنَا اَبُوالْحُسَيْنِ بْنُ فَضْلٍ نِالْقَطَّانُ اَنبأَ اَبُوسَهْلٍ بْنُ زِيَادِ نِالْقَطَّانُ ثَنَا اِسمَاعِيلُ الْقَاضِىُ ثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنهَالٍ ثَنَا هَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسٍ ح وَاَخْبَرَنَا اَبُوبَكْرِ الْقَاضِىُ وَاَبُوسَعِيدِ ابْنُ اَبِىْ عَمْرٍو قَالاَ، ثَنَا اَبُوالْعَبَّاسِ اَلْاَصَمُّ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ الصَّفَانِىُّ، ثَنَا عَفَّانُ، ثَنَا هَمَّامٌ، ثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا اَنَسٌ قَالَ اَبُوهُرَيْرَةَ اَلاَ اَدُلُّكُم عَلَى الْغَنِيمَةِ الْبَارِدَةِ قَالَ: قُلْنَا: وَمَاذٰلِكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ؟ قَالَ : اَلصَّوْمُ فِى الشِّتَاءِ ۔ (هذا موقوف)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، کیا تمہیں نہ بتاؤں کہ غنیمتِ باردہ کیا ہے؟ ہم نے عرض کیا اے ابو ہریرہؓ وہ کیا ہے (ضرور بتائیں) حضرت ابو ہریرہؓ نے بتایا کہ وہ ہے موسم سرما میں روزہ۔

⟨۳⟩ اَخبَرَنَا اَبُو عَبْدِاللّٰهِ الْحَافِظُ، ثَنَا اَبُوالْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاق، ثَنَا اَبُوالْاَسْوَدِ، ثَنَا بْنُ لِهَيعَةَ، عَنْ دَرَّاجِ اَبِى السَّمْحِ، عَنْ اَبِى الْهَيْثَمِ۔ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِالْخُدْرِىِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلشِّتَاءُ رَبِيعُ الْمُؤْمِنِ قَصَرَ نَهَارُهُ، فَصَامَ وَطَالَ لَيْلُهُ فَقَامَ۔(۵۹)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاڑے کا موسم مومن کے لیے موسم بہار ہے۔ اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں تو روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے اور اس کی راتیں لمبی ہوتی ہیں تو اس کا قیام سہل رہتا ہے۔

عاشوراء کا روزہ حضرت موسیٰؑ کی سنت ہے

۱۰۹۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَاهٰذَا الْيَوْمُ الَّذِىْ تَصُوْمُوْنَهُ: فَقَالُوْا : هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ۔ (متفق علیه)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ (ہجرت کے بعد) مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا: یہ کیسا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ عظیم الشان دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اور آپ کی قوم کو نجات دلائی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو غرق

کر دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اس روز اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تب ہم تم سے بڑھ کر موسیٰؑ کے طریقے پر چلنے کے حق دار اور اہل ہیں۔ پھر حضورؐ نے اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔''

تشریح: اس بیان سے خود بخود یہ معلوم ہوا کہ یہ مدنی زندگی کے آغاز کی بات ہے اور اس وقت ابھی رمضان کے روزے فرض نہیں ہوئے تھے۔ نیز اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت نہیں آئی تھی کہ آپ یہود ونصاریٰ سے اپنا طریقہ الگ کرلیں۔ اس ہدایت کے آنے سے پہلے آپؐ کا طریقہ یہ رہا کہ جب تک کسی معاملے میں اللہ کا حکم نہ آئے اہل کتاب کے طریقے پر عمل کیا جائے۔ یہ آپؐ کا معمول تھا اور اسی کی بنا پر آپ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے تا آنکہ آپؐ کے پاس تحویل قبلہ کے احکام آگئے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ شریعت میں بھی بعض دنوں کو یادگار کی حیثیت دی گئی ہے اور یادگار بنانے کے لیے ان دنوں کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کا کوئی غیر معمولی نشان ظاہر ہوا ہو۔ جیسے یہی عاشوراء کا دن ہے کہ اس روز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اور ان کی قوم کو مصر سے نکالا اور ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کیا۔ چنانچہ یہ دن شریعتِ موسویٰ میں یادگار قرار پایا۔ اس یادگار کی یہ شکل مقرر نہیں کی گئی کہ اس میں مصر سے نکلنے کی کہانیاں اور قصے بیان کیے جائیں اور اس کو میلے ٹھیلے کا دن بنایا جائے بلکہ اس دن کا روزہ رکھنا طے کیا گیا ـــ اسی طرح دیکھیے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس روز اللہ کی راہ میں اپنے بیٹے کو قربان کرنے کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں دُنبہ دے کر قربانی کرائی، اس عظیم الشان تاریخی دن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یادگار بنا دیا گیا اور تمام دنیا کے اہلِ ایمان کے لیے یہ طریقہ مقرر کر دیا گیا کہ وہ اس روز قربانی کر کے اس دن کی یاد تازہ کریں ـــ اسی طرح جس مہینے میں قرآن نازل ہوا تھا اس پورے مہینے کو نزولِ قرآن کی یادگار بنا دیا اور اسی غرض کے لیے رمضان کے روزے مقرر کیے گئے ـــ معلوم ہوا کہ شریعت یادگاروں کو عملاً تسلیم کرتی ہے لیکن اس کے لیے وہ معیار اور آداب بھی خود مقرر کرتی ہے اور اس کے یہ معیار اور آداب اس کی حقیقی روح کی نمائندگی کرتے ہیں۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنِی ابنُ اَبِی عُمَرَ، حَدَّثَنَا سُفیَانُ، عَنْ اَیُّوبَ، عَنْ عَبدِاللّٰہِ بنِ سَعِیدِ بنِ جُبَیرٍ، عَنْ اَبِیہِ، عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَدِمَ المَدِینَۃَ، فَوَجَدَ الیَھُودَ صِیَامًا یَومَ عَاشُورَاءَ فَقَالَ لَھُم رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَاھٰذَا الیَومُ الَّذِی تَصُومُونَہ؟ فَقَالُوا: ھٰذَا یَومٌ عَظِیمٌ اَنجَی اللّٰہُ فِیہِ مُوسٰی وَقَومَہٗ، وَغَرَّقَ فِرعَونَ وَقَومَہٗ فَصَامَہٗ مُوسٰی شُکرًا، فَنَحنُ نَصُومُہٗ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: فَنَحنُ اَحَقُّ وَاَولٰی بِمُوسٰی مِنکُم فَصَامَہٗ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَمَرَ بِصِیَامِہٖ۔(۶۰)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کے بعد) مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہودی عاشوراء کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا: یہ کیسا دن ہے جس کا تم روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا یہ وہ عظیم الشان دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو اور آپ کی قوم کو نجات دلائی اور فرعون کو اور اس کی قوم کو غرق کر دیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ اس روز اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: تب ہم تم سے بڑھ کر موسیٰؑ کے طریقے پر چلنے کے حق دار اور اہل ہیں۔ پھر حضورؐ نے اس دن کا روزہ رکھنا شروع کیا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیا۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا اَبُو مَعْمَرٍ، ثَنَا عَبْدُالْوَارِثِ، ثَنَا اَيُّوبُ، ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ اَبِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ فَرَاَى الْيَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَآءَ فَقَالَ : مَا هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هٰذَا يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ بَنِي اِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ فَصَامَهُ مُوسٰى، قَالَ : فَاَنَا اَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ۔(٦١)

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ یہود عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپؐ نے ان سے پوچھا: یہ کیسا دن ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ بہت صالح دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلائی تھی۔ چنانچہ موسیٰؑ نے اس دن کا روزہ رکھا تھا (ان کی اتباع میں ہم بھی رکھتے ہیں) تو آپؐ نے فرمایا: تب تو میں تم سے موسیٰؑ کے طریقہ پر چلنے کا زیادہ حق دار ہوں۔ اس کے بعد آپؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس کے رکھنے کا حکم دیا۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنِي زِيَادُ بْنُ اَيُّوبَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: اَخْبَرَنَا اَبُو بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَجَدَ الْيَهُودَ يَصُومُونَ عَاشُورَآءَ، فَسُئِلُوا عَنْ ذٰلِكَ، فَقَالُوا: هٰذَا هُوَ الْيَوْمُ الَّذِي اَظْهَرَ اللّٰهُ فِيهِ مُوسٰى وَبَنِي اِسْرَآئِيلَ عَلٰى فِرْعَوْنَ، وَنَحْنُ نَصُومُهُ تَعْظِيمًا لَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : نَحْنُ اَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْكُمْ ثُمَّ اَمَرَ بِصَوْمِهِ۔(٦٢)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہود کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے پایا۔ ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غلبہ عطا فرمایا تھا اور ہم اس دن کا روزہ تعظیم کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری نسبت ہم موسیٰؑ کے زیادہ حقدار ہیں پھر آپؐ نے اس روز روزہ رکھنے کا فرمان جاری فرمادیا۔

﴿۴﴾ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ اَوْ مُحَمَّدُ بْنُ عُبَيْدِاللّٰهِ الْغُدَانِيُّ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ اُسَامَةَ، اَخْبَرَنَا اَبُو عُمَيْسٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ عَنْ اَبِي مُوسٰى، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ الْمَدِينَةَ وَاِذْ اُنَاسٌ مِنَ الْيَهُودِ يُعَظِّمُونَ عَاشُورَآءَ وَيَصُومُونَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: نَحْنُ اَحَقُّ بِصَوْمِهِ فَاَمَرَ بِصَوْمِهِ۔(٦٣)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی یومِ عاشوراء کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور اس دن کا روزہ بھی رکھتے ہیں۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ہم اس دن کے روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں پھر آپؐ نے اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دے دیا۔

حضورؐ کے ہفتہ اور اتوار کا روزہ اکثر رکھنے کی حکمت

۱۱۰۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مَايَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ وَيَقُوْلُ : اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ۔ (مسند احمد)

''حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفلی روزوں میں اکثر ہفتے اور اتوار کا روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مشرکین کی عید کے دن ہیں (ان کے نزدیک مقدس دن ہیں) اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کے خلاف عمل کروں۔''

تشریح: یہاں مشرکین سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ ہفتے کا دن یہودیوں کے ہاں اور اتوار کا دن عیسائیوں کے ہاں مذہبی تقدس کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ اس بنا پر یہودیوں کے نزدیک ہفتے کا اور عیسائیوں (PRACTISING CHRISTIANS) کے نزدیک اتوار کا روزہ رکھنا نیکی ہے۔ لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ میں ان دونوں دنوں کا روزہ رکھ کر دونوں کے خلاف کرتا ہوں کیونکہ یہودی صرف ہفتے کے دن کا روزہ رکھتے ہیں اور اتوار کا نہیں رکھتے اور عیسائی صرف اتوار کا روزہ رکھتے ہیں ہفتے کا نہیں رکھتے۔ اس طرح اہل کتاب کے ہاں ان دونوں دنوں کی جس وجہ سے اہمیت تھی حضورؐ نے اسے برقرار بھی رکھا۔ لیکن دونوں کے طریقوں کو اپنایا بھی نہیں۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِى اَبِى، ثَنَا عَتَّابُ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ يَعْنِى ابْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ: اَخبَرَنِى عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عُمَرَ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ : ثَنَا اَبِى عَنْ كُرَيْبٍ، اَنَّهٗ سَمِعَ اُمَّ سَلَمَةَ تَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْاَحَدِ اَكْثَرَ مِمَّا يَصُوْمُ مِنَ الصِّيَامِ وَيَقُوْلُ : اِنَّهُمَا عِيْدَ الْمُشْرِكِيْنَ فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اُخَالِفَهُمْ۔(٦٤)

ترجمہ : حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے نفلی روزوں میں اکثر ہفتے اور اتوار کا روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ مشرکین کی عید کے دن ہیں (ان کے نزدیک مقدس دن ہیں) اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان کے خلاف عمل کروں۔

〈۲〉 اَنَّ كُرَيْبًا مَوْلٰى ابْنِ عَبَّاسٍ وَنَاسًا مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بَعَثُوْنِى اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ رضؓ اَسْأَلُهَا عَنْ اَىِّ الْاَيَّامِ كَانَ النَّبِىُّ ﷺ اَكْثَرَ لَهَا صِيَامًا؟ فَقَالَتْ يَوْمَ السَّبْتِ وَالْاَحَدِ فَرَجَعْتُ اِلَيْهِمْ، فَاَخْبَرْتُهُمْ، فَكَاَنَّهُمْ اَنْكَرُوْا ذٰلِكَ، فَقَامُوْا بِاَجْمَعِهِمْ اِلَيْهَا فَقَالُوْا : اِنَّا بَعَثْنَا اِلَيْكَ هٰذَا فِى كَذَا وَكَذَا فَذَكَرَ اَنَّكِ قُلْتِ كَذَا وَكَذَا فَقَالَتْ: صَدَقَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَكْثَرَ مَاكَانَ يَصُوْمُ مِنَ الْاَيَّامِ يَوْمَ السَّبْتِ وَالْاَحَدِ وَكَانَ يَقُوْلُ اِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَهُمْ۔(٦٥)

ترجمہ : کریب کو جو حضرت ابنِ عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے چند اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُمِّ سلمہؓ کی خدمت میں بھیجا کہ جا کر ان سے دریافت کرے کہ نبی ﷺ کن ایام میں باہتمام اکثر روزہ رکھا کرتے تھے (انہوں نے

جا کر پوچھا) تو حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا آپ ہفتہ اور اتوار کو اکثر روزہ رکھا کرتے تھے۔ میں نے واپس آ کر ان لوگوں کو بتایا کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے) انہوں نے اس کو غیر مانوس سمجھا اور سب اکٹھے ہو کر خود حضرت اُمّ سلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے ہم نے فلاں صاحب کو فلاں کام کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا اس نے ہمیں جا کر بتایا ہے کہ آپ نے اس طرح اور اس طرح اس کا جواب دیا ہے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے فرمایا یہ سچ کہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جن ایام کا اکثر روزہ رکھا کرتے تھے وہ ہفتہ اور اتوار کا دن ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں دن مشرکین کے لیے عید کے دن ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ ان کے خلاف عمل کروں۔

حضورؐ کا فرضیّت صیام رمضان سے پہلے عاشوراء کے روزے کی تاکید فرمانا

۱۱۱۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهٗ۔ (مسلم)

''حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یومِ عاشوراء کے روزے کا حکم دیا کرتے تھے اور ہمیں اس پر اُبھارا کرتے تھے اور ہم سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کس کس نے روزہ رکھا ہے۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے تو اس کے بعد نہ تو آپؐ نے ہمیں عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، نہ اس سے منع فرمایا اور نہ یہ پوچھا کہ کس کس نے یہ روزہ رکھا ہے۔''

تشریح: يَحُثُّنَا (ہمیں اُبھارتے تھے) کے الفاظ واضح کر دیتے ہیں کہ آپؐ نے عاشوراء کے روزے کو فرض یا واجب قرار نہیں دیا تھا بلکہ بس وہ ایک نیکی کا کام ہے جس پر حضورؐ لوگوں کو ابھارتے تھے۔

يَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ ہم سے پوچھا کرتے تھے کہ بھئی آج کس کس نے روزہ رکھا ہے۔ یہ بھی گویا ابھارنے اور ترغیب دلانے کا ایک طریقہ تھا جس سے لوگوں کو اس کی اہمیت سے آگاہ کرنا مقصود ہوتا تھا۔

پھر حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رمضان کے روزے فرض کر دیے گئے تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے نہ تو ہمیں عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور نہ اس سے منع کیا اور نہ پھر کبھی کسی سے پوچھا کہ آج کس نے روزہ رکھا ہے۔ اس طرح حضورؐ نے رمضان کی فرضیت کے بعد اس کی وہ پہلی اہمیت ختم کر دی۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِيْ شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ مُوْسٰى، اَخْبَرَنَا شَيْبَانُ، عَنْ اَشْعَثَ بْنِ اَبِي الشَّعْثَآءِ، عَنْ جَعْفَرِبْنِ اَبِيْ ثَوْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَأْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَآءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهٗ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهٗ۔(٦٦)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یومِ عاشوراء کے روزے کا حکم دیا کرتے تھے اور ہمیں اس پر اُبھارا کرتے تھے اور ہم سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کس کس نے روزہ رکھا ہے۔ پھر جب رمضان کے روزے فرض

کر دیے گئے تو اس کے بعد نہ تو آپؐ نے ہمیں عاشوراء کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا، نہ اس سے منع فرمایا اور نہ یہ پوچھا کہ کس کس نے یہ روزہ رکھا ہے۔

چار کام جنہیں حضورؐ کبھی ترک نہیں فرماتے تھے

۱۱۲۔ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِىُّ ﷺ صِيَامُ عَاشُوْرَآءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (نسائی)

''حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ چار کام ایسے ہیں جنہیں نبی ﷺ کبھی ترک نہیں فرماتے تھے: (۱) عاشوراء کا روزہ۔ (۲) ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے روزے۔ (۳) ہر مہینے کے تین روزے۔ (۴) فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعت سنت۔''

تشریح: اگرچہ حدیث کے متن میں عَشرَ (دس) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن اس سے ذی الحجہ کے ابتدائی نو دن مراد ہیں کیونکہ دسواں دن تو عید الاضحیٰ کا ہے۔

حضرت حفصہؓ کے بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی فجر کی سنتیں ترک نہیں کیں۔ حضورؐ ان کا ہمیشہ التزام فرماتے تھے اور آپؐ نے ان کی بہت زیادہ تاکید بھی فرمائی ہے۔ اسی لیے جو سنتیں فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت اور فضیلت انہی دو سنتوں کی آئی ہے۔

نفلی روزوں کے متعلق نبی ﷺ کے مختلف معمولات اور ان کی اہمیت کا تفصیلی ذکر گزشتہ احادیث میں آ چکا ہے۔

تخریج: اَخْبَرَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِى النَّضْرِ، قَالَ: حَدَّثَنِىْ اَبُوالنَّضْرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوْ اِسْحَاقَ الْاَشْجَعِىُّ كُوْفِىٌّ، عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ الْمُلَائِىِّ عَنِ الْحُرِّ بْنِ الصَّيَّاحِ، عَنْ هُنَيْدَةَ بْنِ خَالِدٍ الْخُزَاعِىِّ، عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ اَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِىُّ ﷺ صِيَامُ عَاشُوْرَآءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْغَدَاةِ۔(۶۷)

ترجمہ: حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ چار کام ایسے ہیں جنہیں نبی ﷺ کبھی ترک نہیں فرماتے تھے: (۱) عاشوراء کا روزہ۔ (۲) ذی الحجہ کے پہلے عشرے کے روزے۔ (۳) ہر مہینے کے تین روزے۔ (۴) فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعت سنت۔

حضورؐ ایامِ بیض کے روزے التزام سے رکھتے تھے

۱۱۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُفْطِرُ اَيَّامَ الْبِيْضِ فِىْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ۔ (نسائی)

''حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایام بیض کے (تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ کے) روزے کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ خواہ آپؐ گھر پر مقیم ہوں، خواہ سفر میں ہوں۔''

تشریح: اس سے پہلے بھی اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ حضورؐ کی نفلی عبادات کے متعلق جس صحابی کے علم میں جو بات آئی تھی وہ اس نے بیان کر دی۔ چونکہ حضرت ابن عباسؓ نے حضورؐ کو ایامِ بیض میں اکثر روزہ رکھتے ہوئے دیکھا اس لیے

انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ آپ یہ روزے کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ دوسرے صحابہؓ نے حضورؐ کو کسی اور چیز کا التزام کرتے دیکھا تو انہوں نے اسے اسی طرح سے بیان کیا۔ جس شخص نے دیکھا کہ حضورؐ کثرت سے کوئی کام کرتے ہیں تو اس نے اسے اس طرح بیان کیا کہ گویا آپؐ ہمیشہ یہ کام کرتے تھے۔ اسی وجہ سے حضورؐ کے نفل روزوں کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ لیکن ان میں کوئی تضاد در حقیقت نہیں ہے۔

تخریج: اَخبَرنَا الْقَاسِمُ بْنُ زَكَرِيَّا، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُاللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ عَنْ جَعْفَرٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَايُفطِرُ اَيَّامَ الْبِيضِ فِي حَضَرٍ وَلَاسَفَرٍ۔ (۶۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایامِ بیض (تیرہویں، چودھویں اور پندرہویں تاریخ) کے روزے کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ خواہ آپؐ گھر پر مقیم ہوں، خواہ سفر میں ہوں۔

روزہ جسم کی زکوٰۃ ہے

۱۱۴۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لِكُلِّ شَيْءٍ زَكوٰةٌ وَزَكوٰةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ (ابن ماجہ)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور آدمی کے جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔''

تشریح: حقیقت میں تو تمام عبادتیں ایک لحاظ سے زکوٰۃ ہی کی تعریف میں آتی ہیں لیکن بطورِ اصطلاح صرف مال کی زکوٰۃ کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا گیا ہے ـــــ زکوٰۃ اصل میں یہ ہے کہ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ آپ کے پاس ہے اس پر اللہ کا حق تسلیم کریں اور اس میں سے اس کی راہ میں خرچ کریں۔ چنانچہ روزہ آدمی کے جسم کی زکوٰۃ ہے اور اس زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ آپ روزہ اس احساس کے ساتھ رکھیں کہ میرے رب نے مجھ پر جو بے شمار احسانات کیے ہیں اور مجھے جسم جیسا عظیم الشان خادم عطا فرمایا ہے یہ روزہ میں اس کے شکرانے کے طور پر رکھ رہا ہوں۔ اگر کسی شخص نے محض اپنی صحت درست کرنے کے لیے روزہ رکھ لیا وہ جسم کی زکوٰۃ نہیں ہے۔ وہ جسم کی زکوٰۃ اس وقت شمار ہوگا جب کہ وہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے جسم میں اس کا حق مان کر رکھا جائے ـــــ اسی طرح آپ کے اوقات کی زکوٰۃ ہے۔ جو وقت بھی آپ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے صرف کریں گے وہ لامحالہ آپ کے وقت کی زکوٰۃ ہوگی۔ اسی طرح آپ کی قابلیتوں کی زکوٰۃ ہے۔ جو کچھ قابلیتیں اللہ نے آپ کو عطا کی ہیں اگر آپ ان کو خدا کا دین پھیلانے میں، لوگوں کو اس کے دین کا قائل کرنے میں، اور کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے میں صرف کرتے ہیں تو یہ چیز آپ کی دماغی اور علمی قابلیتوں کی زکوٰۃ ہوگی ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی آپ کو دی ہے اس پر اس کا حق ہے اور جب آپ یہ حق ادا کرتے ہیں تو گویا اس چیز کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرٍ، ثَنَا عَبْدُاللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، ح وَحَدَّثَنَا مُحْرِزُ بْنُ سَلَمَةَ الْعَدَنِيُّ، ثَنَا عَبْدُالْعَزِيزِ بْنُ مُحَمَّدٍ، جَمِيعًا عَنْ مُوسَى بْنِ عُبَيْدَةَ، عَنْ جُمْهَانَ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: لِكُلِّ شَيْءٍ زَكوٰةٌ وَزَكوٰةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔ (۶۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی زکوٰۃ ہے اور آدمی کے جسم کی زکوٰۃ روزہ ہے۔

فی الزوائد: اسناد الحدیث من الطریقین معا ضعیف فیہ موسیٰ بن عبیدة الزبدیُّ ومدار الطریقین علیہ وھو متفق علیٰ تضعیفہ۔

پیراور جمعرات کے نفلی روزوں کی فضیلت

۱۱۵۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ، فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ تَصُوْمُ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ، فَقَالَ اِنَّ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ یَغْفِرُ اللّٰہُ فِیْھِمَا لِکُلِّ مُسْلِمٍ اِلَّا ذَا ھَاجِرَیْنِ، یَقُوْلُ دَعْھُمَا حَتّٰی یَصْطَلِحَا۔ (مسند احمد، ابن ماجہ)

''حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیراور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ پیراور جمعرات کا روزہ اکثر رکھتے ہیں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: پیراور جمعرات کے دن وہ ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ ہر مسلم کی مغفرت فرماتا ہے۔ بہ جز ان دو مسلمانوں کے جو ایک دوسرے کا مقاطعہ کیے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔''

تشریح: یہ رسول اللہ ﷺ کے حکیمانہ طریقِ تعلیم کی ایک شاندار مثال ہے۔ ایک طرف تو حضورؐ نے اپنے اس فعل کی مصلحت بیان فرمائی اور دوسری طرف ایک عظیم الشان اخلاقی تعلیم دی۔

پہلی چیز جو فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر پیر اور جمعرات کو ہر مسلم کی مغفرت فرماتا ہے تو اس میں لفظ مُسْلِم کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ لفظ مُسْلِم کو اس کے حقیقی معنی میں لیا جائے۔ یعنی وہ آدمی جو واقعی اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار ہو اور اس نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں دے رکھی ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے اسلام کا انکار کرنے کے بجائے اسے قبول کرلیا ہے۔ اس پر لفظِ مسلم کا اطلاق ہوگا، قطعِ نظر اس سے کہ اس کی عملی زندگی میں کیا کچھ خامیاں اور خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اگر یہاں مسلم پہلے معنوں میں لیا جائے تو اس کی مغفرت کے معنی یہ ہوں گے کہ مسلم ہونے کے باوجود انسانی کمزوریوں کی بنا پر اس سے جو لغزشیں اور خطائیں ہوتی ہیں وہ اس کی نفلی عبادات کے صلے میں آپ سے آپ معاف کردی جاتی ہیں۔

اگر یہاں مُسْلِم دوسرے معنوں میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محض اسلام قبول کرنے اور اسلام کو قطعی طور پر رد کر کے کفر پر قائم رہنے میں بہر حال فرق ہے اور دونوں چیزوں کے الگ الگ نتائج ہیں۔ اگر ایک آدمی اسلام کو قطعی طور پر رد کردیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں قرآن کو کتابِ ہدایت اور محمد رسول اللہ ﷺ کو خدا کا رسول تسلیم نہیں کرتا اور اپنے کفر پر (خواہ وہ عیسائیت ہو یا یہودیت یا کوئی اور مذہب) قائم رہتا ہے تو وہ لازماً باغی ہے۔ اس صورت میں اس کی کوئی نیکی نیکی نہیں ہے اور اس کے بارے میں کسی عملِ صالح کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ اسی طرح ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی حکومت کے خلاف بغاوت کردے تو وہ حکومت اس کے کسی فعل کو بھی مطابقِ قانون نہیں مانے گی۔ چاہے وہ خود دوسروں کو تعزیراتِ پاکستان کے مطابق سزائیں دیتا رہا ہو اور اس نے دوسروں پر ''کرمنل پروسیجر کوڈ'' (CRIMINAL PROCEDURE CODE)

کے مطابق مقدمات چلائے ہوں، یا اسے ''سِول سروس کنڈکٹ رولز'' کے تحت عدالت کا جج مقرر کیا گیا ہو اور وہ پورے ملکی قانون پر عمل پیرا رہا ہو۔ جب وہ بغاوت کے جرم میں پکڑا جائے گا تو حکومت اسے پوری سزا دے گی اور کوئی گنجایش یا اجر اس بات کا نہیں دے گی کہ وہ کبھی کرمنل پروسیجر کوڈ کے مطابق یا تعزیراتِ پاکستان کے مطابق کام کرتا رہا ہے اور تمام قوانین کا پابند تھا ـــــ ایسا ہی معاملہ خدا کے اس باغی کا ہے جس نے اسلام کو رد کر دیا اور کفر اور شرک پر قائم رہا۔ اس کے کسی عمل کے عملِ صالح ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا سب کچھ کیا ہوا ضائع ہو جائے گا اور اسے اس کی بغاوت کی پوری پوری سزا بھی دی جائے گی ـــــ لیکن اگر کوئی آدمی اسلام کو برحق مان لیتا ہے اور اس کی پیروی کا اقرار کر لیتا ہے تو اس طرح وہ گویا خدا کی وفادار رعایا میں شامل ہو جاتا ہے۔ اب اگر وہ کوئی گناہ یا قصور کرتا ہے تو وہ مجرم شمار ہوگا، باغی نہیں۔ وہ اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے اجر کا مستحق ہوگا اور اگر کوئی قصور کرتا ہے تو اس کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ وہ اس دائرے سے نکل آیا ہے جس میں وہ خدا کا باغی تھا۔ اب اس صورت میں اس کے لیے اس کی چھوٹی چھوٹی نیکیوں پر بھی اجر ہے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ زندگی بھر برائیوں میں مبتلا رہنے کے باوجود نیکی کا کوئی ایسا کام کر جائے جس سے اس کو بالکل معافی مل جائے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی سخت گنہگار ہے لیکن ہے مومن اور مسلم۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسلام اور کفر کی جنگ پیش آجاتی ہے۔ اس حالت میں اس پر غیرتِ ایمانی غلبہ پاتی ہے اور وہ اللہ کے راستے میں جا کر لڑتا ہوا شہید ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کا وہ ایک ہی فعل اس کے تمام گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔ چنانچہ ایک مسلم کے لیے مغفرت کی بیسیوں شکلیں ہیں اور یہاں یہی فرمایا گیا ہے کہ ہر مسلم کی مغفرت ہوتی ہے۔

مغفرت کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک معنی ہیں کلّی مغفرت کے اور دوسرے معنی ہیں جُزوی مغفرت کے۔ کُلّی مغفرت یہ ہے کہ سارے قصور معاف کر دیے جائیں اور جُزوی مغفرت یہ ہے کہ اس کی ایک ایک نیکی ایک ایک گناہ کا بدلہ ہوتی چلی جائے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ برائیوں پر پکڑ ہی لیا جائے ـــــ آخرت میں حساب لگایا جائے گا کہ اس آدمی نے کتنی نیکیاں کی ہیں اور کتنی بدیاں اس سے سرزد ہوئی ہیں۔ اس کی نیکیوں کے حساب سے اس کی بدیاں چھانٹ دی جائیں گی۔ اگر اس کے بعد بھی بدیاں باقی رہ جائیں گی تو اس صورت میں اسے سزا ملنے کا سوال پیدا ہوگا۔ لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے اس کو سزا دیے بغیر بخش دے۔

تخریج: حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِالْعَظِيمِ الْعَنْبَرِيُّ، ثَنَا الضَّحَاكُ بْنُ مَخْلَدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رِفَاعَةَ، عَنْ سُهَيْلِ بْنِ اَبِي صَالِحٍ، عَنْ اَبِيهِ، عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَصُومُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّكَ تَصُومُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَقَالَ اِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ يَغْفِرُ اللّٰهُ فِيهِمَا لِكُلِّ مُسْلِمٍ اِلَّا مُتَهَاجِرَيْنِ، يَقُولُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔(۷۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ پیر اور جمعرات کا روزہ اکثر رکھتے ہیں؟ اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن وہ ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ ہر مسلم کی مغفرت فرماتا ہے۔ بجز ان دو مسلمانوں کے جو ایک دوسرے کا مقاطعہ کیے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ آپس میں صلح کرلیں۔

خدا کی خوشنودی کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھنے کی فضیلت

۱۱۶۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ صَامَ یَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ کَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَهُوَ فَرْخٌ حَتّٰی مَاتَ هَرِمًا۔ (مسند احمد، بیھقی)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھا اللہ اسے جہنّم سے اتنے فاصلے تک دُور کر دیتا ہے جتنا فاصلہ کہ ایک کوّا اپنے پیدا ہونے کے بعد سے بوڑھا ہو کر مرنے کی عمر تک اڑ کر طے کرتا ہے۔''

تشریح: اس سے پہلے اس نوعیت کی مختلف احادیث گزر چکی ہیں جن میں سے ایک میں یہ کہا گیا تھا کہ یہ اجر اس شخص کے لیے ہے جس نے فی سبیل اللہ روزہ رکھا۔ اس حدیث میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ اجر اس شخص کے لیے ہے جس نے اللہ کی خوشنودی کی خاطر روزہ رکھا۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک شخص ایک نفلی روزہ رکھ لے اور اس کے نتیجے میں جب وہ جہنم سے اتنے بڑے فاصلے پر پہنچ جائے تو اس کے بعد وہ یہ سوچنا شروع کر دے کہ اب مجھے مزید عبادت کرنے اور مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے ـــــ درحقیقت یہ بات ان لوگوں کے لیے فرمائی ہی نہیں گئی جو اللہ تعالیٰ کی بندگی سے فرار کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔ یہ بات ان لوگوں سے کہی گئی ہے جو ایک طرف تو پوری دل جمعی اور انہماک کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کرنے والے تھے اور دوسری طرف انہیں مزید ایسے کاموں کی طلب رہتی تھی جن سے وہ اللہ تعالیٰ کی اور زیادہ خوشنودی حاصل کر سکیں۔

اس طرح کی احادیث کو دیکھ کر بعض لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جنھوں نے لوگوں کو بگاڑا ہے۔ حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ انہیں حدیثوں نے درحقیقت اس معاشرے کو بنایا تھا ـــــ اُن لوگوں کی تربیت اس انداز سے کی گئی تھی کہ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر وقت بے تاب رہتے تھے۔ ان لوگوں کو ایک ایک چیز بتائی گئی کہ یہ یہ کام کرو گے تو اس پر اس اجر کے مستحق ہو گے۔ چنانچہ وہ ایک ایک کام کی طرف لپکتے جاتے تھے اور ہر وقت اس بات کے حریص رہتے تھے کہ نیکی کا کوئی کام ایسا نہ رہ جائے جسے وہ انجام نہ دے سکے ہوں۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِیْ اَبِیْ، ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ یَزِیْدَ، ثَنَا ابْنُ لَهِیْعَةَ، عَنْ خَالِدِ ابْنِ یَزِیْدَ، عَنْ لَهِیْعَةَ اَبِی عَبْدِاللّٰهِ، عَنْ رَجُلٍ، قَدْ سَمَّاهُ حَدَّثَنِیْ سَلَمَةُ بْنُ قَیْسٍ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : مَنْ صَامَ یَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ جَهَنَّمَ کَبُعْدِ غُرَابٍ طَارَ وَهُوَ فَرْخٌ حَتّٰی مَاتَ هَرِمًا۔ (۷۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ایک دن کا روزہ رکھا اللہ اُسے جہنّم سے اتنے فاصلے تک دُور کر دیتا ہے جتنا فاصلہ کہ ایک کوّا اپنے پیدا ہونے کے بعد سے بوڑھا ہو کر مرنے کی عمر تک اُڑ کر طے کرتا ہے۔

نفلی روزہ قبل از وقت افطار کرنے کے متعلق حضورؐ کے دو عمل

۱۱۷۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا، قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ، أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِينِيهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ۔ (مسلم)

''حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور آپؐ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمہارے پاس (کھانے کو) کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اچھا تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں ــــ پھر کسی دوسرے روز حضورؐ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کچھ حیس ہدیۃً بھیجا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا لاؤ مجھے دکھاؤ، میں نے تو صبح روزہ رکھ لیا تھا۔ پھر آپؐ نے اسے تناول فرمایا۔''

تشریح: اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے گھر میں کھانا نہ ہونے کی وجہ سے روزہ رکھ لیا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ آپؐ نے یہ خیال کر کے کہ شاید گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہوگا آپ نے روزہ رکھ لیا۔ بعد میں گھر میں کسی کے ہاں سے ہدیہ کے طور پر حیس آیا تو آپؐ نے اپنا روزہ کھول لیا اور اسے تناول فرمایا۔ یہ دونوں واقعات نفلی روزے سے متعلق ہیں۔ آگے اس سلسلے کی کچھ مزید احادیث آتی ہیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا أَبُوْبَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ طَلْحَةَ بْنِ يَحْيٰ، عَنْ عَمَّتِهِ، عَائِشَةَ بِنْتِ طَلْحَةَ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ؟ فَقُلْنَا لَا، قَالَ فَإِنِّي إِذًا صَائِمٌ، ثُمَّ أَتَانَا يَوْمًا آخَرَ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِينِيهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِمًا فَأَكَلَ۔(۷۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور آپؐ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمہارے پاس (کھانے کو) کچھ ہے؟ ہم نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اچھا تو میں روزہ رکھ لیتا ہوں ــــ پھر کسی دوسرے روز حضورؐ ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں کچھ حیس[1] ہدیۃً بھیجا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اچھا لاؤ مجھے دکھاؤ، میں نے تو صبح روزہ رکھ لیا تھا۔ پھر آپؐ نے اسے تناول فرمایا۔

نفلی روزے کی قضا کا مسئلہ

۱۱۸۔ عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى أُمِّ سُلَيْمٍ فَأَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ، فَقَالَ أَعِيدُوا سَمْنَكُمْ فِي سِقَائِهِ وَتَمْرَكُمْ فِي وِعَائِهِ فَإِنِّي صَائِمٌ، ثُمَّ قَامَ إِلٰى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ الْمَكْتُوبَةِ فَدَعَا لِأُمِّ سُلَيْمٍ وَأَهْلِ بَيْتِهَا۔ (بخاری)

---

[1] کھجور، گھی اور جمے ہوئے دودھ کو ملا کر ایک ملیدہ سا بنا لیا جاتا ہے اُسے حیس کہتے ہیں۔

''حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک روز (میری والدہ) اُمّ سُلیمؓ کے ہاں تشریف لائے تو وہ آپؐ کی خدمت میں کھجور اور گھی لے کر آئیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اپنا گھی برتن میں اور اپنی کھجوریں تھیلے میں واپس کردو کیونکہ میں آج روزے سے ہوں ــــ پھر حضورؐ گھر کے ایک کونے میں جا کر کھڑے ہو گئے اور آپؐ نے نفل نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے حضرت اُمّ سُلیمؓ اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی۔''

تشریح: حضرت اُمّ سُلیمؓ حضرت انسؓ کی والدہ تھیں۔ یہ خاندان رسول اللہ ﷺ سے بے انتہا محبت کرنے والا اور آپؐ کا بہت بڑا خدمت گزار تھا۔ حضورؐ بھی اس خاندان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔ حضرت انسؓ کو ان کے گھر والوں نے دس سال کی عمر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دے دیا تھا اور انہوں نے دس سال حضورؐ کی خدمت کی۔ ان دیرینہ مراسم اور تعلّقاتِ محبت کی بنا پر حضورؐ اکثر اُن کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے ــــ حضرت انسؓ ایسے ہی ایک موقع کا ذکر یہاں فرماتے ہیں۔

اس طرح اب دو مختلف حدیثیں آپ کے سامنے ہیں۔ ایک حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضورؐ نے نفلی روزہ رکھا ہوا تھا، کھانا آیا تو آپؐ نے کھا لیا۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ روزے کی حالت میں آپؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا لیکن آپؐ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں روزے سے ہوں ــــ ان دونوں حدیثوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حالت تو وہ تھی کہ حضورؐ نے گھر میں کھانا نہ ہونے کی وجہ سے روزے کی نیت کر لی لیکن جب دیکھا کہ گھر میں کھانا آ گیا ہے تو روزہ کھول لیا۔ روزے کی نیت اس لیے کی کہ جب گھر میں کچھ کھانے کو نہیں ہے تو بجائے اس کے کہ ویسے ہی فاقہ کیا جائے روزہ رکھ لینا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر ملے ــــ دوسری حالت میں یہ ہوا کہ اس روز پہلے سے نفلی روزہ رکھنے کا ارادہ تھا اس لیے کھانا سامنے آنے کے باوجود روزہ افطار نہیں کیا ــــ ان دونوں حالتوں میں واضح فرق ہے۔ وہاں چونکہ روزہ اس وجہ سے رکھ لیا تھا کہ کھانا نہیں ہے اس لیے جب کھانا آ گیا تو کھا لیا، لیکن یہاں چونکہ پہلے سے روزہ رکھنے کا ارادہ تھا اس لیے کھانا آ بھی گیا لیکن نفلی روزہ ہونے کے باوجود افطار نہیں کیا۔

فقہاء کے درمیان نفلی روزے کی قضا کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام احمدؒ اور امام شافعیؒ کا قول مختلف احادیث کے پیش نظر یہ ہے کہ اگر ایک شخص نفلی روزہ توڑ دے اور کھانا کھا لے تو اس کی کوئی قضا نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی قضا ہے اور امام مالکؒ کا قول یہ ہے کہ اگر آدمی بلا عذر روزہ توڑ دے تو اس کی قضا ہے لیکن اگر کسی معقول وجہ سے روزہ کھول لے تو اس کی قضا نہیں ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی، ثَنِیْ خَالِدٌ هُوَ ابْنُ الْحَارِثِ، ثَنَا حُمَیْدٌ، عَنْ اَنَسٍ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی اُمِّ سُلَیْمٍ، فَاَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ، فَقَالَ: اَعِیْدُوْا سَمْنَکُمْ فِیْ سِقَائِهٖ وَتَمْرَکُمْ فِیْ وِعَائِهٖ فَاِنِّیْ صَائِمٌ، ثُمَّ قَامَ اِلٰی نَاحِیَةٍ مِّنَ الْبَیْتِ فَصَلّٰی غَیْرَ الْمَکْتُوْبَةِ فَدَعَا لِاُمِّ سُلَیْمٍ وَاَهْلِ بَیْتِهَا۔

فَقَالَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ خُوَیْصَةً قَالَ: مَا هِیَ؟ قَالَتْ: خَادِمُكَ اَنَسٌ، فَمَا تَرَكَ خَیْرَ اٰخِرَةٍ وَلَا دُنْیَا اِلَّا دَعَا لِیْ بِهٖ، اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهٗ فَاِنِّیْ لَمِنْ اَکْثَرِ الْاَنْصَارِ مَالًا۔(۷۳)

وَحَدَّثَتْنِیْ ابْنَتِیْ اُمَیْنَةُ، اَنَّهٗ دُفِنَ لِصُلْبِیْ مَقْدَمَ الْحَجَّاجِ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَّعِشْرُوْنَ وَمِائَةٌ۔

وَقال ابن ابی مریم انا یحیٰ بن ایوب ثنی حمید سمع انسًا عن النّبی ﷺ۔

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک روز (میری والدہ) اُمّ سُلَیمؓ کے ہاں تشریف لائے تو وہ آپؐ کی خدمت میں کھجور اور گھی لے کر آئیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ اپنا گھی برتن میں اور اپنی کھجوریں تھیلے میں واپس کردو کیونکہ میں آج روزے سے ہوں پھر حضورؐ گھر کے ایک کونے میں جا کر کھڑے ہوگئے اور آپؐ نے نفل نماز پڑھی۔ پھر آپؐ نے حضرت اُمّ سُلَیمؓ اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا کی۔

اُمّ سُلَیمؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میرے پاس حقیر سا ہدیہ و تحفہ ہے۔ آپؐ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ عرض کیا: آپؐ کا خادم انس ہے۔ آپؐ نے دین و دنیا اور آخرت کی ہر بھلائی کی میرے حق میں دعا فرمائی۔ خدایا اسے وافر مال و اولاد سے نواز اور پھر اس میں برکت عطا فرما۔ اس دعا کا نتیجہ ہے کہ آج میں انصار میں سب سے زیادہ مال دار ہوں۔

میری بیٹی اُمَینہ نے مجھے بتایا ہے کہ حجاج کے بصرہ میں آنے سے پہلے میری پشت سے ایک سو بیس سے زائد افراد وفات پا چکے ہیں۔

کھانے کی دعوت قبول کرنا مسنون ہے

۱۱۹۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ۔ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ فَلْیُجِبْ فَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْیُصَلِّ وَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْیَطْعَمْ۔ (مسلم)

''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ روزے سے ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں ـــ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے وہ دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ پھر اگر وہ روزے سے ہو تو وہ نماز پڑھ لے اور اگر روزے سے نہ ہو تو کھانا کھالے۔''

تشریح: یہ جو فرمایا کہ فَلْیُصَلِّ یعنی اگر وہ روزے سے ہو تو وہ نماز پڑھ لے، تو اس مقام پر اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ دعوت کرنے والے کے حق میں دعا کرے۔ دوسرے یہ کہ جب لوگ کھانا کھانے لگیں تو یہ اس دوران میں نفل پڑھے۔ یہ دونوں معنی عملاً اس طرح جمع ہو سکتے ہیں کہ آدمی نفل نماز بھی پڑھے اور دعوت دینے والے کے لیے دعا بھی کرے۔

تخریج (۱): حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ وَعَمْرُو النَّاقِدُ وَزُهَیْرُ بْنُ حَرْبٍ، قَالُوْا: حَدَّثَنَا سُفْیَانُ ابْنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ اَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: اَبُوْ بَكْرٍ: رِوَایَةً وَقَالَ عَمْرٌو وَیَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ ﷺ وَقَالَ زُهَیْرُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ اِلٰی طَعَامٍ وَهُوَ صَآئِمٌ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَآئِمٌ۔ (۷۴)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی شخص کو کھانے کی دعوت دی جائے اور وہ روزے سے ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ میں روزے سے ہوں۔

دوسری روایت:

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَعِيْدٍ، ثَنَا الْوَلِيْدُ، عَنْ هِشَامٍ، عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ، فَاِنْ كَانَ مُفْطِرًا، فَلْيَطْعَمْ وَاِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ۔(۷۵)

قال هشام: والصلوة الدعاء۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے تو اسے وہ دعوت قبول کر لینی چاہیے۔ پھر اگر وہ روزے سے نہ ہو تو کھانا کھا لے اور اگر وہ روزے سے ہو تو وہ نماز پڑھ لے۔

نفلی روزہ قبل از وقت افطار کیا جا سکتا ہے

۱۲۰۔ عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ : لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَآءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰى يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاُمِّ هَانِیءٍ عَنْ يَمِيْنِهٖ، فَجَآءَتِ الْوَلِيْدَةُ بِاِنَاءٍ فِيْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ، ثُمَّ نَاوَلَهٗ اُمَّ هَانِیءٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً، فَقَالَ لَهَا اَكُنْتِ تَقْضِيْنَ شَيْئًا؟ قَالَتْ : لَا قَالَ فَلَايَضُرُّكِ اِنْ كَانَ تَطَوُّعًا۔ وَفِیْ رِوَايَةٍ فَقَالَتْ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا اِنِّیْ كُنْتُ صَائِمَةً، فَقَالَ : اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ، اِنْ شَآءَ صَامَ وَاِنْ شَآءَ اَفْطَرَ۔ (ابو داؤد، ترمذی، دارمی، مسند احمد)

''حضرت اُمِّ ہانیؓ[1] کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے روز (رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو) حضرت فاطمہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ کی بائیں جانب بیٹھ گئیں اور میں (یعنی اُمِّ ہانیؓ) آپؐ کے دائیں ہاتھ بیٹھی تھی۔ اتنے میں گھر کی ملازم لڑکی ایک برتن میں کچھ پینے کے لیے لائی اور اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں سے نوش فرما لیا اور پھر آپؐ نے وہی برتن اُمِّ ہانیؓ کو دے دیا۔ انہوں نے اس میں سے پی لیا اور پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے روزہ کھول لیا ہے درآنحالیکہ میں روزے سے تھی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: کیا تم اپنے کسی پچھلے روزے کی قضا کر رہی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر یہ نفلی روزہ تھا تو اس (کے افطار کر لینے) میں تمہارے لیے کچھ مضائقہ نہیں ــــ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضرت اُمِّ ہانیؓ نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میں تو روزے سے تھی۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا امیر (بادشاہ) ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو روزہ رکھ لے (یعنی اس کی تکمیل کرے) اور اگر چاہے تو افطار کر لے۔''

تشریح : ایک مومن مرد یا عورت کے لیے اس سے بڑھ کر عزت اور برکت کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ نبی ﷺ نے کسی برتن

---

[1] یہ حضورؐ کی چچازاد اور حضرت علیؓ کی سگی بہن تھیں۔

میں پانی پی کر اسے دے دیا ہو۔ چنانچہ حضرت امِّ ہانی نے اسی شوق میں حضورؐ کا چھوڑا ہوا پانی پی لیا۔ لیکن اس کے بعد یہ فکر ہوئی کہ آیا اس طرح روزہ افطار کرنا چاہیے تھا یا نہیں۔ اس لیے حضورؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو روزے سے تھی۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ نفلی روزہ تھا تو کوئی مضائقہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ نفلی روزے میں وہ پابندی نہیں ہے جو فرض روزے میں ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص فرض روزہ جان بوجھ کر توڑ دے تو اس کے کفارے کے طور پر اسے ساٹھ روزے رکھنے ہوں گے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ لیکن اگر نفلی روزہ کھول لے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

''کوئی مضائقہ نہیں ہے۔'' کے الفاظ کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ نفلی روزہ کھول لینے پر کوئی کفارہ واجب نہیں آتا اور نہ اس کی کوئی سزا ہے نہ اس پر کوئی گرفت ہے۔ اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی قضا تو کرنا ہوگی روزہ کھول لینے کا کوئی گناہ نہیں۔ اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ ان احادیث کے معنی کو دیکھ کر ہوا ہے اور اس اختلاف کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہے۔ ہر ایک نے کسی نہ کسی چیز سے دلیل لی ہے اور کوئی فتویٰ بے دلیل نہیں دیا ہے۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِی شَیْبَةَ، ثَنَا جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِیْدِ، عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِی زِیَادٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحٰرِثِ، عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ قَالَتْ: لَمَّا کَانَ یَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَکَّةَ جَآءَ تْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلٰی یَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاُمُّ هَانِیءٍ عَنْ یَمِیْنِهٖ، قَالَتْ: فَجَآءَ تِ الْوَلِیْدَةُ بِاِنَاءٍ فِیْهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ، فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهٗ اُمَّ هَانِیءٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ، فَقَالَتْ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْطَرْتُ وَکُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ: لَهَا اَکُنْتِ تَقْضِیْنَ شَیْئًا؟ قَالَتْ: لَا، قَالَ فَلَایَضُرُّكِ اِنْ کَانَ تَطَوُّعًا۔(۷۶)

''حضرت امِّ ہانی کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے روز (رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تو) حضرت فاطمہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ کی بائیں جانب بیٹھ گئیں اور میں (یعنی امِّ ہانیؓ) آپؐ کے دائیں ہاتھ بیٹھی تھی۔ اتنے میں گھر کی ملازم لڑکی ایک برتن میں کچھ پینے کے لیے لائی اور اسے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپؐ نے اس میں سے نوش فرمالیا اور پھر آپؐ نے وہی برتن امِّ ہانیؓ کو دے دیا۔ انہوں نے اس میں سے پی لیا اور پھر عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں نے روزہ کھول لیا ہے درآنحالیکہ میں روزے سے تھی۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: کیا تم اپنے کسی پچھلے روزے کی قضا کر رہی تھیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر یہ نفلی روزہ تھا تو اس (کے افطار کر لینے) میں تمہارے لیے کچھ مضائقہ نہیں۔''

ترمذی میں منقول روایت:

〈۲〉 عَنِ ابْنِ اُمِّ هَانِیءٍ، عَنْ اُمِّ هَانِیءٍ۔ قَالَتْ: کُنْتُ قَاعِدَةً عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاُتِیَ بِشَرَابٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَنِیْ فَشَرِبْتُ مِنْهُ، فَقُلْتُ: اِنِّیْ اَذْنَبْتُ فَاسْتَغْفِرْلِیْ، قَالَ: وَمَا ذَاكِ؟ قَالَتْ: کُنْتُ صَائِمَةً فَاَفْطَرْتُ، فَقَالَ: اَمِنْ قَضَاءٍ کُنْتِ تَقْضِیْهِ؟ قَالَتْ: لَا، قَالَ: فَلَا یَضُرُّكِ۔(۷۷)

وفی الباب عن ابی سعید وعائشة۔ حدیث ام هانیءٍ۔ فی اسناده مقال۔

ترجمہ: حضرت امِ ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ کوئی مشروب آپؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپؐ نے اس میں سے کچھ نوش فرمایا پھر مجھے عنایت فرمادیا۔ میں نے بھی اس میں سے کچھ پی لیا اور عرض کیا میں گناہ کر بیٹھی میرے لیے معافی کی درخواست کریں۔ آپؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ انہوں نے بتایا کہ میں تو روزے سے تھی اب افطار کر بیٹھی ہوں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا کیا قضا کے روزے رکھ رہی تھیں۔ کہا کہ نہیں ایسا نہیں تھا تو پھر آپ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ بَعْضِ اَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَغَيْرِهِمْ اِنَّ الصَّائِمَ الْمُتَطَوِّعَ اِذَا اَفْطَرَ فَلَا قَضَآءَ عَلَيْهِ اِلَّا اَنْ يُّحِبَّ اَنْ يَّقْضِيَهٗ وَهُوَ قول سفيان الثورى واحمد واسحاق والشافعى۔

—— امام ترمذی کہتے ہیں بعض اہلِ علم صحابہ کرام اور دیگر صاحبِ علم حضرات کی رائے یہ ہے کہ نفلی روزہ رکھنے والے پر اس کے توڑنے کی صورت میں کوئی قضا لازم نہیں ہے۔ ہاں اگر اپنی خوشی سے قضا دینی چاہے تو دے لے۔ سفیان ثوریؒ، امام احمدؒ، امام شافعی اور اسحاق کی یہی رائے ہے۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا اَبُوالْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوْبَ، ثَنَا بَكَّارُ بْنُ قُتَيْبَةَ الْقَاضِيُ، ثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عِيْسٰى الْقَاضِيُ، ثَنَا اَبُوْيُوْنُسَ حَاتِمُ بْنُ اَبِيْ صَفِيْرَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ اَبِيْ صَالِحٍ، عَنْ اُمِّ هَانِيءٍ رضؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُوْلُ: الصَّآئِمُ الْمُتَطَوِّعُ اَمِيْرُ نَفْسِهٖ اِنْ شَآءَ صَامَ وَاِنْ شَاءَ اَفْطَرَ۔ (۷۸)

ترجمہ: حضرت ام ہانیؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے کہ نفلی روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا امیر ہے۔ چاہے تو روزہ رکھ لے یعنی اس کو مکمل کرلے اور چاہے تو افطار کرلے۔

نفلی روزے کی قضا

۱۲۱۔ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ، فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَاَكَلْنَا مِنْهُ، قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا اٰخَرَ مَكَانَهٗ۔ (ترمذی، ابوداؤد)

''امام زہریؒ، عروہؒ بن زبیر سے اور وہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں اور حفصہؓ ایک مرتبہ روزے سے تھیں۔ اس حالت میں ہمارے سامنے ایک ایسا کھانا پیش کیا گیا جو ہمیں بہت مرغوب تھا چنانچہ ہم دونوں نے اس میں سے کھالیا۔ اس کے بعد حضرت حفصہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا یارسول اللہ! ہم دونوں روزے سے تھیں لیکن ہمارے سامنے ایک ایسا کھانا پیش کیا گیا جو ہمیں بہت مرغوب تھا اس لیے ہم نے اس میں سے کھالیا۔ اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اس کی قضا کرنے کے لیے اس کے بدلے میں کسی دوسرے دن کا روزہ رکھ لو۔''

تشریح: پچھلی حدیث میں فرمایا گیا تھا کہ تم اپنے نفس کے مالک ہو، چاہے نفلی روزہ رکھو چاہے نہ رکھو۔ اگر روزہ ہونے کے باوجود کھول لو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ اس کی قضا کرو۔ اس سلسلے کی احادیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ ''قضا کرو'' کے الفاظ کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تمہیں قضا کرنی چاہیے اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم نے روزہ کھول لیا ہے تو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہاں اگر تمہارے دل میں ملال ہے تو کسی دوسرے دن اس کی قضا کرلو، البتہ روزہ کھول لینے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ خود یہ حدیث اس بارے میں واضح اور قطعی نہیں ہے کہ آیا قضا کرنے کے الفاظ حکم کی حیثیت رکھتے ہیں یا ان کا مطلب محض یہ ہے کہ اگر آدمی چاہے تو وہ دوسرے دن کا روزہ رکھ کر اس کی تلافی کرلے۔

فقہاء کے درمیان جو اختلافات ہوئے ہیں وہ عموماً ایسی احادیث اور آیات کے معانی متعین کرنے میں ہوئے ہیں اور یہ اختلافات بالکل فطری ہیں۔ بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں جہاں کسی شخص کے پاس بھی ایسی کوئی قطعی دلیل نہیں ہوتی جس کی بناء پر وہ دوسرے کے قول کو غلط قرار دے سکے۔ ہر ایک شخص کی دلیل خود اس کے اپنے نزدیک تو زیادہ مرجح ہوتی ہے لیکن دوسروں کے نزدیک اس کا وہ وزن نہیں ہوتا۔ اس لیے ایسے مواقع پر یہ کہنا درست نہیں ہوتا کہ فلاں کا قول یکسر غلط ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے لیے اس دعوے کے ساتھ اسے رد کرنا بھی صحیح نہیں ہوتا کہ وہ حدیث یا قرآن کے بالکل خلاف ہے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیعٍ، نَا کَثِیْرُ بْنُ هِشَامٍ، نَا جَعْفَرُ بْنُ بُرْقَانَ، عَنِ الزُّهْرِیِّ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: کُنْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَیْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَیْنَاهُ فَاَکَلْنَا مِنْهُ، قَالَ اِقْضِیَا یَوْمًا اٰخَرَ مَکَانَهٗ۔ (۷۹)

قال ابوعیسٰی وروی صالح بن ابی الاخضر ومحمد بن ابی حفصة هذا الحدیث عن الزهری عن عروة عن عائشة مثل هذا۔

وروی مالك بن انس ومعمرو عبیدالله بن عمروزیاد بن سعد وغیر واحدٍ من الحفاظ عن الزهری عن عائشة مرسلاً ولم یذکروا فیه عن عروة وهذا اصح لانه روی عن ابن جریج قالت سألت الزهری فقلت احدثك عن عروة عن عائشة قال لم اسمع من عروة فی هذا شیئًا ولکن سمعت فی خلافة سلیمان بن عبدالملك من ناس عن بعض ما سأل عائشة عن هذا الحدیث۔

⟨۲⟩ عَنْ عَائِشَةَ: قَالَتْ: اُهْدِیَ لِیْ وَلِحَفْصَةَ طَعَامٌ وَکُنَّا صَائِمَتَیْنِ فَاَفْطَرْنَا، ثُمَّ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْنَا لَهٗ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اُهْدِیَتْ لَنَا هَدِیَّةٌ فَاشْتَهَیْنَاهَا فَاَفْطَرْنَا، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاعَلَیْکُمَا صَوْمًا مَکَانَهٗ یَوْمًا اٰخَرَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھے اور حفصہؓ کو ایسا کھانا تحفہ کے طور پر بھیجا گیا جو ہمیں بہت پسند تھا۔ ہم روزے سے تھیں، تاہم ہم نے روزہ افطار کرلیا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ ہم نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا یارسولؐ اللہ! ہمیں آج ایسا کھانا ہدیۃً بھیجا گیا جو ہمیں بہت مرغوب اور پسند تھا۔ ہم نے روزہ افطار کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم پر کوئی گناہ نہیں بلکہ تم اس کی جگہ دوسرے دن کا روزہ رکھ لینا۔

نفلی روزہ رکھنے والے کی فضیلت

۱۲۲۔ عَنْ اُمِّ عُمَّارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ : دَخَلَ عَلَيْهَا، فَدَعَتْ لَهٗ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا : كُلِیْ، فَقَالَتْ : اِنِّیْ صَائِمَةٌ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : اِنَّ الصَّآئِمَ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهٗ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلاَئِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا۔ (مسنداحمد، ترمذی، ابن ماجه، الدارمی)

''حضرت اُمِّ عمارہ بنت کعبؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر روزہ دار آدمی کے پاس کھانا کھایا جائے (اور وہ اس میں شریک نہ ہو) تو فرشتے اس کے لیے اس وقت تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ لوگ کھانا کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں۔''

تشریح : یہ ایک بہت بڑی بات ہے کہ آدمی نفلی روزہ رکھے ہوئے ہو اور یہ حق رکھتے ہوئے بھی کہ وہ روزہ کھول کر کھاپی سکتا ہے اپنا روزہ پورا کرے۔ دوسرے لوگ اس کے سامنے کھاپی رہے ہوں لیکن وہ روزے سے رہے، اس کے اندر صبر اور ضبطِ نفس کی جو کیفیت پائی جاتی ہے، اور اس کے دل میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جو جذبہ کارفرما ہے اس کی وجہ سے ملائکہ برابر اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔

تخریج : اَخْبَرَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ، ثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ حَبِيْبِ ن الْاَنْصَارِیِّ، قَالَ : سَمِعْتُ مَوْلَاةً لَنَا يُقَالُ لَهَا لَيْلٰى تُحَدِّثُ، عَنْ جَدَّتِهَا اُمِّ عمارة بِنْتِ كَعْبٍ: عَنْ اُمِّ عُمَّارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ: اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ عَلَيْهَا، فَدَعَتْ لَهٗ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا : كُلِیْ، فَقَالَتْ : اِنِّیْ صَائِمَةٌ، فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ : وَاِنَّ الصَّآئِمَ اِذَا اُكِلَ عِنْدَهٗ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلاَئِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا وَرُبَمَا قَالَ حَتّٰى يَقْضُوْا اَكْلَهُمْ۔(۸۰)

ترجمہ : حضرت اُمِّ عمارہ بنت کعبؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک روز نبی ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر روزہ دار آدمی کے پاس کھانا کھایا جائے (اور وہ اس میں شریک نہ ہو) تو فرشتے اس کے لیے اس وقت تک دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں جب تک کہ لوگ کھانا کھانے سے فارغ نہ ہو جائیں۔

نفلی روزہ رکھنے کا اجر

۱۲۳۔ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ : دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ يَتَغَدّٰى، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اَلْغَدَاءَ يَا بِلَالُ، قَالَ: اِنِّیْ صَائِمٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : نَاْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِی الْجَنَّةِ، اَشَعَرْتَ يَابِلَالُ اَنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهٗ وَيَسْتَغْفِرُلَهُ الْمَلاَئِكَةُ مَا اُكِلَ عِنْدَهٗ۔ (بیهقی)

''حضرت بُریدہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلالؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ اس وقت دن کا کھانا کھا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: بلالؓ! آؤ کھانے میں شریک ہو جاؤ۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! میں روزے سے ہوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: ہم اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا بہترین رزق جنت میں ہے۔ اے بلالؓ! تمہیں معلوم ہے کہ جب تک لوگ روزہ دار کے پاس کھانا کھاتے رہتے ہیں اس کی ہڈیاں تسبیح میں لگی ہوتی ہیں اور ملائکہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔''

تشریح: یہ چیز کہ ایک آدمی کو کھانے کے لیے بلایا جائے اور کھانا سامنے موجود ہونے کے باوجود وہ اپنا نفلی روزہ پورا کرے، اتنا بڑا اجر رکھتی ہے کہ اس شخص کے لیے کھانا جنت میں محفوظ کر دیا جاتا ہے اور جتنی دیر تک لوگ اس کے پاس بیٹھے کھاتے رہیں اتنی دیر تک اس کی ہڈیاں تسبیح میں لگی ہوتی ہیں اور ملائکہ اس کے لیے استغفار کر رہے ہوتے ہیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُصَفّٰى، ثَنَا بَقِيَّةُ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ اَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِبِلَالٍ: اَلْغَدَآءَ يَا بِلَالُ! فَقَالَ: اِنِّي صَآئِمٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : نَاْكُلُ اَرْزَاقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ، اَشَعَرْتَ يَابِلَالُ اِنَّ الصَّآئِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهٗ وَيَسْتَغْفِرُلَهُ الْمَلَائِكَةُ ما اُكِلَ عِنْدَهٗ۔(۸۱)

وفی الزوائد: فی اسنادہٖ محمد بن عبدالرحمن متفق علی تضعیفہٖ و کذبہ ابن حاتم والازدیّ۔

ماخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صوم شعبان۔☆ مسلم ج۱، کتاب الصیام باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان الخ۔☆ ابوداؤد کتاب الصوم باب کیف کان یصوم النّبی ﷺ۔☆ نسائی ج۴ کتاب الصیام باب صوم النبی ﷺ۔ ☆ السنن الکبریٰ ج۴، کتاب الصیام باب فی فضل صوم شعبان۔

(۲) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان الخ۔☆ نسائی کتاب الصیام ج۲۔ ☆ ابن ماجہ کتاب الصیام باب ماجاء فی صیام النبی ﷺ☆ السنن الکبریٰ ج۴۔ کتاب الصیام باب فی فضل صوم شعبان۔

(۳) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صوم شعبان۔ ☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی وصال شعبان برمضان۔☆ مؤطا امام مالك کتاب الصیام۔☆مسند احمد ج۶۔

(۴) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صوم شعبان۔ ☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم المحرم۔☆ السنن الکبریٰ للبیہقی ج۴۔ کتاب الصیام باب فضل الصوم فی اشھر الحرم۔☆دارمی کتاب الصوم باب فی صیام النبی ﷺ۔ ☆ مسندِ احمد ج۱۔وغیرہ

(۵) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان۔

(٦) بخاری ج ١ کتاب الصوم باب الصوم من اخر الشھر۔ ☆ مسلم ج ٣ کتاب الصیام باب صوم سرر شعبان۔

(٧) مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم سرر شعبان۔ ☆ دارمی کتاب الصوم باب الصوم من سرر الشھر۔ ☆ قال ابومحمد سررہ اخرہٗ۔ ☆مسند احمد ج ٤۔

(٨) مسلم ج ١ کتاب الصیام باب فضل صوم المحرم۔ ☆ ابوداؤد ج ٢ کتاب الصوم باب فی صوم المحرم۔ ☆دارمی کتاب الصوم باب فی صیام المحرم۔ ☆مُسندِ احمد ج ٢ مرویات ابی ھریرة۔ ☆السنن الکبریٰ ج ٤ کتاب الصیام باب فضل الصوم فی اشھر الحرم۔

(٩) مسلم ج ١ کتاب الصیام باب فضل صوم المحرم۔ ☆السنن الکبری للبیھقی ج ٤ کتاب الصیام باب فضل الصوم فی اشھر الحرم۔ ☆ترمذی ج ١ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم المحرم۔ **ترمذی نے صرف** افضل الصیام بعد صیام شھر رمضان شھر اللّٰہ المحرم **بیان کیا ہے**۔ابن ماجہ کتاب الصیام باب صیام اشھر الحرم۔ ☆نسائی قیام اللیل **میں اور** مُسندِ احمد میں ج ٢۔ **پر بھی ہے**۔

(١٠) بخاری ج ١ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء **اور** کتاب الانبیاء **اور** مناقب الانصار۔ ☆مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء۔ ☆مُسندِ احمد ج ١۔

(١١) بخاری ج ١ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشورآء ۔☆ مسلم ج ٢ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء فَاَنَا احق **کی بجائے** نحن اولیٰ بموسیٰ منکم ہے۔ ☆ ابوداؤد ج ٢ کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشورآء۔ ☆ **ترمذی نے** ابواب الصوم **اور مواقیت میں عاشورہ کے بارے میں نقل کیا ہے**۔ ☆ ابن ماجہ کتاب الصیام باب صیام یوم عاشورآء۔دارمی کتاب، الصوم باب فی صوم یوم عاشوراء ☆ **مسلم اور ابنِ ماجہ میں** فَصَامَہٗ مُوْسٰی شُکْرًا ہے۔ ☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج ٤ کتاب الصیام باب فضل یوم عاشورآء۔

(١٢) مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء۔ ☆ابوداؤد ج ٢ کتاب الصوم باب ماروی ان عاشوراء الیوم التاسع۔ ☆ السنن الکبریٰ ج ٤۔ کتاب الصیام صوم یوم التاسع۔

(١٣) مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء۔ ☆ ابنِ ماجہ کتاب الصیام باب صیام یوم عاشوراء۔ ☆مُسندِ احمد ج ١ ۔وفی روایة ابی بکر قال یعنی یوم عاشورآء۔مسند میں لَئِن عِشْتُ ھے۔ اگر میں بقیدِ حیات رھا ۔السنن الکبریٰ میں اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَئِنْ بَقِیْتُھے "اگر میں باقی رھا یعنی زندہ رھا ۔"

(١٤) بخاری ج ١ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشورآء۔ ☆ مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء۔

(١٥) بخاری ج ١ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشورآء۔ ☆مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء۔ ☆ ابوداؤد ج ٢ کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشورآء۔ ☆ دارمی کتاب الصوم باب فی صوم یوم عَاشورآء۔ ☆مُسندِ احمد ج ٢ مرویات ابی ھریرة۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج ٤ کتاب الصیام۔

(١٦) بخاری ج ١ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء۔ کتاب المناقب باب ایام الجاھلیة۔ کتاب التفسیر۔ ☆مسلم ج ١ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء۔ ☆ ابوداؤد ج ٢ کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشوراء ۔☆ ترمذی ج ١ ابواب الصوم باب ماجاء فی الرخصة فی ترک صوم یوم عاشورآء۔ ☆ دارمی کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشوراء۔ ☆مؤطا امام مالك کتاب الصیام۔ ☆مُسندِ احمد ج ٣۔ ☆السنن الکبریٰ ج ٤۔ کتاب الصیام باب من زعم ان صوم عاشوراء کان واجباً ثم نسخ وجوبه۔

(۱۷) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء۔ ☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشوراء۔☆ السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام باب مایستدل به علی انه لم یکن واجبًا قط۔

(۱۸) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشوراء۔ ☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صوم یَوم عاشوراء۔ ☆السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام۔

(۱۹) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی عاشورآء ای یوم هذا۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب ماروی ان عاشورآء الیوم التاسع۔

(۲۰) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صوم یوم عرفة۔ کتاب الحج اور کتاب الاشربة۔☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب استحباب الفطر للحاج بعرفات یوم عرفة۔ ☆السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب الاختیار للحاج فی ترك صوم یوم عرفة۔☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل صوم یوم عرفة۔ *ترمذی نے مختصراً روایت کیا ہے۔*☆ مُسندِ احمد ج٦ عن ام الفضل بن عباس۔ *قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ روایت مندرجہ ذیل مقامات پر بھی منقول ہے*☆ بخاری کتاب الحج، کتاب الصوم، کتاب الاشربه۔☆ مسلم کتاب الصیام *مختلف اسباب کے تحت*☆ ابوداؤد کتاب الصوم۔☆موطا امام مالك۔ کتاب الحج۔ صیام یوم عرفة۔☆مُسندِ احمد ج۱ ص۳٤٤۔ ج٦۔

(۲۱) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صوم عشر ذی الحجة۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی فطر العشر۔☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صیام العشر۔☆*ترمذی نے سند پر بحث بھی کی ہے۔* ☆ابنِ ماجه کتاب الصیام باب صیام العشر۔☆مُسندِ احمد ج٦۔

(۲۲) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثه ایام من کل شهر وصوم یوم عرفة وعَاشُوراء الخ۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الحث علی صوم یوم عاشوراء۔*روایت کا آخری حصّہ بیان کیا ہے۔*☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب صیام یوم عرفة۔☆ *علاوہ ازیں ابوداؤد کتاب الصوم اور مسندِ احمد* ج٥ *پر بھی اس روایت کا آخری حصّہ یعنی* صیام یوم عاشوراء انی احتسب علی اللّٰه ان یکفر السنة *الخ ہے۔*

(۲۳) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثة ایام من کل شهر وصوم یوم عرفة وعاشوراء والاثنین والخمیس۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم الدهر (تطوعًا۔)☆مُسندِ احمد ج٥۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب صوم یوم الاثنین والخمیس ۔

(۲٤) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثة ایام من کل شهر الخ۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب من قال لایبالی من ای الشهر☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم ثلاثة من کل شهر☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی صیام النبی ﷺ ☆ دارمی کتاب الصوم باب٦٧☆ مسند احمد ج۳ص٤٢٥۔٤٣٦ ج٤ص۱۹۔۲٥ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب من قال لایبالی ای ایام الشهر یصوم۔

(۲٥) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب استحباب صوم ستة من شوال اتباعا لرمضان۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم، باب فی صوم ستة ایام من شوال۔☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صیام ستة ایام من شوال۔☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب۳۳ صیام ستة ایام من شوال۔☆دارمی کتاب الصوم باب٤٤ صیام ستة من شوال۔☆ مُسندِ احمد ج٥۔ ابوایوب انصاری۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب فی فضل صوم ستة من شوال۔☆ السنن نے فذاك صیام الدهر *اور ترمذی نے بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔*☆ *ابوداؤد نے* فکأنما صام الدهر *اور ابن ماجہ نے* کان کصوم الدهر *نقل کیا ہے۔*

(۲۶) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صوم یوم الفطر اور بخاری کتاب الاضاحی۔ ☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب تحریم صوم یوم العیدین۔ (نهی عن صیام یومین یوم الفطر ویوم النحر) ☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم العیدین۔ ☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب۳۶۔ ☆مؤطا امام مالك کتاب الحج اور کتاب الصیام ☆ مُسندِ احمد ج۳۔ ج۱۔ ج۲۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ ص۲۹۷۔ کتاب الصیام باب الایام الّتی نهی عن صومها۔

(۲۷) بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم النحر اور کتاب الصید۔ ☆مسلم کتاب الصیام باب تحریم صوم یومی العیدین (یقول لایصلح الصیام فی یومین یومِ الاضحٰی وَیَوْمِ الفطر من رمضان) ☆ ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی کراهیة الصوم یوم الفطر ویوم النحر۔ ☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب فی النهی عن صیام یوم الفطر والاضحٰی۔ (نهی عن صوم یوم الفطر ویوم الاضحٰی) ☆ دارمی کتاب الصوم باب النهی عن الصیامِ یوم الفطر ویوم الاضحٰی۔ ☆مُسندِ احمد ج۳۔

(۲۸) بخاری کتاب الصوم اور کتاب الصید کے علاوہ الصلوٰة فی مسجد مکة ☆مسلم کتاب الحج ☆ ترمذی ابواب الصلاة۔ ☆نسائی کتاب المساجد ☆ ابنِ ماجه کتاب اقامة الصلاة وسننها ☆دارمی کتاب الصلاة۔ ☆مسنداحمد ج۲، ج۳ ج٦۔

(۲۹) مسند احمد ج٥ ص۷٥۔نبیشة الهذلی۔ *مسلم نے بھی ایک روایت اور بیان کی ہے جس میں انہوں نے بھی ذِکرِ اللّٰہِ کے الفاظ نقل کیے ہیں*۔مسلم کتاب الصیام باب تحریم صوم ایام التشریق۔

(۳۰) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب تحریم صوم ایام التشریق وبیان انها ایام اکل وشرب وذکر الله عزّوجلّ۔

(۳۱) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب صیام ایام التشریق۔ ☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی کراهیة صوم ایام التشریق۔ ☆ مسنداحمد ج۱، ج۲ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤ کتاب الصیام باب الایام الّتی نهی عن صومها۔

(۳۲) مسلم کتاب الصیام باب تحریم ایام التشریق الخ *میں بھی یہ حدیث* کعب بن مالك عن ابیه *سے منقول ہے*۔ ☆دارمی کتاب الصوم باب النهی عن صیام ایام التشریق۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب الایام التی نهی عن صومها۔

(۳۳) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صوم یوم الجمعة واذا اصبح صائمًا یوم الجمعة۔ الخ ☆مسلم اور ابوداؤد نے لَایَصُمْ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا اَنْ یَّصُوْمَ قَبْلَهٗ اَوْ یَصُوْمَ بَعْدَهٗ نقل کیا هے ☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب کراهیة افراد الجمعة بصوم لایوافق عادته۔ ☆ مُسندِ احمد ج۲ ☆ السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام باب النهی عن تخصیص یوم الجمعة بالصوم۔

(۳٤) ابن ماجه کتاب الصیام باب فی صیام یوم الجمعة۔

(۳٥) دارمی کتاب الصوم باب فی النهی عن الصیام یوم الجمعة۔

(۳٦) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی کراهیة صوم یوم الجمعةوحده۔ ☆ المصنف لِابنِ ابی شیبه ج۳۔ کتاب الصیام باب ما ذکر فی صوم الجمعة وما جاء فیه عَنْ ابی هریرة۔

(۳۷) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب کراهیة افراد یوم الجمعة بصومٍ لایوافق عادته ولاتخص یوم الجمعة بصیام من بین الایام۔ ☆ مسلم کتاب الصیام۔ ☆ابوداؤد کتاب الصوم۔ ☆ ترمذی ابواب الصوم ☆مسند احمد ج۱، ج۲، ج۳، ج٥، ج٦ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب النهی عن تخصیص یوم الجمعة بالصوم۔

(۳۸) بخاری ج۱ کتاب الجهاد باب فضل الصوم فی سبیل الله۔ ☆مسلم ج۱ کتاب الصیام، باب فضل الصیام فی سبیل اللّٰهِ۔ ☆نسائی کتاب الصیام ج٤ باب ثواب من صام یومًا فی سبیل الله عزوجل ☆مسندِاحمد ج۲ روایت

ابی هریرة ج ٤۔

(۳۹) مسلم ج ۱، کتاب الصیام ، باب فضل الصیام فی سبیل اللّٰہ۔☆ ترمذی ج ۱ ابواب فضائل الجهاد باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل الله۔☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب فی صیام یوم فی سبیل الله۔☆السنن الکبریٰ جلد ٤ کتاب الصیام باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل اللّٰہ۔

(٤۰) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل الله☆ نسائی کتاب الصیام ج ٤ باب ثواب من صام یومًا فی سبیل اللّٰہ عزوجل الخ☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب فی صیام یوم فی سبیل اللّٰہ☆مُسندِ احمد ج ۲، ج ۳، ج ٦ قدرے لفظی اختلاف کے ساتھ۔

(٤۱) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم۔ کتاب النکاح باب لزوجك علیك حق الخ۔ کتاب التهجد بابٌ... ج ۱۔ کتاب الادب باب حق الضیف۔☆ مسلم ج ۱ کتاب الصیام باب النهی عن الصوم۔ ☆ نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب صوم یوم وافطار یوم۔☆مسندِ احمد ج ۲۔ عبدالله بن عمرو۔

(٤۲) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب صوم داوٗدؑ۔☆ مسند ج ۱ کتاب الصیام باب النهی عن صوم الدهر۔ تفضیل صوم یوم وافطار یوم☆نسائی کتاب الصیام ج ٤۔☆ مسند احمد ج ۲ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب فی فضل صوم داوٗدؑ۔

(٤۳) مسلم کتاب الصیام باب، النهی عن صوم الدهر۔

(٤٤) بخاری کتاب الصوم باب صوم الدهر اور کتاب الانبیاء۔☆ بخاری کتاب الصوم باب صوم یوم وافطار یوم میں مختصر روایت ہے۔☆ مسلم کتاب الصیام باب النهی عن صوم الدهر الخ وهو افضل الصیام کی جگہ وَهو اعدل الصیام ہے☆ ابوداوٗد کتاب الصوم باب فی صوم الدهر (تطوعا) ☆نسائی کتاب الصیام باب ۷٦۔☆ مُسندِ احمد ج ۲۔

(٤٥) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلة النصف☆ ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان۔

(٤٦) نسائی ج ٤ کتاب، الصیام باب صوم النبی ﷺ۔☆ابن ماجه کتاب الصیام باب ٤۲۔صیام یوم الاثنین والخمیس☆ دارمی کتاب الصوم۔ باب ٤۱ مافی صیام الاثنین والخمیس۔☆ مُسندِ احمد، ج ٥، ج ٦☆مصنف لإبن ابی شیبة ج ۳۔

(٤۷) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس۔☆ نسائی کتاب الصیام باب صوم النبی ﷺ۔ ☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب صیام یوم الاثنین والخمیس۔

(٤۸) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس۔☆ ابوداوٗد ج ۱ کتاب الصوم باب فی صوم الاثنین والخمیس عن اسامة بن زید۔ ان اعمال العباد تعرض یوم الاثنین والخمیس۔

(٤۹) دارمی کتاب الصوم باب فی صیام یوم الاثنین والخمیس۔☆السنن الکبریٰ ج ٤ کتاب الصیام باب صوم یوم الاثنین والخمیس عن اسامة بن زید۔☆نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب، صوم النبی ﷺ۔

(٥۰) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم ثلاثة من کل شهر۔☆ نسائی ج ۱ کتاب الصیام باب کیف یصوم ثلاثة ایام من کل شهر۔ نسائی میں اذا صمت کے بعد شیئاً کا اضافہ ہے۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤۔ کتاب الصیام باب، من اَیِّ الشهر یصوم هذه الایام الثّلاثة☆ مسندِ احمد ج ٥ ص ۱٦۲ ابوذرغفاری۔

(٥۱) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم الجمعة۔☆نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب صوم النبی ﷺ۔

☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم الثلاث من کل شهر۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب من ای الشهر یصوم هذه الایام الثلاثة۔

(٥٢) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم الاثنین والخمیس۔

(٥٣) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب من قال الاثنین والخمیس۔☆ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب من قال الاثنین والخمیس۔ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب من ای الشهر یصوم هذه الایام الثّلاثة۔☆مُسندِ احمد ج٦ ص ۳۱ مرویات اُم سلمة ام المومنین۔

(٥٤) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم الاربعاء والخمیس۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم شوال۔ ترمذی اور ابوداؤد دونوں میں "کلّه" نہیں ملا۔

(٥٥) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم عرفة بعرفة۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤، کتاب الصیام باب الاختیار للحاج فی ترك الصوم یوم عرفة۔ *ایک روایت میں جسے السنن الکبریٰ نے اسی صفحہ پر نقل کیا ہے بعرفات بھی ہے۔*☆ابنِ ماجه کتاب الصیام باب صیام یوم عرفة۔ *ابن ماجہ نے بھی بعرفات والی روایت نقل کی ہے۔*☆ مسند احمد ج۲۔

(٥٦) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب النّهی ان یخصَّ یوم السبت بصومٍ۔ ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی صوم یوم السبت۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی صیام یوم السبت۔ *ابن ماجہ میں فَلْیَمْضَغْهُ کے بجائے فَلْیَمَصَّهٗ ہے۔*☆ دارمی کتاب الصوم باب فی صیام یوم السبت۔ *اس میں* وان لم یجد احدکم الا کذا اولِحَاءَ شجرة ہے۔☆ مسند احمد ج٤، ج٦ ☆السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام باب ماورد من النهی عن تخصیص یوم السبت بالصوم۔ ☆المستدرك للحاکم ج۱۔ کتاب الصوم باب النهی عن صوم یوم السبت۔

(٥٧) ترمذی ج۱ ابواب فضائل الجهاد باب ماجاء فی فضل الصوم فی سبیل الله۔

(٥٨) ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الصوم فی الشتاء۔☆مسند احمد ج٤،مرویات عامربن مسعود الجمحی☆ السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام باب ماورد فی صوم الشتاءِ۔ ☆ الصوم فی الشتاء الغنیمة الباردة۔ هذا مرسل۔ ذکر فیه حدیث عامر بن مسعود (الصوم فی الشتاء الغنیمة الباردة) ثم قال مرسل۔ قلت عامر هذا قال ابن حنبل اریٰ له صحبة وعده ابن حبان وابن مندة وابن عبدالبر من الصحابة وذکر ابن حنبل حدیثهٗ هذا فی مسنده ذیلی حاشیه ص ۲۹۷۔

(٥٩) السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔کتاب الصیام باب ماورد فی صوم الشتاء۔

(٦٠) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤۔ کتاب الصیام باب فضل یوم عاشورآء۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ٤۱ صیام یوم عاشورآء۔

(٦١) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب صیام یوم عاشورآء۔☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء۔

(٦٢) بخاری ج۱ کتاب المناقب باب بنیان الکعبة باب اتیان الیهود النبیﷺحین قدم المدینة ☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب صوم یوم عاشورآء۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب فی صوم یوم عاشورآء۔ ☆مسند احمد ج۲ ابوهریرةؓ۔ ☆دارمی کتاب الصوم باب ٤٦ فی صوم یوم عاشورآء۔ *الفاظ مختلف ہیں۔*

(٦٣) بخاری ج۱ کتاب المناقب باب بنیان الکعبة باب اتیان الیهود النبی ﷺحین قدم المدینة۔☆ مسنداحمد ج۲۔

(٦٤) مسند احمد ج٦ مرویات اُمّ سلمة اُمّ المؤمنین۔

(٦٥) السنن الکبریٰ ج٤۔

(٦٦) مسلم ج١ كتاب الصيام باب صوم يوم عاشوراء۔☆السنن الكبرىٰ ج٤۔ كتاب الصيام باب صوم عاشوراء كان واجبًا ثم نسخ وجوبه۔☆مسند احمد ج٥،جابر بن سمرة۔

(٦٧) نسائى ج٤ كتاب الصيام باب كيف يصوم ثلاثة ايام من كل شهرٍ الخ۔☆مسندِ احمد ج٦ مرويات حفصة ام المومنين۔ **اس میں** قبل الغداة **سے** الفجر **نہیں ہے۔**

(٦٨) نسائى ج٤ كتاب الصيام باب صوم النبى ﷺ بابى هو وامى الخ۔

(٦٩) ابن ماجه كتاب الصيام باب فى الصوم زكاة الجسد۔ **ایک روایت میں** طَارَ **کی جگہ** طَائِرٌ **بھی منقول ہے۔**

(٧٠) ابن ماجه كتاب الصيام باب صيام يوم الاثنين والخميس۔☆مسند احمد ج٢ مرويات ابى هريرة۔

(٧١) مسنداحمدج٢ص ٥٢٦۔ مروياتِ ابى هريرة۔ **ایک روایت میں** طَارَ **کی جگہ** طَائِرٌ **بھی منقول ہے۔**☆المعجم الكبير للطبرانى ج٧۔عمروبن ربيعه الحضرمى۔

(٧٢) مسلم ج١ كتاب الصيام باب جواز فطر الصائم نفلاً من غيرعذر۔☆ابوداؤد ج٢ كتاب الصوم باب فى الرخصة فى ذلك۔☆ترمذى ج١ابواب الصوم باب ماجاء فى افطارالصائم المتطوع۔ قال ابوعيسٰى هذا حديث حسن۔ ☆نسائى ج٤ كتاب الصيام باب النيّة فى الصيام۔☆ السنن الكبرىٰ ج٤۔كتاب الصيام باب صيام التطوع والخروج منه قبل تمامه۔☆مسند احمد ج٦عائشة۔

(٧٣) بخارى ج١ كتاب الصوم باب من زار قومًا فلم يفطر عندهم۔

(٧٤) مسلم ج١كتاب الصيام باب فضل الصيام۔☆ابوداؤد ج٢كتاب الصوم باب مايقول الصائم اذا دعى الى الطعام۔☆ ترمذى ج١ كتاب الصوم ☆ ابن ماجه كتاب الصيام باب من دعى الى طعام وهو صائمٌ۔ ☆ مؤطا امام مالك كتاب الحج۔☆ دارمى كتاب الصوم باب من دعى الى الطعام وهو صائمٌ فليقل انّى صائم۔

(٧٥) ابوداؤد كتاب الصوم باب فى الصائم يدعى الى وليمة۔ قَالَ ابوداؤد : رواه حفص بن غياث ايضًا عن هشام ☆مسند احمد ج٢، ج٥۔

(٧٦) ابوداؤد ج٢ كتاب الصوم باب فى الرخصة فى ذلك۔☆ دارمى كتاب الصوم باب فيمن يصبح صائمًا تطوعًا ثم يفطر۔ ☆ مسند احمد ج٦۔ روايت ام هانىءٍ۔ مسند احمد میں فَلَا يَضُرُّكِ اِذًا ہے۔

(٧٧) ترمذى ج١ابواب الصوم باب ماجاء فى افطار الصائم المتطوع۔

(٧٨) المستدرك للحاكم ج١كتاب الصوم باب صوم التطوع۔☆ترمذى ج١ ابواب الصوم باب ماجاء فى افطار الصائم المتطوع☆مسنداحمدج٦ روايات ام هانىءٍ۔☆السنن الكبرىٰ ج٤ كتاب الصيام باب صيام التطوع والخروج منه قبل تمامه۔

(٧٩) ترمذى ج١ ابواب الصوم باب ماجاء فى ايجاب القضاء عليه۔☆ ابوداؤد كتاب الصوم باب من رأى عليه القضاء۔☆ مؤطا امام مالك كتاب الصيام قضاء التطوع۔☆السنن الكبرىٰ ج٤ كتاب الصيام۔

(٨٠) دارمى كتاب الصوم باب فى الصائم اذا اكل عنده۔☆ابن ماجه كتاب الصيام باب فى الصائم اذا اكل عنده۔ ☆مسند احمد ج٦ ام عماره بنت كعب۔ **ابن ماجہ اور مسند احمد نے** صَلَّتْ عليهِ الملائكة **تک روایت کیا ہے۔**☆ترمذى ج١ابواب الصوم باب ماجاء فى فضل الصائم اذا اكل عنده۔ **ترمذی اور ابن ماجہ میں روایت کے آخر میں** حَتّٰى يَشْبَعُوْا **بھی منقول ہے۔**☆السنن الكبرىٰ ج٤۔ كتاب الصيام باب فى فضل شهر رمضان۔

(٨١) ابن ماجه كتاب الصيام باب فى الصائم اذا اكل عنده۔

فصل ہشتم:

رمضان میں قیام لیل

تراویح کے بارے میں معلومات کا خلاصہ

۱۲۵۔ تراویح کے بارے میں جو کچھ مجھے معلوم ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) نبی ﷺ دوسرے زمانوں کی بہ نسبت رمضان کے زمانے میں قیامِ لیل کے لیے زیادہ ترغیب دیا کرتے تھے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز آپ کو بہت محبوب تھی۔

(۲) صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ رمضان المبارک میں تین رات نماز تراویح جماعت کے ساتھ پڑھائی اور پھر یہ فرما کر اسے چھوڑ دیا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ تم پر فرض نہ ہو جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تراویح میں جماعت مسنون ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تراویح فرض کے درجہ میں نہیں ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ چاہتے تھے کہ لوگ ایک پسندیدہ سنت کے طور پر تراویح پڑھتے رہیں مگر بالکل فرض کی طرح لازم نہ سمجھ لیں۔

(۳) تمام روایات کو جمع کرنے سے جو چیز حقیقت سے قریب تر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضورؐ نے خود جماعت کے ساتھ رمضان میں جو نماز پڑھائی وہ اوّل وقت تھی نہ کہ آخر وقت میں۔ اور وہ آٹھ رکعتیں تھیں نہ کہ بیس۔ (اگر چہ ایک روایت بیس کی بھی ہے مگر وہ آٹھ والی روایت کی بہ نسبت ضعیف ہے) اور یہ کہ لوگ حضورؐ کے پیچھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے بعد واپس جا کر اپنے طور پر مزید کچھ رکعتیں بھی پڑھتے تھے۔ وہ مزید رکعتیں کتنی ہوتی تھیں؟ اس کے بارے میں کوئی واضح بات نہیں ملتی۔ لیکن بعد میں جو حضرت عمرؓ نے ۲۰ رکعتیں پڑھنے کا طریقہ رائج کیا اور تمام صحابہؓ نے اس سے اتفاق کیا اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ زائد رکعتیں ۱۲ ہوتی تھیں۔

(۴) حضورؐ کے زمانہ سے لے کر حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ تک باقاعدہ ایک جماعت میں سب لوگوں کے تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج نہ تھا، بلکہ لوگ یا تو اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے تھے یا مسجد میں متفرق طور پر چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ اسی تفرّق کو دُور کر کے سب لوگوں کو ایک جماعت کی شکل میں نماز پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس کے لیے حضرت عمرؓ کے پاس یہ حجت موجود تھی کہ حضورؐ نے خود تین بار جماعت کے ساتھ تراویح پڑھائی تھی۔ اس لیے اس فعل کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ اور چونکہ حضورؐ نے اس سلسلہ کو یہ فرما کر بند کیا تا کہ کہیں یہ فرض نہ ہو جائے۔ اور حضورؐ کے گزر جانے کے بعد اس امر کا اندیشہ باقی نہ رہا تھا کہ کسی کے فعل سے یہ چیز فرض قرار پا سکے گی، اس لیے حضرت عمرؓ نے ایک سنت اور مندوب چیز کی حیثیت سے اس کو جاری کر دیا۔ یہ حضرت عمرؓ کے تفقہ کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے کہ انہوں نے شارع کے منشا کو ٹھیک ٹھیک سمجھا اور امت میں ایک صحیح طریقے کو رائج فرما دیا۔ صحابہ کرامؓ میں سے

کسی کا اس پر اعتراض نہ کرنا، بلکہ بسر و چشم اسے قبول کر لینا یہ ثابت کرتا ہے کہ شارع کے اس منشا کو بھی ٹھیک ٹھیک پورا کیا گیا کہ ''اسے فرض کے درجہ میں نہ کر دیا جائے۔'' چنانچہ کم از کم ایک بار تو ان کا خود تراویح میں شریک نہ ہونا ثابت ہے جب کہ وہ عبدالرحمٰنؓ بن عبد کے ساتھ نکلے اور مسجد میں لوگوں کو تراویح پڑھتے دیکھ کر اظہارِ تحسین فرمایا۔

(۵) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب باقاعدہ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا تو باتفاقِ صحابہ بیس رکعتیں پڑھی جاتی تھیں اور اسی کی پیروی حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے زمانہ میں بھی ہوئی۔ تینوں خلفاء کا اس پر اتفاق اور پھر صحابہؓ کا اس پر اختلاف نہ کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد سے لوگ تراویح کی بیس ہی رکعتوں کے عادی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد تینوں بیس ہی رکعت کے قائل ہیں، اور ایک قول امام مالکؒ کا بھی اسی کے حق میں ہے۔ داؤد ظاہریؒ نے بھی اسی کو سنتِ ثابتہ تسلیم کیا ہے۔

(۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت ابان بن عثمان نے ۲۰ کے بجائے ۳۶ رکعتیں پڑھنے کا جو طریقہ شروع کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفاءِ راشدین کی تحقیق کے خلاف تھی، بلکہ ان کے پیشِ نظر یہ تھا کہ مکّہ سے باہر کے لوگ ثواب میں اہلِ مکہ کے برابر ہو جائیں۔ اہلِ مکّہ کا قاعدہ یہ تھا کہ وہ تراویح کی ہر چار رکعتوں کے بعد کعبے کا طواف کرتے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے ہر طواف کے بدلے چار رکعتیں پڑھنی شروع کر دیں۔ یہ طریقہ چونکہ اہلِ مدینہ میں رائج تھا اور امام مالک اہلِ مدینہ کے عمل کو سند سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے بعد میں بیس کے بجائے ۳۶ کے حق میں فتویٰ دے دیا۔

(۷) علماء جس بنا پر یہ کہتے ہیں کہ جس بستی یا محلے میں سرے سے نمازِ تراویح باجماعت ادا ہی نہ کی جائے اس کے سب لوگ گنہ گار ہیں، وہ یہ ہے کہ تراویح ایک سنّتُ الاسلام ہے جو عہدِ خلافتِ راشدہ سے تمام امت میں جاری ہے۔ ایک ایسے اسلامی طریقہ کو چھوڑ دینا اور بستی کے سارے ہی مسلمانوں کا مل کر چھوڑ دینا، دین سے ایک عام بے پروائی کی علامت ہے۔ جس کو گوارا کر لیا جائے تو رفتہ رفتہ وہاں سے تمام اسلامی طریقوں کے مٹ جانے کا اندیشہ ہے۔

(۸) اس امر میں اختلاف ہے کہ تراویح کے لیے افضل وقت کون سا ہے؟ عشاء کا وقت یا تہجد کا؟ دلائل دونوں کے حق میں ہیں، مگر زیادہ تر رجحان آخر وقت ہی کی طرف ہے۔ البتہ اوّل وقت کی ترجیح کے لیے یہ بات بہت وزنی ہے کہ مسلمان بحیثیتِ مجموعی اوّل وقت ہی کی تراویح پڑھ سکتے ہیں، آخر وقت اختیار کرنے کی صورت میں اُمّت کے سوادِ اعظم کا اس ثواب سے محروم رہ جانا ایک بڑا نقصان ہے اور اگر چند صلحاء وقت کی فضیلت سے مستفید ہونے کی خاطر اوّل وقت کی جماعت میں شریک نہ ہوں تو اس سے یہ اندیشہ ہے کہ عوام الناس یا تو ان صلحاء سے بدگمان ہوں، یا اُن کی عدمِ شرکت کی وجہ سے خود ہی تراویح چھوڑ بیٹھیں، یا پھر ان صلحاء کو اپنی تہجّد خوانی کا ڈھنڈورہ پیٹنے پر مجبور ہونا پڑے۔ ھذا ما عندی و العلم عند اللہ وھو اعلم بالصواب۔ (رسائل و مسائل ۲: رمضان میں قیام...)

تخریج (۱): حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ ثنی مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَیْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ صَلّٰی وَذٰلِكَ فِیْ رَمَضَانَ وَحَدَّثَنِیْ یَحْیَ بْنُ بُكَیْرٍ، ثنی اللَّیْثُ عَنْ عُقَیْلٍ، عَنْ بْنِ شِهَابٍ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَةُ، اَنَّ عَائِشَةَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ خَرَجَ لَیْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ وَصَلّٰی رِجَالٌ بِصَلَاتِهٖ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا

فَاجْتَمَعَ اَكْثَرُ مِنْهُمْ فَصَلّٰى، فَصَلُّوْا مَعَهٗ فَاَصْبَحَ النَّاسُ فَتَحَدَّثُوْا فَكَثُرَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ مِنَ اللَّيْلَةِ الثَّالِثَةِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى فَصَلُّوْا بِصَلَاتِهٖ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الرَّابِعَةُ عَجَزَ الْمَسْجِدُ عَنْ اَهْلِهٖ حَتّٰى خَرَجَ لِصَلَاةِ الصُّبْحِ فَلَمَّا قَضَى الْفَجْرَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَتَشَهَّدَ ثُمَّ قَالَ : اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّهٗ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْهَا فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ۔(۱)

ترجمه : حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات اپنے حجرے سے مسجد کی طرف نکلے جب کہ رات کا کچھ حصہ گزر چکا تھا۔ آپؐ نے مسجد نبوی میں خود نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسرے روز لوگ باتوں میں مصروف رہے اس طرح کافی لوگ مسجد میں جمع ہو گئے۔ آپؐ نے ان سب کو نماز پڑھائی تیسرے روز بھی لوگوں کی تعداد پہلے سے بڑھ گئی اور مسجد میں نمازیوں کی گنجایش بہت کم رہ گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے حجرے سے باہر تشریف لا کر سب کو نماز پڑھائی، چوتھے روز تو مسجد میں اتنی بھیڑ ہو گئی کہ نمازیوں کے لیے جگہ نہ رہی۔ آپؐ نماز فجر کے لیے تشریف لائے نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے مقتدیوں کی جانب روئے سخن فرمایا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: تمہارا مرتبہ مجھ پر مخفی نہیں ہے مگر مجھے اندیشہ یہ ہے کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اسے نبھا نہ سکو۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی مگر معاملہ اسی طرح رہا۔

ترمذی نے حضرت ابوذرؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ آپؐ نے ہمیں ۲۳، ۲۵ اور ۲۷ کو باجماعت نماز تراویح پڑھائی۔ (۲)

﴿۲﴾ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِالْقَارِيِّ اَنَّهٗ قَالَ : خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً فِيْ رَمَضَانَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ۔ يُصَلِّي الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّي الرَّجُلُ فَيُصَلِّيْ بِصَلَاتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ: اِنِّيْ اَرٰى لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاءِ عَلٰى قَارِئٍ وَاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلَاةِ قَارِئِهِمْ، قَالَ عُمَرُ: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ وَالَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔(۳)

ترجمه : حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری کا بیان ہے کہ رمضان کی ایک رات میں، میں عمرؓ بن خطاب کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا۔ دیکھا کہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کوئی تن تنہا نماز پڑھ رہا ہے۔ کچھ کسی ایک کی امامت واقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر فرمایا: میرا خیال ہے کہ میں ان سب کو ایک قاری کے ماتحت جمع کر دوں کہ وہ انہیں نماز پڑھائے تو یہ مثالی اور عمدہ بات ہوگی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عزم صمیم کے ساتھ لوگوں کو ابی بن کعب کی اقتداء پر اکٹھا کر دیا۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ پھر میں ایک رات حضرت عمرؓ کے ساتھ نکل کھڑا ہوا تو دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی

قاری کے پیچھے اکٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر فرمایا: ''یہ بدعت تو بہت اچھی ہے۔'' ان کا منشا یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں (نمازِ تراویح) پڑھنا اول حصے میں پڑھنے سے بہتر اور افضل ہے۔

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ قَالَ : حَدَّثَنَا اَبُوْهِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ فَضْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شَيْبَانَ قَالَ: قُلْتُ لِاَبِیْ سَلَمَةَ ابْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ حَدَّثْنِیْ بِشَیْءٍ سَمِعْتَهٗ مِنْ اَبِیْكَ سَمِعَهٗ اَبُوْكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ بَيْنَ اَبِيْكَ وَبَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَحَدٌ فِیْ شَهْرِ رَمَضَانَ قَالَ: نَعَمْ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فَرَضَ صِيَامَ رَمَضَانَ عَلَيْكُمْ وَسَنَنْتُ قِيَامَهٗ فَمَنْ صَامَهٗ وَقَامَهٗ اِيْمَانًا وَاِحْتِسَابًا خَرَجَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔(٤)

ترجمہ: نضر بن شَیبان کا بیان ہے کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہا کہ کوئی ارشاد ایسا سنائیں جو آپ نے آپنے والد سے اور انہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو کیونکہ آپ کے والد اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان رمضان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میرے ابّا جان نے مجھے ایک ارشاد سنایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض فرمائے ہیں اور میں نے رمضان کا قیام جاری کیا ہے (سنت قرار دیا ہے) پس جس نے رمضان کے روزے بھی رکھے اور اس کا قیام بھی کیا ایمان اور احتساب کے پیشِ نظر تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو گیا گویا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنا ہے۔

تعداد رکعاتِ تراویح

ایک سوال کا جواب:

۱۲۶۔ تراویح کی رکعات کا مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن پر مدّتِ دراز کے جھگڑوں اور مناظروں نے فریقین کو بے انتہا ذکی الحس بنا دیا ہے۔ اسی وجہ سے آٹھ رکعت یا بیس رکعت کا لفظ کسی کی زبان سے نکلتے ہی کوئی ایک گروہ اس پر آستینیں چڑھا لیتا ہے اور چیلنج بازی شروع کر دیتا ہے۔ مذکورہ بالا سوال اسی کیفیت کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے جس پر اتنے جھگڑوں کی کوئی حاجت ہو۔ اگر کسی کے نزدیک آٹھ رکعت ہی ثابت ہو تو وہ آٹھ پڑھے اور خواہ مخواہ بیس رکعت کو بدعت قرار دینے پر اپنا زور صرف نہ کرے۔ اور اگر کسی کے نزدیک بیس رکعت ہی ثابت ہوں تو وہ بیس پڑھے اور آٹھ رکعت پڑھنے والوں کی مخالفت میں وقت ضائع نہ کرتا رہے۔ دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کو اس سے بدرجہا زیادہ اہم مسائل درپیش ہیں جو ہماری توجہ اور محنت اور اوقات اور اموال کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کو چھوڑ کر ان مسائل پر جھگڑے اور بحثیں کرنے میں سارا زور لگا دینا خدا کے دین کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔

محترم سائل نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آٹھ رکعت سے زائد پڑھنا خلافِ سنت ہے۔ اور اس دعوے کی بنا انہوں نے اس بات پر رکھی ہے کہ نبی ﷺ نے تراویح میں آٹھ ہی رکعت پڑھی ہیں۔ حالانکہ اگر اس بنیاد پر آٹھ

رکعت سے زائد پڑھنے کو خلافِ سنت کہنا درست ہو تو پھر تمام عمر میں تراویح صرف تین مرتبہ ہی جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیے اور اس سے زائد پڑھنے کو بھی خلافِ سنت قرار دے دیا جانا چاہیے۔ اس لیے کہ حضورؐ سے باجماعت تراویح صرف اسی حد تک ثابت ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس معاملہ میں حضرت عمرؓ کا یہ اجتہاد کہ ہر رمضان میں تمام مساجد میں ہر روز باجماعت تراویح کا اہتمام کیا جائے، آپ نے قبول فرمالیا اور اسے خلافِ سنت قرار نہیں دیا تو آخر تراویح کے لیے ۲۰ رکعت مقرر کرنے کے بارے میں ان کا اجتہاد کس دلیل سے خلافِ سنت ہو گیا۔

سائل فاضل کی یہ کوشش کہ حضرت عمرؓ سے ۲۰ رکعت کے ثبوت ہی میں سرے سے شک پیدا کر دیا جائے، درحقیقت مکابرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ بات قریب قریب یقینی طور پر ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ نے تراویح کے لیے ۲۰ رکعت مقرر کی تھیں۔ صحابہ نے اسے قبول کیا اور ان کے بعد بھی خلفاء اور صحابہ کا عمل اس پر رہا۔ ترمذی کا بیان ہے:

واکثر اهل العلم علی ماروی عن عمرو علی وغیرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعة۔

—— ”اور اکثر اہل علم اُسی مسلک پر ہیں جو حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ سے مروی ہیں، یعنی ۲۰ رکعت۔“

محمد بن نصر المروزی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہی عمل نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابی ابن کعبؓ اور متعدد دوسرے صحابہ کا اثر بتایا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ جمہور علماء ۲۰ رکعت ہی کے قائل ہیں اور صحابہ سے اس بارے میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہوا ہے۔ المغنی ج ا ص ۷۹۸، ۷۹۹ میں ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:

> ”امام احمد بن حنبل کے نزدیک تراویح کے معاملہ میں ۲۰ رکعت ہی کا مسلک مرجح ہے۔ اور اسی کے قائل سفیان ثوری اور ابوحنیفہ اور شافعی ہیں، مگر امام مالک ۳۶ کے قائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ قدیم سے اسی پر عمل چلا آرہا ہے.... اس کے مقابلے میں ہمارا استدلال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب متفرق طور پر تراویح پڑھنے والے تمام لوگوں کو ابی بن کعب کی امامت میں جمع کیا تو حضرت ابی ۲۰ رکعتیں پڑھاتے تھے[1]... اور حضرت علیؓ سے بھی یہی ثابت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو رمضان میں ۲۰ رکعت تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔ یہ عمل قریب قریب اجماع کا ہم معنی ہے... اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ بعد میں تمام اہل مدینہ ۳۶ رکعت تراویح پڑھنے لگے تھے تب بھی جو کچھ حضرت عمرؓ نے کیا تھا اور جس پر صحابہ ان کے زمانے میں متفق ہو گئے تھے۔ اسی کی پیروی کرنا زیادہ بہتر ہے۔“

اس کے مقابلہ میں محترم سائل کا تمام تر اعتماد صرف اس روایت پر ہے جو امام مالکؒ نے مؤطا میں سائب بن یزید سے نقل کی ہے اور جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے وتر سمیت ۱۱ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا لیکن اس سلسلے میں تین باتیں قابلِ غور ہیں۔ اول یہ کہ اسی مؤطا میں امام مالک یزید بن رومان کی یہ روایت نقل کرتے ہیں۔

---

[1] بیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ پر جو روایت ہے جسے مؤطا امام مالک نے بھی روایت کیا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ حضرت ابی کو جب امام مقرر کیا گیا تو انہوں نے ۲۰ رکعتیں پڑھائیں۔ اس کے برخلاف ابی بن کعب اور تمیم داری دونوں نے ۸ رکعات پڑھائیں۔ (مرتب)

حضرت عمرؓ نے وتر سمیت ۲۳ رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا تھا[1] مگر محترم سائل نے اس روایت کو نظر انداز کر دیا۔ دوم یہ کہ وہی سائب بن یزید جن سے امام مالک ۱۱ رکعت کی روایت نقل کرتے ہیں ان سے ایک دوسری روایت بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ ۲۳ رکعت کے حق میں نقل کی ہے اور اس سے گمان ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اگر پہلے گیارہ رکعتیں مقرر کی بھی تھیں، تو بعد میں ان کو ۲۳ رکعت میں بدل دیا ہوگا۔ سوم یہ کہ امام مالک خود ان دونوں روایتوں پر عمل نہیں کرتے بلکہ ۳۶ رکعتوں کے حق میں اس بنا پر فیصلہ دیتے ہیں کہ مدینے میں ایک صدی سے زیادہ مدت سے تین رکعت وتر اور چھتیس (۳۶) رکعت تراویح پڑھنے کا طریقہ رائج تھا۔ سیوطی المصابیح میں جو کچھ چاہیں کہیں، مگر فقہائے مالکیہ اپنے امام کا یہی قول صحیح مانتے ہیں۔

ان امور پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ نبی ﷺ نے آٹھ رکعتیں ہی پڑھی ہیں، لیکن صحابہ اور تابعین نے بالعموم حضورؐ کے اس فعل کا مطلب یہ نہیں لیا ہے کہ آٹھ رکعت پڑھنا ہی سنت ہے اور اس سے زائد پڑھنا خلاف سنت یا بدعت ہے۔ آخر یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین اور ائمہ مجتہدین سنت اور بدعت کے درمیان تمیز کرنے کی اہلیت سے اس درجہ محروم تھے کہ جان بوجھ کر وہ سنت کو چھوڑ کر ایک بدعت کو اختیار کر سکتے تھے۔

بہرحال اگر کوئی شخص حضورؐ کے اس فعل کو اس معنی میں لیتا ہو کہ آپ کا منشا ۸ رکعت ہی کو سنت کی حیثیت سے جاری کرنے کا تھا تو وہ شوق سے اس پر عمل کرے، اور جو اس معاملہ میں اس کے ہم خیال ہوں وہ اس کی پیروی کریں۔ لیکن ۲۰ رکعت کے دلائل اتنے کمزور نہیں ہیں کہ اسے خلافِ سنت قرار دینا اتنا آسان ہو جتنا سمجھ لیا گیا ہے۔

(رسائل ومسائل ۳: تعداد رکعات تراویح)

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا اِسمَاعِيلُ، ثَنِیْ مَالِكٌ عَنْ سَعِيدِ نِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، اَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَ كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِیْ رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ : مَاكَانَ يَزِيْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَافِیْ غَيْرِهٖ عَلٰى اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً يُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ يُصَلِّیْ ثَلٰثًا فَقُلْتُ:يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَنَامُ قَبْلَ اَنْ تُوْتِرَ؟ قَالَ : يَاعَائِشَةُ اِنَّ عَيْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَايَنَامُ قَلْبِیْ۔(۵)

ترجمہ : حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رمضان میں نماز کی کیفیت کیا تھی؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہیں پڑھتے تھے۔ چار رکعت پڑھتے مگر اتنے عمدہ طریقے سے پڑھتے کہ ان کے حسن وطوالت کے کیا کہنے۔ پھر چار رکعت پڑھتے کہ ان کی عمدہ ادائیگی اور طولِ قیام کے متعلق کیا پوچھنا۔ پھر اس کے بعد تین رکعت وتر ادا فرماتے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا آپؐ وتر پڑھے بغیر سو سکتے ہیں؟ فرمایا عائشہ میری آنکھیں تو ضرور سو جاتی ہیں مگر دل بیدار رہتا ہے۔

⟨۲⟩ مَالِكٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يُوْسُفَ، عَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ، اَنَّهٗ قَالَ:اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَیَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمًا الدَّارِیَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً۔(۶)

---

[1] موطا امام مالک میں یزید بن رومان والی روایت میں حکم دینے کے الفاظ تو نہیں ملے البتہ یہ مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں لوگ تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مرتب)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات ابی بن کعب اور تمیم داری دونوں کو اس پر مقرر کیا تھا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں۔

﴿۳﴾ مَالِكٌ عَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ، اَنَّهٗ قَالَ: كَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ فِىْ زَمَانِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِىْ رَمَضَانَ بِثَلٰثٍ وَّعِشْرِيْنَ رَكْعَةً۔(۷)

ترجمہ: یزید بن رومان کی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد میں لوگ قیام رمضان میں تیئیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

﴿۴﴾ اَخْبَرَنَا اَبُوْ يَعْلٰى، حَدَّثَنَا عَبْدُالْاَعْلٰى بْنُ حَمَّادِ النَّرْسِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوْبُ الْقُمِيُّ، حَدَّثَنَا عِيْسَى بْنُ جَارِيَةَ، حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ : جَآءَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ مِنِّى اللَّيْلَةَ شَيْئٌ فِىْ رَمَضَانَ قَالَ : وَمَا ذَاكَ يَا اُبَيُّ؟ قَالَ : نِسْوَةٌ فِىْ دَارِىْ قُلْنَ اِنَّا لَانَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ فَنُصَلِّىْ بِصَلَاتِكَ قَالَ : فَصَلَّيْتُ بِهِنَّ ثَمَانِىْ رَكْعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرْتُ۔ قَالَ : فَكَانَ شِبْهَ الرِّضَا وَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا۔(۸)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! رمضان کی ایک شب میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تھا اے اُبی؟ عرض کیا میرے گھر پر کچھ عورتیں جمع تھیں کہنے لگیں ہمیں قرآن حفظ نہیں ہے لہٰذا ہم تمہارے ساتھ نماز پڑھنا چاہتی ہیں۔ میں نے انہیں آٹھ رکعات پڑھا کر بعد میں تین وتر پڑھائے راوی کا بیان ہے آپ نے کچھ نہیں کہا۔ گویا یہ خاموشی آپ کی رضامندی کے مشابہ تھی۔

﴿۵﴾ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفُضَيْلِ عَنْ دَاوٗدَ بْنِ اَبِىْ هِنْدٍ، عَنِ الْوَلِيْدِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْجُرُشِيِّ، عَنْ جُبَيْرِبْنِ نُضَيْرٍ، عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ: صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِىَ سَبْعٌ مِنَ الشَّهْرِ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا فِى السَّادِسَةِ وَقَامَ بِنَا فِى الْخَامِسَةِ حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِنَا هٰذِهٖ فَقَالَ: اِنَّهٗ مَنْ قَامَ مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ كُتِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ ثُمَّ لَمْ يُصَلِّ بِنَا حَتّٰى بَقِىَ ثُلُثٌ مِنَ الشَّهْرِ وَصَلّٰى بِنَا فِى الثَّالِثَةِ وَدَعٰى اَهْلَهٗ وَنِسَآءَهٗ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى تَخَوَّفْنَا الْفَلَاحَ قُلْتُ لَهٗ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ۔ (۹)

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روزے رکھے آپ نے ہمیں کوئی (رات کی) نماز نہیں پڑھائی۔ سارا رمضان گزر گیا۔ صرف سات روزے باقی تھے کہ دوتہائی رات گزرنے پر آپ نے ہمارے ساتھ قیام فرمایا۔ چھ دن باقی تھے تو پھر آپ نے قیام نہیں فرمایا البتہ جب پانچ دن باقی رہ گئے تو پھر نصف شب گزر جانے کے بعد ہمارے ساتھ قیام فرمایا۔ ہم نے عرض کیا، کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ رات کا باقی حصہ بھی نفل نماز کی ادائیگی میں گزارتے۔

آپؐ نے فرمایا جس شخص نے امام کے ساتھ اس کے فارغ ہونے تک قیام کیا تو اس کے کھاتہ میں رات بھر کا قیام لکھ دیا گیا۔ پھر قیام نہ فرمایا یہاں تک کہ تین دن باقی رہ گئے۔ اس روز آپؐ نے اپنے اہل وعیال کو بھی بلوایا۔ نماز پڑھائی کہ فلاح کے فوت ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ فلاح سے مراد کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد سحری ہے۔

قَالَ ابو عیسی هذا حدیث حسن صحیح۔

واختلف اهل العلم فی قیام رمضان :

فرای بعضهم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر،هو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة۔ واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمرو غیرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعةً وهو قول سفیان الثوری وابن المبارك والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعةً۔

وقال احمد روی فی هذا الوان لم یقض فیه بشیءٍ۔

وقال اسحاق بل نختار احدی واربعین رکعة علی ماروی عن ابی بن کعب۔

واختار ابن المبارك واحمد واسحاق الصلاة مع الامام فی شهر رمضان واختار الشافعی ان یصل الرجل وحده اذا کان قارئاً۔

اہل علم کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف آراء ہے:

- اہل مدینہ وتر کے ساتھ اکتالیس رکعات کے قائل ہیں۔ اسی کے مطابق ان کا عمل ہے۔ اہل علم کی اکثریت کی رائے حضرات علی اور عمر رضی اللہ عنہما سے منقول عمل یعنی تیئیس رکعات کے حق میں ہے۔ سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے اہلِ مکہ کو بیس رکعات پڑھتے پایا ہے۔
- امام احمد سے اس بارے میں کئی اقوال منقول ہیں انہوں نے اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں دیا۔
- امام اسحاق کے نزدیک ابی بن کعب سے مروی روایت کے مطابق اکتالیس رکعات۔
- ابن مبارک، احمد، اسحاق رمضان میں امام کے ساتھ پڑھنے کے حق میں ہیں۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک آدمی اکیلا پڑھے جب کہ اسے قرآن یاد ہو۔

〈۲〉 اَخبرَنَا اَبُو الْحَسَنِ بْنُ الْفَضْلِ الْقَطَّانُ بِبَغْدَادَ، انبأ مُحَمَّدُ بْنُ اَحمَدَ بْنِ عِیسَی ابْنِ عَبْدِكَ الرَّازِيُّ، ثَنَا اَبُوعَامِرٍ عَمْرُو بْنُ تَمِیمٍ، ثنا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ یُوْنُسَ، ثنا حَمَّادُ بْنُ شُعَیْبٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ اَبِی عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِيِّ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: دَعَا الْقُرَّاءَ فِي رَمَضَانَ فَاَمَرَ مِنْهُمْ رَجُلاً یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً قَالَ: وَکَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ یُوْتِرُ بِهِمْ۔(۱۰)

ترجمہ : حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رمضان المبارک میں قرّاء حضرات کو بلایا۔ ان میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں اور وتر ان کو خود حضرت علی رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے۔

﴿۷﴾ انبأ اَبُوْ سَعْدِن الْمَالِيْنِيُّ، ثنا اَبُوْاَحْمَدَ بْنُ عَدِيِّ الْحَافِظُ، ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ، ثنا مَنْصُوْرُ بْنُ اَبِى مُزَاحِمٍ، ثنا اَبُوْشَيْبَةَ عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ مِقْسَمٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : كَانَ النَّبِىُّ ﷺ يُصَلِّىْ فِىْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِىْ غَيْرِ جَمَاعَةٍ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ۔

تفرد به ابو شيبة ابراهيم بن عثمان العبسى الكوفى وهو ضعيفٌ۔ (۱۱)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ رمضان مبارک میں خود جماعت سے الگ بیس رکعات اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

فطرہ کے مسائل

۱۲۷۔ فطرے کی مقدار میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں جو اوزان اور پیمانے اس وقت رائج تھے ان کو موجودہ زمانے کے اوزان اور پیمانوں کے مطابق بنانے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ مختلف اہلِ علم نے اپنی تحقیق سے جو کچھ اوزان بیان کیے ہیں۔ عام لوگ ان میں سے جس کے مطابق بھی فطرہ دیں گے، سبکدوش ہو جائیں گے۔ اس معاملہ میں زیادہ تشدّد کی ضرورت نہیں ہے۔ فطرہ ہر اس شخص کو دینا چاہیے جو عید کے روز اپنی ضرورت پوری کرنے کے بعد فطرہ نکالنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اور بیوی مستطیع ہو تو وہ بیوی ہی پر واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کے شوہر کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں اسے اولاد کا فطرہ نکالنا چاہیے۔ (رسائل ومسائل چہارم: ص ۳۵۰)

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا يَحْىَ بْنُ مُحَمَّدِ بْنُ السَّكَنِ، قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَهْضَمٍ، قَالَ حَدَّثَنَا اِسْمَاعِيْلُ هُوَ بْنُ جَعْفَرٍ عَنْ عُمَرَ بْنِ نَافِعٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِوَالْاُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُوَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَى الصَّلَاةِ۔ (۱۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فطرہ فرض کیا ہے۔ کھجور سے ایک صاع اور جو سے ایک صاع۔ آزاد ہو، غلام ہو، مرد ہو، عورت ہو، بچہ چھوٹا ہو، بڑا ہو اور اسے نمازِ عید کے لیے نکلنے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

ابن عمرؓ سے مروی ایک اور روایت:

﴿۲﴾ عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ:اَمَرَ النَّبِىُّ ﷺ بِزَكَاةِ الْفِطْرِ صَاعًا من تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ۔ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَجَعَلَ النَّاسُ عِدْلَهٗ مُدَّيْنِ مِنْ حِنْطَةٍ۔ (۱۳)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے فطرہ ادا کرنے کا حکم دیا کہ کھجور میں سے ایک صاع اور جو میں سے ایک صاع۔ عبداللہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے ازخود ایک صاع کھجور اور ایک ایک صاع جو کو دو مدّ گندم کے برابر قرار دے لیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے ابن عمر کی روایت بیان کر کے لکھا ہے:

قال ابو عیسیٰ حدیث ابن عمر، حدیث حسن صحیح رواه مالك عن نافع عن ابنِ عمر عن النبی ﷺ نحو حدیث ایوب وزاد فیه من المسلمین۔ ورواه غیر واحد عن نافع ولم یذکروا فیه من المسلمین۔ واختلف اهل العلم فی هذا فقال بعضهم اذا کان للرجل عَبِیدٌ غیر مسلمین لم یؤدّ عنهم صدقة الفطر وهو قول مالك والشافعی واحمد وقال بعضهم یؤدی عنهم وان کانوا غیر مسلمین وهو قول الثوری وابن المبارك واسحاق۔(١٤)

— من المسلمین کی شرط کی وجہ سے اہل علم میں اختلاف رائے پیدا ہوا ہے۔ بعض کے نزدیک جب کسی شخص کے غیر مسلم غلام ہوں تو وہ مالک ان کی جانب سے فطرہ نہیں ادا کرے گا۔ یہ رائے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی ہے اور امام احمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ بعض، غیر مسلم غلاموں کی جانب سے بھی فطرہ کی ادائیگی کے قائل ہیں۔ امام ثوری، ابنِ مبارک، امام اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

〈۳〉 عَنْ عِیَاضِ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ سَرْحِ الْعَامِرِیِّ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیَّ یَقُوْلُ: کُنَّا نُخْرِجُ زَکَاةَ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ اَقِطٍ اَوْصَاعًا مِنْ زَبِیْبٍ۔(١٥)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی سرح نے بیان کیا کہ انہوں نے حضرت ابوسعید خدری کو یہ بیان کرتے سنا ہے کہ ہم فطرہ نکالا کرتے تھے طعام سے ایک صاع، جو سے ایک صاع، کھجور سے ایک صاع، پنیر سے ایک صاع اور کشمش سے ایک صاع۔

ابن ماجہ نے عمّار بن سعد موذن رسولِ خدا ﷺ عن ابیہ کی روایت بھی نقل کی ہے:

〈۴〉 عَنْ عَمَّارِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَنْ اَبِیْهِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِصَدَقَةِ الْفِطْرِ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ اَوْ صَاعًا مِنْ سُلْتٍ۔ (١٦)

ترجمہ: حضرت عمّار بن سعد رسول اللہ ﷺ کے مؤذن نے اپنے والد سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کھجور میں سے ایک صاع، جو میں سے ایک صاع اور بغیر چھلکے والے جو سے ایک صاع فطرہ دینے کا حکم دیا ہے۔

〈۵〉 عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ جَدِّهٖ۔ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ بَعَثَ مُنَادِیًا فِیْ فِجَاجِ مَکَّةَ۔ اَلَآ اِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی، حُرٍّ اَوْعَبْدٍ، صَغِیْرٍ اَوْ کَبِیْرٍ مُدَّانِ مِنْ قُمْحٍ اَوْسَوَاهُ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ۔(١٧)

قال ابو عیسیٰ هذا حدیث غریب حسن۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ کی گلیوں میں منادی کرنے والا بھیج کر یہ اعلان کرایا کہ فطرہ ہر مسلمان مرد، مسلمان عورت، آزاد، غلام، چھوٹے بڑے سب پر گندم کے دو مُدّ یا دوسری اشیاء خوردنی سے ایک صاع ادا کرنا واجب ہے۔

〈۶〉حَدَّثَنَا مَحْمُوْدُ بْنُ خَالِدٍ الدِمَشْقِیُّ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السَّمَرْقَنْدِیُّ، قَالَا ثَنَا مَرْوَانُ، قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ:ثَنَا اَبُوْیَزِیْدَ الْخَوْلَانِیُّ وَکَانَ شَیْخٌ صِدْقٌ وَکَانَ ابْنُ وَھْبٍ یروی عَنْہُ، ثَنَا سَیَّادُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ مَحْمُوْدُ الصَّدَفِیُّ عَنْ عِکْرِمَۃَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَکَاۃَ الْفِطْرِ طُھْرَۃً لِلصَّائِمِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفْثِ وَطُعْمَۃً لِلْمَسَاکِیْنَ۔ مَنْ اَدَّاھَا قَبْلَ الصَّلَاۃِ فَھِیَ زَکَاۃٌ مَقْبُوْلَۃٌ۔ وَمَنْ اَدَّاھَا بَعْدَ الصَّلَاۃِ فَھِیَ صَدَقَۃٌ مِنَ الصَّدَقَاتِ۔(۱۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ بن عباس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فطرہ روزہ دار کو لغو اور فحش کلامی کے اثرات سے پاکیزہ کرنے اور مساکین کے لیے لقمۂ حیات بنانے کی غرض سے فرض قرار دیا ہے۔ جس شخص نے اسے نمازِ عید سے پہلے ادا کر دیا تو وہ بطور فطرہ مقبول ہے اور جس شخص نے بعد نمازِ عید ادا کیا تو وہ ایک عام صدقہ وخیرات متصور ہوگا۔

〈۷〉عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّ قَالَ :کُنَّا نُعْطِیْھَا فِیْ زَمَانِ النَّبِیِّ ﷺ صَاعًا مِنْ طَعَامٍ اَوْصَاعًا مِنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ اَوْصَاعًا مِنْ زَبِیْبٍ۔ فَلَمَّا جَآءَ مُعَاوِیَۃُ وَجَآءَ تِ السَّمْرَآءُ قَالَ: اَرٰی مُدًّا مِنْ ھٰذَا یَعْدِلُ مُدَّیْنِ۔(۱۹)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم طعام، کھجور، جو، کشمش میں سے ایک صاع کے حساب سے فطرہ نکالا کرتے تھے۔ لیکن جب معاویہ کے دورِ خلافت میں گندم آ گئی تو اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ گندم کا ایک مُدّ دوسری اشیاء کے دو مُدّ کے برابر ہے۔

〈۸〉قَالَ اَبُوْسَعِیْد۔ فَاَمَّا اَنَا فَلَا اَزَالُ اُخْرِجُہٗ کَمَا کُنْتُ اُخْرِجُہٗ اَبَدًا مَّاعِشْتُ۔(۲۰)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے تو پختہ عہد کر لیا تھا کہ میں تو اپنی ذات کی حد تک پہلے کی طرح تادمِ زیست ہر چیز سے ایک صاع ہی نکالتا رہوں گا۔

امام ترمذی اس روایت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

قَالَ اَبُوْعیسٰی : ھذا حدیث حسن صحیح والعمل علی ھذا عند بعض اھل العلم یرون من کل شیئ صاعًا وھو قول الشافعی واحمد واسحاق۔ وقال بعض اھل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرھم من کل شیء صاع الا من البُرّ فانہ یجزی نصف صاع۔ وھو قول سفیان الثوری وابن المبارک واھل الکوفۃ یرون نصف صاع من بُرٍّ۔(۲۱)

—— امام ترمذی کہتے ہیں بعض اہل علم جن میں امام شافعی، امام احمد اور اسحاق شامل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ ہر چیز میں سے ایک صاع ہی فطرہ نکالا جائے۔ مگر بعض اہلِ علم صحابہ کرام اور دوسرے اصحابِ علم کی رائے یہ ہے کہ گندم کو چھوڑ کر باقی سب میں سے ایک صاع ہی نکالا جائے گندم چونکہ نصف صاع بھی کافی ہے اس لیے اسے مستثنیٰ قرار دیا۔ یہ رائے سفیان ثوری، ابن مبارک اور اہل کوفہ کی ہے۔

〈۹〉 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ وَسُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ العَتَكِيُّ، قَالَا : ثَنَا حَمَّادُ بْنُ يَزِيْدَ عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ رَاشِدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ : مُسَدَّدٌ عَنْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي صُعَيْرٍ، عَنْ اَبِيهِ، وَقَالَ سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ: اَوْثَعْلَبَةَ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ اَبِي صُعَيْرٍ، عَنْ اَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ اَوْ قُمْحٍ عَلٰى كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيْرٍ اَوْكَبِيْرٍ حُرٍّ اَوْعَبْدٍ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى۔ اَمَّا غَنِيُّكُم فَيُزَكِّيهِ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَمَّا فَقِيْرُكُمْ فَيَرُدُّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ اَكْثَرَ مِمَّا اَعْطَاهُ زَادَ سُلَيْمَانُ فِي حَدِيْثِهِ غَنِيٌّ اَوْفَقِيْرٌ۔ (۲۲)

ترجمہ: حضرت ابوصعیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر دو پر یعنی چھوٹے بڑے، آزاد، غلام پر، مرد، عورت پر گندم میں سے ایک صاع فطرہ ہے، جہاں تک تمہارے اغنیاء کا معاملہ ہے اللہ تعالیٰ اس فطرہ کے ذریعے سے ان کا تزکیہ فرماتا ہے اور رہے تمہارے فقراء تو جو کچھ انہوں نے دیا ہوتا ہے اس سے زیادہ ان کی طرف پلٹا دیتا ہے۔

〈۱۰〉 عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ كَانَ النَّاسُ يُخْرِجُوْنَ صَدَقَةَ الْفِطْرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ اَوْتَمْرٍ اَوْ سُلْتٍ اَوْ زَبِيْبٍ قَالَ: قَالَ عَبْدُاللّٰهِ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَكَثُرَتِ الْحِنْطَةُ جَعَلَ عُمَرُ نِصْفَ صَاعٍ حِنْطَةٍ مِنْ تِلْكَ الْاَشْيَاءِ۔ (۲۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ میں لوگ جو، کھجور اور بغیر چھلکے کے جو یا کشمش میں سے ایک صاع فطرہ نکالتے تھے۔ عبداللہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں گندم کی بہتات ہوگئی تو انہوں نے ان اشیاء کے بدلہ نصف صاع گندم مقرر کردی۔

〈۱۱〉 اَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ :اَنْبَأَ نَا الْقَاسِمُ وَهُوَ ابْنُ مَالِكٍ عَنِ الْجُعَيْدِ سَمِعْتُ السَّائِبَ بْنَ يَزِيْدَ، قَالَ :كَانَ الصَّاعُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مُدًّا وَثُلُثًا بِمُدِّكُمْ وَالْيَوْمَ وَقَدْ زِيْدَ فِيْهِ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: الْمِكْيَالُ مِكْيَالُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْوَزْنُ وَزْنُ اَهْلِ مَكَّةَ ۔ (۲٤)

ترجمہ: سائب بن یزید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صاع تمہارے زمانے کے دو مُدّ اور ثُلث مُدّ کے برابر تھا بعد میں اس میں مزید اضافہ کردیا گیا۔

ـــــ حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ پیمانہ اہلِ مدینہ کا معتبر ہے اور وزن اہلِ مکّہ کا۔

ماٗخذ

(۱) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان☆ مسلم ج ۱ کتاب الصلاۃ باب التّرغیب فی قیام رمضان وھو التراویح عن عائشۃ☆ ابوداؤد ج ۲ کتاب الصلاۃ باب فی قیام شھر رمضان۔

(۲) ترمذی ج ۱ ابواب الصیام۔ باب ماجاء فی قیام شھر رمضان۔

(۳) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان☆ موطا امام مالک ج ۱ کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی قیام رمضان☆ السنن الکبری للبیھقی ج ۲ کتاب الصلاۃ باب قیام شھر رمضان۔

(٤) نسائی ج ٤ کتاب الصیام باب ثواب من قام رمضان وصامہ الخ۔

(٥) بخاری ج ۱ کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان☆ابوداؤد ج ۲ کتاب الصلاۃ باب فی صلاۃ اللیل☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ کتاب الصلاۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان۔

(٦) موطا امام مالک ج ۱ کتاب الصلاۃ۔ باب صلاۃ النبی ﷺ فی الوتر۔☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ ص ٤٩٦۔

(٧) مؤطا امام مالک ج ۱ کتاب الصلاۃ فی رمضان باب ماجاء فی قیام رمضان۔ ☆السنن الکبریٰ ج ۲ کتاب الصلاۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان۔

(٨) موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان کتاب الصیام باب فی قیام رمضان۔

(٩) ترمذی ج ۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شھر رمضان۔

(۱۰) السنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ کتاب الصلاۃ باب ماروی فی عدد رکعات القبام فی شھر رمضان۔

(۱۱) السنن الکبریٰ للبیھقی ج ۲ کتاب الصلاۃ باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شھر رمضان۔

(۱۲) بخاری ج ۱ کتاب الزکاۃ، باب فرض صدقۃ الفطر۔☆مسلم ج ۱ کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر۔☆ ابوداؤد ج ۲ کتاب الزکاۃ باب کم یؤدی فی صدقہ الفطر ☆ نسائی ج ٥ کتاب الزکوٰۃ باب فرض زکاۃ رمضان علی المسلمین دون المعاھدین۔ نسائی نے "اَمَرَبِهَا" کے بعد کی عبارت کتاب الزکاۃ باب الوقت الذی یستحب أن تؤدی صدقۃ الفطرفیہ میں بیان کی ہے۔ ☆مؤطاامام مالک ج ۱ کتاب الزکاۃ باب مکیلۃ زکاۃ الفطر میں ابنِ عمر کی روایت، فرض زکاۃ الفطر من رمضان علی المسلمین الخ۔

(۱۳) بخاری ج۱ کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر صاعٌ من تمر۔☆مسلم ج۱ کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الفطر۔☆ ابن ماجہ کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر۔

(۱٤) ترمذی ج۱ ابواب الزکاۃ باب ماجاء فی صدقۃ الفطر۔

(۱٥) بخاری ج۱کتاب الزکاۃ، باب فرض صدقۃ الفطر۔☆ مسلم ج۱کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر۔☆ نسائی ج٥ کتاب الزکاۃ باب التمرفی زکاۃ الفطر۔

(۱٦) ابن ماجہ کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر۔

(۱۷) ترمذی ج۱ ابواب الزکاۃ، باب ماجاء فی صدقۃ الفطر۔

(۱۸) ابوداؤد ج۲ کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر۔☆ ابن ماجہ ، کتاب الزکاۃ باب صدقۃ الفطر ۔

(۱۹) بخاری ج۱ کتاب الزکاۃ، باب صاع من زبیب۔☆مسلم ج۱ کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ الفطر۔ ☆نسائی ج٥ کتاب الزکاۃ، باب الشعیر۔

(۲۰) مسلم ج۱کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الفطر۔☆ابوداؤد ج۲ کتاب الزکاۃ، باب کم یودّی فی صدقۃ الفطر۔☆نسائی ج٥ کتاب الزکاۃ، باب الزبیب۔ الاقط۔☆ابن ماجہ کتاب الزکاۃ، باب صدقۃ الفطر۔☆موطا امام مالک ج۱ کتاب الزکاۃ باب مکیلۃ زکاۃ الفطر۔

(۲۱) ترمذی ج۱ابواب الزکاۃ عن رسول اللّٰہ ﷺ باب ماجاء فی صدقہ الفطر۔

(۲۲) ابوداؤد ج۲کتاب الزکاۃ، باب من روی نصف صاع من قمحٍ۔

(۲۳) ابوداؤدج۲کتاب الزکاۃ باب کم یودّی فی صدقۃ الفطر☆نسائی ج٥کتاب الزکاۃ باب السلت۔

(۲٤) نسائی ج٥کتاب الزکاۃ باب کم الصاع۔

فصل نہم:

شب قدر

لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے

۱۲۸۔عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: تَحَرَّوْا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ (بخاری)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس راتوں کی طاق (اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس تاریخوں) تاریخوں میں تلاش کرو۔''

تشریح: لیلۃ القدر اُس خاص رات کا نام نہیں ہے بلکہ اس کی صفت ہے چونکہ قرآن مجید اس خاص رات میں نازل کیا گیا تھا اس لیے اس کو قدر کی رات کہا گیا۔

قدر سے کیا مراد ہے؟

قدر کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ وہ رات بہت ہی احترام کے قابل اور بڑی عظمت والی ہے۔ کیونکہ اس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ اس کے علاوہ قدر کا لفظ قضا و قدر کے معنوں میں بھی ہو سکتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ اَمْرٍ ''ملائکہ اور جبریل اس رات میں اپنے رب کے حکم سے ہر طرح کے احکام و فرامین لے کر نازل ہوتے ہیں'' چنانچہ اس کے معنی تقدیر بنانے کی رات کے بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض مفسرین نے قدر کو ضیق اور تنگی کے معنوں میں لیا ہے اور وہ لیلۃ القدر کا مفہوم یہ قرار دیتے ہیں کہ اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے تنگی کی ہے کہ اس کی صحیح تاریخ لوگوں کو بتائی جائے۔ لیکن یہ ایک دُور کا مفہوم ہے۔

لیلۃ القدر کے متعلق یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ رمضان کی کون سی رات ہے۔ نبی ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے وہ بس یہ ہے کہ وہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں آتی ہے۔ اس لیے اسے انہی راتوں میں تلاش کرو۔

لیلۃ القدر کا قطعی طور پر تعین نہ کرنے میں یہ حکمت کار فرما نظر آتی ہے کہ آدمی ہر طاق رات میں اس امید پر اللہ کے حضور میں کھڑا ہو کر عبادت کرے کہ شاید یہی لیلۃ القدر ہو ــــ لیلۃ القدر اگر اس نے پالی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس چیز کا وہ طالب تھا وہ اسے مل گئی۔ اب اس کے بعد اس نے جو چند مزید راتیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاریں تو وہ اس کی نیکی میں اضافے کا باعث بنیں گی۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، ثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ جَعْفَرٍ، ثَنَا اَبُوْسُهَیْلٍ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَحَرَّوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔(۱)

وفی الباب عن عمر و ابی بن کعب وجابر بن سمرة وجابر بن عبدالله وابن عمرو الفلتان بن عاصم وانس وابی سعید وعبدالله بن انیس وابی بکرة وابن عباس وبلال وعبادة بن الصامت۔

قال ابوعیسٰی: حدیث عائشة حدیث حسن صحیح۔

واکثر الروایات عن النبی ﷺ انه قال التمسوها فی العشر الاواخر فی کل وتر۔

⟨۲⟩ وَرُوِیَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اَنَّهَا لَیْلَةُ اِحْدٰی وَّعِشْرِیْنَ وَلَیْلَةُ ثَلٰثٍ وَّعِشْرِیْنَ وَخَمْسٍ وَّعِشْرِیْنَ وَسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ وَتِسْعٍ وَّعِشْرِیْنَ وَاٰخِرُ لَیْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ۔

فقال الشافعی واقوی الروایات عندی فیها لیلة احدی وعشرین۔ قال ابوعیسٰی وقد روی عن ابی بن کعب انه کان یحلف انها لیلة سبع وعشرین ویقول اخبرنا رسول الله ﷺ بعلامتها فعددنا وحفظنا وروی عن ابی قلابة انه قال لیلة القدر تنتقل فی العشر الاواخر اخبرنا بذالك عبدبن حمید، نا عبدالرزاق عن معمر، عن ایوب، عن ابی قلابة۔

ترجمہ: امام ترمذی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اکثر روایات میں ہے کہ اس رات کو تم آخری دس راتوں کی طاق تاریخوں میں تلاش کرو۔

اور نبی ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ لیلۃ القدر اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس، انتیس اور رمضان کی آخری رات میں ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ میرے نزدیک اقویٰ روایات کی بنیاد پر اکیس تاریخ کی رات ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں ابی بن کعب سے مروی ہے کہ وہ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ وہ ستائیسویں تاریخ کی رات ہے اور وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس کی علامت بھی بتائی تھی ہم نے اسے یاد رکھا ہے۔ ابوقلابۃ سے مروی ہے ان کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر آخری دس دنوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

لیلۃ القدر کے بارے میں صحابہ کرام کا خواب

۱۲۹۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اِنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ اُرُوْا لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِی الْمَنَامِ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَرٰی رُؤْیَاکُمْ قَدْ تَوَاطَاَتْ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ کَانَ مُتَحَرِّیْهَا فَلْیَتَحَرَّهَا فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔ (متفق علیه)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے کئی صحابہؓ کو خواب میں دکھایا گیا کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری سات تاریخوں میں ہے۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپؐ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کے خواب رمضان کے آخری سات دنوں کے بارے میں متفق ہو گئے ہیں۔ پس اب جو شخص لیلۃ القدر کی تلاش کرے تو وہ رمضان کی آخری سات تاریخوں میں تلاش کرے۔''

تشریح: یہاں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ جو متعدد احادیث ایک دوسرے سے مختلف آئی ہیں ان کے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کوئی حدیث زمانی اعتبار سے پہلے کی ہو اور کوئی بعد کی۔ کیونکہ راویوں نے احادیث کی روایت کرتے وقت ان کا زمانہ بیان نہیں کیا ہے۔ اس حدیث میں بھی ایسا کوئی تعین نہیں کیا گیا ہے کہ کس زمانے سے تعلق رکھتی ہے۔ اوپر حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی روایت میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری دس تاریخوں میں تلاش کرو۔ یہاں بہت سے صحابہؓ کے ایک خواب کا ذکر کیا گیا ہے، جس کے مطابق وہ رمضان کی آخری سات تاریخوں میں سے کوئی رات ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر کہ کئی صحابہؓ کو ایک ہی خواب نظر آیا ہے یہ فرمایا کہ اب لیلۃ القدر کو رمضان کی آخری سات تاریخوں میں تلاش کرو۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت پہلے کی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی بعد کی ہے (واللہ اعلم بالصواب) ایسی احادیث کو یہ کہہ کر رد نہیں کیا جا سکتا کہ یہ باہم متضاد ہیں۔ بلکہ درحقیقت ان میں اختلاف ترتیبِ زمانی کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے ہوا ہے اور اس نوع کا اختلاف ان کو متضاد یا غلط قرار دیے جانے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

شب قدر کے متعلق اتنا اختلاف ہوا ہے کہ قریب قریب ۴۰ مختلف اقوال اس کے بارے میں ملتے ہیں لیکن علمائے امت کی بڑی اکثریت یہ رائے رکھتی ہے کہ رمضان کی آخری دس تاریخوں میں سے کوئی ایک طاق رات شب قدر ہے اور ان میں بھی زیادہ تر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ وہ ستائیسویں رات ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ، حضرت حذیفہؓ اور اصحابِ رسول ﷺ میں سے بہت سے لوگوں کو اس میں کوئی شک نہ تھا کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ (ابن ابی شیبہ)

حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ ۹ دن باقی ہوں یا سات دن یا پانچ دن یا تین دن یا آخری رات۔ مراد یہ تھی کہ ان راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ (ترمذی۔نسائی)

اس معاملے میں جو روایات حضرت معاویہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابنِ عباسؓ وغیرہ بزرگوں سے مروی ہیں ان کی بناء پر علمائے سلف کی بڑی تعداد ستائیسویں رمضان ہی کو شب قدر سمجھتی ہے۔ غالباً کسی رات کا تعین اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس لیے نہیں کیا گیا ہے کہ شب قدر کی فضیلت سے فیض اٹھانے کے شوق میں لوگ زیادہ سے زیادہ راتیں عبادت میں گزاریں اور کسی رات پر اکتفا نہ کریں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس وقت مکہ معظمہ میں رات ہوتی ہے اس وقت دنیا کے ایک بہت بڑے حصے میں دن ہوتا ہے، اس لیے ان علاقوں کے لوگ تو کبھی شب قدر کو پا ہی نہیں سکتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں اکثر رات

کا لفظ دن اور رات کے مجموعے کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے رمضان کی ان تاریخوں میں سے جو تاریخ بھی دنیا کے کسی حصّہ میں ہو اس کے دن سے پہلے والی رات وہاں کے لیے شب قدر ہو سکتی ہے۔ (تفہیم القرآن، ج ٦، القدر، حاشیہ:۱)

تخریج : حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، اَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رِجَالاً مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أُرُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَرٰى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَاَتْ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔(۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے کئی صحابہؓ کو خواب میں دکھایا گیا کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری سات تاریخوں میں ہے۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی تو آپؐ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کے خواب رمضان کے آخری سات دنوں کے بارے میں متفق ہو گئے ہیں۔ پس اب جو شخص لیلۃ القدر کی تلاش کرے تو وہ رمضان کی آخری سات تاریخوں میں تلاش کرے۔

لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ہدایت

۱۳۰۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى، فِيْ سَابِعَةٍ تَبْقٰى، فِيْ خَامِسَةٍ تَبْقٰى۔ (بخاری)

’’حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس تاریخوں میں، یعنی اکیس یا انتیس کو، تیئس یا ستائیس کو یا پچیس کو۔‘‘

تشریح: حدیث کے متن میں فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى کے اور ایسے ہی دوسرے الفاظ آئے ہیں، یہ دراصل عربی زبان میں اعداد بیان کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے۔ اگر ان کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو مفہوم خبط ہو جائے گا۔ عربوں میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا رواج نہیں تھا اس لیے وہ اپنا حساب کتاب عام طور پر انگلیوں سے کیا کرتے تھے اور ان کے ہاں اعداد بیان کرنے کے بعض دوسرے طریقے بھی رائج تھے۔ انہی میں سے ایک خاص طریقہ یہ بھی تھا جس کے مطابق یہاں گنتی کر کے تاریخوں کی وضاحت کی گئی ہے۔

حدیث کے متن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا زمانہ بھی وہی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا ہے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کی روایت میں آخری عشرے کی طاق راتوں کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا ہے لیکن حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں تاریخوں کی صراحت بھی موجود ہے کہ لیلۃ القدر کو آخری عشرے کی ان راتوں میں تلاش کرنا چاہیے۔ اس طرح یہ حدیثیں باہم مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں بلکہ دراصل ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُوْسٰى بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، ثَنَا وُهَيْبٌ، ثَنَا اَيُّوْبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ اِلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى، فِيْ سَابِعَةٍ تَبْقٰى، فِيْ خَامِسَةٍ تَبْقٰى۔(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس تاریخوں میں، یعنی اکیس یا انتیس کو، تئیس یا ستائیس کو یا پچیس کو۔

لیلۃ القدر کی تلاش میں حضورؐ کا پورا رمضان اعتکاف میں گزارنے کا واقعہ

۱۳۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اِعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَکَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّۃٍ تُرْکِیَّۃٍ ثُمَّ اَطْلَعَ رَأْسَہٗ فَقَالَ اِنِّی اعْتَکَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ ثُمَّ اعْتَکَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اُتِیْتُ فَقِیْلَ لِیْ اِنَّھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ کَانَ اعْتَکَفَ مَعِیَ فَلْیَعْتَکِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ فَقَدْ اُرِیْتُ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃَ ثُمَّ اُنْسِیْتُھَا وَقَدْ رَأَیْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَاءٍ وَّطِیْنٍ مِنْ صَبِیْحَتِھَا فَالْتَمِسُوْھَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْھَا فِیْ کُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْکَ اللَّیْلَۃَ وَکَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰی عَرِیْشٍ فَوَکَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَیْنَایَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ وَعَلٰی جَبْھَتِہٖ اَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ مِنْ صَبِیْحَۃِ اِحْدٰی وَعِشْرِیْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ فِی الْمَعْنٰی) ـــ وَفِیْ رِوَایَۃِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ اُنَیْسٍ قَالَ لَیْلَۃُ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِیْنَ۔ (مسلم)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے دس دن اعتکاف کیا۔ پھر (ایک مرتبہ) آپ نے ایک ترکی طرز کے خیمے کے اندر رمضان کے درمیانی دس دن اعتکاف کیا۔ اعتکاف ختم ہونے پر آپؐ نے اپنا سر مبارک خیمے سے باہر نکالا اور فرمایا: میں نے اس رات کی تلاش میں پہلے دس دن کا اعتکاف کیا۔ پھر میں نے بیچ کے دس دن کا اعتکاف کیا۔ تب میرے پاس آنے والا آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ لیلۃ القدر رمضان کی آخری دس راتوں میں ہے۔ پس جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے تھے انہیں چاہیے کہ وہ اب آخری دس دن بھی اعتکاف کریں ـــ مجھے یہ رات (لیلۃ القدر) دکھائی گئی تھی مگر پھر بھلا دی گئی اور میں نے یہ دیکھا کہ میں اس رات کی صبح کو پانی اور مٹی میں (برسات کی وجہ سے) نماز پڑھ رہا ہوں۔ پس تم لوگ اسے رمضان کے آخری دس دنوں کی طاق تاریخوں میں تلاش کرو ـــ اس کے بعد حضرت ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات کو (جس کا وہ ذکر کر رہے ہیں) بارش ہوئی اور مسجد نبوی ایک ایسے چبوترے پر تھی جس پر کھجور کے پتوں کا چھپّر تھا (اور نیچے مسجد میں کوئی فرش نہیں تھا) بارش کی وجہ سے مسجد رات کو ٹپکی اور میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اکیسویں تاریخ کی صبح کو آپ کی پیشانی مبارک پر پانی اور مٹی کا نشان تھا ـــ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مفہوم کے لحاظ سے اس حدیث پر متفق ہیں اور حضرت عبداللہ بن اُنَیس نے اپنی روایت میں یہ الفاظ کہے ہیں کہ یہ رات تیئیسویں تھی اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔''

تشریح: رمضان کے مختلف حصّوں میں رسول اللہ ﷺ کے اعتکاف میں بیٹھنے کے واقعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ لیلۃ القدر کو تلاش کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے آپؐ نے رمضان کے پہلے دس دن اعتکاف کیا۔ پھر بیچ کے دنوں میں کیا۔ پھر آپؐ کو اشارہ کیا گیا کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری دس دنوں میں ہے چنانچہ آپؐ نے ان صحابہؓ سے جو آپؐ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھے تھے یہ فرمایا کہ اب تم بھی آخری دس دنوں میں اعتکاف کرو۔

حدیث کے متن میں اِنِّیْ اُنْسِیْتُھَا کے الفاظ آئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ''وہ رات مجھے بھلا دی گئی''، یہ نہیں فرمایا کہ میں بھول گیا۔ اس جگہ ایک نازک نکتہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز بطور ہدایت نازل ہو یا کسی چیز کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولؐ کو دیا گیا ہو اور وہ اسے بھول جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ نعوذ باللہ رسالت محفوظ نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ایسا ہونا بعید از عقل وامکان ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھلا دیا جائے تو اسے اختیار ہے کہ وہ اپنے نبیؐ کے ذہن سے جس بات کو چاہے محو کر دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر کام کے کرنے کا اختیار رکھتا ہے اسی طرح وہ اپنے کیے ہوئے کسی کام کو محو کر دینے اور منسوخ کر دینے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وہ علم اپنے نبیؐ سے چھپایا بھی نہیں لیکن اس کو ظاہر کرنے کے بعد اس کے ذہن سے اس کو محو بھی کر دیا تاکہ جس چیز کی خبر اللہ تعالیٰ لوگوں کو نہیں دینا چاہتا تھا وہ لوگوں تک نہ پہنچے۔ اسی لیے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اِنِّیْ اُنْسِیْتُھَا وہ رات مجھے بھلا دی گئی۔[1]

اب یہ سوال کہ راویٔ حدیث حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ عنہ کے اخذ کردہ اس نتیجے کی حقیقت کیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کی اکیسویں رات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نبی ﷺ نے یہ بتایا تھا کہ مجھے خواب میں جو چیز دکھائی گئی ہے وہ یہ تھی کہ وہ کوئی بارش والی رات ہے اور صبح کو میں نے کیچڑ میں سجدہ کیا ہے[2] اس لیے جب لوگوں نے دیکھا کہ اکیس تاریخ کو بارش ہوئی ہے اور صبح کی نماز کے بعد نبی ﷺ کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا نشان تھا تو لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ کی بتائی ہوئی بات کے مطابق یہی رات لیلۃ القدر ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود یہ نہیں فرمایا کہ یہی اکیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے خود یہ قیاس کیا کہ یہی رات لیلۃ القدر ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ حضورؐ کو کوئی اور رات دکھائی گئی ہو کیونکہ عبداللہ بن اُنیسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ تیئسویں رات تھی۔ چنانچہ اس طرح بھی ۲۱ تاریخ کا قطعی تعیّن نہیں ہوا ــــ اس طرح دراصل حکمتِ الٰہی کا یہ مقصود کہ لوگوں کو ٹھیک ٹھیک اس رات کی تاریخ کا علم نہ ہو روایات کے اختلاف نے پورا کر دیا۔ نہ روایات متفق ہوسکیں اور نہ خود رسول اللہ ہی نے یہ وضاحت فرمائی کہ یہی وہ رات ہے جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔

تخریج(۱): حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْاَعْلٰی، حَدَّثَنَا الْمُعْتَمَرُ: حَدَّثَنِیْ عُمَارَةُ بْنُ غَزِیَّةَ الْاَنْصَارِیُّ، قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِیْمَ یُحَدِّثُ عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فِیْ قُبَّةٍ

---

[1] ایک اور حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانائے محترم نے اس بات کی وضاحت یوں فرمائی ہے: یہ ممکن نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو دین کے معاملے میں نسیان ہو جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰهُ (الاعلیٰ: ۶، ۷) رسول اللہ ﷺ کو یہ اطمینان دلایا گیا کہ ہم تم کو بذریعہ وحی جو کچھ پڑھوا رہے ہیں تم اسے بھولو گے نہیں بجز اس کے کہ جو اللہ خود چاہے ــــ مزید ارشاد ہوا کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرہ: ۱۰۶) یعنی ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ــــ تو اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو پہلے لیلۃ القدر کا علم دیا لیکن پھر بھلا دیا، اور وہ اس بات کا پورا اختیار رکھتا ہے۔

[2] اس زمانے میں مسجد نبوی کا فرش پختہ نہیں تھا بلکہ خالی زمین پر کنکریاں ڈال دی گئی تھیں اور بارش سے کیچڑ ہو جاتی تھی۔

تُرْكِيَّةٍ، عَلٰى سُدَّتِهَا حَصِيرٌ۔ قَالَ فَاَخَذَ الْحَصِيرَ بِيَدِهٖ فَنَحَّاهَا فِيْ نَاحِيَةِ الْقُبَّةِ، ثُمَّ اَطْلَعَ رَأْسَهٗ فَكَلَّمَ النَّاسَ فَدَنَوْا مِنْهُ فَقَالَ : اِنِّي اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوَّلَ اَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ۔ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ، ثُمَّ اُتِيتُ فَقِيلَ لِيْ اِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَعْتَكِفَ، فَلْيَعْتَكِفْ۔فَاعْتَكَفَ النَّاسُ مَعَهٗ قَالَ: وَاِنِّي اُرِيتُهَا لَيْلَةَ وِتْرٍ۔ وَاِنِّي اَسْجُدُ صَبِيحَتَهَا فِيْ طِينٍ وَّمَاءٍ فَاَصْبَحَ مِنْ لَيْلَةِ اِحْدٰى وَعِشْرِينَ۔ وَقَدْ قَامَ اِلَى الصُّبْحِ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ۔ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَاَبْصَرْتُ الطِّينَ وَالْمَاءَ۔ فَخَرَجَ حِينَ فَرَغَ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ۔ وَجَبِينُهٗ وَرَوْثَةُ اَنْفِهٖ فِيهِمَا الطِّينُ وَالْمَاءُ وَاِذَا هِيَ لَيْلَةُ اِحْدٰى وَعِشْرِينَ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ۔(٤)

〈۲〉 عَنْ اَبِيْ سَعِيدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْاَوْسَطِ مِنْ رَمَضَانَ، فَاعْتَكَفَ عَامًا حَتّٰى اِذَا كَانَ لَيْلَةَ اِحْدٰى وَعِشْرِينَ وَهِيَ اللَّيْلَةُ الَّتِيْ يَخْرُجُ مِنْ صَبِيحَتِهَا مِنْ اِعْتِكَافِهٖ قَالَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيْ، فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرِ فَقَدْ اُرِيتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اُنْسِيتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ اَسْجُدُ فِيْ مَآءٍ وَطِينٍ مِنْ صَبِيحَتِهَا، فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ فَمَطَرَتِ السَّمَآءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى جَبْهَتِهٖ اَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّينِ مِنْ صُبْحِ اِحْدٰى وَعِشْرِينَ۔(٥)

ترجمہ : حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانی دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے۔ایک سال آپؐ نے اعتکاف کیا کہ رمضان کی اکیسویں رات ہوگئی جس میں آپؐ اپنے اعتکاف سے باہر تشریف لے آتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا جس شخص نے میرے ساتھ اعتکاف کیا ہے اسے چاہیے کہ وہ رمضان کے آخری دس دن بھی اعتکاف کرے۔ مجھے یہ رات خواب میں دکھائی گئی مگر پھر اسے بھلا دیا گیا۔خواب دیکھا کہ میں اس صبح کو مٹی اور پانی میں سجدہ کررہا ہوں لہٰذا تم اسے رمضان کے آخری دس دنوں میں تلاش کرو بلکہ طاق راتوں میں تلاش کرو۔اس رات کو بارش ہوئی اور مسجد نبوی ایسے چبوترے پر تھی جس پر کھجوروں کے پتوں کا چھپر تھا۔بارش کی وجہ سے مسجد رات کو ٹپک پڑی اور میری آنکھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ کی پیشانی پر اکیسویں تاریخ کی صبح کو پانی اور مٹی کا نشان تھا۔

〈۳〉 عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اُرِيتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِيتُهَا وَاَرَانِيْ صَبِيحَتَهَا اَسْجُدُ فِيْ مَآءٍ وَطِينٍ فَمُطِرْنَا لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَّعِشْرِينَ: فَصَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَانْصَرَفَ وَاِنَّ اَثَرَ الْمَاءِ وَالطِّينِ عَلٰى جَبْهَتِهٖ وَاَنْفِهٖ۔ قَالَ : وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ اُنَيْسٍ يَقُولُ : ثَلٰثٌ وَّعِشْرِينَ۔(٦)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن اُنیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر بھلا دی گئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس رات کی صبح کو پانی اور مٹی میں (برسات کی وجہ سے) سجدہ کررہا ہوں (نماز پڑھ رہا ہوں) پس تیئس

رمضان کو بارش ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہو کر پلٹے تو آپ کی پیشانی اور ناک پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ اس وجہ سے عبداللہ بن اُنیس کہا کرتے تھے کہ اس سے مراد رمضان کی تیئیسویں رات ہے۔

رمضان کی ستائیسویں شب کے لیلۃ القدر ہونے کے متعلق ایک روایت

۱۳۲۔ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ: سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَرَادَ أَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ أَمَا إِنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِي رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِي أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِينَ فَقُلْتُ: بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُولُ ذٰلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ: بِالْعَلَامَةِ أَوْ بِالْآيَةِ الَّتِي أَخْبَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا۔ (مسلم)

''حضرت زِرّ بن حُبَیش (جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے خاص شاگرد تھے) بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کے بھائی حضرت ابن مسعودؓ تو کہتے ہیں کہ جو شخص سال بھر (راتوں کو) قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پالے گا (آپ کا کیا خیال ہے؟ یعنی انہوں نے تو رمضان تک کا ذکر چھوڑ دیا ہے کجا کہ وہ رمضان کے آخری عشرے کا ذکر کرتے) حضرت اُبی بن کعبؓ نے جواب دیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان کی مراد دراصل یہ تھی کہ لوگ ایک خاص تاریخ یا خاص زمانے پر بھروسہ نہ کرلیں (اور سال بھر کی راتوں کی عبادت سے غافل نہ ہو جائیں) ورنہ انہیں معلوم تو تھا کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہے، اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ رمضان کی آخری دس تاریخوں میں ہے، اور یہ بھی کہ وہ رمضان کی ستائیسویں رات ہے۔ پھر حضرت اُبی بن کعبؓ نے بغیر استثناء کیے ہوئے حلفاً یہ کہا کہ وہ رمضان کی ستائیسویں تاریخ ہے۔ پس میں نے پوچھا کہ اے ابومنذر (حضرت اُبیؓ بن کعب کی کنیت) آپ یہ بات کس بناء پر کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ایک علامت یا نشانی کی بنا پر کہہ رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتائی تھی اور وہ نشانی یہ ہے کہ اس روز جو سورج نکلے گا تو اس میں شعاع نہیں ہوگی۔''

تشریح: ''شعاع نہیں ہوگی'' سے مراد یہ ہے کہ شعاع میں تیزی نہیں ہوگی۔ ایسا اس بنا پر بھی ہوسکتا ہے کہ بادل ہونے کی وجہ سے سورج کی شعاعیں بہت ہلکی اور دھیمی ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس روز ویسے ہی شعاعوں میں تیزی اور چمک کم ہو — اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا اس علامت سے قطعی طور پر لیلۃ القدر کا تعیّن کیا جاسکتا ہے؟

حضرت اُبی بن کعبؓ نے اوّل تو اپنے اجتہاد سے یہ رائے قائم کی کہ چونکہ نبی ﷺ نے یہ علامت بتائی ہے اور فلاں تاریخ کو (جو ستائیسویں تھی) میں نے یہ علامت دیکھی ہے اس لیے ضرور یہ ستائیسویں تاریخ ہی لیلۃ القدر کی تاریخ ہوگی، حالانکہ کسی اور تاریخ کو بھی سورج نکلنے کی یہ کیفیت ہوسکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ خود لَا شُعَاعَ لَهَا کے الفاظ بھی اس بات کا قطعی طور پر تعیّن نہیں کرتے کہ سورج کے طلوع ہونے کی کس کیفیت کا نام لَا شُعَاعَ لَهَا ہے۔ اس بنا پر بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ ہمیشہ کے لیے ستائیسویں تاریخ کا تعیّن کر دیا جائے۔ یا کسی اور تاریخ کو کھڑے ہو کر ایک آدمی یہ دیکھے کہ آج سورج کی

شعاع کیسی پڑ رہی ہے اور وہ اپنی جگہ یہ خیال کر کے کہ یہ لَاشُعَاعَ لَھَا کی کیفیت ہے یہ طے کر دے کہ آج کی تاریخ وہ خاص تاریخ ہے ـــــ یہاں بھی دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت کس طرح پوری ہو رہی ہے کہ لوگوں کو یقینی طور پر یہ معلوم نہ ہو کہ لیلۃ القدر کون سی رات ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَابْنُ اَبِی عُمَرَ کِلَاھُمَا، عَنِ ابْنِ عُیَیْنَةَ، قَالَ بْنُ حَاتِمٍ : حَدَّثَنَا سُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ عَبْدَةَ، وَعَاصِمِ بْنِ اَبِی النَّجُوْدِ، سَمِعَا زِرَّ بْنَ حُبَیْشٍ یَقُوْلُ: سَاَلْتُ اُبَیَّ بْنَ کَعْبٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ: مَنْ یَّقُمِ الْحَوْلَ یُصِبْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ، فَقَالَ: رَحِمَهُ اللّٰهُ اَرَادَ اَنْ لَّایَتَّکِلَ النَّاسُ اَمَا اَنَّهٗ قَدْ عَلِمَ اَنَّهَا فِیْ رَمَضَانَ وَاِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ وَاَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَایَسْتَثْنِیْ اَنَّهَا لَیْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ فَقُلْتُ: بِاَیِّ شَیْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ یَا اَبَا الْمُنْذِرِ؟ قَالَ: بِالْعَلَامَةِ اَوْبِالْاٰیَةِ اَخْبَرَنَارَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهَا تَطْلُعُ یَوْمَئِذٍ لَاشُعَاعَ لَهَا۔(۷)

عشرۂ آخر میں نبی ﷺ کا اہتمامِ عبادات

۱۳۳۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَجْتَهِدُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا یَجْتَهِدُ فِیْ غَیْرِهٖ۔ (مسلم)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں) جس قدر سخت محنت کرتے تھے اتنی اور کسی زمانے میں نہیں کرتے تھے۔''

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ وَاَبُوْ کَامِلٍ الْجَحْدَرِیُّ کِلَاھُمَا، عَنْ عَبْدِالْوَاحِدِ بْنِ زِیَادٍ، قَالَ قُتَیْبَةُ، حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَاحِدِ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰهِ، قَالَ سَمِعْتُ اِبْرَاهِیْمَ یَقُوْلُ: سَمِعْتُ الْاَسْوَدَ بْنَ یَزِیْدَ یَقُوْلُ: قَالَتْ عَائِشَةُ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَجْتَهِدُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مَالَا یَجْتَهِدُ فِیْ غَیْرِهٖ۔(۸)

〈۲〉 وَکَانَ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ اِذَا دَخَلَ اَیَّامُ الْعَشْرِ اجْتَهَدَ اِجْتِهَادًا شَدِیْدًا حَتّٰی مَایَکَادُ یَقْدِرُ عَلَیْهِ۔(۹)

عبادات

۱۳۴۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْیٰی لَیْلَهٗ وَاَیْقَظَ اَهْلَهٗ۔ (متفق علیه)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رمضان کی آخری دس تاریخیں آتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ کمربستہ ہو جاتے تھے۔ رات رات بھر جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔''

تشریح: ویسے تو رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بندگی بجالانے میں ہمیشہ انتہائی محنت کرتے تھے لیکن حضرت عائشہؓ کے بیان کے مطابق رمضان کے آخری دس دنوں میں آپ کی محنت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، ثَنَا سُفیَانُ، عَنْ اَبِیْ یَعْفُوْرَ، عَنْ اَبِی الضُّحیٰ، عَنْ مَسْرُوْقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِیْزَرَهٗ وَاَحْیٰی لَیْلَهٗ وَاَیْقَظَ اَهْلَهٗ۔ (۱۰)

〈۲〉عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ یُوْقِظُ اَهْلَهٗ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ (۱۱)

قال ابو عیسٰی هذا حدیث حسن صحیح۔

لیلۃ القدر کی دُعا

۱۳۵۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَةٍ لَیْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْهَا، قَالَ: قُوْلِیْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (مسند احمد، ابن ماجه، ترمذی)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ کا کیا خیال ہے، اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے، تو مجھے اس میں کیا کہنا چاہیے؟ آپؐ نے فرمایا: یوں کہو کہ اے میرے خدا، تو بڑا معاف کرنے والا ہے، تو معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، لہٰذا مجھے معاف فرمادے۔''

تخریج : حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیْدٍ، نَاجَعْفَرُ بْنُ سُلَیْمَانَ الضُّبَعِیُّ، عَنْ كَهْمَسِ بْنِ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ بُرَیْدَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَةٍ لَیْلَةُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْهَا، قَالَ: قُوْلِیْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔ (۱۲) (هذا حدیث حسن صحیح)

لیلۃ القدر کو رمضان کے عشرۂ آخر کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی ہدایت

۱۳۶۔ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ : اِلْتَمِسُوْهَا یَعْنِیْ لَیْلَةَ الْقَدْرِ فِیْ تِسْعٍ یَّبْقَیْنَ اَوْ فِیْ سَبْعٍ یَّبْقَیْنَ اَوْ فِیْ خَمْسٍ یَّبْقَیْنَ اَوْ ثَلَاثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ۔ (ترمذی)

''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: لیلۃ القدر کو تلاش کرو (رمضان کی) ۲۱یا ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ تاریخ کی رات کو۔''

تشریح: اس سے پہلے بھی یہ بات بہ تکرار گزر چکی ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے میں ہے، طاق راتوں میں ہے اور آخری عشرے کی طاق راتیں یہی ہیں، یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں۔

تخریج : حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، نَایَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ، نَاعُیَیْنَةُ بْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ قَالَ: حَدَّثَنِیْ اَبِیْ قَالَ ذُكِرَتْ لَیْلَةُ الْقَدْرِ عِنْدَ اَبِیْ بَكْرَةَ فَقَالَ مَا اَنَا بِمُلْتَمِسِهَا لِشَیْءٍ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

اِلَّا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ اِلْتَمِسُوْهَا فِیْ تِسْعٍ یَّبْقِیْنَ اَوْ سَبْعٍ یَّبْقَیْنَ اَوْخَمْسٍ یَّبْقَیْنَ اَوْثَلٰثٍ اَوْ اٰخِرِ لَیْلَةٍ قَالَ وَكَانَ اَبُوْ بَكْرَةَ یُصَلِّیْ فِی الْعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ كَصَلٰوتِهٖ فِیْ سَائِرِ السَّنَةِ فَاِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ اجْتَهَدَ۔

قال ابوعیسٰی هذا حدیث غریب حسن صحیح۔(۱۳)

لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے

۱۳۷۔عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ هِیَ فِیْ كُلِّ رَمَضَانَ۔ (ابوداؤد)

’’حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ ہر رمضان میں ہوتی ہے۔‘‘

تشریح: جس رات میں قرآن نازل کیا گیا تھا اور جس کو قرآن مجید میں لیلۃ القدر کہا گیا ہے چونکہ وہ رمضان کی ایک رات تھی اس لیے لازماً ہر رمضان میں ایک رات لیلۃ القدر ہے۔ لیکن کون سی رات ہے اس کا تعیّن نہیں ہوسکا۔ بجز اس کے کہ وہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا حُمَیْدُ بْنُ زَنْجَوَیْهِ النَّسَائِیُّ، اَخْبَرَنَا سَعِیْدُ بْنُ اَبِیْ مَرْیَمَ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ كَثِیْرٍ، اَخْبَرَنَا مُوْسٰی بْنُ عُقْبَةَ عَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ، عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ، فَقَالَ : هِیَ فِیْ كُلِّ رَمَضَانَ۔(۱۴)

قال ابوداؤد رواه سفیان وشعبه عن ابی اسحق مرفوعاً علی بن عمر لم یرفعه الی النبی ﷺ۔

حضرت عبداللہ بن اُنیس کو ہر ماہ کی تیئسویں شب مسجد نبوی میں گزارنے کی نصیحت

۱۳۸۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَیْسٍ قَالَ، قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِیْ بَادِیَةً اَكُوْنُ فِیْهَا وَاَنَا اُصَلِّیْ فِیْهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِیْ بِلَیْلَةٍ اَنْزِلُهَا اِلٰی هٰذَا الْمَسْجِدِ، فَقَالَ اِنْزِلْ لَیْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِیْنَ قِیْلَ لِاِبْنِهٖ كَیْفَ كَانَ اَبُوْكَ یَصْنَعُ، قَالَ كَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّی الْعَصْرَ فَلَایَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰی یُصَلِّیَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّی الصُّبْحَ وَجَدَ دَآبَّتَهٗ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَیْهَا وَلَحِقَ بِبَادِیَتِهٖ۔ (ابوداؤد)

’’حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میرا گھر جنگل میں ہے، وہیں میں رہتا ہوں اور وہیں اللہ کے فضل سے نماز پڑھتا ہوں۔ آپؐ مجھے ایک رات بتادیجیے جس میں میں اس

مبارک مسجد (مسجد نبوی) میں حاضر ہوا کروں (اور رات یہیں عبادت میں بسر کیا کروں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیئیسویں رات کو آجایا کرو ــــ بعد کے راوی کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ کے صاحبزادے حمزہ بن عبداللہ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کے والد (اس رات میں جب مسجد نبوی میں جایا کرتے تھے تو) کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ (بائیسویں تاریخ کو) نمازِ عصر کے وقت مسجد نبوی میں جاتے تھے تو صبح کی نماز پڑھنے تک مسجد مبارک سے کہیں نہیں نکلتے تھے، پھر جب صبح کی نماز پڑھتے تو مسجد کے باہر ان کی سواری موجود ہوتی اور وہ اس پر بیٹھ کر جنگل واپس آجاتے۔"

تشریح: اس حدیث میں یہ بات واضح نہیں ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُنیس کا تیئیسویں رات کو مسجدِ نبوی میں جانا رمضان ہی میں ہوتا تھا یا غیر رمضان میں بھی، کیونکہ رمضان کا لفظ اس حدیث میں نہیں آیا ہے۔ اس میں یہ بات بھی واضح نہیں ہے کہ کیا حضرت عبداللہؓ نے نبی ﷺ سے لیلۃ القدر ہی کے بارے میں یہ عرض کیا تھا کہ میں لیلۃ القدر آپؐ کے پاس مسجد میں گزارنا چاہتا ہوں؟ اس لیے اس حدیث سے یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ تیئیس تاریخ لیلۃ القدر کی تاریخ ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جس راوی سے یہ حدیث مروی ہے انہوں نے حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ سے اتنی تفصیلات معلوم نہیں کیں اور نہ ان کے صاحبزادے سے پوچھا کہ آیا انہوں نے لیلۃ القدر کی خاطر یہ بات پوچھی تھی، اور یہ کہ انہوں نے رمضان کے مہینے کی کوئی تاریخ پوچھی تھی، یا یہ کہ حضورؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ہر مہینے تیئیس تاریخ کو آکے مسجد نبوی میں رہا کرو۔ اس لیے یہ حدیث اس بارے میں صریح نہیں ہے کہ آپؐ نے یہ لیلۃ القدر کی تاریخ بتائی تھی۔ اگر اس کی وضاحت ہوتی تو اس بات کا تعیُّن ہوجاتا کہ تیئیس تاریخ کی رات لیلۃ القدر ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ یُوْنُسَ، ثَنَا زُهَیْرٌ، اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَیْسٍ الْجُهَنِیِّ، عَنْ اَبِیْهِ قَالَ، قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ لِیْ بَادِیَةً اَكُوْنُ فِیْهَا وَاَنَا اُصَلِّیْ فِیْهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِیْ بِلَیْلَةٍ اَنْزِلُهَا اِلٰی هٰذَا الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: اِنْزِلْ لَیْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِیْنَ فَقُلْتُ لِاِبْنِهٖ كَیْفَ كَانَ اَبُوْكَ یَصْنَعُ، قَالَ كَانَ یَدْخُلُ الْمَسْجِدَ اِذَا صَلَّی الْعَصْرَ فَلَایَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰی یُصَلِّیَ الصُّبْحَ فَاِذَا صَلَّی الصُّبْحَ وَجَدَ دَآبَّتَهٗ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَیْهَا وَلَحِقَ بِبَادِیَتِهٖ۔ (۱۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میرا گھر جنگل میں ہے، وہیں میں رہتا ہوں اور وہیں اللہ کے فضل سے نماز پڑھتا ہوں۔ آپؐ مجھے ایک رات بتا دیجیے جس میں مَیں اس مبارک مسجد (مسجد نبوی) میں حاضر ہوا کروں (اور رات یہیں عبادت میں بسر کیا کروں) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تیئیسویں رات کو آجایا کرو ــــ بعد کے راوی کا قول ہے کہ حضرت عبداللہ بن اُنیسؓ کے صاحبزادے حمزہ بن عبداللہ سے پوچھا گیا کہ آپؐ کے والد (اس رات میں جب مسجد نبوی میں جایا کرتے تھے تو) کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ (بائیسویں تاریخ کو) نمازِ عصر کے وقت مسجد نبوی میں جاتے تھے تو صبح کی نماز پڑھنے تک مسجد مبارک سے کہیں نہیں نکلتے تھے، پھر جب صبح کی نماز پڑھتے تو مسجد کے باہر ان کی سواری موجود ہوتی اور وہ اس پر بیٹھ کر جنگل واپس آجاتے۔

حضورؐ کو پہلے لیلۃ القدر کا علم دیا گیا تھا

۱۳۹۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔ (بخاری)

''حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ مسجد نبوی سے (یا اپنے خانۂ مبارک) سے نکلے تا کہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں۔ اتنے میں دو مسلمان آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس پر آپؐ نے ہم سے فرمایا کہ میں تو تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے نکلا تھا مگر فلاں اور فلاں آپس میں جھگڑ پڑے اور اس دوران میں وہ اٹھالی گئی (اس کا علم مجھ سے رفع کرلیا گیا) شاید تمہاری بھلائی اسی میں تھی۔ لہٰذا اب تم اسے اکیسویں یا تیئیسویں یا پچیسویں رات کو تلاش کرو۔''

تشریح: اب تک جتنی احادیث گزری ہیں ان سب پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے کہ اس نے لیلۃ القدر حتمی طور پر حضورؐ کو نہیں بتائی اور آپؐ کو اس بات پر مامور نہیں کیا کہ آپ لوگوں کو یہ بتائیں کہ فلاں رات لیلۃ القدر ہے۔

نبی ﷺ کو زیادہ سے زیادہ جو بات بتانے کی اجازت دی گئی وہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور تم طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔ اس حدیث میں طاق راتوں میں سے بھی تین راتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ۲۱، ۲۳ اور ۲۵۔ بعض روایات میں اکیس سے انتیس تک کی طاق راتیں ہیں اور بعض روایات میں آخری سات دنوں کی راتیں ہیں۔

احادیث کی روایت کرتے وقت چونکہ یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ کون سی حدیث کس تاریخ کی ہے اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ کون سی حدیث ابتدائی دور کی ہے اور کون سی بعد کے دور کی۔ علمائے امت میں جو بات معروف ہے وہ یہی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى، ثَنِي خَالِدُ بْنُ الْحَارِثِ، ثَنَا حُمَيْدٌ، ثَنَا أَنَسٌ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَقَالَ خَرَجْتُ لِأُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسَى أَنْ يَكُونَ خَيْرًا لَّكُمْ، فَالْتَمِسُوهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔(۱۶)

ترجمہ: حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ مسجدِ نبوی سے (یا اپنے خانۂ مبارک) سے نکلے تا کہ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دیں۔ اتنے میں دو مسلمان آپس میں جھگڑنے لگے۔ اس پر آپؐ نے ہم سے فرمایا کہ میں تو تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے نکلا تھا مگر فلاں اور فلاں آپس میں جھگڑ پڑے اور اس دوران میں وہ اٹھالی گئی (اس کا علم مجھ سے رفع کرلیا گیا) شاید تمہاری بھلائی اسی میں تھی۔ لہٰذا اب تم اسے اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں رات کو تلاش کرو۔

اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں پر فخر کرتا ہے

۱۴۰۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْقَاعِدٍ يَّذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمُ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ، فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِيْ مَاجَزَاءُ اَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهٗ، قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاءُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرُهٗ، قَالَ مَلَائِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَاِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَآءِ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْغَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ، قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ ۔ (البیہقی)

’’حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبریل علیہ السلام ملائکہ کے ایک جھرمٹ میں اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لیے دُعا کرتے ہیں جو اس وقت کھڑا ہوا یا بیٹھا ہوا اللہ عزّ وجلّ کا ذکر کر رہا ہو (جاگ رہا ہو اور عبادت کر رہا ہو) پھر جب عید الفطر کا دن ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے ملائکہ کے سامنے فخر کرتا ہے اور انہیں مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے میرے فرشتو! اس اجیر (مزدور) کی جزا کیا ہے جس نے اپنے ذمے کا کام پورا کر دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار اس کی جزا یہ ہے کہ اس کی مزدوری اسے پوری پوری دے دی جائے۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ اے میرے ملائکہ! میرے ان بندوں اور بندیوں نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا جو میں نے ان پر عائد کیا تھا۔ پھر اب یہ گھروں سے (عید کی نماز ادا کرنے اور) مجھ سے گڑگڑا کر مانگنے کے لیے نکلے ہیں۔ اور قسم ہے میری عزت اور میرے جلال کی، اور میرے کرم اور میری بلند مرتبگی کی، اور میری بلند مقامی کی کہ میں ان کی دعائیں ضرور قبول کروں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا اور تمہاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا ـــ حضورؐ فرماتے ہیں کہ پھر وہ اس حالت میں پلٹتے ہیں کہ انہیں معاف کر دیا جاتا ہے۔‘‘

تشریح: اللہ تعالیٰ سال کے سال اپنے مومن بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کیونکہ انہوں نے رمضان میں روزے رکھے اور لیلۃ القدر کی تلاش میں راتوں کو عبادت کرتے رہے۔ پھر عید کے روز نماز کے لیے نکلے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں۔ اس کے نتیجے میں وہ اس کے ہاں سے مغفرت اور مہربانیاں حاصل کر کے پلٹتے ہیں۔

تخریج: اَخْبَرَنَا اَبُوْ سَعْدٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ اَبِيْ عُثْمَانَ الزَّاهِدُ، نَا اَبُوْاِسْحَاقَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ رَجَاءٍ اَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سُلَيْمَانَ (بن) الْاَشْعَثَ، نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ الْاَزْدِيُّ، نَا اَحْرَمُ بْنُ حَوْشَبٍ، نَامُحَمَّدُ بْنُ يُوْنُسَ الْحَارِثِيّ عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : اِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ اَوْقَاعِدٍ يَّذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمُ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهٗ، فَقَالَ يَا مَلَائِكَتِيْ مَاجَزَاءُ اَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهٗ، قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاءُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرُهٗ، قَالَ:

مَلاَئِكَتِى عَبِيدِى وَإِمَائِى قَضَوا فَرِيضَتِى عَلَيهِم ثُمَّ خَرَجُوا يَعُجُّونَ اِلَى الدُّعَآءِ وَعِزَّتِى وَجَلاَلِى وَكَرَمِى وَعُلُوِّى وارتِفَاعِ مَكَانِى لَأُجِيبَنَّهُم فَيَقُولُ ارجِعُوا فَقَدغَفَرتُ لَكُم وَبَدَّلتُ سَيِّئَاتِكُم حَسَنَاتٍ، قَالَ: فَيَرجِعُونَ مَغفُورًا لَّهُم۔(۱۷)

قال احمد: تفرد به مُحَمَّدُ بن عبدالعزيز هذا عن اصرم بن حوشب۔

ماخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر فیه عن عبادة☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر۔ ☆ابوداؤد ج۲ کتاب الصلوة باب تفریع ابواب شهر رمضان باب فی لیلة القدر۔☆ترمذی ج۱، ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلة القدر☆مؤطا امام مالک کتاب الصیام باب ماجاء فی لیلة القدر۔☆مسند احمد ج۶ص۷۳۔۵۶۔ج۲۔☆السنن الکبریٰ ج۴ کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر۔

(۲) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب فضل لیلة القدر باب التمسوا لیلة القدر فی السبع الاواخر۔☆مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر والحث علی طلبها۔☆مؤطا امام مالک کتاب الصیام باب ماجاء فی لیلة القدر۔ ☆مسنداحمد ج۲۔ عبدالله بن عمر۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج۴ کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبها فی السبع الاواخر فی شهر رمضان۔

(۳) بخاری ج کتاب الصوم باب تحرّی لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر۔☆ مسلم ج۱ کتاب الصیام باب لیلة القدر۔☆ ابوداؤد ج۱کتاب الصلوٰة تفریع ابواب شهر رمضان۔ باب فی لیلة القدر۔☆ مسند احمد ج۲ص۲۷۔۳۶۔ج۱ص ۱۳۳،ج۳ص۱۷۱۔ج۵ص۸۶۔۸۸۔۹۸۔ج۶ص ۵۰۔☆السنن الکبریٰ ج۴۔کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبها فی الشفع من العشر الاواخر۔

(۴) مسلم ج۱کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر الخ۔☆بخاری ج۱ کتاب الصوم باب تحری لیلة القدر فی الوتر من العشر الاواخر۔☆مؤطا امام مالک کتاب الصیام باب ماجاء فی لیلة القدر۔☆السنن الکبریٰ ج۴ کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبها احدی وعشرین۔☆ مسنداحمد ج۳ص۲۲۴۔

(۵) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الاعتکاف فی العشر الاواخر والاعتکاف فی المساجد کلها۔

(۶) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر الخ۔☆ بخاری ج۱ کتاب الصوم باب تحرّی لیلة القدر فِی الوتر من العشر الاواخر۔☆مؤطا امام مالک کتاب الصیام باب ماجاء فی لیلة القدر۔☆السنن الکبریٰ ج۴ کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبها احدی وعشرین۔☆مسند احمد ج۳ص۲۴۔

(۷) مسلم ج۱ کتاب الصیام باب فی فضل لیلة القدر والحث علی طلبها الخ۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصلوٰة باب فی لیلة القدرج۲☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاءَ فی لیلة القدر۔

☆مسند احمد ج٥ص٣٢٤ عبادة بن الصامت۔☆السنن الکبریٰ ج٤، کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبھا لیلة سبع وعشرین☆ابنِ حبان وغیرہ۔

(۸) مسلم ج١کتاب الاعتکاف باب الاجتھاد فی العشر الاواخر۔☆ ترمذی ج١ابواب الصوم باب منه قال ابوعیسی ھذا حدیث غریب حسن صحیح☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب فی فضل العشر الاواخر من شھر رمضان☆دارمی کتاب الصوم باب٥٢ باب فی فضل العمل فی العشر۔

(۹) مسند احمد ج٦ص٨٢۔ ١٢٣۔٢٥٦۔☆السنن الکبریٰ ج٤کتاب الصیام باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان۔

(۱۰) بخاری ج١کتاب الصوم باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان۔☆ مسلم ج١کتاب الاعتکاف باب الاجتھاد فی العشر الاواخر من شھر رمضان۔ ☆ترمذی ج١ ابواب الصوم باب منه۔

(۱۱) ابوداؤد ج٢کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب شھر رمضان۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب فی فضل العشر الاواخر من شھر رمضان۔☆مسند احمد ج٦ص٦٧۔٦٨۔١٤٦مرویات عائشة۔☆ السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب العمل فی العشر الاواخر من رمضان۔

(۱۲) ترمذی ج٢ ابواب الدعوات☆ ابن ماجه ج١کتاب الدعاء باب الدعاء بالعفو والعافية۔☆ مسند احمد ج٦ص ١٧١۔١٨٢۔١٨٣۔٢٨٥۔ عن عائشة۔

(۱۳) ترمذی ج١ ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلة القدر۔☆ مسنداحمد ج١ص٢٨١ (مختصر) ☆المستدرك ج١کتاب الصوم باب بیان لیلة القدر۔

(۱۴) ابوداؤد ج٢کتاب الصلوٰۃ باب تفریع ابواب شھر رمضان باب من قال ھی فی کل...☆ السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب الدلیل علی انھا فی کل رمضان۔

(۱۵) ابوداؤد ج٢کتاب الصلاۃ باب تفریع ابواب شھر رمضان باب فی لیلة القدر۔☆مؤطا امام مالك کتاب الاعتکاف باب ماجاءَ فی لیلة القدر۔☆السنن الکبریٰ ج٤کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبھا لَیلة ثلاث وعشرین۔

(۱۶) بخاری، ج١کتاب الصوم باب رفع معرفة لیلة القدر لتلاحی النّاس۔☆مسلم ج١کتاب الصیام باب فضل لیلة القدر والحث علیھا۔ ☆مؤطا امام مالك کتاب الاعتکاف باب ماجاء فی لیلة القدر۔☆دارمی کتاب الصوم باب ٥٦ فی لیلة القدر۔☆مسند احمد ج٣ص ١٠ ابو سعید خدری ج٥ص٣١٣ عبادہ بن صامت۔ **ان کتب میں جوروایت مروی ہے وہ قدرے لمبی ہے۔**☆ السنن الکبریٰ ج٤کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبھا فی الشفع من العشر الاواخر۔☆السنن الکبریٰ ج٤کتاب الصیام باب الترغیب فی طلبھا فی السبع الاواخر من شھر رمضان۔

(۱۷) شعب الایمان للبیھقی ج٣ ۔ حدیث نمبر ٣٧١٧۔

فصل دہم:

اعتکاف

اعتکاف میں رسول اللہ ﷺ کی سنت

۱۴۱۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ، ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔ (متفق علیہ)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات بخشی۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہراتؓ اعتکاف کیا کرتی تھیں۔''

تشریح: اِعتِکاف کہتے ہیں اپنے آپ کو روکے رکھنے، کسی چیز پر قائم رہنے اور اس سے وابستہ رہنے کو۔ شریعت کی اصطلاح میں اعتکاف اس چیز کا نام ہے کہ آدمی ایک خاص صورت سے مسجد میں ٹھہرا رہے۔ گویا مسجد میں قیام کرنے اور وہاں اپنے آپ کو روکے رکھنے کا نام اعتکاف ہے۔

نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں مسجد میں قیام فرماتے تھے۔ اور آپؐ کا یہ معمول عمر بھر رہا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد آپؐ کا وہ معمول مراد ہے جو مدینہ طیّبہ میں رہا کیونکہ رمضان کے روزوں کا حکم مدینہ طیبہ میں آیا تھا۔ دوسرے یہ کہ مکہ میں اس وقت تک سرے سے کوئی مسجد ہی نہ تھی اور مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) میں اعتکاف کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ اس لیے اس سے مراد یہی ہے کہ قیامِ مدینہ طیّبہ میں آخر وقت تک حضورؐ کا یہ معمول رہا کہ آپؐ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

ازواجِ مطہراتؓ کا اعتکاف مسجد نبوی میں نہیں بلکہ اپنے حجروں ہی میں ہوتا تھا۔ تمام ازواجِ مطہرات کے حجرے مسجدِ نبوی کے ساتھ ساتھ تھے اور ہر ایک کا دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ نبی ﷺ ازواجِ مطہراتؓ میں سے جس کے ہاں بھی قیام رکھتے تھے وہاں سے آپؐ مسجد کے اندر تشریف لاتے تھے۔ چونکہ یہ حجرے مسجد سے متصل تھے اس لیے ازواجِ مطہرات کو مسجد کے اندر آنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ویسے بھی عورتوں کا اعتکاف مسجد میں نہیں ہوتا، بلکہ گھروں ہی میں ہوتا ہے۔ اس لیے ازواجِ مطہراتؓ بھی رمضان کے آخری عشرے میں اپنے اپنے حجروں میں اعتکاف کرتی رہیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ یُوْسُفَ، ثَنَا اللَّیْثُ، عَنْ عُقَیْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ

الزُّبَیرِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ کَانَ یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰی تَوَفَّاهُ اللّٰهُ، ثُمَّ اعْتَکَفَ اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِهٖ۔(۱)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو وفات بخشی۔ پھر آپؐ کے بعد آپؐ کی ازواج مطہراتؓ اعتکاف کیا کرتی تھیں۔

رمضان میں حضورؐ کی بے انتہا فیاضی اور جبریلؑ کے ساتھ دورۂ قرآن

۱۴۲۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیرِ وَکَانَ اَجْوَدَ مَایَکُوْنُ فِی رَمَضَانَ، کَانَ جِبْرِیلُ یَلْقَاهُ کُلَّ لَیلَةٍ فِی رَمَضَانَ یَعْرِضُ عَلَیهِ النَّبِیُّ ﷺ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِیَهٗ جِبْرِیلُ کَانَ اَجْوَدَ بِالْخَیرِ مِنَ الرِّیحِ الْمُرْسَلَةِ۔ (متفق علیه)

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھلائی کے معاملے میں (معمولاً) تمام انسانوں سے زیادہ فیاض تھے اور خاص طور پر آپؐ رمضان میں بے انتہا فیاض ہوتے تھے جبریل علیہ السلام رمضان کے زمانے میں ہر رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تھے اور حضورؐ انہیں قرآن مجید سناتے تھے۔ جب جبریل علیہ السلام آپؐ سے ملتے تھے تو حضورؐ بھلائی کے معاملے میں چلتی ہوا سے بھی زیادہ فیاض ہوتے تھے (وہ ہوا جو چلنے کے بعد کہیں رکتی نہیں اور ہر چیز پر سے گزرتی ہے اور ہر جگہ پہنچتی ہے)۔''

تشریح: یوں تو قرآن مجید جس وقت نبی ﷺ پر نازل ہوتا تھا اُسی وقت آپؐ کے دِل پر نقش ہو جاتا تھا اور پھر آپؐ کبھی بھولتے نہیں تھے لیکن رمضان کے مہینے میں (کہ جس میں قرآن مجید کے نزول کا آغاز ہوا تھا) جبریلؑ نبی ﷺ کے پاس آتے تھے اور جتنا قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا وہ سارا رسول اللہ ﷺ انہیں سناتے تھے ___ پھر جس طرح ہوا ایک دفعہ چل پڑنے کے بعد ہر چیز پر سے گزرتی اور ہر جگہ پہنچتی ہے اسی طرح ان دنوں میں رسول اللہ ﷺ کی خیر اور فیاضی معمول سے بہت زیادہ عام اور وافر ہو جاتی تھی۔ گویا یہ اس مسرت کی وجہ سے ہوتا تھا جو ہر رات جبریلؑ سے ملنے اور انہیں قرآن سنانے سے آپ کو حاصل ہوتی تھی۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُوْسَی بْنُ اِسْمَاعِیلَ، ثَنَا اِبْرَاهِیمُ بْنُ سَعْدٍ، اَنَا ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُبَیدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ، قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَیرِ وَکَانَ اَجْوَدَ مَایَکُوْنُ فِی رَمَضَانَ، حِینَ یَلْقَاهُ جِبْرِیلُ وَکَانَ جِبْرَئِیلُ یَلْقَاهُ کُلَّ لَیلَةٍ فِی رَمَضَانَ حَتّٰی یَنْسَلِخَ یَعْرِضُ عَلَیهِ النَّبِیُّ ﷺ الْقُرْاٰنَ فَاِذَا لَقِیَهٗ جِبْرِیلُ کَانَ اَجْوَدَ بِالْخَیرِ مِنَ الرِّیحِ الْمُرْسَلَةِ۔(۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھلائی کے معاملے میں (معمولاً) تمام انسانوں سے زیادہ فیاض تھے اور خاص طور پر آپؐ رمضان میں بے انتہا فیاض ہوتے تھے۔ جبریل علیہ السلام رمضان کے زمانے میں ہر رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تھے اور حضورؐ انہیں قرآن مجید سناتے تھے۔ جب جبریل علیہ السلام آپؐ سے ملتے تھے تو

حضورؐ بھلائی کے معاملے میں چلتی ہوا سے بھی زیادہ فیاض ہوتے تھے (وہ ہوا جو چلنے کے بعد کہیں رکتی نہیں۔اور ہر چیز پر سے گزرتی ہے اور ہر جگہ پہنچتی ہے)۔

جبریلؑ ہر سال رمضان میں حضورؐ کو قرآن سنایا کرتے تھے

۱۴۳۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ الْقُرْاٰنَ کُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَکَانَ یَعْتَکِفُ کُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ۔ (بخاری)

''حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا مگر جس سال آپؐ نے انتقال فرمایا اس میں آپ کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا گیا۔اور آپؐ ہر سال دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے مگر جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس میں آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔''

تشریح: گزشتہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جبریلؑ کو قرآن مجید سناتے تھے۔اس حدیث میں ہے کہ جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کو قرآن مجید سناتے تھے۔معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل دونوں طرح ہوتا تھا۔یعنی ایک مرتبہ جبریلؑ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کو سناتے تھے اور ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ قرآن مجید جبریلؑ کو سناتے تھے۔البتہ جس سال حضورؐ کا انتقال ہوا اس سال آپ کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا گیا۔یعنی دو مرتبہ قرآن مجید آپؐ نے سنایا اور دو مرتبہ جبریلؑ نے سنایا۔

حضورؐ کا اعتکاف کرنے کا عام معمول دس دن کا تھا لیکن حیاتِ مبارکہ کے آخری سال آپؐ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ یَزِیْدَ، قَالَ : حَدَّثَنَا اَبُوْبَکْرٍعَنْ اَبِیْ حُسَیْنٍ، عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ کَانَ یُعْرَضُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ الْقُرْاٰنَ کُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَکَانَ یَعْتَکِفُ کُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ۔(۳)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے سامنے ہر سال ایک مرتبہ قرآن مجید پیش کیا جاتا تھا مگر جس سال آپؐ نے انتقال فرمایا اس میں آپ کو دو مرتبہ قرآن مجید سنایا گیا۔اور آپؐ ہر سال دس دن اعتکاف کیا کرتے تھے مگر جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس میں آپ نے بیس دن اعتکاف فرمایا۔

ابوداؤد نے یہ روایت بیان کیا ہے :

⟨۲⟩ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَعْتَکِفُ کُلَّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ اَیَّامٍ فَلَمَّا کَانَ العام الذی قبض فیه اعتکف عشرین یوما۔(٤)

حضورؐ دورانِ اعتکاف میں ناگزیر ضرورت کے بغیر گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے

۱۴۴۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اعْتَکَفَ اَدْنٰی اِلَیَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِی الْمَسْجِدِ فَاُرَجِّلُهٗ وَکَانَ لَایَدْخُلُ الْبَیْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ۔ (متفق علیه)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے آپؐ اپنا سر مبارک میری طرف (میرے حجرے میں) بڑھا دیا کرتے تھے اور میں آپؐ کے بال درست کر دیا کرتی تھی ــــ اور آپؐ (اعتکاف کی حالت میں) گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر کسی خاص انسانی حاجت کے لیے۔''

تشریح: حَاجَةُ الإِنْسَان سے مراد وہ ناگزیر حاجت ہے جس کے لیے مسجد سے نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ مثلاً پیشاب پاخانہ وغیرہ کیونکہ مسجد میں رفع حاجت نہیں کی جا سکتی۔

باقی رہی یہ بات کہ آپؐ اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھا دیتے تھے اور وہ آپؐ کے بال درست کر دیتی تھیں تو اس کی صورت یہ تھی (جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے) کہ ازواجِ مطہرات کے حجروں کا ایک ایک دروازہ مسجد نبوی میں کھلتا تھا اس لیے مسجد میں بیٹھے بیٹھے آپ اپنا سر مبارک حضرت عائشہؓ کے حجرے کی طرف بڑھا دیتے تھے اور وہ تیل وغیرہ ڈال کر آپؐ کے بال درست کر دیتی تھیں۔ معلوم ہوا کہ اگر آدمی صرف مسجد کے دروازے سے اپنا سر باہر نکال لے تو وہ اس طرح مسجد سے باہر نہیں نکلتا۔ مسجد سے باہر وہ اس وقت نکلے گا جب کہ وہ قدم باہر نکالے گا لیکن قدم باہر نہ نکالنے کی صورت میں اس کے جسم کا بڑا حصّہ مسجد کے اندر رہے گا اس لیے محض سر باہر نکال لینے سے وہ مسجد سے باہر نہیں نکلے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مسجد سے صرف سر باہر نکالنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ البتہ اگر آپ مسجد سے قدم باہر نکالیں گے تو آپ کا اعتکاف ٹوٹ جائے گا ــــ مسجد سے باہر نکلنے کے لیے اجازت صرف اسی صورت میں ہے جب کہ کوئی ناگزیر حاجت درپیش ہو۔ مثلاً ایک آدمی کا کھانا لا کے دینے والا کوئی نہیں ہے، چنانچہ وہ محض اپنا کھانا لینے کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے، خواہ گھر جائے یا کسی دوکان پر، اسی طرح وہ پیشاب پاخانے کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ البتہ ناگزیر حاجات کے سوا کسی حالت میں اعتکاف کرنے والے کو مسجد سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں۔

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا اَبُوْ مُصْعَبٍ الْمَدِيْنِيُّ قِرَاءَةً عَنْ مَالِكِ بْنِ اَنَسٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ وَعَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اعْتَكَفَ اَدْنٰى اِلَيَّ رَأْسَهٗ فَاُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَايَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ۔

قال ابو عیسٰی هذا حديث حسن صحيح۔

هكذا رواه غير واحد عن مالك بن انس، عن ابن شهاب عن عروة عن عَمْرَةَ عن عَائشة والصحيح عن عروة وعمرة عن عائشة۔

هكذا روى الليث بن سعد عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة۔

حَدَّثَنَا بِذٰلِكَ قُتَيْبَةُ عَنِ اللَّيْثِ۔

والعمل علىٰ هذا عند اهل العلم اذا اعتكف الرجل ان لا يخرج من اعتكافه الّا

لحاجة الانسان۔ واجمعوا على هذا انه يخرج لقضاء حاجته للغائط والبول۔ ثم اختلف اهل العلم فى عيادة المريض وشهود الجمعة والجنازة للمعتكف۔

فرای بعض اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغيرهم ان يعود المريض ويُشَيِّع الجنازة ويُشهد الجمعة اذا اشترط ذلك۔ وهوقول سفيان الثورى وابن المبارك۔ وقال بعضهم ليس له ان يفعل شيئا من هذا وراوا لِلْمُعْتَكِفِ اذا كان فى مصر يُجَمَّعُ فيه ان لا يعتكف اِلّا فى المسجد الجامع لانهم كرهوا له الخروج من مُعتكفِهٖ الى الجمعة ولم يروا له ان يترك الجمعة فقالوا لايعتكف الا فى المسجد الجامع حتّٰى لايحتاج من معتكفهٖ لغير قضاء حاجة الانسان، لان خروجه لغير قَضَاء حاجة الانسان قطع عندهم للاعتكاف وهو قول مالك والشافعى۔ وقال احمد لايعود المريض ولايتبع الجنازة على حديث عائشة۔ وقال اسحاق ان اشترط ذلك فَلَهٗ ان يتبع الجنازة ويعود المريض۔(۵)

ـــ امام ترمذی کہتے ہیں کہ اہلِ علم کا عمل اس پر ہے کہ اعتکاف میں بیٹھنے والا کسی خاص انسانی ضرورت کے علاوہ اعتکاف سے باہر نہ نکلے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پیشاب، پاخانے کی ناگزیر انسانی ضرورت کے لیے باہر نکل سکتا ہے۔ البتہ اس بارے میں اہلِ علم کے ہاں اختلاف ہے کہ معتکف مریض کی عیادت کے لیے اور نمازِ جمعہ کے لیے اور جنازے میں شرکت کے لیے باہر جاسکتا ہے یا نہیں۔

ـــ بعض اہلِ علم اصحاب نبی ﷺ کی رائے ہے کہ مریض کی عیادت، جنازے میں شرکت اور نمازِ جمعہ میں شریک ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس نے اعتکاف کو مشروط کیا ہو۔ یہ رائے سفیان ثوری اور ابنِ مبارک کی ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ امور انجام دینے کی اجازت نہیں۔ اور ان کی یہ بھی رائے ہے کہ معتکف کو اعتکاف کے لیے ایسی مسجد میں بیٹھنا چاہیے جہاں جمعہ ہوتا ہو کیونکہ ان کے نزدیک جمعہ کی نماز کے لیے نکلنا مکروہ ہے اور یہ حضرات ترکِ جمعہ اس کے لیے مناسب نہیں سمجھتے۔ اس لیے انہوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ جامع مسجد میں جمعہ کی ادائیگی کے لیے اسے اعتکاف سے بجز ناگزیر انسانی ضرورت کے نکلنا نہ پڑے۔ انسانی ضرورت کے علاوہ اس کا باہر نکلنا ان کے نزدیک اعتکاف کو توڑنے کا موجب ہے۔ یہ رائے امام مالک اور امام شافعی کی ہے۔ امام احمد مریض کی عیادت اور جنازے میں شرکت حضرت عائشہؓ سے مروی روایت کی بنا پر درست نہیں سمجھتے۔ امام اسحاق کے نزدیک مشروط صورت میں جائز ہے۔

﴿۲﴾حَدَّثَنَا يَحْيٰ بْنُ يَحْيٰ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلٰى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اعْتَكَفَ يُدْنِيْ اِلَيَّ رَأْسَهٗ فَاُرَجِّلُهٗ، وَكَانَ لَايَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةِ الْاِنْسَانِ۔(۶)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تھے تو مسجد میں

بیٹھے بیٹھے آپ اپنا سر مبارک میری طرف (میرے حجرے میں) بڑھا دیا کرتے تھے اور میں آپؐ کے بال درست کر دیا کرتی تھی ــــ اور آپؐ (اعتکاف کی حالت میں) گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر کسی خاص انسانی حاجت کے لیے۔

بخاری میں اس روایت کا متن قدرے مختلف الفاظ میں منقول ہے:

〈۳〉 عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، اَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ: وَاِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيُدْخِلُ عَلَيَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، فَأُرَجِّلُهٗ وَكَانَ لَايَدْخُلُ الْبَيْتَ اِلَّا لِحَاجَةٍ اِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا۔(۷)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک میرے حجرے میں میرے سامنے داخل فرما دیتے میں آپؐ کے بال کنگھی سے درست کر دیتی۔ جب آپؐ اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو اپنے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے مگر کسی خاص انسانی حاجت کے لیے۔

ایک دوسری روایت:

〈۴〉 قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصْغِيْ اِلَيَّ رَأْسَهٗ وَهُوَ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ، فَأُرَجِّلُهٗ، وَاَنَا حَائِضٌ۔(۸)

ترجمہ: ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ مسجد میں اعتکاف میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک میری طرف جھکا دیتے تھے میں کنگھی کر کے آپؐ کے بال درست کر دیا کرتی تھی حالانکہ میں ایامِ ماہواری میں ہوتی تھی۔

ایک اور روایت:

〈۵〉 وَكَانَ يُخْرِجُ رَأْسَهٗ مِنَ الْمَسْجِدِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهٗ وَاَنَا حَائِضٌ۔(۹)

ترجمہ: ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ اعتکاف میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک مسجد نبوی سے (میرے حجرے) کی طرف نکال لیتے تھے اور میں باوجود ایامِ ماہواری کے آپؐ کا سر مبارک دھو دیا کرتی تھی۔

بخاری اور ابنِ ماجہ دونوں نے يُدْنِيْ اِلَيَّ رَأْسَهٗ اور يُدْنِيْ لَهَا رَأْسَهٗ بھی بیان کیا ہے۔ (۱۰)

جاہلیّت میں مانی ہوئی کسی نیک کام کی نذر پوری کرنی چاہیے

۱۴۵۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَاَلَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے زمانہ جاہلیّت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں ایک رات مسجدِ حرام (بیت اللہ) میں اعتکاف کروں گا۔ (کیا مجھے اپنی یہ نذر پوری کرنی چاہیے؟) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تم اپنی نذر پوری کرو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی انسان نے جاہلیت میں بھی کسی نیک کام کی نذر مانی ہو تو اُسے اپنی نذر پوری کرنی چاہیے

ہاں اگر کسی غلط اور بے جا کام کی یا کسی گناہ کی نذر مانی ہو تو اسے پورا نہیں کرنا چاہیے۔ کسی نیک کام کے لیے جاہلیت کے زمانے میں مانی ہوئی نذر کے متعلق اس امر میں اختلاف ہے کہ اس کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک اسے پورا کرنا لازم ہے اور بعض کے نزدیک لازم نہیں ہے۔ البتہ اس کی اجازت ضرور ہے۔ خود فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ کے بھی دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک مفہوم یہ ہے کہ تم لازماً یہ نذر پوری کرو۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہاں تم نذر پوری کر سکتے ہو مگر ایسا کرنا ضروری نہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلیت کے زمانے میں بھی اعتکاف کا طریقہ معروف تھا اور قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ مشرکین اپنے بتوں کے لیے اعتکاف کیا کرتے تھے اور اہل اللہ اللہ کے لیے عبادت گاہوں میں اعتکاف کرتے تھے۔ بعض اوقات مشرکین بھی مسجد حرام میں اللہ کے لیے اعتکاف کرنے کی نذر مانتے تھے جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ نذر اللہ کی خاطر تھی ورنہ نبی ﷺ انہیں اس کے پورا کرنے کا حکم (یا اجازت) نہ دیتے۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، ثَنَا يَحيٰ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِاللّٰهِ، اَخْبَرَنِيْ نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَنْ اَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، قَالَ: فَاَوْفِ بِنَذْرِكَ۔(۱۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے زمانۂ جاہلیّت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں ایک رات مسجد حرام (بیت اللہ) میں اعتکاف کروں گا (کیا مجھے اپنی یہ نذر پوری کرنی چاہیے؟) حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں تم اپنی نذر پوری کرو۔

ابوداؤد میں مروی ایک اور روایت:

⟨۲⟩ اَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَعَلَ عَلَيْهِ اَنْ يَعْتَكِفَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَيْلَةً اَوْ يَوْمًا عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ اِعْتَكِفْ وَصُمْ۔(۱۲)

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے زمانۂ جاہلیت میں اپنے اوپر لازم کر لیا تھا کہ وہ ایک رات یا دن کعبہ کے پاس اعتکاف کریں گے۔ اس بارے میں انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ اعتکاف کرو اور روزہ بھی رکھو۔

ابن ماجہ میں مروی ایک اور روایت:

⟨۳⟩ عَنْ عُمَرَ، اَنَّهُ كَانَ عَلَيْهِ نَذْرُ لَيْلَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَعْتَكِفُهَا فَسَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَاَمَرَهُ اَنْ يَعْتَكِفَ۔(۱۳)

ترجمہ: حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ مجھ پر زمانۂ جاہلیت کی ایک رات کے اعتکاف کی نذر پوری کرنا لازم تھی۔ اس سلسلے میں انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اعتکاف کرو۔

حضور ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں ہمیشہ اعتکاف فرماتے تھے

۱۴۶۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

''حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر ایک سال آپؐ نے اعتکاف نہیں فرمایا۔ جب دوسرا سال آیا تو آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔''

تشریح: اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سال اپنے زمانۂ قیامِ مدینہ میں اعتکاف نہیں کیا جس سے اس بات کی دلیل ملتی ہے کہ اعتکاف کرنا فرض اور واجب نہیں ہے۔ اگر فرض اور واجب ہوتا تو نبی ﷺ ایک سال بھی اعتکاف نہ چھوڑتے اگرچہ اعتکاف ایک بہت بڑی نیکی ہے اور ایک ایسی سنت ہے جس پر عمل کیا جانا چاہیے (اور آپؐ برابر سالہا سال اس پر عمل پیرا رہے) لیکن ایک سال آپؐ نے اعتکاف نہیں فرمایا تاکہ فرض و واجب یا سنت میں فرق واضح ہو جائے۔ حضورؐ کے اس عمل کی بناء پر فقہاء کے درمیان اعتکاف کی نوعیت میں اختلاف ہوا ہے۔ بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ہمیشہ اعتکاف کیا ہے۔ اگر ایک سال نہیں کیا تو دوسرے سال آپؐ نے دس دن مزید اعتکاف میں بیٹھ کر اس کی قضا ادا کی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ سنّت ہے اور سنّتِ مؤکّدہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مُستَحَب ہے اور ایسا مُستَحَب کہ اس پر عمل کیا جانا چاہیے۔ اس معاملے میں نبی ﷺ کے جو مختلف عمل ہیں فقہاء نے یہ رائیں ان کو دیکھ کر اختیار کی ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ وزن رکھتی ہیں۔

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، نَا ابْنُ اَبِی عَدِیٍّ، اَنْبَانَا حُمَیْدُن الطَّوِیْلُ، عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَعْتَكِفُ فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ یَعْتَكِفْ عَامًا، فَلَمَّا كَانَ فِی الْعَامِ الْمُقْبِلِ اعْتَكَفَ عِشْرِیْنَ۔(١٤)

ترجمہ: حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں ہمیشہ اعتکاف فرمایا کرتے تھے مگر ایک سال آپؐ نے اعتکاف نہیں فرمایا جب دوسرا سال آیا تو آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔

⟨۲⟩ قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ ﷺ یَعْتَكِفُ كُلَّ رَمَضَانَ عَشْرَةَ اَیَّامٍ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ الَّذِیْ قُبِضَ فِیْهِ اعْتَكَفَ عِشْرِیْنَ یَوْمًا۔(١٥)

ترجمہ: نبی ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ ہر رمضان میں دس روز اعتکاف فرماتے لیکن جس سال آپ کی روح مبارک قبض کی گئی اس سال بیس روز اعتکاف فرمایا۔

⟨۳⟩ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ یَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ فَسَافَرَ عَامًا، فَلَمْ یَعْتَكِفْ، فَلَمَّا كَانَ مِنْ قَابِلٍ اعْتَكَفَ عِشْرِیْنَ یَوْمًا۔(١٦)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپؐ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حالتِ سفر پیش آگئی اور آپ اعتکاف میں نہ بیٹھ سکے تو آئندہ سال بیس روز اعتکاف فرمایا۔

حضورؐ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف میں داخل ہو جاتے تھے

١٤٧۔ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ فِیْ مُعْتَكَفِهٖ۔ (ابو داود، ابن ماجة)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) میں داخل ہو جاتے تھے۔''

تشریح: مُعتَکَفُ سے مراد وہ جگہ ہے جو آدمی مسجد میں اپنے اعتکاف کے لیے بنالے۔ مسجد میں ایک پردہ سا لٹکا کر اپنے لیے خلوت پیدا کر لی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ فجر کی نماز پڑھ کر اپنے مُعتکَف میں داخل ہو جاتے تھے۔

امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ وغیرہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اعتکاف کی ابتداء فجر کے وقت سے ہوتی ہے۔ بعض دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف کی ابتداء مغرب کے وقت سے ہوتی ہے۔ یعنی اگر آدمی ۲۱ تاریخ سے اعتکاف میں بیٹھنا چاہے تو وہ ۲۰ تاریخ کو مغرب کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھ جائے گا۔ ائمہ اربعہ اسی بات کے قائل ہیں اور وہ اپنی دلیل دوسری احادیث سے لاتے ہیں۔ لیکن جو فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ اعتکاف کا وقت ۲۰ تاریخ کی فجر سے شروع ہوتا ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

تخریج : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيٰى، اَخْبَرَنَا اَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عُمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: إِذَا اَرَادَ اَنْ يَّعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ، ثُمَّ دَخَلَ فِي مُعْتَكَفِهٖ(١٦)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو فجر کی نماز پڑھ کر اپنے معتکف (اعتکاف کی جگہ) میں داخل ہو جاتے تھے۔

امام ترمذی نے روایت بیان کر کے لکھا ہے:

قال ابو عیسٰی وقد روی هذا الحدیث عن یحیی بن سعید عن عمرة عن النبی ﷺ مرسل ورواه مالك وغیر واحد عن یحیی بن سعید مرسلاً ورواه الاوزاعی وسفیان الثوری عن یحیی ابن سعید عن عمرة عن عائشة۔

والعمل علی هذا الحدیث عند بعض اهل العلم یقولون اذا اراد الرجل ان یعتکف صلی الفجر ثم دخل فی معتکفه وهو قول احمد بن حنبل واسحاق وابراهیم۔

وقال بعضهم، اذا اراد ان یعتکف فلتغب له الشمس من اللیلة التی یرید ان یعتکف فیها الغدو وقد قعد فی معتکفه وهو قول سفیان الثوری ومالك بن انس ـ(١٨)

۔۔۔امام ترمذی کہتے ہیں اس حدیث پر بعض اہلِ علم نے عمل کی صورت یہ بتائی ہے کہ جب کوئی شخص اعتکاف میں بیٹھنا چاہے تو فجر کی نماز پڑھ کر اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو۔ یہ رائے امام احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ اور ابراہیمؒ کی ہے۔

۔۔۔اور بعض کہتے ہیں جس رات اعتکاف میں بیٹھنا چاہے اسی رات سورج غروب ہونے کے بعد صبح سے پہلے اپنے معتکف میں بیٹھ جائے۔ یہ رائے امام سفیان ثوری اور مالک بن انس کی ہے۔

حالت اعتکاف میں مریض کی عیادت کا مسنون طریقہ

۱۴۸۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَفَلاَ يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ۔ (ابو داود)

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف کی حالت میں مریض کی عیادت کر لیتے تھے۔ بس آپ سیدھے مریض کے پاس جاتے تھے اور اس کی خیریت پوچھ کر واپس آجاتے تھے۔''

تشریح: آگے ایک حدیث آتی ہے کہ اعتکاف میں عیادت بھی نہیں کی جاسکتی اور وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت ہے۔ یہاں حضرت عائشہؓ کا بیان یہ ہے کہ حضورؐ عیادت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عیادت کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت یہ ہے کہ کسی آدمی کو کوئی معمولی بیماری ہے اور اس میں کوئی خطرے اور پریشانی کی بات نہیں تو اعتکاف کی حالت میں آپؐ اس کی عیادت کے لیے نہیں جایا کرتے تھے۔ لیکن اگر معلوم ہوتا کہ آدمی بہت سخت بیمار ہے اور اس کی حالت قابلِ تشویش ہے تو اس حالت میں آپؐ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تھے لیکن اس طرح کہ راستے میں کسی دوسرے کام کے لیے رکتے اور ٹھہرتے نہیں تھے ـــــ اس سے دونوں حدیثیں جمع ہو جاتی ہیں اور ان کا ظاہری تضاد رفع ہو جاتا ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ ابْنُ مُحَمَّدِ النُّفَيْلِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى، قَالاَ: ثَنَا عَبْدُالسَّلاَمِ بْنِ حَرْبٍ، اَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ابْنُ اَبِىْ سُلَيْمٍ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ النُّفَيْلِيُّ: قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَمُرُّ بِالْمَرِيْضِ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ وَلاَ يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ۔(۱۹)

وقال ابن عیسیٰ: قالت : ان کان النبی ﷺ یعود المریض و ھو معتکف۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اعتکاف کی حالت میں مریض کی عیادت کر لیتے تھے۔ بس آپ سیدھے مریض کے پاس جاتے تھے اور اس کی خیریت پوچھ کر واپس آجاتے۔

حالتِ اعتکاف میں ممنوع کام، اور اعتکاف کی دو شرطیں

۱۴۹۔ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَّايَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلاَيَشْهَدَ وَلاَيَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلاَيُبَاشِرَهَا وَلاَيَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لاَبُدَّ مِنْهُ وَلاَ اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلاَاِعْتِكَافَ اِلَّا فِىْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔ (ابو داؤد)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لیے اعتکاف کے معاملے میں سنت یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کرے، نہ جنازے میں جائے، نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس کے ساتھ جسم مَس کرے۔ نہ کسی حاجت کے لیے مسجد سے نکلے۔ بجز اس حاجت کے کہ جس کے لیے مسجد سے نکلنے کے سوا چارہ نہ ہو۔ اور کوئی اعتکاف نہیں ہے بغیر روزے کے، اور کوئی اعتکاف نہیں ہے مگر مسجدِ جامع میں۔''

تشریح: اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے جو احکام بیان کیے ہیں ان میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ معتکف مریض کی عیادت نہ کرے۔ گزشتہ حدیث اور اس حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عام حالت میں مریض کی عیادت نہ کرنی چاہیے لیکن اس صورت میں جب کہ مریض کی حالت تشویش کے قابل ہو عیادت کی جا سکتی ہے۔ معتکف کے لیے دوسرا حکم یہ ہے کہ وہ جنازے کے ساتھ نہ جائے۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ وہ بیوی کے قریب نہ جائے۔ اس سے پہلے حضرت عائشہؓ ہی کی حدیث گزر چکی ہے کہ وہ حضورؐ کے بال ٹھیک کر دیتی تھیں درآنحالیکہ آپؐ اعتکاف میں ہوتے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو تو ہاتھ لگانے کی اجازت دی مگر خود ان کو ہاتھ نہیں لگایا۔ البتہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوسکتا کیونکہ کسی دوسرے کا گھر اس طرح مسجد کے ساتھ نہیں ہوتا جس طرح نبی ﷺ کا تھا۔ اس لیے اس معاملے میں حکم وہی رہے گا جو معروف ہے۔

اس حدیث سے یہ حکم بھی معلوم ہوا کہ روزے کے بغیر اعتکاف نہیں ہے۔ یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ آدمی روزے سے نہ ہو مگر مسجد میں اعتکاف میں بیٹھا ہوا ہو۔

آخری حکم حضرت عائشہؓ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اعتکاف نہیں ہے مگر مسجد جامع میں۔ فقہاء کے درمیان اس کے مفہوم میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ بعض فقہاء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اعتکاف اس مسجد میں ہوسکتا ہے جس میں جمعہ قائم کیا جا رہا ہو، یعنی اس میں جمعہ کی نماز ہوتی ہو۔ اس سے اختلاف کرتے ہوئے فقہا کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف ہوسکتا ہے۔ تاہم مسجد جامع کے ایک معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ وہ مسجد ہے جس میں جماعت ہوتی ہو۔ یعنی کوئی شخص ایسی ویران مسجد تلاش کر کے وہاں جا کر اعتکاف میں نہ بیٹھ جائے جہاں نمازیوں کی آمد و رفت نہ ہو کیونکہ اس صورت میں وہ اکیلا ہی نماز پڑھتا رہے گا اور جماعت کی نماز سے محروم رہے گا۔ اعتکاف کی نیکی تو اس نے کی لیکن جماعت کی نماز چھوٹ گئی۔ اس لیے اگر مسجدِ جامع سے ایسی مسجد مراد لی جائے تو پھر اختلاف کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہتی کیونکہ ویران مسجد میں اعتکاف کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

تخریج: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ بَقِيَّةَ، اَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ، يَعْنِي ابْنَ اِسْحَاقَ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّهَا قَالَتْ: السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَّايَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَايَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَايَمَسَّ امْرَاَةً، وَلَايُبَاشِرَهَا وَلَايَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لِمَا لَابُدَّ مِنْهُ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَااِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔(٢٠)

قال ابو داؤد: غير عبدالرحمن لايقول فيه قالت السنة قال ابو داؤد جعله قول عائشة۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لیے اعتکاف کے معاملے میں سنت یہ ہے کہ وہ نہ مریض کی عیادت کرے، نہ جنازے میں جائے۔ نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ اس کے ساتھ جسم مَس کرے، نہ کسی حاجت کے لیے مسجد سے نکلے۔ بجز اس حاجت کے کہ جس کے لیے مسجد سے نکلنے کے سوا چارہ نہ ہو۔ اور کوئی اعتکاف نہیں ہے بغیر روزے کے۔ اور کوئی اعتکاف نہیں ہے مگر مسجدِ جامع میں۔

(قال الشیخ) قد ذهب کثیر من الحفاظ الی ان هذا الکلام من قول من دون عائشة وان من ادرجه فی الحدیث وهم فیه ـــ فقد رواه سفیان الثوری، عن هشام بن عروة، عَنْ عُرْوَةَ قَالَ الْمُعْتَكِفُ لَايَشْهَدُ جَنَازَةً وَلَايَعُودُ مَرِيضًا وَلَايُجِيبُ دَعْوَةً وَلَااعْتِكَافَ اِلَّا بِصِيَامٍ وَلَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ۔

ـــ حضرت عروہ کا بیان ہے کہ اعتکاف کرنے والا نہ تو جنازے میں جائے اور نہ مریض کی عیادت کرے اور نہ دعوتِ طعام قبول کرے۔ اعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہے اور نہ اعتکاف ایسی مسجد میں ہے جس میں نماز با جماعت کا اہتمام نہ ہو۔

وعن ابن جریج عن الزهری عن سعید بن المسیب انه قال المعتکف لایعود مریضًا ولا یشهد جنازة۔

امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کے باب الاعتکاف فی العشر الاواخر فی المساجد کلها لقوله۔

وَلَاتباشِرُوهنّ وانتم عاکفون فی المساجد تلك حدود اللّٰه فلاتقربوها الی آخر الآیة سے یہ نتیجہ مستنبط کیا ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف جائز ہے۔

حضورؐ کے معتکف کی کیفیت

۱۵۰۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْ يُوضَعُ لَهٗ سَرِيْرُهٗ وَرَاءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ۔ (ابن ماجہ)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو (مسجد نبوی میں) توبہ والے ستون کے ساتھ یا تو آپؐ کے لیے بستر بچھا دیا جاتا یا آپ کی چارپائی بچھا دی جاتی۔''

تشریح: توبہ والا ستون جس کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے اب تک مسجد نبوی میں موجود ہے اس پر اُسْطُوَانَةُ التَّوْبَة کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایک صحابی حضرت ابولُبابہ رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی سرزد ہوگئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان کو بنی قُرَیظہ کے پاس بطور سفیر کے بھیجا تو انہوں نے گردن پر ہاتھ پھیر کر اشارۃً انہیں یہ بتا دیا کہ اب تمہیں قتل کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ یہ چیز گویا ایک فوجی اور جنگی راز دشمنوں پر ظاہر کرنے کے ہم معنی تھی۔ اس پر سخت گرفت کی گئی۔ چنانچہ جب حضرت ابولبابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ایک ستون کے ساتھ باندھ لیا اور کہا کہ جب تک میری معافی نہیں ہوگی اس وقت تک نہ تو میں اپنے آپ کو کھولوں گا نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا۔ وہ اس حالت میں بندھے رہے یہاں تک کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی آئی تو ان کو کھولا گیا ـــ اس ستون کو آج تک مسجد نبوی میں محفوظ رکھا گیا ہے اور اسی کے قریب نبی ﷺ اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

تخریج : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى، ثَنَا نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ، ثَنَا بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ عِيْسَى بْنِ عُمَرَ بْنِ مُوْسٰى، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، اَنَّهٗ كَانَ اِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهٗ فِرَاشُهٗ اَوْ يُوْضَعُ لَهٗ سَرِيْرُهٗ وَرَاءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ۔(۲۱)

ترجمہ : حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ اعتکاف کا ارادہ فرماتے تھے تو (مسجدِ نبوی میں) توبہ والے ستون کے ساتھ یا تو آپؐ کے لیے بستر بچھا دیا جاتا یا آپؐ کی چارپائی بچھا دی جاتی تھی۔

اسناده صحيح ورجاله موثقون۔

معتکِف کے حق میں لکھی جانے والی نیکیاں

۱۵۱۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ : هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ (ابن ماجه)

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معتکِف (اعتکاف کرنے والے) کے بارے میں فرمایا: اعتکاف کرنے والا چونکہ (اعتکاف کے زمانے میں) گناہوں سے رُکا رہتا ہے اس لیے اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو اس شخص کے حق میں لکھی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل پیرا ہو۔“

تشریح : اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی وجہ سے رُکا ہوا تو گناہوں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کا معاملہ اس کے ساتھ یہ ہے کہ اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جو اس دوران میں وہ مسجد سے باہر ہونے کی صورت میں کرتا ــــ یعنی یہ بات تو نہیں لکھی جاتی کہ اگر وہ مسجد سے باہر رہتا تو یہ بدی کرتا، لیکن یہ لکھا جاتا ہے کہ اگر وہ باہر رہتا تو یہ نیکی کرتا ــــ یہ خلق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا انتہائی فیاضانہ اور مربیانہ معاملہ ہے کہ گناہ تو اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک کہ آدمی سے اس کا صدور نہ ہو جائے اور پھر جتنا گناہ صادر ہوتا ہے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے۔ لیکن نیکی کا معاملہ جُدا ہے ــــ صرف یہی نہیں کہ بندۂ مومن کے حق میں وہ نیکی لکھی جاتی ہے جو اس سے صادر ہوتی ہے بلکہ وہ نیکی بھی لکھ دی جاتی ہے جس کے متعلق یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کا موقع ملنے کی صورت میں وہ اسے انجام دیتا۔ اسی طرح اگر اس کے دل میں نیکی کا ارادہ ہی آیا ہو اور وہ اسے کسی وجہ سے پورا نہ کر سکا ہو تب بھی وہ نیکی اس کے حق میں لکھ دی جاتی ہے (جب کہ محض گناہ کا ارادہ کرنے پر اس وقت تک کوئی مواخذہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے) یہ خاص معاملہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے ساتھ کرتا ہے، کیونکہ وہ فیاض ہے جتنا چاہے اپنی طرف سے دے سکتا ہے۔ بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ نیکی کے بغیر اجر کا مستحق ٹھہرایا جانا عجیب بات ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر بادشاہ اپنی خوشی سے دیتا ہے تو اس پر کسی کے اعتراض کرنے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے۔

تخریج : حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِالْكَرِيْمِ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اُمَيَّةَ، ثَنَا عِيْسَى بْنُ مُوْسَى الْبُخَارِيُّ، عَنْ

عُبَيْدَةَ الْعَمِّيِّ، عَنْ فَرْقَدٍ السَّبَخِيِّ، عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرٰى لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔(۲۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معتکف (اعتکاف کرنے والا) کے بارے میں فرمایا: اعتکاف کرنے والا چونکہ (اعتکاف کے زمانے میں) گناہوں سے رُکا رہتا ہے اس لیے اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو اس شخص کے حق میں لکھی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل پیرا ہو۔

فی الزوائد: اسناده ضعیف لضعف فرقد بن یعقوب السبخیّ البصری الحائك۔

قال السندی: قلت فی آخر کتاب الحج من جامع الترمذی : قد تکلم یحییٰ بن سعید فی فرقد السبخیّ وروی عنه الناس۔

ماٰخذ

(۱) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب الاعتکاف فی العشر الاواخر فی المساجد کلها لقوله ولاتباشروهن وانتم عاکفون فی المساجد تلك حدود الله الایة۔☆ مسلم ج۱ کتاب الاعتکاف۔☆ ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب الاعتکاف۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الاعتکاف۔ قال ابوعیسٰی حدیث ابی هریرة وعائشة حدیث حسن صحیح۔ ☆ نسائی کتاب المساجد۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب فی المعتکف یلزم مکانا من المسجد ابن ماجہ اور دارمی نے مِن رمضان تک روایت بیان کی ہے۔☆دارمی کتاب الصوم باب ۵۵ باب اعتکاف النبی ﷺ۔ ☆دارقطنی کتاب الصیام ج۲۔☆مؤطا امام مالك کتاب الاعتکاف۔☆ مسند احمد ج۲ مرویات ابی هریرة۔ کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی قبضه الله عزوجل اور ج۶ص۹۲ پر من بعده بھی ہے۔ ☆ السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب تاکید الاعتکاف فی العشر الاواخر من شهرِ رمضان۔ ☆المستدرك ج۱ کتاب الصوم (من رمضان تک)۔

(۲) بخاری ج۱ کتاب الصوم باب اجود ماکان النبی صلی الله علیه وسلم یکون فی رمضان۔ کتاب ابواب فضائل القرآن اور بدأ الوحی، کتاب المناقب، بدأ الخلق، کتاب الادب۔ ☆مسلم ج۲ کتاب الفضائل باب جوده ﷺ۔ ☆ ترمذی ابواب الجهاد اور شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول الله صلی الله علیه وسلم۔☆ نسائی ج٤ کتاب الصیام باب الفضل والجود فی شهر رمضان۔☆ابن ماجه کتاب الجهاد باب الخروج فی النفیر (مختصر ہے) ☆ مسنداحمد ج۱ص۲۳۱-۲۸۸-۳۲۶-۳۶۳- ۳۶۷- ۳۷۳- ج۶ص۱۳۰-☆السنن الکبریٰ ج٤- کتاب الصیام باب الجود والافضال فی شهر رمضان۔

(۳) بخاری ج۲ کتاب ابواب فضائل القران باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی ﷺ بخاری کتاب الاعتکاف اور

کتاب الصوم۔☆ ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب الاعتکاف۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الاعتکاف۔☆ دارمی کتاب الصوم باب ٥٥ اعتکاف النبی صلی الله علیه وسلم۔ ☆مسند احمد ج۲ص٣٣٦۔٣٥٥۔٣٩٩ ابوهريرة۔☆

(٤) السنن الکبریٰ ج٤ کتاب الصیام باب الاعتکاف۔

(٥) ترمذی ج١ ابواب الصوم باب المعتکف یخرج لحاجته ام لا۔

(٦) مسلم ج١کتاب الحیض باب جواز الغسل الحائض رأس زوجها وترجیله الخ۔☆ ابوداؤد ج٢ کتاب الصوم باب المعتکف یدخل البیت لحاجته۔☆ ترمذی ج١ ابواب الصوم باب المعتکف یخرج لحاجته ام لا۔ ☆ مؤطا امام مالك كتاب الاعتکاف باب ذكر الاعتکاف۔☆ مُسندِ احمد ج٦ص ١٨١۔ عن عائشة۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٤ کتاب الصیام باب الاعتکاف فی المسجد۔ *اس روایت میں* ادنیٰ *کے بجائے* یُدنِی *کا لفظ ہے۔*

(٧) بخاری ج١ کتاب الصوم باب الحائض ترجل المعتکف۔

(٨) بخاری ج١ کتاب الصوم باب الحائض ترجل المعتکف۔

(٩) بخاری ج١ کتاب الصوم باب غسل المعتکف۔

(١٠) بخاری ج١کتاب الحیض باب غسل الحائض رأس زوجهاالخ۔☆ ابنِ ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی المعتکف یغسل رَأسَهٗ ویرجله۔

(١١) بخاری ج١ کتاب الصوم باب الاعتکاف لَیلاً۔ کتاب الایمان۔☆ مسلم ج٢ کتاب النذر والایمان باب نذر الکافر ومایفعل فیه اذا اسلم۔ *مسلم میں* کُنتُ نَذَرتُ *کی جگہ* قال یا رَسول الله انی نذرتُ *ہے۔*☆ابوداؤدج٣کتاب الایمان والنذور باب من نذر فی الجاهلیة ثم ادرك الاسلام۔☆مسند احمد ج٢۔☆السنن الکبریٰ ج٤کتاب الصیام باب من رأی الاعتکاف بغیر صوم۔

(١٢) ابوداؤد ج٢کتاب الصوم باب المعتکف یعود المریض۔ ☆ ترمذی ج١ابواب النذر والایمان باب فی وفاء۔ ☆نسائی ج٧ کتاب الایمان باب اذا نذرثم اسلم قبل ان یفی۔☆مسند احمد ج١ص٢٧۔ج٢ص ٢٠۔١٥٣۔

(١٣) ابن ماجه کتاب الصیام باب فی اعتکاف یوم او لیلة۔

(١٤) ترمذی ج١ابواب الصوم باب ماجاء فی الاعتکاف اذا خرج منه۔ قال ابو عیسی هذا حدیث حسن غریب۔ ☆ ابوداؤد ج٢کتاب الصوم باب الاعتکاف۔ *ابوداؤد میں* عشرین لیلةً *ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کے* کتاب الصوم باب الاعتکاف فی العشر الاوسط من رمضان *میں، اور ابوداؤد نے اپنی سنن ابی داؤد کے* کتاب الصوم باب این یکون الاعتکاف *میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے۔*

(١٥) دارمی کتاب الصوم باب اعتکاف النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم۔☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فی الاعتکاف۔☆ مسند احمد ج٥ص١٤١۔

(١٦) السنن الکبریٰ للبیهقی ج٤کتاب الصیام باب الاعتکاف۔☆ المستدرك للحاكم ج١کتاب الصوم

باب الاعتکاف۔☆ مسند احمد ج۳ص۱۰٤۔

(۱۷) مسلم ج۱کتاب الاعتکاف۔☆ابوداؤد ج۲کتاب الصوم باب الاعتکاف۔☆ترمذی ج۱ ابواب الصوم باب ماجاء فی الاعتکاف۔☆نسائی ج۲کتاب المساجد باب ۱۸۔ صوب الخباء فی المساجد☆ ابن ماجه کتاب الصیام باب ماجاء فیمن یبتدئ الاعتکاف وقضاء الاعتکاف۔ابن ماجہ نے صلی الفجر کے بجائے صلّی الصبح نقل کیا ہے۔ ☆ مسند احمد ج٦ عن عائشة۔☆ السنن الکبریٰ للبَیْهَقی ج٤۔ کتاب الصیام باب تاکیدالاعتکاف فی العشر الاواخر من شهر رمضان۔

(۱۸) ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی الاعتکاف۔

(۱۹) ابوداؤد ج۳کتاب الصوم باب المعتکف یعود المریض۔☆السنن الکبریٰ ج٤۔ کتاب الصیام باب المعتکف یخرج من المسجد لبول او غائط۔

(۲۰) ابوداؤد ج۲ کتاب الصوم باب المعتکف یعود المریض۔☆ السنن الکبری ج٤ص۳۲۱ کتاب الصیام باب المعتکف یخرج من المسجد لبول اوغائط۔

(۲۱) ابن ماجه کتاب الصیام باب فی المعتکف یلزم مکانا من المسجد۔

(۲۲) ابن ماجه کتاب الصیام باب فی ثواب الاعتکاف۔

كتاب الحج

فصل اوّل:

اسلام میں فریضۂ حج کی اہمیت

١ ـ مَنْ مَّلَكَ زَادًا وَّرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا۔

''جوشخص زادِراہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو، اور پھر حج نہ کرے، تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہوکر مرنا یکساں ہے۔''

تخریج: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى الْقَطَعِيُّ الْبَصْرِيُّ، نَا مُسْلِمُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ، نَا هِلَالُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَوْلٰى رَبِيْعَةَ بْنِ عَمْرِو ابْنِ مُسْلِمٍ الْبَاهِلِيِّ، نَا اَبُوْاِسْحَاقَ الْهَمْدَانِيُّ عَنِ الْحَارِثِ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ مَّلَكَ زَادًا اَوْ رَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَاعَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْنَصْرَانِيًّا۔ وَذٰلِكَ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ فِيْ كِتَابِهٖ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔(١)

قَالَ اَبُوْعِيْسٰى : هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَانَعْرِفُهُ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ۔

وَفِيْ اِسْنَادِهٖ مَقَالٌ۔ وَهِلَالُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَجْهُوْلٌ والحارث يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوشخص زادِراہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو، اور پھر حج نہ کرے، تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہوکر مرنا یکساں ہے، اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

٢ ـ مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ مِنَ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْسُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَاِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا۔

''جس کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے، اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو، اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔''

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ۔ ''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

اور اسی کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی جب کہا کہ ''جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اُن پر جزیہ لگا دوں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ وہ مسلمان نہیں ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسول وخلیفۂ رسول کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا فرض نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادا کیجیے اور نہ چاہے تو ٹال دیجیے۔ بلکہ یہ ایسا فرض ہے، کہ ہر اس مسلمان کو جو کعبے تک جانے آنے کا خرچ رکھتا ہو، اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو، عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو، اور خواہ اس کے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کر کر کے سال پر سال یونہی گزارتے چلے جاتے ہیں، ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے۔ دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں۔ کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے، اور پھر بھی حج کا ارادہ تک ان کے دل میں نہیں گزرتا، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ ان کے دل میں اگر مسلمانوں کا درد اٹھتا ہے تو اٹھا کرے، اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہر حال ان کے دل میں نہیں ہے۔ (خطبات: فریضۂ حج)

تخریج ‹۱› : اَخبرَنا یَزِیْدُ بْنُ ھَارُوْنَ، عَنْ شَرِیْكٍ، عَنْ لَیْثٍ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ سَابِطٍ، عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ لَّمْ یَمْنَعْہُ عَنِ الْحَجِّ حَاجَةٌ ظَاھِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ، فَلْیَمُتْ اِنْ شَآءَ یَھُوْدِیًّا اَوْاِنْ شَآءَ نَصْرَانِیًّا۔(۲)

ترجمہ : حضرت ابوامامہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جس کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے، اور پھر اس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے تو اسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔

‹۲› عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ، عَنِ النَّبِیِّ ﷺ، قَالَ: مَنْ لَّمْ یَحْبِسْہُ مَرَضٌ اَوْ حَاجَةٌ ظَاھِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ وَلَمْ یَحُجَّ، فَلْیَمُتْ اِنْ شَآءَ یَھُوْدِیًّا اَوْ نَصْرَانِیًّا۔(۳)

‹۳› مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ لَمْ یَمْنَعْہُ مَرَضٌ حَابِسٌ اَوْحَاجَةٌ ظَاھِرَةٌ اَوْسُلْطَانٌ جَائِرٌ فَلْیَمُتْ عَلٰی اَیِّ حَالٍ شَآءَ یَھُوْدِیًّا اَوْنَصْرَانِیًّا۔

حج سے گناہوں کی مغفرت ہوتی ہے

۳۔ مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔

”جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق وفجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔“

تشریح: احرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہانا تو درکنار، جانور تک کا شکار کرنا حرام کر دیا گیا تا کہ امن پسندی پیدا ہو، بہیمیت دور ہو جائے اور طبیعتوں پر رُوحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لیے حرام کیے گئے کہ اس مدت میں کوئی لڑائی نہ ہو، کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں امن رہے اور زائرین حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو اُن کے لیے کوئی میلہ ٹھیلہ، کھیل تماشا، ناچ رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے، نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں کعبہ کا طواف ہے اور کوئی پکار ہے تو بس یہ ہے کہ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ۔

ایسے ہی پاک صاف، بےلوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق وفجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔“ (خطبات، ص حج:۲)

تخریج 〈۱〉: حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَیَّارٌ، اَبُوالْحَکَمِ قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا حَازِمٍ، قَالَ: سَمِعْتُ اَبَا ھُرَیْرَۃَ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ، یَقُوْلُ: مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔(٤)

ترجمہ: حضرت ابوحازم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے سنا ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے میں نے خود سنا ہے، جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق وفجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

〈۲〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَنْ حَجَّ ھٰذَا الْبَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔(٥)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جس نے اس گھر کا حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق وفجور سے اجتناب کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔

〈۳〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ اَتٰی ھٰذَا الْبَیْتَ، فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَمَا وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ۔

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس گھر میں آیا اور اس میں شہوات اور فسق و فجور سے بچا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اسے اس کی ماں نے جنا ہے۔

دوسری ایک روایت میں مَنْ حَجَّ، فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ کے الفاظ بھی منقول ہیں۔(۶)

زندگی بھر میں حج ایک ہی مرتبہ فرض ہے

۴۔'' قرآن میں حج کا مجملاً حکم ہے۔ ایک صاحب نے حکم سنتے ہی نبی ﷺ سے دریافت کیا۔ کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟'' آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے پھر پوچھا۔ آپ پھر خاموش ہو گئے تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا۔'' تم پر افسوس ہے اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پا جائے۔ پھر تم ہی لوگ اس کی پیروی نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے۔''

تخریج ﴿۱﴾ :حَدَّثَنَا اَبُوْسَعِيْدِنِ الْاَشَجُّ نَا مَنْصُوْرُ بْنُ وَرْدَانَ كُوْفِي، عَنْ عَلِيِّ بْنِ عَبْدِالْاَعْلٰى، عَنْ اَبِيْهِ عَنْ اَبِي الْبُخْتَرِيِّ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً، قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ؟ فَسَكَتَ، فَقَالُوْا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَفِيْ كُلِّ عَامٍ؟ قَالَ:لَا، وَلَوْقُلْتُ نَعَمْ، لَوَجَبَتْ۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَلَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔

وفى الباب عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَابى هريرة۔ قال ابوعيسٰى۔ حديث علىّ حديث حسن غريب من هذا الوجه۔ واسلم ابى البخترى سعيد بن ابى عمران وهو سعيد بن فيروز۔(۷)

ترجمہ : حضرت علی بن ابی طالب سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ جب وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً۔ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا حج ہر سال فرض ہے۔ آپؐ خاموش رہے۔ پھر لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ کیا ہر سال میں حج ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو یہ ہر سال واجب ہو جاتا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

''اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں۔''

ابوداؤد نے ابنِ عباس کی روایت نقل کی ہے:

﴿۲﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَلْحَجُّ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ اَوْ مَرَّةً وَاحِدَةً؟ قَالَ: بَلْ مَرَّةً وَاحِدَةً، فَمَنْ زَادَ فَهُوَ تَطَوُّعٌ۔(۸)

ترجمہ : حضرت اَقْرَع بن حابس نے نبی ﷺ سے پوچھا۔ یا رسول اللہ حج ہر سال ہے یا زندگی بھر میں ایک مرتبہ؟ جواب میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔ ہر سال نہیں بلکہ زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ جو شخص اس سے زیادہ کرے تو وہ نفل ہے (جو اپنی خوشی سے ادا کرے گا)۔

ابن ماجہ نے انس بن مالک سے روایت کی ہے:

〈۳〉 عَنُ اَنَسِ بُنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالُوا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْحَجُّ فِی کُلِّ عَامٍ؟ قَالَ : وَلَوُ قُلْتُ نَعَمُ، لَوَجَبَتُ وَلَوُ وَجَبَتُ لَمُ تَقُوْمُوْا بِهَا وَلَوُلَمُ تَقُوْمُوْا بِهَا عُذِّبْتُمُ۔(۹)

ترجمہ : حضرت انس بن مالک سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ لوگوں نے رسالت مآبؐ سے عرض کیا: یارسول اللہ حج ہر سال ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: اگر میں ''ہاں'' کہہ دیتا تو یہ ہر سال واجب ہو جاتا۔ اگر یہ ہر سال واجب قرار پاتا تو تم اس پر قائم نہ رہ سکتے۔ اگر تم اس پر قائم نہ رہ سکتے تو سزا سے تمہیں دوچار ہونا پڑتا۔

۵۔ اِنَّ اَعُظَمَ الْمُسُلِمِیْنَ فِی الْمُسُلِمِیْنَ جُرُمًا مَنُ سَأَلَ عَنُ شَیْءٍ لَمُ یُحَرَّمُ عَلَی النَّاسِ فَحُرِّمَ مِنُ اَجُلِ مَسْأَلَتِهٖ۔

''مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھہرائی گئی۔''

تخریج 〈۱〉 : حَدَّثَنَا عَبُدُاللّٰہِ بُنُ یَزِیدَ الْمُقْرِیُٔ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِیدٌ قَالَ: حَدَّثَنِی عُقَیلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنُ عَامِرِ بْنِ سَعُدِ بْنِ اَبِی وَقَّاصٍ عَنُ اَبِیهِ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اَعُظَمَ الْمُسُلِمِیْنَ جُرُمًا مَنُ سَأَلَ عَنُ شَیْءٍ لَمُ یُحَرَّمُ فَحُرِّمَ مِنُ اَجُلِ مَسْأَلَتِهٖ۔(۱۰)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ چیز حرام ٹھہرائی گئی ہے۔

〈۲〉 حَدَّثَنَا یَحْیَی بُنُ یَحْیٰی، قَالَ: اَنَا اِبْرَاهِیمُ بُنُ سَعُدٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنُ عَامِرِ بُنِ سَعُدٍ، عَنُ اَبِیهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اَعُظَمَ الْمُسُلِمِیْنَ فِی الْمُسُلِمِیْنَ جُرُمًا مَنُ سَالَ عَنُ شَیْءٍ لَّمُ یُحَرَّمُ عَلَی الْمُسُلِمِیْنَ فَحُرِّمَ عَلَیْهِمُ مِنُ اَجُلِ مَسْئَلَتِهٖ۔(۱۱)

ترجمہ : حضرت سعد بن وقاص سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمانوں کے حق میں مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسے معاملہ کے متعلق سوال چھیڑا جو لوگوں پر حرام نہ تھا پھر محض اس کے سوال کرنے پر وہ حرام ٹھہرا دیا گیا۔

مسلم کی دوسری روایت:

〈۳〉 عَنُ عَامِرِ بُنِ سَعُدٍ، عَنُ اَبِیهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ، اَعُظَمُ الْمُسُلِمِیْنَ فِی الْمُسُلِمِیْنَ جُرُمًا مَنُ سَالَ عَنُ اَمُرٍلَمُ یُحَرَّمُ فَحُرِّمَ عَلَی النَّاسِ مِنُ اَجُلِ مَسْئَلَتِهٖ۔(۱۲)

٦ ۔ اِنَّ اللّٰہَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ لَاتَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءٍ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا۔

’’اللہ نے کچھ فرائض تم پر عائد کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لاحق ہوئی ہو لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔‘‘

تشریح: نبی ﷺ سے بعض لوگ عجیب عجیب قسم کے غیر مناسب سوالات کیا کرتے تھے۔ جن کی نہ دین کے کسی معاملہ میں ضرورت ہوتی تھی اور نہ دنیا ہی کے کسی معاملہ میں۔ مثلاً ایک موقع پر ایک صاحب بھرے مجمع میں آپؐ سے پوچھ بیٹھے کہ ’’میرا اصلی باپ کون ہے؟‘‘ اسی طرح بعض لوگ احکامِ شرع میں غیر ضروری پوچھ گچھ کیا کرتے تھے، اور خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی چیزوں کا تعیّن کرانا چاہتے تھے جنہیں شارع نے مصلحتاً غیر معیّن رکھا ہے۔

نبی ﷺ خود بھی لوگوں کو کثرتِ سوال سے اور خواہ مخواہ ہر بات کی کھوج لگانے سے منع فرماتے رہتے تھے۔

متذکرہ حدیثوں میں ایک اہم حقیقت پر متنبہ کیا گیا ہے۔ جن امور کو شارع نے مجملاً بیان کیا ہے اور ان کی تفصیل نہیں بتائی یا جو احکام بر سبیل اجمال دیے ہیں اور مقدار یا تعداد یا دوسرے تعینات کا ذکر نہیں کیا ہے، ان میں اجمال اور عدم تفصیل کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شارع سے بھول ہوگئی، تفصیلات بتانی چاہیے تھیں مگر نہ بتائیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شارع ان امور کی تفصیلات کو محدود نہیں کرنا چاہتا اور احکام میں لوگوں کے لیے وسعت رکھنا چاہتا ہے۔ اب جو شخص خواہ مخواہ سوال پر سوال نکال کر تفصیلات اور تعینات اور تقیدات بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، اور اگر شارع کے کلام سے یہ چیزیں کسی طرح نہیں نکلتیں تو قیاس سے، استنباط سے، کسی نہ کسی طرح مجمل کو مفصل، مطلق کو مقید، غیر معین کو معین بنا کر ہی چھوڑتا ہے۔ وہ درحقیقت مسلمانوں کو بڑے خطرے میں ڈالتا ہے۔ اس لیے کہ مابعد الطبیعی اُمور میں جتنی تفصیلات زیادہ ہوں گی، ایمان لانے والے کے لیے اتنے ہی زیادہ اُلجھن کے مواقع بڑھیں گے، اور احکام میں جتنی قیود زیادہ ہوں گی پیروی کرنے والے کے لیے خلاف ورزی حکم کے امکانات بھی اسی قدر زیادہ ہوں گے۔ (تفہیم القرآن ج ۱، المائدہ، حاشیہ: ۱۱٦)

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ اِسْمَاعِیْلَ الْمُحَامِلِیُّ، نَا یَعْقُوْبُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَسَّانَ الْاَزْرَقُ قَالَا: ثنا اِسْحَاقُ الْاَزْرَقُ، نَا دَاوٗدُ بْنُ اَبِیْ ھِنْدٍ، عَنْ مَکْحُوْلٍ، عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ: قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا۔ وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءٍ مِنْ غَیْرِ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا۔ (۱۳)

ترجمہ: حضرت ابو ثَعلبہ خُشَنی سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر کچھ فرائض عائد کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ چیزوں کو حرام کیا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اسے بھول لاحق ہوئی ہو لہٰذا ان کی کھوج نہ لگاؤ۔

〈۲〉 اَبُو الدَّرْدَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَيْكُمْ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَدَّ لَكُمْ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَنَهَاكُمْ عَنْ اَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تُكَلِّمُوْهَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاقْبَلُوْهَا۔ (۱۴)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداءؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر کچھ فرائض عائد کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور کچھ چیزوں سے روکا ہے ان کے پاس نہ پھٹکو۔ اور کچھ چیزوں کے متعلق خاموشی اختیار کی ہے بغیر اس کے کہ اُسے بھول لاحق ہوئی ہو۔ لہٰذا ان کے بارے میں بات نہ کرو۔ یہ تمہارے پروردگار کی جانب سے رحمت کے طور پر ہے اسے قبول کرو۔

مکّہ حقیقی مساوات کا مرکز

۷۔ مَكَّةُ مُنَاخٌ لِمَنْ سَبَقَ۔

''جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آکر پہلے اتر جائے وہ جگہ اسی کی ہے۔''

تشریح: اسلام نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ (الحج:۲۵) یعنی وہاں ان تمام انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں جو خدا کی بادشاہی اور محمد ﷺ کی رہنمائی تسلیم کر کے اسلام کی برادری میں داخل ہو جائیں۔ خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، چین کا ہو یا ہندوستان کا، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو مکّہ کی زمین پر اس کے وہی حقوق ہیں جو خود مکّہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقے کی حیثیت گویا مسجد کی سی حیثیت ہے کہ جو شخص مسجد میں جا کر اپنا ڈیرہ جما دے وہ جگہ اسی کی ہے، کوئی اس کو وہاں سے اٹھا نہیں سکتا، نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا ہے۔ اگر وہ اس جگہ خواہ تمام عمر بیٹھا رہا ہو، اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جگہ میری ملک ہے۔ نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا ہے، حتّٰی کہ جب وہ شخص اس جگہ سے اٹھ جائے تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرہ جمانے کا ویسا ہی حق ہے جیسا اس کو تھا۔ بالکل یہی حال پورے مکہ کے حرم کا ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آکر پہلے اتر جائے وہ جگہ اسی کی ہے۔''

''وہاں کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔'' (خطبات، حج: حقیقی مساوات کا...)

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، ثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَانِ ابْنُ مَهْدِيّ، ثَنَا اِسْرَائِيْلُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ يُوْسُفَ ابْنِ مَاهَكَ، عَنْ اُمِّهٖ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلَا نَبْنِيْ لَكَ بِمِنًى بَيْتًا، اَوْ بِنَاءً، يُظِلُّكَ مِنَ الشَّمْسِ؟ فَقَالَ: لَا، اِنَّمَا هُوَ مُنَاخٌ مَنْ سَبَقَ اِلَيْهِ۔ (۱۵)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں

منٰی میں آپؐ کے لیے کسی رہائش گاہ یا خیمے کا بندوبست کرلوں تا کہ آپ دھوپ کی تپش سے محفوظ رہ سکیں، حضورؐ نے جواب میں فرمایا: نہیں وہ تو ہر اس شخص کے لیے ہے جو پہلے آ کر وہاں اتر جائے۔

خانہ کعبہ کا طواف اور اس میں نماز کے اوقات

۸۔ یَابَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ مَنْ وَلِیَ مِنْکُمْ مِنْ اُمُوْرِ النَّاسِ شَیْئًا فَلَایَمْنَعَنَّ اَحَدًا طَافَ بِھٰذَا الْبَیْتِ اَوْ صَلّٰی اَیَّةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ۔

’’اے اولادِ عبد مناف، تم میں سے جو کوئی لوگوں کے معاملات پر کسی اقتدار کا مالک ہو اسے چاہیے کہ کسی شخص کو رات اور دن کے کسی وقت میں بھی خانۂ کعبہ کا طواف کرنے یا نماز پڑھنے سے منع نہ کرے۔‘‘

تشریح: جو کسی شخص یا خاندان یا قبیلے کی جائداد نہیں ہے، بلکہ وقف عام ہے اور جس کی زیارت سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے۔

یہاں فقہی نقطۂ نظر سے دو سوال پیدا ہوتے ہیں جن کے بارے میں فقہائے اسلام کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے ہیں:

اول یہ کہ ’’مسجد حرام‘‘ سے مراد کیا ہے؟ آیا صرف مسجد یا پورا حرم مکّہ؟

دوم یہ کہ اس میں عاکف (رہنے والے) اور باد (باہر سے آنے والے) کے حقوق برابر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ایک گروہ کہتا ہے کہ اس سے مراد صرف مسجد ہے نہ کہ پورا حرم، جیسا کہ قرآن کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔ اور اس میں حقوق کے مساوی ہونے سے مراد عبادت کے حق میں مساوات ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ:

یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ مَنْ وَلِیَ مِنْکُمْ مِنْ اُمُوْرِ النَّاسِ شَیْئًا فَلَا یَمْنَعَنَّ اَحَدًا طَافَ بِھٰذَا الْبَیْتِ اَوْ صَلّٰی اَیَّةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ۔

’’اے اولادِ عبد مناف، تم میں سے جو کوئی لوگوں کے معاملات پر کسی اقتدار کا مالک ہو اسے چاہیے کہ کسی شخص کو رات اور دن کے کسی وقت میں بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنے یا نماز پڑھنے سے منع نہ کرے۔‘‘

اس رائے کے حامی کہتے ہیں کہ مسجدِ حرام سے پورا حرم مراد لینا اور پھر وہاں جملہ حیثیات سے مقامی باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ مکّہ کے مکانات اور زمینوں پر لوگوں کے حقوقِ ملکیت و وراثت اور حقوقِ بیع و اجارہ اسلام سے پہلے قائم تھے اور اسلام کے بعد بھی قائم رہے۔ حتّٰی کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں صفوان بن امیہ کا مکان مکہ میں جیل کی تعمیر کے لیے چار ہزار درہم میں خریدا گیا۔ لہٰذا یہ مساوات صرف عبادت ہی کے معاملہ میں ہے نہ کہ کسی اور چیز میں یہ امام شافعی اور ان کے ہم خیال اصحاب کا قول ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ مسجد حرام سے مراد پورا حرم مکّہ ہے۔ اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خود اس آیت میں جس چیز پر

مشرکین مکہ کو ملامت کی گئی ہے وہ مسلمانوں کے حج میں مانع ہونا ہے، اور ان کے اس فعل کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ وہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حج صرف مسجد ہی میں نہیں ہوتا بلکہ صفا اور مروہ سے لے کر منٰی، مزدلفہ، عرفات سب مناسک حج کے مقامات ہیں۔ پھر قرآن میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر مسجد حرام بول کر پورا حرم مراد لیا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا:

وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ۔

''مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک ماہ حرام میں جنگ کرنے سے بڑا گناہ ہے۔'' (بقرہ: ۲۱۷)

ظاہر ہے کہ یہاں مسجد سے نماز پڑھنے والوں کو نکالنا نہیں بلکہ مکّہ سے مسلمان باشندوں کو نکالنا مراد ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

ذٰلِكَ لِمَن لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

''یہ رعایت اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔'' (البقرہ ۱۹۶)

یہاں بھی مسجد حرام سے مراد پورا حرم مکہ ہے نہ کہ محض مسجد۔ لہٰذا ''مسجد حرام'' میں مساوات کو صرف مسجد میں مساوات تک محدود نہیں قرار دیا جاسکتا، بلکہ یہ حرمِ مکّہ میں مساوات ہے۔

پھر یہ گروہ کہتا ہے کہ یہ مساوات صرف عبادت اور تعظیم وحرمت ہی میں نہیں ہے، بلکہ حرم مکہ میں تمام حقوق کے اعتبار سے ہے۔ یہ سرزمین خدا کی طرف سے وقف عام ہے لہٰذا اس پر اور اس کی عمارات پر کسی کے حقوق ملکیت نہیں ہیں۔ ہر شخص ہر جگہ ٹھہر سکتا ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا اور نہ کسی بیٹھے ہوئے کو اٹھا سکتا ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج: حاشیہ ۴۳)

تخریج ﴿۱﴾: اَخْبَرَنَا اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ الْحَافِظُ، وَاَبُوْزَكَرِيَّا بْنُ اَبِى اِسْحَاقَ، وَغَيْرُهُمَا قَالُوْا: اَنْبَأَ اَبُوالْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ الصَّغَانِىُّ، ثَنَااَبُوْبَكْرِبْنُ اَبِىْ شَيْبَةَ، ثَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ اَبِى الزُّبَيْرِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَابَاه۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: يَابَنِىْ عَبْدِ مَنَافٍ مَنْ وَلِىَ مِنْكُمْ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ شَيْئًا فَلَاتَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَىَّ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْنَهَارٍ۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اولادِ عبدمناف، تم میں سے جو کوئی لوگوں کے معاملات پر کسی اقتدار کا مالک ہو، اسے چاہیے کہ کسی شخص کو رات اور دن کے کسی وقت میں بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنے یا نماز پڑھنے سے منع نہ کرے۔

﴿۲﴾ عَنْ جُبَيْرِبْنِ مُطْعِمٍ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَابَنِىْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَوْيَابَنِىْ عَبْدِ مَنَافٍ اِنْ وُلِّيْتُمْ مِنْ هٰذَا الْاَمْرِ شَيْئًا فَلَاتَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْنَهَارٍ۔(١٦)

ترجمہ : حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اے عبدالمطلب کی اولاد یا فرمایا اے اولادِ عبد مناف اگر تمہیں اس معاملہ پر اقتدار دے دیا گیا تو پھر تم کسی شخص کو رات دن کے کسی وقت اس گھر کا طواف کرنے اور نماز پڑھنے سے منع نہ کرنا۔

﴿۳﴾ عَنْ اَبِی ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ، اَنَّهٗ قَامَ، فَاَخَذَ بِحَلْقَةِ بَابِ الْكَعْبَةِ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ يَعْرِفْنِیْ، فَاَنَا جُنْدُبٌ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَاصَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ وَلَاصَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اِلَّابِمَكَّةَ اِلَّا بِمَكَّةَ اِلَّابِمَكَّةَ۔(۱۷)

ترجمہ : حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے وہ کھڑے ہوئے اور خانہ کعبہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر اعلان کیا کہ جو شخص مجھے جانتا پہچانتا ہے وہ تو جانتا پہچانتا ہے اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو اسے یاد رہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا صحابی جُندُب[1] ہوں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا ہے۔ آپ فرمارہے تھے۔ نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک اور کوئی نماز نہیں ہے۔ اسی طرح نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک دوسری کوئی نماز نہیں ہے۔ مگر مکہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ مکہ اس سے مستثنیٰ ہے، مکہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

﴿۴﴾ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: يَا بَنِی عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ هٰذَا الْبَيْتَ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْنَهَارٍ۔

ترجمہ : حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے۔ فرمایا: اے اولادِ عبدِ مناف۔ اس گھر کا رات دن کے کسی وقت طواف کرنے یا نماز پڑھنے والے کو منع نہ کرنا۔

وفی الباب عن ابن عباس وابی ذرٍّ۔ قال ابوعیسٰی حدیث جبیر بن مطعم حدیث حسن صحیح۔ وقد رواه عَبْد الله بن ابی نجیح عن عبدِ الله بن باباه ایضًا۔

وقد اختلف اهل العلم فی الصلاة بعد العصر وبعد الصبح بمکة فقال بعضهم لا بَأس بالصلاة والطواف بعد العصر وبعد الصبح وهو قول الشافعی واحمد واسحاق واحتجوا بحدیث النبی ﷺ۔

وقال بعضهم اذا طاف بعد العصر لم یصل حتی تغرب الشمس و کذلك اِن طاف بعد صلاة الصبح ایضًا۔ لم یصل حتّٰی تطلع الشمس واحتجوا بحدیث عمر انه طاف بعد صلاة الصبح فلم یصل وخرج مِنْ مکة حتی نَزَل بذی طوٰی فصلی بَعد ما طلعت الشمس وهو قول سفیان الثوری ومالك بن انس۔(۱۸)

---

[1] حضرت ابوذرؓ کا اصل نام تھا۔

دارقطنی نے نافع بن جبیر بن مطعم عن ابیہ سے روایت کیا ہے:

﴿۵﴾ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يَابَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَاتَمْنَعَنَّ اَحَدًا يُصَلِّيْ عِنْدَ هٰذَا الْبَيْتِ اَيَّ سَاعَةٍ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ۔(۱۹)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: اے اولادِ عبد مناف جو شخص اس گھر کے پاس رات دن کے کسی وقت میں نماز پڑھے اُسے منع نہ کرنا۔

﴿۶﴾ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ۔ قَالَ: يَابَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَاتَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّ سَاعَةٍ اَحَبَّ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ۔(۲۰)

هذا حديث صحيح على شرط مسلم وَلَمْ يُخرجَاهُ۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عبد مناف کی اولاد! اس گھر کا اپنی پسند کے مطابق دن رات میں کسی طواف کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کو منع نہ کرنا۔

﴿۷﴾ حَدَّثَنَا ابْنُ السَّرْحِ (وَالْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوْبَ، وَهٰذا لفظهٗ، قالا:) ثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ بَابَاه، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لَاتَمْنَعُوْا اَحَدًا يَطُوْفُ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَيُصَلِّيْ اَيَّ سَاعَةٍ شَآءَ مِنْ لَيْلٍ اَوْ نَهَارٍ، قَالَ الْفَضْلُ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَابَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا۔(۲۱)

دنیا میں واحد مرکزِ امن

۹۔ اسلام نے دنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے۔ جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جا سکتا، جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں، جس کی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جا سکتا، جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے جس میں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے۔ جس میں غلّے کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک کر مہنگا کرنا ''الحاد'' کی حد تک پہنچ جاتا ہے، جس میں ظلم کرنے والے کو اللہ نے دھمکی دی ہے کہ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ (الحج:۲۵) ''ہم اسے دردناک سزا دیں گے۔''

نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے روز ارشاد فرمایا تھا کہ ''لوگو، اللہ نے مکّے کو ابتدائے آفرینش سے حرام کیا ہے اور یہ قیامت تک کے لیے اللہ کی حرمت سے حرام ہے۔ کسی شخص کے لیے، جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، حلال نہیں ہے کہ یہاں کوئی خون بہائے۔'' پھر آپؐ نے فرمایا کہ ''اگر میری اس جنگ کو دلیل بنا کر کوئی شخص اپنے لیے یہاں خونریزی کو جائز ٹھہرائے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کے لیے اس کو جائز کیا تھا نہ کہ تمہارے لیے۔ اور میرے لیے بھی یہ صرف ایک دن کی ایک ساعت کے لیے حلال کیا گیا تھا، پھر آج اس کی حرمت اسی طرح قائم ہوگئی جیسے کل تھی۔''

حرم کے باہر جس شخص نے کسی کو قتل کیا ہو، یا کوئی اور ایسا جرم کیا ہو جس پر حد لازم آتی ہو، اور پھر وہ حرم میں پناہ لے لے، تو جب تک وہ وہاں رہے اس پر ہاتھ نہ ڈالا جائے گا۔ حرم کی یہ حیثیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آتی ہے، اور فتح مکہ کے روز صرف ایک ساعت کے لیے اٹھائی گئی، پھر ہمیشہ کے لیے قائم ہوگئی۔ قرآن کا ارشاد ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا، ''جو اس میں داخل ہوگیا وہ امن میں آ گیا۔'' حضرت عمرؓ، عبداللہؓ بن عمر اور عبداللہؓ بن عباس کے یہ اقوال معتبر روایات میں آئے ہیں کہ اگر ہم اپنے باپ کے قاتل کو بھی وہاں پائیں تو اسے ہاتھ نہ لگائیں۔ اسی لیے جمہور تابعین اور حنفیہ اور حنابلہ اور اہل حدیث اس کے قائل ہیں کہ حرم سے باہر کیے ہوئے جرم کا قصاص حرم میں نہیں لیا جا سکتا۔

وہاں جنگ اور خونریزی حرام ہے، وہاں کے قدرتی درختوں کو نہیں کاٹا جا سکتا۔ نہ خودرَو گھاس اکھاڑی جا سکتی ہے، نہ پرندوں اور دوسرے جانوروں کا شکار کیا جا سکتا ہے، اور نہ شکار کی غرض سے وہاں کے جانور کو بھگایا جا سکتا ہے تاکہ حرم کے باہر اس کا شکار کیا جائے۔ اس سے صرف سانپ بچھو اور دوسرے موذی جانور مستثنیٰ ہیں اور خودرَو گھاس سے اِذخر اور خشک گھاس مستثنیٰ کی گئی ہیں۔ ان امور کے متعلق صحیح احادیث میں صاف صاف احکام وارد ہوئے ہیں۔

وہاں جو شخص بھی حج یا عمرے کی نیت سے آئے وہ احرام کے بغیر داخل نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ دوسری کسی غرض سے داخل ہونے والے کے لیے بھی احرام باندھ کر جانا ضروری ہے یا نہیں۔ ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ کسی حال میں بلا احرام داخل نہیں ہو سکتے۔ امام احمد اور امام شافعی کا بھی ایک قول اسی کا مؤید ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ صرف وہ لوگ احرام کی قید سے مستثنیٰ ہیں جن کو بار بار اپنے کام کے لیے وہاں جانا آنا پڑتا ہو باقی سب کو احرام باندھ کر جانا چاہیے۔ یہ امام احمد اور شافعی کا دوسرا قول ہے۔ تیسرا مذہب یہ ہے کہ جو شخص میقاتوں کے حدود میں رہتا ہو وہ مکہ میں بلا احرام داخل ہو سکتا ہے، مگر جو حدودِ میقات سے باہر کا رہنے والا ہو وہ بلا احرام نہیں جا سکتا یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ: ۴۴)

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدٌ هُوَ بْنُ اَبِي سَعِيدٍ عَنْ اَبِي شُرَيْحٍ، اَنَّهٗ قَالَ: لِعَمْرِو بْنِ سَعِيدٍ: وَهُوَ يَبْعَثُ الْبُعُوثَ اِلٰى مَكَّةَ ائْذَنْ لِي اَيُّهَا الْاَمِيرُ اُحَدِّثْكَ قَوْلًا قَامَ بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ (ﷺ) الْغَدَ مِنْ يَوْمِ الْفَتْحِ سَمِعَتْهُ اُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي وَاَبْصَرَتْهُ عَيْنَايَ حِينَ تَكَلَّمَ بِهٖ حَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ:

اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ فَلَايَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَلَايَعْضِدُ بِهَا شَجَرَةً فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللّٰهِ فِيهَا، فَقُولُوا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لِرَسُولِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ، وَاِنَّمَا اَذِنَ لِي سَاعَةً مِنْ نَّهَارٍ ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ اِلٰى آخِرِهٖ۔ (۲۲)

ترجمہ: حضرت ابوشریح سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید (جو کہ مکہ کی جانب لشکر روانہ کر رہا تھا) سے کہا اے امیر مجھے اجازت دیں کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد سناؤں جو آپؐ نے فتح مکہ کے دوسرے روز سے ارشاد فرمایا

تھا۔ جب آپؐ ارشاد فرما رہے تھے تو میری آنکھیں آپؐ کے رُخِ انور کو دیکھ رہی تھیں۔ کان ارشادات سن رہے تھے اور دل اسے یاد کر رہا تھا، حضورؐ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

مکہ بلاشبہ وہ مقام ہے جسے لوگوں نے نہیں اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے۔ اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھنے والے کسی شخص کے لیے بھی یہ حلال نہیں ہے کہ اس میں کسی قسم کا خون بہائے اور کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے قتال فی الحرم سے استدلال کر کے قتال کی رخصت تلاش کرے تو انہیں بتادو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کی خود اجازت دی ہے تمہیں نہیں دی، وہ بھی صرف دن کی چند گھڑیوں کے لیے، آج پھر اس کے بعد اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی۔ حاضر غائب کو یہ پیغام پہنچادے۔

〈۲〉 عَنِ ابنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَومَ فَتحِ مَکَّةَ :لَاهِجرَةَ وَلٰکِن جِهَادٌ وَنِیَّةٌ وَاِذَا اسْتُنفِرتُم فَانفِرُوا۔ وَقَالَ یَومَ فَتحِ مَکَّةَ۔اِنَّ هٰذَا البَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ یَومَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ فَهُوَحَرَامٌ بِحُرمَةِ اللّٰهِ اِلٰی یَومِ القِیَامَةِ وَاِنَّهٗ لَم یَحِلَّ القِتَالُ فِیهِ لِاَحَدٍ قَبلِی وَلَم یَحِلَّ لِی اِلَّاسَاعَةً مِن نَّهَارٍ فَهُوَحَرَامٌ بِحُرمَةِ اللّٰهِ اِلٰی یَومِ القِیَامَةِ لَایُعضَدُ شَوکُهٗ وَلَایُنفَّرُ صَیدُهٗ وَلَایَلتَقِطُ لُقطَتَهٗ اِلَّا مَن عَرَّفَهَا وَلَایُختَلٰی خَلَاهُ فَقَالَ العَبَّاسُ یَارَسُولَ اللّٰهِ (ﷺ) اِلَّا الاِذخِرَ فَاِنَّهٗ لِقَینِهِم وَلِبُیُوتِهِم قَالَ اِلَّا الاِذخِرَ۔(۲۳)

ترجمہ : حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے روز فرمایا: اب ہجرت باقی نہیں رہی البتہ جہاد اور نیت ہے اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کے لیے کہا جائے تو سب نکلو اور اسی روز یہ بھی فرمایا: بلاشبہ یہ ایسا شہر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کائنات کی پیدایش ہی کے دن سے اسے حرم قرار دیا ہے پس وہ اللہ کی حرمت کی وجہ سے قیامت تک کے لیے حرام ہے اور یہ کہ مجھ سے پہلے کسی کے لیے بھی اس میں قتال حلال نہیں کیا گیا اور میرے لیے بھی محض دن کی چند گھڑیوں کے لیے حلال کیا ہے۔ پس وہ اللہ کی حرمت کی بدولت قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ اس کا درخت کاٹا نہیں جائے گا۔ اس کا شکار بھگایا نہیں جائے گا۔ اس کی گری پڑی کوئی چیز کوئی نہ اٹھائے۔ صرف وہ شخص اسے اٹھا سکتا ہے جو اسے متعارف کرانے اور اعلان کرانے کا ذمہ دار ہو، نہ گھاس کاٹی جائے گی۔ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کی اے اللہ کے رسول! اذخر گھاس کو (اس اصول سے) مستثنیٰ فرمادیں کیونکہ یہ ہمارے لوہاروں کے لیے اور ان کے گھروں کے کام آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا اذخر اس سے مستثنیٰ ہے۔

حرمتِ مکّہ اور اس کے احکام

۱۰۔ مکة حرام لایَحِلُّ بیع رباعها ولا اجور بیوتها۔

''مکہ حرم ہے نہ اس کی زمینوں کو فروخت کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے مکانات کا کرایہ لیا جاسکتا ہے۔'' (مرتب)

تشریح: فقہائے[1] اسلام کے ایک گروہ نے مکہ کی سرزمین پر کسی کے حق ملکیت کو تسلیم نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ اہل مکہ کے گھروں کے دروازے تک بند کرنے سے روکتے تھے۔ تاکہ حجاج وزائرین جہاں چاہیں اتریں۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز مکہ میں مکانات کرایہ پر لینے سے منع کرتے تھے اور انہوں نے امیر مکّہ کو فرمان لکھا تھا کہ لوگوں کو اس سے روکیں۔ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ جس نے اپنے خرچ سے وہاں مکان بنایا وہ کرایہ لے سکتا ہے مگر میدان اور خرابات اور مکانوں کے صحنوں پر سب کا حق ہے۔ (اسلامی ریاست: حاشیہ ص ۲۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَكَّةَ مَنَاخٌ لَاتُبَاعُ رِبَاعُهَا وَلَاتُؤَاجرُ بيوتها۔ ''مکہ مسافروں کے اُترنے کی جگہ ہے، نہ اس کی زمینیں بیچی جائیں اور نہ اس کے مکان کرائے پر چڑھائے جائیں۔

عَلْقَمہ بن نضلہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانے میں مکّے کی زمینیں سوائب (افتادہ زمینیں یا شاملات) سمجھی جاتی تھیں۔ جس کو ضرورت ہوتی وہ رہتا تھا اور جب ضرورت نہ رہتی دوسرے کو ٹھہرا دیتا تھا۔''

عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حکم دے دیا تھا کہ حج کے زمانے میں مکّے کا کوئی شخص اپنا دروازہ بند نہ کرے۔ بلکہ مجاہد کی روایت تو یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے اہل مکہ کو اپنے مکانات کے صحن کھلے چھوڑ دینے کا حکم دے رکھا تھا اور وہ ان پر دروازے لگانے سے منع کرتے تھے تاکہ آنے والا جہاں چاہے ٹھہرے۔ یہی روایت عطاء کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ صرف سُہیل بن عَمرو کو فاروق اعظمؓ نے صحن پر دروازے لگانے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان کو تجارتی کاروبار کے سلسلے میں اپنے اونٹ وہاں بند کرنے ہوتے تھے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کرتا ہے وہ اپنا پیٹ آگ سے بھرتا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ اللہ نے پورے حرمِ مکّہ کو مسجد بنا دیا ہے جہاں سب کے حقوق برابر ہیں۔ مکہ والوں کو باہر والوں سے کرایہ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

عمر بن عبدالعزیز کا فرمان امیر مکّہ کے نام کہ مکّے کے مکانات پر کرایہ نہ لیا جائے کیونکہ یہ حرام ہے۔

ان روایات کی بنا پر بکثرت تابعین اس طرف گئے ہیں۔ اور فقہاء میں سے امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاق بن رَاہوَیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اراضی مکہ کی بیع اور کم از کم موسمِ حج میں مکّے کے مکانوں کا کرایہ جائز نہیں۔ البتہ بیشتر فقہاء نے مکہ کے مکانات پر لوگوں کی ملکیت تسلیم کی ہے اور ان کی بحیثیت عمارت، نہ کہ بحیثیت زمین بیع کو بھی جائز قرار دیا ہے۔

یہی مسلک کتاب اللہ و سنت رسول اللہ اور سنتِ خلفاء راشدین سے قریب تر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کے مسلمانوں پر حج اس لیے فرض نہیں کیا ہے کہ یہ اہل مکّہ کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنے اور جو مسلمان احساسِ فرض سے مجبور ہو کر وہاں جائیں انہیں وہاں کے مالکانِ زمین اور مالکان مکانات خوب کرائے وصول کر کر کے لوٹیں۔ وہ ایک وقف عام ہے تمام اہل ایمان کے لیے۔ اس کی زمین کسی کی مِلک نہیں ہے۔ ہر زائر کو حق ہے کہ جہاں جگہ پائے ٹھہر جائے۔

(تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ: ۴۳)

---

[1] بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شہر مکہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت میں منتقل ہو سکتے ہیں۔ کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟ (خطبات، حج: حقیقی مساوات کا...)

طحاوی نے کتاب البیوع باب بیع ارض مکة واجارتھا کے ضمن میں مجاہد سے درج ذیل الفاظ میں روایت نقل کی ہے:

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا فَهْدٌ قَالَ: ثَنَا ابْنُ الْاَصْبَهَانِيّ قَالَ:اَخْبَرَنَا شَرِيْكٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَ:مَكَّةُ مُبَاحٌ لَايَحِلُّ بَيْعُ رِبَاعِهَا وَلَااِجَارَةُ بُيُوْتِهَا۔(۲۴)

ترجمہ : حضرت مجاہد سے منقول ہے کہ مکہ پورے کا پورا مباح ہے نہ اس کی زمینیں فروخت کرنا حلال ہے اور نہ اس کے مکانات کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کی مروی روایت:

﴿۲﴾ عَنْ مُجَاهِدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَكَّةُ حَرَمٌ حَرَّمَهَا اللّٰهُ، لَايَحِلُّ بَيْعُ رِبَاعِهَا وَلَااِجَارَةُ بُيُوْتِهَا۔(۲۵)

﴿۳﴾ حَدَّثَنَا اَبُوْبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَيْبَةَ، ثَنَا عِيْسَی بْنُ يُوْنُسَ عَنْ عُمَرَ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ اَبِیْ حُسَيْنٍ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِیْ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ نَضْلَةَ، قَالَ: تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَاَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَاتُدْعٰی رِبَاعُ مَكَّةَ اِلَّاالسَّوَائِبَ مَنِ احْتَاجَ سَكَنَ۔ وَمَنِ اسْتَغْنٰی اَسْكَنَ۔(۲۶)

ترجمہ : علقمہ بن نضلہ کا بیان ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر وفات پاگئے۔ سرزمینِ مکہ کے قطعات کو سب مسلمانوں کے لیے افتادہ شاملات شمار کیا جاتا تھا جس کو ضرورت ہوتی وہ سکونت اختیار کر لیتا اور جسے ضرورت نہ ہوتی وہ دوسرے کو سکونت کے لیے دے دیتا۔

فی الزوائد : اسناده صحيح على شرط مسلم۔ وليس لعلقمة بن نضلة عند ابن ماجه سوی هذا الحديث وليس له شئی فی بقية الكتب۔

قال السندیّ: قلت: الحديث حجة اذ يروی ذٰلك، لكن قال الدّميریّ، علقمة بن نضلة لايصح له صحبة وليس له فی الكتب شیء سواه۔

ذكره ابن حيان فی اتباع التابعين من الثقات وهذا الحديث ضعيف، وان كان الحاكم رواه فی مستدركه۔(۲۷)

﴿۴﴾ حَدَّثَنَارَبِيْعٌ الْمُؤَذِّنُ، قَالَ: اَخْبَرَنَا اَسَدٌ، قَالَ: ثَنَا يَحْیٰ بْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ عُمَرَ ابْنِ سَعِيْدٍ، قَالَ حَدَّثَنِیْ عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ سُلَيْمَانَ۔ عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ نَضْلَةَ، قَالَ:كَانَتِ الدُّوْرُعَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَبِیْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ مَاتُبَاعُ، وَلَاتُكْرٰی وَلَاتُدْعٰی اِلَّاالسَّوَائِبَ مَنِ احْتَاجَ سَكَنَ، وَمَنِ اسْتَغْنٰی اَسْكَنَ۔(۲۸)

ترجمہ : علقمہ بن نضلہ کا بیان ہے انہوں نے بتایا کہ عہد رسالت مآب اور خلافت ابی بکر، دورِ فاروقیؓ اور عثمانؓ کے دورِ خلافت میں نہ مکانات کی خرید وفروخت ہوتی تھی نہ کرایہ پر چڑھائے جاتے تھے وہ شاملات شمار ہوتے تھے۔ کوئی جگہ چھوڑی نہیں جاتی تھی۔ جو ضرورت مند ہوتا سکونت اختیار کرلیتا۔ جو خود ضرورت مند نہ ہوتا وہ دوسرے کو سکونت کی جگہ دے دیتا۔

اس مسئلہ پر فقہی بحث زادالمعاد ج ۲ مجلد ۱/۲ باب ماورد من الخلاف فی کراء بیوت مکة و بیعها کے تحت ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (مرتب)

〈۵〉 ثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ اِسْمَاعِيْلَ، نَا اَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْیَ بْنِ سَعِيْدٍ، نَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نُمَيْرٍ، نَا اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ مُهَاجِرٍ عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بَابَاهُ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَكَّةُ مُنَاخٌ لَاتُبَاعُ رِبَاعُهَا وَلَاتُؤَاجَرُ بُيُوْتُهَا۔(۲۹)

اسماعیل بن ابراهیم بن مهاجر ضعیف ولم یروه غیره۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مکّہ مناخ ہے یعنی ایسی جگہ ہے جہاں جو شخص اتر جائے وہ اسی کی ہے۔ اس کی زمینیں فروخت نہیں کی جاسکتیں اور نہ اس کے مکانات کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے۔

عبداللہ بن عمرو سے ایک اور روایت:

〈۶〉 عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو، اَنَّهٗ قَالَ: اِنَّ الَّذِیْ يَاْكُلُ كِرَاءَ بُيُوْتِ مَكَّةَ اِنَّمَا يَاْكُلُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارًا۔(۳۰)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ جو شخص مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کر کے کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔

دارقطنی میں یہ الفاظ ہیں:

〈۷〉 مَنْ اَكَلَ كِرَاءَ بُيُوْتِ مَكَّةَ اَكَلَ نَارًا۔(۳۱)

ترجمہ : جس کسی نے مکہ کے مکانات کا کرایہ وصول کر کے کھایا اس نے آگ کھائی۔

〈۸〉 قَالَ عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ اَبِيْهِ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو، اَنَّهٗ قَالَ: لَايَحِلُّ بَيْعُ دُوْرِ مَكَّةَ وَلَا كِرَاؤُهَا۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے مکہ کے گھروں کا فروخت کرنا حلال نہیں اور نہ ان کا کرایہ وصول کرنا درست ہے۔

وَقَالَ اَيْضًا عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ: كَانَ عَطَاءٌ يَنْهٰی عَنِ الْكِرَاءِ فِی الْحَرَمِ۔

—— عطاء حرم میں کرایہ لینے سے روکتے تھے۔

〈۹〉 وَقَالَ عَبْدُالرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ منصورٍ عَنْ مُجَاهِدٍ، اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: يَا اَهْلَ مَكَّةَ لَاتَتَّخِذُوْا لِدُوْرِكُمْ اَبْوَابًا لِيَنْزِلَ الْبَادِیْ حَيْثُ يَشَآءُ۔(۳۲)

ترجمہ : حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: ''اے اہل مکہ! اپنے گھروں کے لیے دروازے نہ بناؤ تا کہ باہر سے آنے والا جہاں چاہے اتر جائے۔

〈۱۰〉 عبدالرزّاق عَنِ ابنِ جُرَیجٍ قَالَ: کَانَ عَطَاءٌ یَنْهٰی عَنِ الْکِرَاءِ فِی الْحَرَمِ وَاَخبَرَنِیْ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ کَانَ یَنْهٰی اَنْ تُبَوَّبَ دُوْرُ مَکَّۃَ لِاَنْ یَنزِلَ الْحَاجُّ فِیْ عَرْصَاتِهَا فَکَانَ اَوَّلُ مَنْ بَوَّبَ دَارَهٗ سُهَیلُ بْنُ عَمرٍو فَاَرسَلَ اِلَیهِ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِیْ ذٰلِكَ فَقَالَ: اَنْظِرْنِیْ یَااَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ! اِنِّیْ کُنْتُ امْرَأً تَاجِرًا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَتَّخِذَ بَابَیْنِ یَحْبِسَانِ ظَهْرِیْ۔ قَالَ : فَذٰلِكَ اِذًا۔(۳۳)

ترجمہ : ابن جریج سے روایت ہے کہتے ہیں کہ عطاء حرم میں کرایہ لینے سے منع کرتے تھے۔ اور اسی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ حضرت عمرؓ مکہ کے گھروں کے لیے دروازے بنانے سے بھی روکا کرتے تھے۔ تا کہ حجاج حضرات ان کے صحنوں میں اتر سکیں، سہیل بن عمرو پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے گھر کے دروازے لگائے۔ حضرت عمرؓ نے اس سلسلے میں انہیں بلوا بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا: امیر المومنین! مجھے اس کی اجازت دیجیے، کیونکہ میں تاجر آدمی ہوں، میں چاہتا ہوں کہ میں دو دروازے بنالوں تا کہ میرے جانوروں کو روکا جاسکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: تو پھر اجازت ہے۔

〈۱۱〉 وَاَخبَرَنِیْ مَنْصُوْرٌ عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ : نَهٰی عَنْ اِجَارَۃِ بُیُوْتِ مَکَّۃَ وَبَیْعِ رِبَاعِهَا۔ قَالَ لَقَدْ اسْتَخْلَفَ مُعَاوِیَۃُ۔ وَمَالِلدَّارِ بِمَکَّۃَ بَابٌ قَالَ مَعْمَرٌ: وَاَخبَرَنِیْ مَنْ سَمِعَ عَطَاءً یَقُوْلُ سَوَاءَ نِالْعَاکِفُ فِیهِ وَالْبَادُ قَالَ: یَنْزِلُوْنَ حَیْثُ شَآءُوْا۔(۳۴)

ترجمہ : مجاہد مکہ کے مکانات کا کرایہ اور ان کی فروخت سے منع کیا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس بارے میں معاویہ نے خلاف ورزی کی۔ مکہ کے کسی مکان کا دروازہ نہیں تھا۔ مجھے عطاء سے سننے والے شخص نے بتایا کہ عطاء مکہ میں رہنے والے اور باہر سے آنے والے دونوں کو برابر سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں چاہیں فروکش ہوں۔

〈۱۲〉 عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنِ ابنِ جُرَیجٍ قَالَ: قَرَاْتُ کِتَابًا مِنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ اِلٰی عَبْدِ الْعَزِیْزِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ یَاْمُرُهٗ اَنْ لَّایُکْرٰی بِمَکَّۃَ شَیْءٌ۔(۳۵)

ترجمہ : ابن جریج کا بیان ہے کہ میں نے عمر بن عبد العزیز کا عبد العزیز بن عبد اللہ کے نام ایک مکتوب پڑھا، اس میں عمر بن عبد العزیز، عبد العزیز بن عبد اللہ کو حکم دے رہے ہیں کہ مکہ کی کسی چیز کا کرایہ نہ لیا جائے۔

〈۱۳〉 عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابنِ عُمَرَ: لَایَحِلُّ بَیْعُ بُیُوْتِ مَکَّۃَ وَلَااِجَارَتُهَا۔(۳۶)

ترجمہ : حضرت عبد اللہ بن عمر سے منقول ہے کہ وہ مکہ کے مکانات کی فروخت اور ان کا کرایہ لینے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

〈۱۴〉 عَبْدُالرَّزَّاقِ عَنِ ابنِ جُرَیجٍ، قَالَ: اَخبَرَنِیْ حُجَیرٌ عَنْ طَاؤُوْسٍ قَالَ: اَللّٰهُ یَعْلَمُهٗ اَنِّیْ سَأَلْتُهٗ عَنْ مَسْکَنٍ لِیْ فَقَالَ: کُلْ کِرَاءَهٗ۔

ترجمہ : حجیر نے طاؤس کے حوالے سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے کہ میں نے ان سے اپنے ایک گھر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا کرایہ لے کر کھاؤ۔

﴿۱۵﴾ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ : وَلَايَرٰى بِهٖ عَمْرُو ابْنُ دِيْنَارٍ بَأْسًا۔ قَالَ: وَكَيْفَ يَكُوْنُ بِهٖ بَاْسٌ وَالرَّبْعُ يُبَاعُ فَيُؤْكَلُ ثَمَنُهٗ وَقَدِ ابْتَاعَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ دَارَ السِّجْنِ بِاَرْبَعَةِ آلَافِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ فَرُّوْخٍ۔

ترجمہ : ابنِ جریج کہتے ہیں عمرو بن دینار بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ اس میں مضائقہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ زمین فروخت کی جاسکتی ہے تو پھر اس کی قیمت کھائی جاسکتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے چار ہزار دینار سے عبدالرحمٰن بن فروخ سے قید خانہ خریدا تھا۔

﴿۱۶﴾ وَقَالَ الثَّوْرِيُّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ نَافِعِ بْنِ عَبْدِالْحَارِثِ اشْتَرٰى مِنْ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ دَارَالسِّجْنِ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ فَاِنْ عُمَرُ رَضِيَ فَالْبَيْعُ بَيْعُهٗ وَاِنْ عُمَرُ لَمْ يَرْضَ بِالْبَيْعِ فَلِصَفْوَانَ اَرْبَعُ آلَافِ دِرْهَمٍ فَاَخَذَهَا عُمَرُ۔(۳۷)

ترجمہ : نافع بن عبدالحارث نے صفوان بن اُمیہ سے قید خانہ تین ہزار سے اس شرط پر خریدا کہ اگر حضرت عمر راضی ہو گئے تو بیع ہوگئی اور اگر وہ ناراض ہوئے تو صفوان کو چار ہزار درہم دیے جائیں گے عمرؓ نے اسے لے لیا۔

حاجیوں کی گری پڑی چیز کا حکم

۱۱ ۔ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ۔

”نبی ﷺ نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمادیا تھا۔“ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ:۴۴)

تخریج : حَدَّثَنِيْ اَبُوالطَّاهِرِ وَيُوْنُسُ بْنُ عَبْدِ الْاَعْلٰى، قَالَا: نَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: اَخْبَرَنِيْ عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، عَنْ بُكَيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الْاَشَجِّ، عَنْ يَحْىَ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ حَاطِبٍ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنُ عُثْمَانَ التَّيْمِيِّ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰى عَنْ لُقَطَةِ الْحَاجِّ۔(۳۸)

ترجمہ : حضرت عبدالرحمٰن بن عثمان تیمی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حاجیوں کی گری پڑی چیز اٹھانے سے منع فرمایا ہے۔

دنیا کے بت کدے میں پہلا وہ گھر خدا کا

آج سے چار ہزار برس پہلے (خانہ کعبہ کی) یہ جگہ ایک بالکل سنسان وادی تھی۔ دنیا سے الگ تھلگ، اس ریگستان میں، ان پہاڑوں کے درمیان، اس وادی میں اللہ کا ایک بندہ آتا ہے اور اس کی چار دیواری کھینچ کر اعلان کرتا ہے کہ یہ اللہ

تعالیٰ کا گھر ہے، اور دنیا بھر کو پکار دیتا ہے کہ آؤ اس کا حج کرو۔ اب دیکھیے آخر کیا بات ہے کہ چار ہزار برس سے دنیا بھر کے انسان اس پکار پر لبیک لبیک کہتے ہوئے اس گھر کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں اور آج تک تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا ہے کہ اس کا حج اور اس کے گرد طواف نہ ہوا ہو۔ کوئی دوسرا انسان ذرا ہمت کر کے کوئی جگہ بنا کر تو دیکھے اور اس کو قبلۂ عالم بنانے کے لیے اپنی سی پوری کوشش کر کے دیکھ لے۔ اسے خود معلوم ہو جائے گا کہ کتنے انسان اس کی طرف کھنچ کر آتے ہیں۔ یہ صریح علامت ہے اس بات کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے نبی تھے۔ انہوں نے فی الواقع اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی اور اس کے حکم سے یہ گھر بنایا تھا، ان کے بنائے ہوئے اس گھر کو واقعی اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا فرمایا تھا اور یہ بھی اللہ ہی کا حکم تھا جس کے تحت انہوں نے دنیا کو حج کی دعوتِ عام دی تھی۔ اسی وجہ سے اس گھر کو اور اس دعوتِ عام کو یہ کشش نصیب ہوئی کہ صدہا برس سے دنیا بھر کے انسان اس کی طرف کھنچے چلے آرہے ہیں۔ قرآن مجید اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اللہ ہی تھا جس نے اس گھر کی تعمیر کے لیے اس جگہ کو منتخب فرمایا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کا حج کرنے کے لیے دنیا بھر کو پکار دیں۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ (الحج:۲۶-۲۷)

”اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ تجویز کی تھی اس ہدایت کے ساتھ کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام و رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک رکھ اور لوگوں کو حج کے لیے پکار دے کہ وہ آئیں تیرے پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار۔“

یہ اسی فرمانِ خداوندی کی برکت ہے کہ آج لاکھوں آدمی لبیّك لبیّك اللّٰھم لبیّك کی صدائیں بلند کرتے ہوئے فوج در فوج یہاں آرہے ہیں اور پروانوں کی طرح اس خانۂ کعبہ کے گرد گھوم رہے ہیں۔ یہ ان آیات بیّنات میں سے اوّلین اور نمایاں ترین نشانی ہے جو اس گھر میں آپ دیکھ رہے ہیں۔

اب ذرا ایک اور نشانی ملاحظہ فرمائیے۔ اس گھر کی تعمیر جب ہوئی تھی اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اعلان فرما دیا تھا کہ ہم اسے لوگوں کا مرکز و مرجع ہی نہیں بلکہ امن کا گھر بھی بنا دیں گے۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا(البقرۃ:۱۲۵) اس اعلان پر چار ہزار برس بیت چکے ہیں اور اس وقت سے آج تک یہ امن ہی کا گھر بنا ہوا ہے۔ نہ صرف یہ خود امن کا گھر ہے بلکہ جس شہر میں واقع ہے وہ بھی امن کا شہر ہے اور اس کے گردو پیش کئی کئی میل تک کا پورا رقبہ ایک ایسا حرم ہے جس کے اندر کسی نوعیت کی بدامنی نہیں ہو سکتی۔ آج روئے زمین پر اس حرم پاک کے سوا کوئی دوسرا گز بھر کا خطّہ بھی ایسا نہیں پایا جاتا جسے اس معنی میں حرم ہونے کا شرف حاصل ہو، اور آج ہی نہیں کبھی دنیا میں کوئی دوسرا ایسا حرم نہیں پایا گیا ہے جس کا وہ احترام کیا گیا ہو جو اس حرم کا ہوا ہے۔ اس کی حرمت کا اندازہ آپ اس بات سے کیجیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے سیدنا محمد ﷺ کے وقت تک ڈھائی ہزار برس کا زمانہ عرب کی سرزمین میں ایسا گزرا ہے جس میں یہ ملک نظم و آئین سے محروم تھا۔ یہاں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا۔ ہر طرف بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ قتل و خون اور غارتگری کا زور تھا۔ کسی کے لیے جان، مال اور

عزت وآبرو کی امان نہ تھی۔ لیکن اس پورے ملک میں صرف یہ حرمِ پاک ہی ایک ایسا خطّہ تھا جہاں ان ۲۵ صدیوں کے دوران میں کامل امن قائم رہا۔ عرب کے وہ لوگ جو شوقیہ خونریزی اور لوٹ مار کرتے تھے، جن کے قبائل میں سو سو برس تک مسلسل لڑائیاں ٹھنی رہتی تھیں اور پشت در پشت انتقام کا چکر چلتا رہتا تھا، ان کا بھی یہ حال تھا کہ اس حرم کے حدود میں پہنچتے ہی ان کے ہاتھ رک جاتے تھے، حتّٰی کہ اگر کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں پالیتا تھا تو اس سے انتقام نہ لے سکتا تھا۔ یہ اس کے سوا اور کس چیز کا نتیجہ مانا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس خطۂ پاک کو حرم اور امن کا گھر بنا دیا تھا۔ یہ اللہ جل شانہٗ کے فرمان ہی کی برکت تھی کہ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں آگیا (آلِ عمران: ۹۷) اللہ کی قدرت کے سوا دنیا میں کوئی طاقت اس انتہائی بدنظمی اور طوائف الملوکی کے زمانے میں ڈھائی ہزار برس تک یہاں امن قائم نہیں رکھ سکتی تھی۔ اسی نشانی کی طرف اللہ تعالیٰ قریش کو توجہ دلاتا ہے کہ: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ۔ (عنکبوت: ٦٧)

''کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پُر امن حرم بنا رکھا ہے حالانکہ ان کے گردوپیش لوگ اُچکے جارہے ہیں۔''

اس سے بھی زیادہ بڑے پیمانے پر ایک اور نشانی ہے جو اس سرزمین میں پائی جاتی ہے۔ آپ ذرا وسیع نگاہ سے عرب کی تاریخ اور عرب کے ملک پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عربی قوم کا ایک قوم کی حیثیت سے باقی رہنا اور عربی زبان کا اس قوم کی زبان کی حیثیت سے زندہ رہ جانا بھی اسی بیت اللہ کی برکت کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں آج کوئی ملک ایسا نہیں پایا، نہ کبھی پایا گیا ہے جس کا رقبہ تو اتنا وسیع ہو جتنا عرب کا ہے اور پھر اس پورے ملک میں ایک ہی زبان بولی جاتی ہو۔ اور دنیا میں کوئی ایسا ملک بھی نہ آج موجود ہے نہ کبھی موجود رہا ہے، جس میں چار ہزار برس سے ایک ہی زبان بولی جارہی ہو۔ اتنی لمبی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہوجاتی ہیں، اور اتنے وسیع وعریض ملکوں میں ایک نہیں، بیسیوں بلکہ سینکڑوں زبانیں بن جاتی ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ جس ملک میں ہزاروں برس تک بدامنی اور بدنظمی رہی ہو، اور جو ملک صدیوں قبائلی لڑائیوں کی آماجگاہ بنا رہا ہو، اس کے اندر تو یہ وحدت باقی رہ جانا بالکل ہی ایک عجوبہ ہے۔ لیکن یہ معجزہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس سرزمین میں کرکے دکھا دیا، اور اس کا ذریعہ یہی خانہ کعبہ اور یہی حج تھا۔

یہ خانہ کعبہ اور یہ حج اس کا ذریعہ کیسے بنا؟ اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو مرکز و مرجع (مَثَابَةً لِّلنَّاسِ) بنایا اور حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ لوگوں کو اس کا حج کرنے کی دعوت عام دے دیں، تو اس کے ساتھ یہ فیصلہ فرمادیا کہ سال میں چار مہینے (ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم حج کے لیے اور رجب عمرے کے لیے، حرام قرار دیے جائیں۔ حکم دے دیا گیا کہ ان چار مہینوں میں لڑائی بند رہے، حج اور عمرے کے لیے آنے جانے والوں کو کوئی نہ چھیڑے، اور ان جانوروں پر بھی کوئی ہاتھ نہ ڈالے جو قربانی کے لیے بیت اللہ کی طرف لائے جارہے ہوں۔ یہ حکم صرف ایک بندۂ خدا کی زبان سے ادا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی حکومت نہ تھی۔ اس کے پاس کوئی فوج، پولیس یا عدالت نہ تھی کہ اس کے زور سے وہ اس قانون کو جاری کرتا۔ مگر اس کی پشت پر اللہ رب العالمین کی طاقت تھی جس کے زور سے یہ حکم نافذ ہوا اور عرب کے باشندے نسلاً بعد نسلٍ اس کی پیروی کرتے چلے گئے۔

اس حکم کی برکت یہ تھی کہ عرب کی سرزمین کو ہر سال چار مہینے امن وامان کے میسر آجاتے تھے جن سے فائدہ اٹھا کر ملک کے ہر گوشے سے قافلے بیت اللہ کی طرف آتے تھے۔ قبائل کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے، آزادانہ تجارت ہوتی

تھی، میلے لگتے تھے، شاعری اور خطابت کے مقابلے ہوتے تھے۔ اور عرب کے دوسرے حصوں میں بھی قافلوں کی آمد ورفت جاری رہتی تھی۔ اس طرح عربوں میں ایک قوم ہونے کا احساس زندہ رہا۔ ان کی زبان محفوظ رہی اور وہ تمام عربوں کی ایک ہی زبان بنی رہی۔ ان کی ثقافت اور ان کی روایات باقی رہیں اور یہ قوم کٹ کٹ کر مر جانے سے بچ گئی۔ یہ سب کچھ اسی گھر کا صدقہ اور اسی گھر والے خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی کی بدولت ایک قوم مرنے سے بچی، ایک زبان مٹنے سے بچی اور ایک ملک کے اندر ایک ہی زبان اور ایک ہی تہذیب برقرار رہی۔ یہ گھر نہ ہوتا اور یہ حج نہ ہوتا تو ہزاروں برس کی بدامنی و بدنظمی اور طوائف الملوکی سے عرب قوم اور عربی ثقافت کبھی کی مٹ چکی ہوتی۔

ایک اور نشانی ملاحظہ ہو جس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں اپنی ایک بیوی اور بچے کو لاکر چھوڑا تھا اس وقت یہاں کوئی شہر تو درکنار برائے نام کوئی چھوٹا سا گاؤں تک نہ تھا۔ اس حالت میں ان کی زبانِ پاک سے یہ دعا نکلتی ہے کہ:

رَبَّنَآ اِنِّیۡٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِیۡٓ اِلَیۡهِمۡ وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَشۡكُرُوۡنَ۔ (ابراھیم: ۳۷)

''اے ہمارے پروردگار، میں نے اپنی نسل کا ایک حصہ لاکر بے آب وگیاہ وادی میں بسادیا ہے۔ تیرے حرمت والے گھر کے پاس، اے پروردگار، اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں۔ پس لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکر گزار رہوں۔''

اب دیکھیے کہ اس دعا کا ایک ایک لفظ کس طرح پورا کیا گیا۔ اس بیت اللہ کے گرد یہ شہر مکّہ آباد ہوا۔ حج نے اس کو تمام عرب کا مرکز بنادیا۔ تجارتی قافلے عرب کے ہر حصے سے یہاں آنے لگے اور یہاں سے گزرنے لگے۔ اسلام سے صدیوں پہلے یہ شہر ایک تجارتی منڈی بن چکا تھا اور دنیا بھر کا مال کھنچ کھنچ کر یہاں آتا تھا۔ آج بھی آپ دیکھیں گے کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو مکہ کے بازاروں میں آپ کو نہ مل جاتی ہو۔ اسی چیز کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے کہ:

اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجۡبٰٓی اِلَیۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا (القصص: ۵۷)

''کیا ہم نے اہل مکہ کے لیے ایک پُرامن حرم نہیں بنادیا ہے جس کی طرف ہر طرح کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں۔ ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟''

عرب اور عربی قوم اور عربی زبان پر یہ ساری عنایات جس مقصد کے لیے فرمائی گئی تھیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک دعا کو پورا کرنا تھا جسے قرآن مجید ان الفاظ میں نقل کرتا ہے:

وَاِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَاِسۡمٰعِیۡلُ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّكَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَیۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَیۡنَا اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ۔ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَكِیۡمُ۔ (البقرة: ۱۲۷-۱۲۹)

''اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو وہ یہ دعا کررہے تھے کہ ''اے ہمارے رب، ہماری اس سعی کو قبول فرمالے، یقیناً تو ہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! اور ہم دونوں کو اپنا مسلم (فرمانبردار)

بنالے اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت پیدا کر جو تیری مسلم ہو اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہمارے قصور معاف کر بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا رحیم ہے۔ اے ہمارے رب، اور ان لوگوں کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، یقیناً تو ہی زبردست حکیم ہے۔''

یہ تھا وہ اصل مقصد جس کے لیے عرب قوم اور عربی زبان کو زندہ رکھنے کا وہ اہتمام فرمایا گیا تھا جس کی تفصیل ابھی آپ نے سنی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ واسماعیلؑ کی یہ دعا، اور اس کے نتیجے میں آخر کار اسی شہر مکہ سے محمد عربی ﷺ کا مبعوث ہونا اور پھر یہیں سے ایک عظیم الشان امت مسلمہ کا اٹھنا جو دنیا میں قیامت تک کے لیے توحید کی علمبردار بنی، یہ اللہ جل شانہٗ کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جس کا مشاہدہ آپ اس حرم پاک میں کررہے ہیں۔

یہی شہر مکہ ہے جس سے محمد ﷺ نے دعوت الی اللہ کا آغاز فرمایا تھا اور یہی صفا کی پہاڑی ہے جس پر کھڑے ہوکر حضور نے سب سے پہلے قریش کے خاندانوں کو نام بنام پکار کر اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کی تلقین فرمائی تھی۔ اس شہر کے سرداروں نے حضورؐ کی اس دعوت کو دبادینے کے لیے اپنا سارا زور صرف کردیا۔ یہ حرم کی زمین، یہ ابوقبیس کا پہاڑ، اور یہ مکّہ کی گھاٹیاں، سب اس ظلم وستم کے گواہ ہیں جو ۱۳ سال تک حضورؐ اور آپؐ کے اصحاب پر توڑا گیا۔ مگر آخر کار ان سب لوگوں نے نیچا دیکھا جنہوں نے دعوتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو نیچا دکھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا تھا۔ دیکھ لیجیے، آج یہاں ابوجہل اور ابولہب کا نام لینے والا کوئی نہیں ہے اور اس کے میناروں سے پانچوں وقت اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز بلند ہورہی ہے۔

یہی خانہ کعبہ ہے جس کی دیوار کے نیچے ایک روز رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور حال یہ تھا کہ مکہ میں ہر طرف مسلمانوں پر بے تحاشا ظلم ہورہا تھا۔ اس حالت میں خبّاب بن الارتؓ نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! اب تو ظلم کی حد ہوگئی ہے، کیا آپؐ ہمارے لیے دعا نہ فرمائیں گے؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا: ''یہ کام تو پورا ہوکر رہے گا، یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا جب ایک مسافر صنعاء سے حضرموت تک بے خوف وخطر سفر کرے گا۔ مگر تم لوگ بے صبری کررہے ہو۔'' اللہ کے رسول کی یہ بات حرف بحرف پوری ہوئی اور چند سال کے اندر ہی وہ وقت آگیا جب اسلام کی حکومت نے پورے جزیرۃ العرب میں مکمل امن قائم کردیا۔

یہی خانہ کعبہ ہے جس کے کلید بردار عثمان بن طلحہ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے کنجی مانگی تاکہ بیت اللہ میں داخل ہوکر عبادت کریں۔ اس نے نہ صرف یہ کہ انکار کیا بلکہ حضور کے ساتھ سخت بدکلامی کی۔ آپ خاموشی کے ساتھ اس کی ساری سخت سست باتیں سنتے رہے اور پھر بڑی سنجیدگی کے ساتھ فرمایا: ''اے عثمان تم دیکھ لوگے کہ ایک روز یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور مجھے اختیار ہوگا کہ جسے چاہوں اسے دوں۔'' عثمان نے کہا۔ ''اگر ایسا ہوا تو وہ دن قریش کے لیے ہلاکت اور ذلّت کا دن ہوگا۔'' حضورؐ نے فرمایا: نہیں، وہ دن قریش کے لیے عزّت اور سرفرازی کا دن ہوگا۔ یہ قول بھی پتھر کی لکیر ثابت ہوا۔ اس بات کو دس سال سے زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ مکّہ معظّمہ فتح ہوا۔ اسی عثمان بن طلحہ کو حضور نے حکم دیا کہ کلید خانہ کعبہ پیش کرے۔ اس نے بے چون وچرا حاضر کردی۔ حضرت عباسؓ نے باصرار درخواست کی کہ اب کلید برادریٔ کعبہ کی خدمت بنی ہاشم کے سپرد کردی جائے۔ لیکن حضورؐ نے وہ کنجی اسی عثمان بن طلحہ کو عطا کی اور فرمایا: خذوھا خالدۃ خالدۃ لاینزعھا منکم الّا

ظالم۔'' لےلواسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیےتم سے اس کو کوئی نہ چھینے گا مگر ظالم۔'' یہ ارشاد بھی پورا ہوکر رہا۔ آج تک اس گھر کا کلید بردار وہی خاندان چلا آرہا ہے، جسے فتح مکہ کے روز حضورؐ نے اس کی کنجی سپرد فرمائی تھی۔

یہی شہر مکہ ہے جس کے لوگوں سے حضورؐ نے اپنی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں فرمایا تھا کہ میں ایک ایسا کلمہ تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں جسے اگر تم مان لو گے تو عرب اور عجم سب اس کی بدولت تمہارے تابع فرمان ہو جائیں گے۔ کلمة واحدة تعطو نیها تملکون بها العرب و تدین لکم بها العجم۔ قریش کے لوگوں نے اس وقت اس کو جھوٹ سمجھا تھا۔ وہ اس کے برعکس اپنی جگہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اس کلمے کو ہم نے قبول کر لیا تو تمام عرب ہم پر ٹوٹ پڑے گا اور ہماری ریاست تو کیا، ہمارا وجود بھی یہاں باقی نہ رہ سکے گا۔ وہ کہتے تھے کہ اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا۔ ''اگر ہم تمہارے ساتھ اس ہدایت کی پیروی اختیار کرلیں تو اپنی جگہ سے اُچک لیے جائیں گے۔'' لیکن اللہ کے رسول کی زبانِ مبارک سے جو کچھ نکلا تھا وہ لفظ بہ لفظ پورا ہوکر رہا۔ قریش کے جن لوگوں نے حضورؐ کی بات اپنے کانوں سے سُنی تھی انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ چند سال کے اندر عرب اور عجم سب خلافت اسلامیہ کے تابع فرمان ہوگئے اور قریش ہی کے خلفاء اس عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حضور خاتم النبیین ﷺ کے زمانے تک یہ گھر صرف عرب کا مرکز تھا اور عرب ہی اس کے حج کے لیے آتے تھے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے آنحضورؐ کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کرایا کہ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ''جہاں بھی تم ہو، نماز میں تم اپنا رُخ اسی کی طرف پھیرو۔'' اور جب مالکِ زمین وآسمان نے اپنے آخری نبی کے ذریعہ سے یہ فرمان صادر کیا کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ ''اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس گھر کا حج، جو شخص بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔'' تو یہ گھر تمام دنیا کے لیے مرکز وقبلہ بن گیا۔ آج دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں اس گھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے موجود نہ ہوں، اور کوئی خطۂ زمین ایسا نہیں ہے جہاں سے اللہ وحدہٗ لاشریک کے ماننے والے اس کا حج کرنے کے لیے نہ آ رہے ہوں۔ جس وقت آنحضور ﷺ کی زبان سے ان احکام کا اعلان ہوا تھا اس وقت اسلام کا نفوذ واثر صرف مدینۂ طیبہ اور اس کے گرد وپیش ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود تھا۔ کوئی شخص بھی اس وقت یہ اندازہ نہ کرسکتا تھا کہ یہ احکام تمام روئے زمین پر اور اتنے بڑے پیمانے پر نافذ ہوں گے اور ایک وقت ایسا آئے گا جب دس دس لاکھ آدمی دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر یہاں جمع ہوں گے۔ خداوندِ عالم کی طاقت کے سوا اور کون سی طاقت ایسی ہوسکتی تھی جو اس خانہ کعبہ کو یہ مقبولیت، یہ مرکزیت اور یہ کشش عطا کر دیتی۔ (خطبات حرم: پہلا خطبہ)

حج کے روحانی، اخلاقی، اجتماعی، تمدّنی اور مادی فوائد

اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی عبادت ایسی فرض نہیں فرمائی ہے جس میں بے شمار روحانی، اخلاقی، اجتماعی، تمدنی اور مادی فوائد نہ ہوں۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے لیے تو کسی کی عبادت کی کوئی حاجت نہیں ہے اس نے جو عبادت بھی بندوں پر فرض کی ہے وہ خود بندوں ہی کی بھلائی کے لیے ہے۔ اللہ کی ذات ہر احتیاج سے بالاتر اور ہر نفع اور فائدے کی ضرورت سے بلند تر ہے۔ لیکن جتنی عبادتیں بھی اس نے فرض کی ہیں ان کا ایک تو مقصدِ اصلی ہے جس کے لیے وہ فرض کی گئی ہیں اور اس کے علاوہ وہ بے شمار ضمنی فائدے ہیں جو ان عبادات کے انجام دینے سے آپ سے آپ حاصل ہوتے ہیں۔ اب

اگر کوئی شخص نادانی سے ان ضمنی فائدوں ہی کو اصل مقصد قرار دے بیٹھے اور اس غایت اصلی کو فوت کر دے جس کے لیے وہ عبادات مقرر کی گئی ہیں تو حقیقت میں وہ اپنی عبادات کو ضائع کرتا ہے اس کی عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر آپ دیکھیے کہ روزے کے بے شمار اخلاقی، روحانی اور جسمانی فوائد ہیں لیکن اگر کوئی شخص روزہ اس لیے رکھے کہ اس کی صحت اچھی ہو جائے گی تو حقیقت میں وہ کوئی عبادت نہیں کرتا۔ وہ تو بس ایک فاقہ کرتا ہے جو صحت درست کرنے کے لیے کسی ڈاکٹر کی تجویز سے یا خود اپنی رائے سے اس نے کرنا شروع کر دیا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے اور اس میں اس کے پیش نظر یہ بات ہوتی ہے کہ اس کی عادات میں باقاعدگی پیدا ہو جائے گی، اس کے اوقات میں نظم وضبط پیدا ہو جائے گا یا اسی طرح کا کوئی اور فائدہ اس کی نگاہ میں ہے، تو حقیقت میں وہ کوئی عبادت نہیں کرتا، جس فائدے کو اس نے نگاہ میں رکھا ہے وہ چاہے اس کو حاصل ہو بھی جائے لیکن عبادت کا کوئی اجر اس کو نہیں پہنچتا۔

ایسا ہی معاملہ حج کا بھی ہے۔ اس کے جو اخلاقی، روحانی، اجتماعی، تمدنی اور مادی فوائد ہیں، اگر کوئی شخص ان میں سے کسی فائدے ہی کو اپنا مقصود قرار دیتا ہے تو حقیقت میں وہ کوئی حج کرتا ہی نہیں ہے۔ اس کی یہ عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ تمام عبادتوں کا مقصودِ اصلی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی بندگی پیش کرنا ہے۔ اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اگر بندے کو اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو اس کی عبادت کا اصل مقصد پورا ہو گیا۔ لیکن اگر وہ عبادات میں اپنی ساری دوڑ دھوپ کے باوجود اللہ کی رضا پانے سے محروم رہ گیا تو حقیقت میں اس کی ساری محنت ہی اکارت گئی۔ اس نے عبادت کے حقیقی مقصد اور اصلی فائدے کو ضائع کر دیا۔ اس لیے یاد رکھیے کہ عبادات سے ضمنی فوائد کا حاصل ہونا یا نہ ہونا بجائے خود مقصود نہیں ہے۔ سب سے پہلا کام یہ ہے کہ ہر شخص حج اپنی نیت کو خالص اور پاک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصود سمجھتے ہوئے انجام دے۔ اگر کسی شخص نے نیت کے اخلاص اور ارادے کی درستی کے ساتھ حج کیا اور کوئی بڑا اجر نہیں، صرف اپنی مغفرت ہی حاصل کر لے گیا تو حقیقت میں وہ کامیاب ہے۔ اس کے آگے یہ سراسر اللہ کا فضل اور احسان ہے کہ وہ کسی آدمی کو اس پر مزید اجر اور بلند مراتب سے بھی نواز دے۔ بہر حال ایک آدمی کا حج کے ذریعے سے اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کر لینا ہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

آج کل حج کے بارے میں بعض نئے نئے فلسفے پیش کیے جا رہے ہیں۔ کچھ لوگوں کے خیال میں حج اس لیے فرض کیا گیا ہے کہ اس سے دراصل مسلمانوں کی ایک بین الاقوامی سالانہ کانفرنس کرانا مقصود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کی ایک سالانہ کانفرنس کے جو کچھ فوائد بھی کوئی شخص اپنے ذہن میں سوچ سکتا ہے اس سے ہزار گنے زیادہ فوائد حج سے عملاً حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ایسی کوئی کانفرنس دراصل حج کا حقیقی مقصود نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ حج کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کو عرب کی سیاحت کرنے کا، اس کے تاریخی مقامات دیکھنے کا اور اس کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے حج کو ضائع کرتا ہے۔ اگر اس کے دل میں حج کے مقصد کی حیثیت سے ایسی کوئی غرض اور نیت شامل ہو جائے تو فی الحقیقت اس کی یہ عبادت سرے سے عبادت ہی نہیں رہے گی۔ اس لیے اپنی نیت کو خالصتاً اللہ کی عبادت کے لیے مخصوص کیجیے اور اپنے ذہن میں اس خیال کو بٹھائیے کہ ہمارا اصل مقصود اللہ کی رضا حاصل کرنا اور اس کے حضور اپنے جذبۂ عبودیت کو پیش کرنا ہے۔

اس کے ساتھ جو دوسری بات میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ کے حضور بندگی کے پیش کرنے کی دنیا میں جتنی شکلیں بھی ممکن ہیں وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے حج میں جمع کر دی ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ ایک آدمی جس وقت حج کا ارادہ کرتا ہے اگر وہ خالصتہً اللہ کی رضا چاہنے کے لیے یہ ارادہ کر رہا ہے تو اس کا یہ عزمِ سفر بجائے خود یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ کوئی دنیوی مقصد لے کر گھر سے نہیں نکل رہا ہے۔ اس کے پیش نظر کوئی تجارتی غرض نہیں ہے اور نہ اسے سیر و سیاحت ہی کا شوق چرایا ہے۔ اس نے ہزاروں میل کا سفر کرنے کا ارادہ صرف اس لیے کیا ہے کہ اللہ کی عبادت کرے اور اس کی رضا جوئی کے لیے تگ و دَو کرے۔

پھر آپ دیکھیے کہ ایک آدمی جب حج کے لیے نکلتا ہے تو اپنے بال بچوں کو چھوڑتا ہے۔ اپنا گھر بار اپنا کاروبار، اپنے اعزہ واقربا اور اپنے دوست واحباب، غرض بے شمار علائق و روابط کو توڑ کر نکلتا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ اللہ کی عبادت انجام دے اور اس کی خوشنودی تلاش کرے۔ اس طرح ہجرت کا اجر اس کو آپ سے آپ مل جاتا ہے، ہجرت کے جو اخلاقی و روحانی فوائد اور منافع ہیں وہ سارے کے سارے اس کو حاصل ہو جاتے ہیں، کیونکہ اس کی حیثیت اس شخص کی سی ہے جو محض اللہ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ دیتا ہے۔

اس کے بعد دیکھیے کہ ایک شخص جب مکّہ معظمہ پہنچتا ہے تو اس جگہ وہ بے شمار مختلف عبادات انجام دیتا ہے۔ پانچوں اوقات کی نمازیں تو بہر حال وہ آپ سے آپ پڑھتا ہی ہے، لیکن اس کے علاوہ وہ بیت اللہ کا طواف بھی کرتا ہے جس سے اس کو اللہ تعالیٰ پر قربان ہونے اور اپنے آپ کو صدقہ کرنے کا اجر نصیب ہوتا ہے۔ وہ حجر اسود کو بھی چومتا ہے اور اس طرح اسے اللہ تعالیٰ کی آستانہ بوسی کا شرف حاصل ہوتا ہے وہ مُلتَزَم سے بھی چمٹتا ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی چوکھٹ سے چمٹ رہا ہے اور اس سے دعائیں مانگ رہا ہے اس کے علاوہ وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے۔ اس سے اس کو اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے کا اجر ملتا ہے۔ اس طریقے سے اس کو اللہ سے دعا کرنے، اس کے گھر کے گرد طواف کرنے اور اس کی راہ میں سعی و جہد کرنے کا اجر حاصل ہوتا ہے۔ پھر ان عبادات کے علاوہ حج کے دوران میں وہ منٰی سے عرفات اور عرفات سے مُزدلفہ آتا ہے۔ مُزدلفہ سے پھر منٰی جاتا ہے۔ یہ ساری دوڑ دھوپ جہاد سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس طرح ایک آدمی جہاد کے لیے گھر سے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نکلتا ہے، راستے کی تکلیفیں اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ میدانِ جنگ کی سختیاں جھیلتا ہے، قریب قریب اسی طرح کی صعوبتیں اور محنتیں اور مشقتیں آدمی کو اس تمام دوران میں انگیز کرنی ہوتی ہیں۔ اس طریقے سے وہ گویا جہاد فی سبیل اللہ کے اجر کا مستحق بنتا ہے پھر وہ یوْمُ النحر کو (قربانی کے روز) قربانی کرتا ہے۔ اس طرح اس کو قربانی کا اجر بھی حاصل ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ حج جامع عبادات ہے۔ دنیا میں آج تک جتنی ممکن قسم کی عبادتیں انسانوں نے کسی معبود کو پیش کی ہیں وہ ساری کی ساری یہاں ایک بندۂ مومن صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرتے ہوئے انجام دیتا ہے۔ اسی بنا پر حج کو سب سے بڑی عبادت بھی قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگر یہ عبادات انجام دے کر کوئی شخص اپنے گناہوں کی مغفرت ہی حاصل کر لے تو در حقیقت یہ اس کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

مغفرت کی حد تک حج کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ آپ بے عیب حج کریں۔ بے عیب حج سے مراد یہ ہے کہ آدمی حج کے دوران میں ہر قسم کی برائیوں سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ غیبت سے

پرہیز کرے، گالی دینے سے اور باہم جھگڑا کرنے سے بچے۔ حج میں انسان کو جوسب سے بڑی مشقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسے مناسکِ حج کی ادائیگی میں قدم قدم پر رُکاوٹوں اور مشکلوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ایک ہی وقت میں لاکھوں آدمیوں کو یہ مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اب چونکہ اس موقع پر لوگوں کا غیر معمولی ہجوم ہوتا ہے اور ہر کوئی ایک تگ ودَو میں لگا ہوتا ہے۔ اس لیے اس عالم میں ہر وقت اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسان سے دانستہ یا نادانستہ کوئی تکلیف پہنچ جائے، یا کسی کو اپنا کوئی کام انجام دینے میں زحمت پیش آئے۔ ایسے تمام مواقع پر ہر شخص کو نہایت ضبط وتحمل سے کام لینا چاہیے اور کسی صورت میں بھی تنگ دلی اور تنُک مزاجی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس عالم میں اس بات کی سخت ضرورت ہوتی ہے کہ آدمی اپنے نفس پر ضبط کرے۔ باہم گالم گلوچ اور دنگے فساد سے پوری طرح بچے اور اس امر کی کوشش کرے کہ اس کی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اور اگر کسی کی ذات سے اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو وہ اس کو صبر کے ساتھ برداشت کرے۔ یہ کم سے کم وہ چیز ہے جو آدمی کے حج کو بے عیب بناتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَفُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِي الْحَجِّ۔ (البقرة: ۱۹۷)

''یعنی جو شخص حج کے مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدکاری، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔''

حج کے دوران میں آدمی کا سب سے بڑا امتحان اسی معاملے میں ہوتا ہے اور جو آدمی حج میں لڑائی جھگڑا کرتا ہے، دوسروں کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہے اور دوسروں سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر نہیں کرتا وہ اپنے حج کے اجر کو بہت بڑی حد تک ضائع کر دیتا ہے۔

اس کے آگے اگر کوئی شخص خوبیوں والا حج کرنا چاہتا ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے وقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ کا ذکر کرنے میں صرف کرے۔ بیٹھا ہوا فضول گپیں نہ ہانکے۔ بیکار قصہ گوئی نہ کرے۔ کسی کی برائی کرنا تو بڑی چیز ہے، محض دنیاوی معاملات پر ہر وقت باتیں کرتے رہنا بھی حج کے اجر وثواب کو کم کر دیتا ہے۔ اونچے درجے کا خوبیوں والا حج اگر آپ کو مطلوب ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے اوقات کا زیادہ سے زیادہ حصہ اللہ کا ذکر کرنے میں، نمازیں پڑھنے میں، قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں، نیکی اور بھلائی کی باتیں کرنے میں، لوگوں کو اللہ کا دین سمجھانے میں اور ان کو منکرات اور فواحش سے روکنے میں صرف کریں۔ اگر آپ ان کاموں میں اپنے اوقات صرف کرتے ہوئے حج کریں گے تو ان شاء اللہ وہ حج خوبیوں والا حج ہوگا اور اس پر آپ بہت بڑے اجر کے مستحق ہو سکیں گے۔

اب میں مختصر طور پر آپ کو یہ بھی بتاتا ہوں کہ حج کے وہ ضمنی فوائد کیا ہیں جو اس کے بنیادی مقصد پورا کرنے کے ساتھ ساتھ آپ سے آپ حاصل ہوتے ہیں۔ میں یہ بات پہلے بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی عبادت فرض نہیں کی ہے جو اپنے اندر ہمارے لیے بے شمار فوائد نہ رکھتی ہو۔

اجتماعی طور پر حج سے جو بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر عالمگیر برادری اور عالمگیر مساوات پیدا ہوتی ہے۔ اسی خانہ کعبہ کے دروازے پر رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اسی جگہ کھڑے ہو کر یہ اعلان فرمایا تھا کہ:

''اے قریش کے لوگو! اللہ نے تمہاری جاہلیت کی نحوست دور کر دی ہے۔ اب نسبوں اور خاندانی اعزازات کے لیے

کوئی مقام باقی نہیں رہا۔ اب یہاں حسب ونسب کے لیے فخر نہیں ہے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔''

یہ اعلان رسول اللہ ﷺ نے اسی جگہ سے فرمایا تھا اور اسی مقام پر سب سے بڑھ کر اس بات کا مظاہرہ ہوتا ہے کہ تمام انسان یکساں ہیں۔ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، نہ یہاں کوئی امیر ہے نہ غریب۔ نہ کوئی حاکم ہے نہ محکوم۔ سب برابر ہیں۔ یہاں آتے ہی، بلکہ اس خانہ کعبہ سے میلوں دُور میقات پر پہنچتے ہی ایک آدمی کو اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر احرام کا لباس پہن لینا پڑتا ہے۔ خواہ کوئی افریقہ سے آرہا ہو یا امریکہ سے، ایشیا کے کسی دور دراز گوشے سے آرہا ہو یا یورپ کے کسی دور افتادہ مقام سے، جہاں سے بھی وہ آرہا ہو، ہر شخص کو اپنا قومی لباس اتار کر صرف ایک احرام پہن لینا ہوتا ہے۔ اس طرح لباسوں کے اختلاف سے جو قومی امتیازات پیدا ہوتے ہیں وہ یکلخت ختم ہو جاتے ہیں۔ تمام مسلمان ایک ہی لباس میں حج کرتے ہیں۔ اس طرح یہاں ایک ایسی وحدت جنم لیتی ہے جو کسی دوسری تدبیر سے پیدا نہیں کی جاسکتی۔ یہ وحدت نہ تقریروں سے پیدا ہوسکتی ہے اور نہ کانفرنسیں منعقد کرنے سے۔ یہ صرف اسی عمل سے پیدا ہوسکتی ہے جو دنیا کے ہر حصے سے آئے ہوئے لاکھوں مسلمان بیک وقت انجام دیتے ہیں کہ میقاتوں پر پہنچتے ہی وہ یکلخت اپنے قومی لباس کو چھوڑ کر ایک ہی لباس زیب تن کر لیتے ہیں۔

پھر یہ عمل محض عالمگیر اخوت ہی پیدا نہیں کرتا بلکہ عالمگیر مساوات بھی پیدا کرتا ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا رئیس ہو یا کہیں کا بادشاہ، کوئی فیلڈ مارشل ہو یا صدر مملکت، کوئی آقا ہو یا غلام، ہر ایک کو وہی ایک لباس پہننا پڑتا ہے جو اس کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص وہی ایک چادر باندھے گا اور ویسی ہی دوسری چادر اوپر سے اوڑھ لے گا۔ یہاں آکر کسی کی کوئی امتیازی شان باقی نہیں رہتی۔ امیر اور غریب، حاکم اور محکوم، خادم اور مخدوم، ادنیٰ اور اعلیٰ سب برابر ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے دربار میں پہنچ کر کسی کی کوئی حیثیت بندۂ خدا ہونے کے سوا باقی نہیں رہتی۔ اس طرح سے جو مساوات یہاں قائم ہوتی ہے اس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ دنیا کے کسی دین میں اور کسی اجتماعی مسلک میں کہیں کوئی ایسی تدبیر موجود نہیں ہے جو تمام انسانوں کو بیک وقت ایک سطح پر لاکر کھڑا کر دیتی ہو۔ یہ بھی حج کی ایک بے نظیر خصوصیت ہے۔ جس کے متعلق اگر ایک آدمی غور کرے تو اس کو محسوس ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے سوا اور کسی چیز کا نتیجہ نہیں ہوسکتی۔ کوئی انسان ایسا نسخہ تجویز نہیں کرسکتا تھا جس سے تمام انسانوں کو ایک ہی سطح پر لانا اور ان کے درمیان ایسی کامل مساوات قائم کرنا ممکن ہو سکے۔

اس ضمن میں اسلامی تاریخ سے بھی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہی مطاف جہاں آپ حج کرتے ہیں اس جگہ قبیلۂ غسّان کا ایک بادشاہ (جَبَلَہ بن اَیہَم) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آیا اور یہاں طواف کرتے ہوئے ایک بدّو کا پاؤں اس کی چادر پر پڑ گیا۔ اس نے غضبناک ہو کر اس بدّو کے ایک تھپڑ مارا۔ وہ بدّو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی فریاد لے کر گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد یہ فیصلہ دیا کہ اب وہ بدّو اس بادشاہ کے اسی طرح تھپڑ لگا کر اپنا بدلہ لے۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بادشاہ کو یہ سبق سکھانا چاہا کہ کیا یہاں آکر بھی تیرے دماغ میں بادشاہی کا فخر اور غرور باقی رہ گیا؟ تو نے خدا کے دربار میں آکر بھی اپنے آپ کو بدّو سے بالاتر سمجھا؟ یہ ہے وہ مساوات جو حج قائم کرتا ہے۔ یہاں اب بھی آپ دیکھ سکتے ہیں کہ بڑے سے بڑا رئیس اور غریب سے غریب آدمی ایک ہی

طرح کے دھکے کھاتا ہوا حرم میں آتا ہے اور دھکے کھاتا ہوا خدا کے گھر کا طواف کرتا ہے۔ یہاں جس مقام پر بھی کسی شخص کو نماز کے لیے جگہ مل جائے وہ وہیں پڑھتا ہے۔ کوئی رئیس کوئی فرمانروا اور کوئی صدرِ مملکت ایسا نہیں ہے جس کے لیے زبردستی آگے جانے کا راستہ بنایا جا سکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا راستہ بناتا ہے تو غلطی کرتا ہے، جرم کرتا ہے۔

پھر دنیا میں کہیں اس بات کی نظیر بھی موجود نہیں ہے کہ اس نوعیت کا بین الاقوامی اجتماع کسی قوم اور ملّت میں پایا جاتا ہو۔ ہزار ہا برس کے بعد اب انسان نے اس زمانے میں لیگ آف نیشنز اور یونائیٹڈ نیشنز کا تصور سوچا ہے اور اس کی بنیاد پر بعض بین الاقوامی ادارے قائم کیے ہیں۔ لیکن خواہ آنجہانی لیگ آف نیشنز ہو یا موجودہ زمانے کی یونائیٹڈ نیشنز، ان میں ہونے والے بین الاقوامی اجتماعات میں اور حج کے بین الاقوامی اجتماع میں ایک بہت بڑا بنیادی فرق ہے۔ یونائیٹڈ نیشنز میں جو عالمگیر اجتماع ہوتا ہے وہ قوموں کے نمائندوں، ان کے سیاسی لیڈروں اور حکمرانوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے مقابلے میں مفاد اور اغراض کی کشمکش کرتے ہیں۔ اس کا نام بین الاقوامی اجتماع نہیں ہو سکتا۔ حقیقی معنوں میں بین الاقوامی اجتماع تو یہ ہے جو ہر سال حج پر یہاں ہوتا ہے کہ اس کے اندر دنیا کی تمام قوموں کے عام آدمی کھنچ کر آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہتے ہیں اور سب اجتماعی طور پر مختلف عبادات سرانجام دیتے ہیں۔ یہاں قوموں کے نمائندے، حکمراں، سیاستداں اور پارلیمنٹوں کے ارکان نہیں آتے بلکہ عام انسان آتے ہیں اور دنیا کی ہر قوم کے عام انسانوں سے ملتے ہیں۔ بین الاقوامی اجتماع کا ایسا عظیم نقشہ اور کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

آخری بات جو میں آپ سے عرض کروں گا وہ یہ ہے کہ عالمِ اسلام کے اندر خانہ کعبہ کی مثال وہی ہے جو انسان کے جسم میں دل کی ہوتی ہے۔ انسان کے جسم میں دل کا مقام یہ ہے کہ وہ رگ رگ سے خون کھینچ کر اپنی طرف لاتا اور پھر اس کو پمپ کر کے ایک صالح شکل میں انسان کے جسم کی رگ رگ میں واپس پہنچاتا ہے۔ جسدِ ملت کے لیے ایسا ہی عمل خانہ کعبہ کرتا ہے۔ یہ ہر سال دنیا کے ہر گوشے سے مسلمانوں کو کھینچ کر لاتا ہے اور پھر ان کو گناہوں کی آلائشوں اور سیرت و کردار کی خامیوں سے پاک کر کے ان کے اندر ایک نئی اور صالح زندگی کی افزائش کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں واپس بھیج دیتا ہے۔ اس دل کی یہ دھڑکن جب تک جاری ہے، دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو نہیں مٹا سکتی۔ یہ ایک ایسی تحریک ہے جو ہر سال مسلمانوں کو کھینچ بلا کر ایک جگہ جمع کرتی ہے۔ ان کو ایک وقت تک ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر رکھتی ہے۔ ان سے مختلف عبادات انجام دلاتی ہے اور ان عبادات کے دوران میں تمام اسلامی جذبات کو تازہ کر کے ایک متحرک اور فعال اسلامی روح ان کے اندر پھونک کر انہیں واپس بھیجتی ہے۔ جس طرح انسان کے جسم میں دل جب تک دھڑکتا رہتا ہے اس کا جسم زندہ رہتا ہے، اسی طرح یہ حج حقیقت میں دنیائے اسلام کے دل کی دھڑکن ہے جو خون کو کھینچ کر لا رہی ہے اور پھر اس کو صالح اور پاکیزہ بنا کر واپس پہنچا رہی ہے۔ یہ عمل جب تک جاری رہے گا ان شاء اللہ قیامت تک اسلام قائم رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت خواہ وہ اپنا کتنا ہی زور صرف کر لے اس کو دنیا سے نہیں مٹا سکتی! (خطبات حرم: تیسرا خطبہ)

ماخذ

(۱) ترمذی ج۱ ابواب الحج ـ باب ماجاء من التغليظ فی ترك الحج۔☆ كنزالعمال ج۵، حدیث ۱۱۸۶۹ اور ۱۱۸۷۷۔

(۲) دارمی كتاب مناسك الحج۔ باب من مات ولم يحج۔☆ مشكوة۔ كتاب المناسك فصل ثالث۔☆كنزالعمال ج۵ حدیث ۱۱۸۵۳۔

(۳) السنن الكبریٰ للبيهقی ج٤۔ كتاب الحج، باب امكان الحج۔☆ مصنف ابن ابی شيبة ج٤/١ كتاب الحج باب فی الرجل يموت ولم يحج وهو موسر۔

(٤) بخاری ج۱ كتاب المناسك باب فضل الحج المبرور۔اورباب قول الله عزوجلّ فلارفث۔

(۵) بخاری ج۱ ابواب العمرة باب قول الله عزوجل فلارفث۔☆نسائی ج۵كتاب الحج باب فضل الحج۔ عن ابی هريرة۔☆ ابن ماجه كتاب المناسك باب فضل الحج والعمرة۔☆ دارمی كتاب المناسك باب فی فضل الحج والعمرة۔ ☆ دارقطنی ج۲ كتاب الحج۔☆مُسندِ احمد ج۲ص۲۲۹۔۴۱۰۔۴۸٤۔٤۹٤۔

بخاری،نسائی اورابن ماجہ میں ایک روایت كَمَا وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ کی بھی ہے۔

(٦) مسلم ج۱كتاب الحج باب فضل الحج والعمرة۔ ☆ السنن الكبریٰ للبيهقی ج۵كتاب الحج باب لارفث ولافسوق ولاجدال فی الحج۔ عن ابی هريرة۔اور ایک دوسرے مقام پر بھی ہے جس کا آغاز مَنْ اَتٰی سے ہے۔ ☆مصنف ابن ابی شيبة ج٤/١كتاب الحج باب ماقالوا فی ثواب الحج۔عن ابی هريرة۔اس میں مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يفسُق۔ الخ☆المصنف لعبدالرزاق ج۵۔ كتاب الحج باب فضل الحج عن ابی هريرة۔اس میں مَنْ حَجَّ هذَا البيت والی روایت نقل کی ہے۔

(۷) ترمذی ج۱ابواب الحج باب ماجاء كم فرض الحج۔ ☆ ابن ماجه كتاب المناسك باب فرض الحج۔ ☆ دارقطنی كتاب الحج ج۲۔

(۸) ابوداؤد ج۲كتاب المناسك باب فرض الحج۔ ☆ نسائی ج۵ باب وجوب الحج كتاب مناسكِ الحج۔☆ ابن ماجه كتاب المناسك باب فرض الحج۔ ☆ دارمی كتاب المناسك باب ٤ كيف وجوب الحج۔☆دارقطنی كتاب الحج ج۲۔☆مُسندِ احمدج۱ص۲۵۵۔۲۹۱۔۳۷۱۔۳۷۲۔ ج۲ص۵۰۸۔ ☆ المستدرك ج۱ كتاب المناسك، باب الحج فی كلّ سنة اومرة واحدة۔

(۹) ابن ماجه كتاب المناسك باب فرض الحج۔☆ السنن الكبریٰ ج٤ كتاب الحج، باب وجوب الحج مرة واحدة۔

☆ المستدرك للحاكم ج ١۔ اس روایت کے آخر میں لم تسمعوا ولم تطیقوا ہے۔ ☆ مَجمع الزوائد ج ٣ کتاب الحج باب فرض الحج۔ ☆کنز العمال ج ٥ ح ١١٨٧٠۔

(١٠) بخاری ج ٢ کتاب الاعتصام باب مایکره عن کثرة السوال وتکلف مالایعنیه۔ ☆مسلم ج ٢ کتاب الفضائل باب توقیر ﷺ وترك اکثارِ سواله الخ۔

(١١) مسلم ج ٢۔ کتاب الفضائل باب توقیر صلی اللّٰه علیه وسلم وترك اکثار سواله۔

(١٢) مسلم ج ٢۔ کتاب الفضائل باب توقیر صلی اللّٰه علیه وسلم وترك اکثار سواله الخ۔ ☆ ابوداؤد ج ٤ کتاب السنة باب لزوم السنّة۔ ابوداؤد میں آغاز اِنَّ سے ہے۔ ☆ مسندِ احمد ج ١ ص ١٧٩۔

(١٣) دارقطنی ج ٣/٤ کتاب الرضاع۔ بزار اور حاکم نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ حوالہ مذکورہ بالا ☆ طَبَرانی۔ حِلْیَه ابو نُعَیم بحواله کنزالعمال ج ١۔ ☆السنن الکبریٰ للبَیْهَقی ج ١٠: کتاب الضحایا باب مالم یذکر تحریمه ولاکان فی معنی ما ذکر تحریمه مما یؤکل اَویشرب۔ عن ابی ثعلبه الخُشَنی۔

(١٤) دارقطنی کتاب الصید والذبائح والاطعمة ج ٣/٤۔ ☆طَبَرانی اوسط عن ابی الدرداء بحواله کنز العمال ج ١۔

(١٥) ابوداؤد ج ٢ کتاب المناسك باب تحریم حرم مکة۔ ☆ترمذی ج ١ ابواب الحج باب ماجاء ان منی مناخ من سبق۔ ابن ماجه کتاب المناسك باب النزول بمنٰی۔ ☆ دارمی کتاب المناسك باب کراهية البنیان بمنٰی۔ ☆مُسندِ احمد ج ٦ ص ١٨٧۔ ٢٠٧۔ ☆المستدرك ج ١ ص ٤٦٧ کتاب المناسك باب منی مناخ من سبق۔ ☆ ترمذی، ابن ماجہ، سنن دارمی، المستدرک وغیرہ میں قَالَ لَامِنٰی مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ۔ اورمسند احمد ج ٦ ص ١٨٧ پر لا انما هو مناخ لمن سبق الیه۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٥۔ کتاب الحج باب النزول بمنٰی۔ عن عائشة۔

(١٦) السنن الکبریٰ للبَیْهقی ج ٢ کتاب الصلاة باب ذکر البیان ان هذا النص مخصوص ببعض الامکنة دون بعض۔ ☆ دارمی ج ١۔ کتاب المناسك باب ٧٩ الطواف فی غیروقت الصلاة۔ ☆دارقطنی ج ١ کتاب الصلاة باب جواز النافلة عندالبیت فی جمیع الازمان۔ ☆ طبرانی کبیر عن ابن عمر بحواله کنزالعمال ج ٥۔

(١٧) السنن الکبریٰ للبیهقی ج ٢۔ کتاب الصلاة باب ذکر البیان ان هذا النهی مخصوص ببعض الامکنة دون بعض۔ ☆دارقطنی ج ١ کتاب الصلاة باب جواز النافلة عند البیت فی جمیع الازمان۔

(١٨) ترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی الصلاة بعد العصر وبعد الصبح فی الطواف لمن یطوف۔ ☆نسائی ج ١ کتاب الصلاة، باب اباحة الصلاة فی الساعات کلها بمکة۔ ☆دارقطنی کتاب الحج ج ٢۔ ☆طبرانی بحواله کنزالعمال ج ٥۔ ☆مجمع الزوائد ج ٣ کتاب الحج باب أوقات الطواف۔ ☆المصنف لعبدالرزاق ج ٥۔ کتاب الحج باب الطواف بعد العصر والصبح۔ ☆مصنف ابن ابی شیبه ج ١/٤ کتاب الحج باب فی الطواف بالبیت بعد العصر وبعد الصبح۔ ☆ مسند احمد ج ٤ ص ٨٠ عن جبیربن مطعم۔

(١٩) دارقطنی ج ٢۔ ☆نسائی ج ٥ کتاب مناسك الحج باب اباحة الطواف فی کل الاوقات۔ ☆ابن ماجه کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها باب ماجاء فی الرخصة فی الصلاة بمکة فی کل وقت عن جابر۔

(٢٠) المستدرك للحاكم ج ١ کتاب المناسك، باب لایمنع احد عن الطواف بالبیت الخ۔

(۲۱) ابوداؤد ج۲۔ کتاب المناسك باب الطواف بعد العصر☆ نسائی ج۱ کتاب المواقیت، باب اباحة الصلوٰة فی الساعات کلها بمکة۔عن جبیربن مطعم۔ مسند احمد ج٤ص ۸۱ عن جبیر بن مطعم☆المعجم الکبیر للطبرانی ج۲ عن جبیر بن مطعم۔

(۲۲) بخاری ج۱ کتاب العلم باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب۔☆بخاری ابواب العمره ج۱ باب لایعضد شجر الحرم الخ کتاب الصید، کتاب المغازی وغیره۔☆مسلم ج۱ کتاب الحج باب تحریم مکة وتحریم صیدها وخلاها وشجرها ولقطتها الخ۔☆ابوداؤد کتاب المناسك ج۲باب تحریم حرم مکة۔ ☆ترمذی ج۱ابواب الحج باب ماجاء فی حرمة مکة۔☆ نسائی ج٥ کتاب الحج باب تحریم القتال فیه۔☆ ابنِ ماجه کتاب المناسك باب فضل مکة۔

(۲۳) بخاری ج۱ کتاب الجهاد باب اثم الغادر للبرّ وَالْفاجر۔☆ مسلم ج۱ کتاب الحج باب تحریم مکة الخ۔☆ نسائی ج٥ کتاب المناسك باب حرمة مکة۔☆ ابن ماجه کتاب المناسك باب فضل مکة۔☆ مجمع الزوائد ج۳۔ بخاری کے کتاب الجنائز باب الاذخر والحشیش فی القبر کے *ضمن میں حضرت ابن عباس کی روایت منقول ہے اس میں آخر میں* الا الاذخر لصاغتنا وقبورنا الخ ہے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی یہ روایت مندرجہ ذیل کتب میں بھی مذکور ہے۔

☆بخاری ج۱ کتاب البیوع، باب ماقیل فی الصُّوَّاغ۔ ☆ ابن ماجه کتاب المناسك باب فضل مکة۔ ☆مسند احمد ج۱ص۲۵۳۔۲۵۹۔۳۱۵۔۳۱٦۔ج۳ص۱۹۹۔ج٦ص۳۸۵۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج٥۔کتاب الحج باب لاینفر صید الحرم الخ۔☆مجمع الزوائد للهیثمی ج۳۔ کتاب الحج، باب فی حرمة مکة والنهی عن استحلالها عن ابن عباس وعن ابن عمر۔☆مصنف لابن ابی شیبة ج٤/۱۔کتاب الحج، باب فی حرمة البیت وتعظیمه عن ابن عباس۔

(۲٤) طحاوی ۔ کتاب البیوع باب بیع ارض مکة واجارتها۔

(۲٥) مصنف لابنِ ابی شیبة ج٤/۱ کتاب الحج، باب من کان یکره کراء بیوت مکة وما جاء فی ذلك۔ ☆ المستدرك للبیهقی ج۲کتاب البیوع **میں ہے** مکة حرام وحرام بیع رباعها وحرام اجر بیوتها۔

(۲٦) ابن ماجه کتاب المناسك باب ۱۰۲ اجر بیوتِ مکة۔

(۲۷) زاد المعادج۲ ماورد من الخلاف فی کراء بیوت مکة وبیعها۔☆المصنف ابن ابی شیبة ج٤/۱۔ کتاب الحج، باب فی بیع رباع مکة۔

(۲۸) طحاوی ج٤/۳کتاب البیوع باب بیع ارض مکة واجارتها۔

(۲۹) دارقطنی ج٤/۳ص٤٥ کتاب الْبیوع۔☆مجمع الزوائد ج۳ باب اجارة بیوت مکة۔ اسماعیل بن ابراهیم بن مهاجر وهو ضعیف۔ ☆المستدرك ج۲ کتاب البیوع باب مکة مناخ لاتباع رباعها ولاتؤاجر بیوتها۔

(۳۰) دار قطنی ٤/۳ کتاب البیوع مصنف ابن ابی شیبة ج٤/۱۔

(۳۱) مصنف ابن ابی شیبة ج٤/۱،کتاب الحج باب من کان یکره کراء بیوت مکة وَما جاء فی ذلك۔☆زادالمعاد

جز۲ص۱۹٤۔☆ السنن الکبریٰ ج٦ص۳٥۔ کتاب البیوع باب ماجاء فی بیع دور مکة و کرائها و جریان الارث فیها۔ عن عبداللّٰہ بن عمرو۔☆ تفسیر فتح القدیر للشوکانی ج۳ سورة الحج۔اس نے مکة مباحة لاتؤجر بیوتها والاتباع رباعها نقل کیا ہے۔

(۳۲) تفسیر ابن کثیرٍ سورۂ حج ج۳۔☆المصنف لعبد الرزاق ج٥۔☆زادالمعاد ج۲ص۱۹٤۔ماورد من الخلاف فی کراء بیوت مکة وبیعها۔☆ مصنف ابن ابی شَیْبَة ج٤/۱۔ کتاب الحج، باب من کان یکره کراء بیوت مکة الخ۔

(۳۳) المصنف لعبد الرزاق ج٥۔باب الکراء فی الحر وهل تبوب دور مکة والکراء بمنی۔☆نقله الحافظ مختصراً ۳:۲۹۱۔

(۳٤) المصنف لعبدالرزاق ج٥ باب الکرائك فی الحرم وهل تبوّبُ دور مکة والکراء بمنٰی۔ ☆ زاد المعاد جزء۲ ص۱۹٤۔

(۳٥) المصنف لعبد الرزاق ج٥ باب الکراء فی الحرم وهل تبوّب دورمکة والکراء بمنٰی۔

(۳٦) فتح الباری ج۳ص۲۹۱۔طحاوی ج٤/۳ مجلد ٤۔ باب بیع ارض مکة واجارتها۔

(۳۷) المصنف لعبدالرزاق ج٥ص۱٤۷۔۱٤۸۔

(۳۸) مسلم ج۲کتاب اللقطة۔ مطبوعه نور محمد اصح المطابع کراچی۔☆ ابوداؤد ج۲کتاب اللقطة۔ ☆دارمی کتاب البیوع باب فی النهی عن لقطة الحاج۔ ☆ مسند احمد ج۳ص٤۹۹۔

فصل دوم:

مناسک حج

تلبیہ

۱۲۔ لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ۔

''حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ یقیناً تعریف سب تیرے ہی لیے ہے۔نعمت سب تیری ہے۔اور ساری بادشاہی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

تشریح: احرام[1] باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں، جن کو وہ ہر نماز کے بعد، اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت اور ہر پستی کی طرف اُترتے وقت اور ہر قافلے سے ملتے وقت، اور ہر روز صبح نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے پکارتا ہے وہ یہی (کلمات) ہیں۔

یہ دراصل حج کی اس ندائے عام کا جواب ہے جو ساڑھے چار ہزار برس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے کی تھی۔ پینتالیس صدیاں گزر چکی ہیں۔ جب پہلے پہل اللہ کے اس مُنادی نے پکارا تھا کہ ''اللہ کے بندو! اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، خواہ پیدل آؤ، خواہ سواریوں پر آؤ'' جواب میں آج تک حرم پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہہ رہا ہے۔ ''میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں۔ تعریف تیرے لیے ہے۔نعمت تیری ہے، ملک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں۔'' اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خدا پرستی کی اس تحریک سے جڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ جاتا ہے۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا ادھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پکار رہے ہیں اور ادھر سے یہ جواب دے رہا ہے۔ جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ ہر چڑھاؤ اور ہر اتار پر اس کے کانوں میں اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے۔ ہر قافلہ اُسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اس کا پیام سن کر پکارتا ہے۔ ''میں حاضر، میں حاضر'' ہر نئی صبح اس کے لیے گویا پیغام دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی یہ لبیّك، اللّھم لبیّك کی صدا لگانے لگتا ہے۔ غرض یہ بار بار کی صدا احرام کے اُس فقیرانہ لباس، سفر کی اُس حالت، اور منزل بہ منزل کعبہ کے قریب تر ہوتے جانے کی اس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہے کہ حاجی

---

[1] اس کی نوعیت فصل کے آخر میں مناسک حج پر تفصیلی تبصرہ میں ملاحظہ ہو۔ (مرتب)

عشق الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس ایک یادِ دوست کے سوا'' آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا۔'' (خطبات، حج: احرام اور اس...)

تخریج⟨۱⟩ : حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوْسُفَ، قَالَ: اَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، اَنَّ تَلْبِيَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ: لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ۔(۱)

ابو داؤد میں اتنا اضافہ ہے:

⟨۲⟩ وَكَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يَزِيْدُ فِيْهَا لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ بِيَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ۔(۲)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر تلبیہ میں اتنا اضافہ بھی کرتے تھے، حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں، اور ہر بھلائی تیرے قبضۂ قدرت میں ہے، حاضر ہوں، عمل اور رغبت و دلچسپی تیری جانب سے ہے۔

نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت مندرجہ ذیل الفاظ سے نقل کی ہے:

⟨۳⟩ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فِی التَّلْبِيَةِ: لَبَّيْكَ اِلٰهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ۔(۳)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تلبیہ میں یہ الفاظ بھی پڑھتے تھے۔ حاضر ہوں اے الٰہ الحق حاضر ہوں۔

حضرت عائشہؓ سے مروی تلبیہ:

⟨۴⟩ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ : اِنِّیْ لَاَعْلَمُ كَيْفَ كَانَ النَّبِیُّ ﷺ يُلَبِّیْ: لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ۔(۴)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ نبی ﷺ کا تلبیہ کیسا تھا۔ آپؐ تلبیہ میں یوں فرمایا کرتے تھے۔'' حاضر ہوں اے اللہ! حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، یقیناً تعریف سب تیرے لیے ہے اور نعمت سب تیری ہے۔''

سعی بین الصفا والمروہ

۱۳۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ کے دلوں میں پہلے ہی سے سعی بین الصفا والمروہ کے بارے میں کراہت موجود تھی کیونکہ وہ منات کے معتقد تھے اور اساف و نائلہ کو نہیں مانتے تھے۔

تشریح : صَفَا اور مَرْوَہ مسجد حرام کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑنا منجملہ ان مناسک کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے حضرت ابراہیمؑ کو سکھائے تھے۔ بعد میں جب مکّے اور آس پاس کے تمام علاقوں میں مشرکانہ جاہلیت پھیل گئی تو صفا پر

''اساف'' اورمروہ پر''نائلہ'' کے استھان بنا لیے گئے اوران کے گردطواف ہونے لگا۔ پھر جب نبی ﷺ کے ذریعے سے اسلام کی روشنی اہلِ عرب تک پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال کھٹکنے لگا کہ آیا صفا اور مروہ کی سعی حج کے اصلی مناسک میں سے ہے یا محض زمانۂ شرک کی ایجاد ہے اور یہ کہ اس سعی سے کہیں ہم ایک مشرکانہ فعل کے مرتکب تو نہیں ہو جائیں گے۔

انہیں وجوہ سے ضروری ہوا کہ مسجد حرام کو قبلہ مقرر کرنے کے موقع پر ان غلط فہمیوں کو دور کر دیا جائے جو صفا اور مروہ کے بارے میں پائی جاتی تھیں اور لوگوں کو بتا دیا جائے کہ ان دونوں مقامات کے درمیان سعی کرنا حج کے اصلی مناسک میں سے ہے اور ان مقامات کا تقدس خدا کی جانب سے ہے نہ کہ اہلِ جاہلیت کی مَن گھڑت۔ (تفہیم القرآن ج۱، البقرۃ، حاشیہ:۱۵۸)

تخریج :حَدَّثَنَا اَبُوالْیَمَان، قَالَ: اَخْبَرَنَا شُعَیْبٌ عَنِ الزُّهْرِیِّ، قَالَ عُرْوَةُ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ فَقُلْتُ لَهَا اَرَاَیْتِ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِاعْتَمَر فَلَاجُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا۔ فَوَاللّٰهِ مَاعَلٰی اَحَدٍ جُنَاحٌ اَنْ لَّایَطُوَّفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ قَالَتْ: بِئْسَمَا قُلْتَ یَا ابْنَ اَخِیْ اِنَّ هٰذِهٖ لَوْکَانَتْ کَمَا اَوَّلْتَهَا عَلَیْهِ کَانَتْ لَاجُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ لَّایَطَّوَّفَ بِهِمَا وَلٰکِنَّهَا اُنْزِلَتْ فِی الْاَنْصَارِ کَانُوْا قَبْلَ اَنْ یُّسْلِمُوا یُهِلُّوْنَ لِمَنَاةِ الطَّاغِیَةِ الَّتِیْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَهَا عِنْدَ الْمُشَلَّلِ فَکَانَ مَنْ اَهَلَّ یَتَحَرَّجُ اَنْ یَّطُوْفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَمَّا اَسْلَمُوْا سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ قَالُوْا:یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا کُنَّانَتَحَرَّجُ اَنْ نَّطُوْفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ الْآیَة۔ قَالَتْ عَائِشَةُ : وَقَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ الطَّوَافَ بَیْنَهُمَا فَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتْرُكَ الطَّوَافَ بَیْنَهُمَا ثُمَّ اَخْبَرْتُ اَبَابَکْرِ بْنَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ: اِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ مَا کُنْتُ سَمِعْتُهٗ وَلَقَدْ سَمِعْتُ رِجَالًا مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ یَذْکُرُوْنَ اَنَّ النَّاسَ اِلَّا مَنْ ذَکَرَتْ عَائِشَةُ مِمَّنْ کَانَ یُهِلُّ لِمَنَاةِ کَانُوْا یَطُوْفُوْنَ کُلُّهُمْ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ۔ فَلَمَّا ذَکَرَ اللّٰهُ الطَّوَافَ بِالْبَیْتِ وَلَمْ یَذْکُرِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فِی الْقُرْآنِ قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کُنَّا نَطُوْفُ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی اَنْزَلَ الطَّوَافَ بِالْبَیْتِ فَلَمْ یَذْکُرِ الصَّفَا، فَهَلْ عَلَیْنَا مِنْ حَرَجٍ اَنْ نَّطُوْفَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ الْآیَة۔

قَالَ اَبُوْبَکْرٍ: فَاسْمَعْ هٰذِهِ الْآیَةَ نَزَلَتْ فِی الْفَرِیْقَیْنِ کِلَیْهِمَا فِی الَّذِیْنَ کَانُوْا یَتَحَرَّجُوْنَ اَنْ یَّطُوْفُوْا فِی الْجَاهِلِیَّةِ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَالَّذِیْنَ یَطُوْفُوْنَ ثُمَّ تَحَرَّجُوْا اَنْ یَّطُوْفُوْا بِهِمَا فِی الْاِسْلَامِ مِنْ اَجْلِ اَنَّ اللّٰهَ اَمَرَ بِالطَّوَافِ بِالْبَیْتِ وَلَمْ یَذْکُرِ الصَّفَا حَتّٰی ذَکَرَ ذٰلِكَ بَعْدَ مَاذَکَرَ الطَّوَافَ بِالْبَیْتِ۔(۵)

ترجمہ :حضرت عروہؓ نے بتایا کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا (اے اُمّ المومنین) اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ کے بارے میں آپ کی معلومات کیا ہیں؟ خدا کی قسم، کسی فرد پر بھی کوئی گناہ نہیں اس بات پر کہ وہ صفا اور مروہ کا اگر

طواف نہ کرے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ بھتیجے تو نے کیسی نامناسب بات کہی ہے۔ تمہاری تاویل کے مطابق تو اس آیت کو یوں ہونا چاہیے۔ لَاجُنَاحَ عَلَیۡهِ اَنۡ لَّا یَطَّوَّفَ بِهِمَا حالانکہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام میں داخل ہونے سے پہلے منات کے طاغوت کا تلبیہ پڑھتے تھے۔ مشلّل کے مقام پر جس کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔ پس اب جس نے تلبیہ کہا تو اس نے صفا اور مروہ کے درمیان طواف کو گناہ تصور کیا۔ جب یہ مسلمان ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا کہ یا رسول اللہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف کو ہم گناہ سمجھتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ نازل فرمائی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان طواف کو مسنون قرار دیا لہٰذا اب کسی کو بھی یہ طواف چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے اسی دوران میں ابوبکر بن عبدالرحمٰن کو میں نے بتا دیا تو وہ کہنے لگے یہ تو ایسی معلومات ہیں جو میں نے پہلے نہیں سنی ہیں۔ میں نے تو اہلِ علم حضرات سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کے بیان کردہ حضرات کے علاوہ ایسے لوگ بھی تھے جو منات کا تلبیہ پڑھتے تھے مگر سبھی صفا اور مروہ کا طواف بھی کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا اور صفا اور مروہ کا ذکر نہ کیا تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو صفا اور مروہ کا طواف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے صرف بیت اللہ کے طواف کا ذکر فرمایا ہے۔ صفا اور مروہ کا ذکر نہیں کیا۔ تو کیا صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی مضائقہ یا گناہ تو ہم پر نہیں ہے۔ اس موقع پر اِنَّ الصَّفَا وَالۡمَرۡوَةَ مِنۡ شَعَآئِرِ اللّٰهِ آیت نازل فرمائی۔

اور ابوبکر نے بیان کیا، میں سنتا ہوں کہ یہ آیت ان دو فریقوں کے متعلق نازل ہوئی جو جاہلیت کے دور میں صفا اور مروہ کے طواف کو گناہ سمجھتے تھے اور ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے اسلام میں آنے کے بعد صفا اور مروہ دونوں کے طواف کو گناہ تصور کیا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے طواف کا ذکر کیا اور صفا کا ذکر نہیں کیا۔ حتّٰی کہ خانہ کعبہ کے طواف کے بعد اس کے طواف کا بھی ذکر کیا۔

منٰی، مُزدلفہ اور وادی محسر

۱۴۔ (صحیح مسلم اور ابوداؤد کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کا جو قصہ امام جعفر صادق نے اپنے والد ماجد امام محمد باقر سے اور انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے اس میں وہ بیان فرماتے ہیں کہ) رسول اللہ ﷺ جب مزدلفہ سے منی کی طرف چلے تو محسّر کی وادی میں آپؐ نے رفتار تیز کر دی۔

_____ مؤطا میں امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''مزدلفہ پورے کا پورا ٹھہرنے کا مقام ہے، مگر محسّر کی وادی میں نہ ٹھہرا جائے۔''

_____ حضرت اُمِّ ہانیؓ اور حضرت زُبَیر بن العَوام کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (واقعہ فیل کے بعد) فرمایا کہ قریش نے ۱۰ سال (اور بروایت بعض سات سال) تک اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی۔

یہ سب احادیث اس واقعہ سے متعلق ہیں جو سورۃ الفیل میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

مندرجہ بالا پہلی حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اصحاب الفیل کا واقعہ محسّر کی وادی میں پیش آیا تھا اس لیے سنت یہی ہے کہ آدمی یہاں سے جلدی گزر جائے۔

اُمّ ہانی کی روایت امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی، حاکم، ابن مَردُویَہ اور بیہقی نے اپنی کتب حدیث میں نقل کی ہے۔ حضرت زبیرؓ کا بیان طبرانی اور ابن مردویہ اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کی تائید مزید حضرت سعید بن المُسَیَّب کی اس مُرسل روایت سے ہوتی ہے جو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں درج کی ہے۔

تخریج 〈۱〉: حَدَّثَنَا هِشَامُ ابْنُ عَمَّارٍ۔ ثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْعُمَرِیُّ۔ ثَنَامُحَمَّدُ بْنُ الْمُنْكَدِرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ، وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ عَرَفَةَ، وَكُلُّ الْمُزْدَلِفَةِ مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ وَكُلُّ مِنیً مَنْحَرٌ اِلَّامَاوَرَاءَ الْعَقَبَةَ۔(٦)

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عرفہ پورے کا پورا ٹھہرنے کا مقام ہے مگر بطن عَرَفہ میں نہ ٹھہرو۔ پورے کا پورا مزدلفہ ٹھہرنے کا مقام ہے مگر مُحَسّر کی وادی میں نہ ٹھہرو۔ پورے کا پورا منٰی قربان گاہ ہے ماسوا عقبہ کے اوپر کے علاقہ کے۔

〈۲〉 عَنْ عَلِیٍّ، قَالَ: وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَفَةَ فَقَالَ هٰذَا الْمَوْقِفُ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔(٧)

ترجمہ : حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرفہ میں قیام فرمایا اور فرمایا کہ یہ ٹھہرنے کی جگہ ہے اور عرفہ پورے کا پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

مؤطا امام مالک میں ہے:

〈۳〉 عَنْ مَالِكٍ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ عُرَنَةَ وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ وَارْتَفِعُوْا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ۔(٨)

ترجمہ : امام مالکؒ سے مروی ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: عرفہ پورے کا پورا ٹھہرنے کا مقام ہے۔ البتہ عرفہ کی وادی میں نہ ٹھہرو۔ اور مزدلفہ بھی سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ البتہ مُحَسّر کی وادی میں نہ ٹھہرو۔

〈۴〉 عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كُلُّ عَرَفَةَ مَوْقِفٌ وَكُلُّ مُزْدَلِفَةَ مَوْقِفٌ، وَمِنٰی كُلُّهَا مَنْحَرٌ وَكُلُّ فِجَاجِ مَكَّةَ طَرِيْقٌ وَمَنْحَرٌ۔(٩)

ترجمہ : حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ پورے کا پورا عرفہ ٹھہرنے کا مقام ہے اور سارے کا سارا مزدلفہ جائے قیام ہے اور منی پورے کا پورا قربان گاہ ہے اور مکہ کی تمام گلیاں حجاج کی آمد و رفت کا راستہ ہیں اور قربان گاہ ہیں۔

〈۵〉 اَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: عَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔(١٠)

〈۶〉 عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ: وَقَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِعَرَفَةَ فَقَالَ: هٰذِهٖ عَرَفَةُ وَهُوَ الْمَوْقُوْفُ وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ۔(١١)

ترجمہ : حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقام عرفہ میں قیام فرمایا، اور ارشاد فرمایا۔ یہ عرفہ ہے اور سارے کا سارا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

〈۷〉 حَدَّثَنَا عُمَرُ بُنُ حَفُصِ بُن غِيَاثٍ، حَدَّثَنَا اَبِیُ عَنُ جَعُفَرٍ، حَدَّثَنِیُ اَبِی عَنُ جَابِرٍ فِی حَدِیثِهٖ ذٰلِكَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: نَحَرتُ هٰهُنَا وَمِنٰى كُلُّهَا مَنُحَرٌ فَانُحَرُوُا فِی رِحَالِكُمُ۔ وَوَقَفُتُ هٰهُنَا وَعَرَفَةُ كُلُّهَا مَوُقِفٌ وَوَقَفُتُ هٰهُنَا وَجَمُعٌ كُلُّهَا مَوُقِفٌ۔(۱۲)

ترجمہ: حضرت جابرؓ اپنی روایت کردہ حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہاں قربانی کی ہے اور سارا منٰی قربان گاہ ہے۔ اپنی اپنی قیام گاہوں میں قربانی کرلو اور میں نے یہاں قیام کیا ہے اور عرفہ سارے کا سارا موقف (ٹھہرنے کی جگہ) ہے اور میں یہاں ٹھہرا ہوں مزدلفہ سارے کا سارا موقف ہے۔

مااخرج البخاری فی تاریخه والطبرانی والحاکم وصحه وابن مردویه والبیهقی فی الخلافیات:

〈۸〉 عَنُ اُمِّ هَانِیءٍ بِنُتِ اَبِیُ طَالِبٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فَضَّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى قُرَيُشًا بِسَبُعِ خِصَالٍ لَمُ يُعُطَهَا اَحَدٌ قَبُلَهُمُ وَلَايُعُطَاهَا اَحَدٌ بَعُدَهُمُ اِنِّی فِيُهِمُ وَفِی لَفُظٍ اَلنُّبُوَّةُ فِيُهِمُ وَالُخِلَافَةُ فِيُهِمُ وَالُحِجَابَةُ فِيُهِمُ وَالسِّقَايَةُ فِيُهِمُ وَنُصِرُوُا عَلَى الُفِيُلِ وَعَبَدُوا اللّٰهَ تَعَالٰى سَبُعَ سِنِيُنَ وَفِی لَفُظٍ عَشُرَ سِنِيُنَ لَمُ يَعُبُدُهُ سُبُحَانَهٗ اَحَدٌ غَيُرَهُمُ وَنَزَلَتُ فِيُهِمُ سُورَةٌ مِنَ الُقُرُاٰنِ لَمُ يُذُكَرُ فِيُهَا اَحَدٌ غَيُرَهُمُ لِاِيُلٰفِ قُرَيُشٍ۔

وَجَآءَ نَحُوَهٰذَا الُاَخِيُرِ فِی خَبُرَيُنِ آخَرَيُنِ اَحَدُهُمَا عَنِ الزُّبَيُرِ بُنِ الُعَوَّامِ يَرُفَعُهٗ وَالثَّانِیُ عَنُ سَعِيُدِ بُنِ الُمُسَيَّبِ عَنُهُ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيُهِ الخ۔(۱۳)

ترجمہ: حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات اوصاف سے فضیلت دی ہے نہ ان سے پہلے کسی کو یہ فضیلت دی گئی ہے اور نہ ان کے بعد۔ ایک تو یہ کہ: میں قریش میں سے ہوں، روایت کے الفاظ نبوت ان میں سے ہے اور خلافت بھی انہیں میں، دربانی اور سقائی کا منصب بھی انہی کے پاس ہے۔ ہاتھی والوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کی گئی اور انہوں نے سات یا دس سال تک خالص اللہ سبحانہ کی عبادت کی کسی دوسرے نے (الٰہ واحد کی خالص عبادت اتنی مدّت تک) نہ کی۔ قرآن پاک میں ایک ایسی سورت نازل ہوئی جس میں صرف انہی کا نام ہے کسی دوسرے کا نہیں۔

اور اس روایت کا آخری حصہ دوسری دو روایات میں بھی آیا ہے۔ ان میں سے ایک زبیر بن عوام کے واسطہ سے جسے وہ مرفوع بیان کرتے ہیں اور دوسری سعید ابن المسیّب کے حوالہ سے، انہوں نے نبی ﷺ سے۔

——— ام ہانیؓ کی روایت امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی خلافیات میں صحیح قرار دیا ہے۔

قَالَ الُبَيُهَقِیُّ فِی كِتَابِ الُخِلَافِيَاتِ:

〈۹〉 حَدَّثَنَا اَبُوعَبُدِاللّٰهِ الُحَافِظُ۔ حَدَّثَنَا بَكُرُ بُنُ مُحَمَّدِ بُنِ حَمُدَانَ الصَّيُرَ فِیُّ بِمَرُوٍ، حَدَّثَنَا

اَحْمَدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الْمَدِينِيُّ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ، حَدَّثَنَا اِبْرَاهِيمُ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ ثَابِتِ بْنِ شُرَحْبِيلَ، حَدَّثَنِي عُثْمَانُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِي عُبَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ جَعْدَةَ بْنِ هُبَيْرَةَ عَنْ اَبِيهِ، عَنْ جَدَّتِهِ اُمِّ هَانِيءٍ بِنْتِ اَبِي طَالِبٍ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: فَضَّلَ اللّٰهُ قُرَيْشًا بِسَبْعِ خِلَالٍ اِنِّي مِنْهُمْ وَاِنَّ النُّبُوَّةَ فِيهِمْ وَالْحِجَابَةَ وَالسِّقَايَةَ فِيهِمْ وَاِنَّ اللّٰهَ نَصَرَهُمْ عَلَى الْفِيلِ۔ وَاِنَّهُمْ عَبَدُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عَشَرَ سِنِينَ لَايَعْبُدُهُ غَيْرُهُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ فِيهِمْ سُورَةَ الْقُرآنِ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ، اِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ۔(١٤)

هذا حديث صحيح الاسنادِ وَلَم يخرجاه۔

ترجمہ: حضرت ام ہانی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش کو اللہ تعالیٰ نے سات امتیازات سے فضیلت دی ہے، ایک تو یہ کہ میں ان میں سے ہوں اور دوسرا یہ کہ نبوت ان میں ہے۔ حجابہ اور سقایہ کے مناصب ان کے پاس ہیں۔ اللہ عزّ وجل نے اصحاب فیل کے مقابلہ میں ان کی مدد فرمائی تھی اور انہوں نے دس سال صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی جب کہ ان کے علاوہ کسی اور نے ایسا نہیں کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے نام کی ایک سورہ نازل فرمائی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ پڑھ کر سورۂ قریش یعنی لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ، اِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ آخر تک تلاوت فرمائی۔

رمیٔ جمار

جمرات دراصل اس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہے جو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے سال عین حج کے موقع پر اللہ کے گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں مار مار کر تباہ کر دیا تھا[1]

قبل از وقت بربنائے عذر احرام کھولنے کا فدیہ

۱۵۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس صورت میں (جب سر میں تکلیف ہو اور حج کے موقع پر سر منڈوانا ضروری ہو جائے، تو فدیہ کے طور پر) تین دن کے روزے رکھنے، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانے یا کم از کم ایک بکری ذبح کرنے کا حکم دیا۔ (تفہیم القرآن ج۱، البقرۃ، حاشیہ:۲۱۱)

تخریج(۱): عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰهُ وَقَمْلُهُ يَسْقُطُ عَلَى وَجْهِهِ فَقَالَ: اَيُؤْذِيكَ هَوَامُّكَ؟ قَالَ: نَعَمْ فَاَمَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يَّحْلِقَ وَهُوَ بِالْحُدَيْبِيَةِ لَمْ يُبَيِّنْ لَهُمْ اَنَّهُمْ

---

[1] عام طور پر مشہور یہ ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو پیش آیا تھا۔ یعنی حضرت اسماعیلؑ کی قربانی دیتے وقت شیطان نے آکر آپ کو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں، یا جب حضرت اسماعیلؑ کے فدیہ میں مینڈھا آپ کو قربانی کے لیے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اس کو آپ نے کنکریاں ماری تھیں۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔ (خطبات: ص ۲۸۹)

يَحِلُّونَ بِهَا وَهُمْ عَلٰى طَمَعٍ اَنْ يَّدْخُلُوا مَكَّةَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ الْفِدْيَةَ فَاَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّطْعِمَ فَرَقًا بَيْنَ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ اَوْيُهْدِيَ شَاةً اَوْيَصُوْمَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ۔(١٥)

ترجمہ: حضرت کعبؓ بن عجرہ سے روایت ہے کہ ان پر رسول اللہ ﷺ کی نظر ایسی حالت میں پڑی کہ ان کے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا تیری جوؤں نے تجھے مبتلائے اذیت کر رکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں (یارسولؐ اللہ) آپؐ نے انہیں سرمنڈانے کی اجازت دے دی۔ اس وقت آپؐ مقام حدیبیہ پر تھے۔ آپؐ نے صحابہ کے روبرو یہ ارادہ واضح نہیں فرمایا تھا کہ وہ حدیبیہ کے مقام پر فروکش ہونے والے ہیں وہ تو اس امید پر تھے کہ مکہ میں داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت کے لیے فدیہ کا حکم نازل فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ایک فرق طعام چھ مساکین کو کھلا دے یا ایک بکری قربان کرے یا پھر تین دن کے روزے رکھے۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا آدَمُ قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ۔عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ الْاَصْبَهَانِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَعْقِلٍ قَالَ: قَعَدْتُّ اِلٰى كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ فِيْ هٰذَا الْمَسْجِدِ يَعْنِيْ مَسْجِدَ الْكُوْفَةِ فَسَاَلْتُهٗ عَنْ فِدْيَةٍ مِنْ صِيَامٍ، فَقَالَ: حُمِلْتُ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَالْقَمْلُ يَتَنَاثَرُ عَلٰى وَجْهِيْ، فَقَالَ: مَاكُنْتُ اُرٰى اَنَّ الْجَهْدَ بَلَغَ بِكَ هٰذَا، مَاتَجِدُ شَاةً؟ قُلْتُ :لَا، قَالَ: صُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوْاَطْعِمْ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ نِصْفُ صَاعٍ مِنْ طَعَامٍ، وَاحْلِقْ رَاْسَكَ فَنَزَلَتْ فِيَّ خَاصَّةً وَهِيَ لَكُمْ عَامَّةً۔(١٦)

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن اصبہانی کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن مَعقِل سے سنا وہ بتا رہے تھے کہ کوفہ کی مسجد میں، میں کعب بن عجرہ کے پاس بیٹھا اور روزوں سے فدیہ کے بارے میں ان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے اٹھا کر نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لے جایا گیا اس حال میں کہ میرے چہرے پر میرے سر کی جوئیں گر رہی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا: جوصورتِ حال میں دیکھ رہا ہوں اس سے تو معلوم ہوتا ہے تمہیں اس نے بہت تکلیف میں مبتلا کر رکھا ہے کیا تمہارے پاس ایک بکری نہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: تین دن کے روزے رکھ لو یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دو۔ ہر مسکین کو نصف صاع کھانا دینا ہوگا اور اپنا سر منڈ والو۔ یہ آیت میرے بارے میں تو خاص طور پر نازل ہوئی اور عمومی طور پر تم سب لوگ اس میں شامل ہو۔

﴿۳﴾ كَعْبُ ابْنُ عُجْرَةَ،اَنَّهٗ خَرَجَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُحْرِمًا فَقَمِلَ رَاْسُهٗ وَلِحْيَتُهٗ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَدَعَا الْحَلَّاقَ فَحَلَقَ رَاْسَهٗ۔ ثُمَّ قَالَ هَلْ عِنْدَكَ نُسُكٌ قَالَ:مَااَقْدِرُ عَلَيْهِ فَاَمَرَهٗ اَنْ يَّصُوْمَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اَوْيُطْعِمَ سِتَّةَ مَسَاكِيْنَ لِكُلِّ مِسْكِيْنٍ صَاعٌ۔ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهِ خَاصَّةً فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِنْ رَاْسِهٖ ثُمَّ كَانَتْ لِلْمُسْلِمِيْنَ عَامَّةً۔(١٧)

ترجمہ: حضرت کعب بن عُجرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مُحرِم کی حالت میں نبی ﷺ کی رفاقت میں نکلے سر اور ڈاڑھی میں جوئیں پڑ گئیں۔ نبی ﷺ کے علم میں یہ صورتِ حال آئی تو آپؐ نے انہیں بلوا بھیجا اور نائی بلوا کر ان کا سر منڈ وا دیا۔ پھر

دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس قربانی کا جانور ہے؟ انہوں نے کہا مجھ میں تو اتنی بساط نہیں۔ تو پھر آپؐ نے تین دن کے روزے رکھنے کا حکم دیا یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ ہر مسکین کو آدھا صاع دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ سے متعلق خاص طور پر اور پھر عام مسلمانوں کے لیے عمومی طور پر یہ حکم نازل فرمایا کہ جو تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (تو اس کے لیے یہ رعایت ہے)۔

〈۴〉 حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِی عُمَرَ، نَاسُفُیَانُ بْنُ عُیَیْنَةَ، عَنْ اَیُّوبَ وَابْنُ اَبِی نَجِیحٍ وَحُمَیْدُ الْاَعْرَجُ وَعَبْدُالْکَرِیمِ عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِی لَیْلٰی۔ عَنْ کَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ بِهٖ وَهُوَ بِالْحُدَیْبِیَّةِ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ مَکَّةَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَهُوَ یُوقِدُ تَحْتَ قِدْرٍ وَالْقَمْلُ یَتَهَافَتُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَقَالَ: أَتُؤْذِیكَ هَوَآمُّكَ هٰذِهٖ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ اِحْلِقْ وَاطْعِمْ فَرَقًا بَیْنَ سِتَّةِ مَسَاکِیْنَ وَالْفَرَقُ ثَلَاثَةُ اَصْعٍ اَوْصُمْ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ اَوْاَنْسُكْ نَسِیکَةً قَالَ ابْنُ اَبِی نَجِیحٍ: اَوِاذْبَحْ شَاةً۔(۱۸)

ترجمہ : حضرت کعب بن عُجرہ کا بیان ہے ابھی ہم مکہ میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ حالت احرام میں، حدیبیہ کے مقام پر ہنڈیا کے نیچے آگ جلا رہا تھا کہ ادھر سے نبی ﷺ کا گزر ہوا۔ آپؐ دیکھتے ہیں کہ جوئیں میرے چہرے پر بے تحاشا گر رہی ہیں۔ فرمایا ان جوؤں نے تمہیں اذیت ناک صورت سے دوچار کر رکھا ہے؟ عرض کیا ہاں (یا رسولؐ اللہ) ارشاد فرمایا سر منڈوالو اور ایک فرق طعام چھ مساکین کو کھلادو (فرق تین صاع کا ہوتا تھا) یا پھر تین دن کے روزے رکھو یا ایک قربانی کا جانور ذبح کرو۔ ابن ابی نجیح کی روایت میں ہے یا ایک بکری ذبح کرو۔

قال ابوعیسیٰ، هذا حدیث حسن صحیح۔ والعمل علی هذا عنداهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم۔ ان المحرم اذا حلق اولبس من اللباس مالا ینبغی له ان یلبس فی احرامه او تطیب فعلیه الکفارة بمثل ماروی عن النبی ﷺ۔

مناسکِ حج پر تفصیلی تبصرہ

ہر عبادت کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر سے مراد وہ عملی شکل ہے جو کسی عبادت کو ادا کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہے اور باطن سے مراد وہ معنی ہیں جو اس عملی شکل میں مُضمَر ہوتے ہیں اور جن کے اظہار کی خاطر عمل کی وہ شکل مقرر کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر نماز کا ظاہر یہ ہے کہ آدمی قبلہ رُخ کھڑا ہو، رکوع کرے، سجدہ کرے، بیٹھے اور وہ اذکار زبان سے ادا کرے جو اس عبادت کے لیے مقرر ہیں۔ ان ظاہری افعال سے نماز کی جو شکل قائم کی جاتی ہے اس سے مقصود دراصل اس معنی کا اظہار ہے کہ بندہ اپنے رب کے حضور بندگی کا اعتراف کرنے کے لیے حاضر ہوا ہے، اس کے مقابلے میں اپنی انانیت سے دستبردار ہو رہا ہے۔ اس کی بڑائی اور اپنی عاجزی تسلیم کر رہا ہے اور اس کے آگے اپنے وہ معروضات پیش کر رہا ہے جو اس کی زبان سے ادا ہو رہے ہیں۔ اب دیکھیے جو شخص نماز کی ظاہری شکل کو ٹھیک ٹھیک احکام وہدایات کے مطابق قائم کردے وہ بلاشبہ ادائے نماز کی قانونی شرائط پوری کر دیتا ہے۔ اس کے متعلق آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے نماز نہیں پڑھی، یا اس کے ذمے

فرض باقی رہ گیا۔لیکن آپ غور کریں گے تو خود محسوس کریں گے کہ نماز کا پورا پورا فائدہ وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو نماز کے اعمال میں سے ہر عمل کرتے وقت اس کی روح کو بھی نگاہ میں رکھے،اور نماز کے اذکار میں سے ہر ذکر کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اس کے معنی کی طرف بھی متوجہ رہے۔

ایسا ہی معاملہ حج کا ہے۔اس کو ادا کرنے کا جو طریقہ مقرر کیا گیا ہے اس پر آپ خواہ سمجھ کر عمل کریں یا بے سمجھے بوجھے، بہر حال جب آپ شارع کے مقرر کردہ مناسک ادا کردیں گے تو حج ادا ہو جائے گا،اور فرض سے یقیناً آپ سبکدوش ہو جائیں گے۔لیکن حج کی اس ظاہری شکل کے ہر ہر جز میں جو معنی پوشیدہ ہیں ان کو بھی اگر آپ اچھی طرح سمجھ لیں اور حج کے اعمال انجام دیتے وقت ہر عمل کی غرض وغایت کی طرف بھی متوجہ ہوں تو اس سے مقصدِ حج کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ حج کے فوائد سے پوری طرح متمتع ہوں گے۔اسی غرض کے لیے میں آپ کے سامنے حج کے اعمال میں سے ایک ایک عمل کے معنی سیدھے سادے اور مختصر طریقے سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

احرام

اعمالِ حج میں سب سے پہلا عمل احرام ہے۔باہر سے آنے والا کوئی حاجی میقات سے اُس وقت تک نہیں گزر سکتا جب تک وہ اپنا لباس اتار کر احرام نہ باندھ لے اور اسی طرح مکہ معظمہ سے حج کی نیت کرنے والے کو بھی سب سے پہلے لباس تبدیل کر کے احرام باندھنا ہوتا ہے۔یہ ایک انتہائی فقیرانہ لباس ہے جس میں آدمی بس ایک تہمد باندھ لیتا ہے، ایک چادر کندھوں پر ڈال لیتا ہے،اور سر ننگا رکھتا ہے۔یہ اس عمل کی ظاہری صورت ہے، مگر غور سے دیکھیے کہ اس ذرا سے فعل میں کتنے گہرے معنی پوشیدہ ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ حج شروع کرنے سے پہلے ہمارے وہ سارے لفافے اتروا دینا چاہتا ہے جو ہم نے اپنے اوپر ڈال رکھے ہیں،جن کے اندر ہم میں سے ہر ایک نے اپنے آپ کو اپنی اصل حقیقت سے کچھ نہ کچھ زائد بنا رکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تم بندے ہو اور بندے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو۔لہذا میرے دربار میں حاضر ہونا چاہتے ہو تو صرف بندے بن کر آؤ۔تم کہیں کے بادشاہ یا صدر مملکت ہو تو ہوا کرو۔کوئی جنرل ہو، وزیر ہو، رئیس ہو، یا جو کچھ بھی ہو، ہوتے رہو۔میرے حضور میں تمھیں یہ ساری حیثیتیں ختم کر کے صرف ایک بندے کی حیثیت سے آنا ہوگا۔اس طرح احرام کا یہ لباس ہر انسان کو بندگی کے مقام پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے،اُس کی ہر شانِ امتیاز مٹا دیتا ہے،اور ایک بڑے سے بڑے شخص کو بھی ایک ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی سطح پر لے آتا ہے۔آپ حالتِ احرام میں حاجیوں کے کسی مجمع پر نگاہ ڈال کر دیکھیں تو آپ کو کسی طرح یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ ان میں کون اونچا اور کون نیچا ہے،کون امیر اور کون غریب ہے،کون حاکم اور کون محکوم ہے اللہ کے دربار میں سب ایک ہی طرح کے فقیر نظر آئیں گے۔

اونچ نیچ برابر کرنے کے ساتھ یہ احرام مسلمانوں کے درمیان تمام قومی، نسلی اور وطنی امتیازات بھی ختم کر دیتا ہے۔ اسلام کے ماننے والے دنیا کے ہر حصے سے چل کر آتے ہیں۔مشرق، مغرب، شمال، جنوب، ہر طرف سے ملک ملک کے لوگ طرح طرح کے لباس پہنے ہوئے اپنے گھروں سے چلتے ہیں۔مگر جونہی کہ وہ مرکزِ اسلام سے ایک خاص فاصلے پر پہنچتے ہیں،

ان کو یکایک میقات کی سرحد پر روک کر ان کے تمام قومی لباس اُتروا دیے جاتے ہیں اور سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا جاتا ہے تاکہ خداوند عالم کے دربار میں جب وہ حاضر ہوں تو انسان اور مسلمان کے سوا اور کچھ نہ ہوں۔ مسلمانوں کے اندر ملّتِ واحدہ ہونے کا احساس پیدا کرنے کی اس سے زیادہ کارگر تدبیر شاید ہی کوئی دوسری ہو سکے۔ آپ کے سامنے لاکھوں حاجیوں کا ایک سیلِ رواں ہوتا ہے جس میں سینکڑوں قومیتوں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ گزر رہے ہوتے ہیں۔ مگر یہ اِحرام کی برکت ہے کہ ہر دیکھنے والی نگاہ ان کو ایک ملت اور ایک ہی قوم کی حیثیت سے دیکھتی ہے اور ان کے سارے وطنی و نسلی امتیازات دب کر رہ جاتے ہیں۔

پھر یہ احرام آدمی کو حیوانیت سے دُور اور ملائکہ کے مقام سے قریب کر دیتا ہے۔ اس حالت میں وہ کوئی جوں تک نہیں مار سکتا، کوئی بال تک نہیں اکھاڑ سکتا۔ کسی جانور کا شکار خود کرنا تو در کنار دوسرے کو کسی قسم کی مدد بھی شکار میں نہیں دے سکتا۔ اپنے جسم کی زینت و آرایش بھی اس کے لیے جائز نہیں رہتی۔ اس کی اپنی بیوی بھی اس کے لیے حرام ہو جاتی ہے جو عام حالات میں اس کے لیے حلال ہے۔ حتّٰی کہ وہ اس کی طرف کسی شہوانی میلان تک کا اظہار نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے فحش گوئی، بدکلامی، لڑائی جھگڑا، سب کچھ ممنوع ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اپنے خادم کو بھی ڈانٹنے کا مجاز نہیں رہتا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ احرام باندھتے ہی وہ اللہ کا فقیر بن گیا اور اس نے تمام خواہشاتِ نفس کو تیاگ دیا۔ اب دنیا کی ہر چیز کو اس کی طرف سے امن وسلامتی کا پیغام ہے۔ اب کسی کو اس سے ضرر کا اندیشہ نہیں۔ اب وہ کسی کے لیے بھی جبار و قہار اور ظالم نہیں رہا۔ اب وہ دنیا کی لذّتوں سے کنارہ کش ہونے اور کبریائی کا ہر شائبہ اپنے نفس سے نکال دینے کے بعد بس ایک بندۂ عاجز ہے جو اپنے خدا کے حضور اپنی نیازمندی پیش کرنے کے لیے جا رہا ہے۔

حضرات! یہ ہے احرام کی اصل روح۔ آپ جب غسل یا وضو کر کے احرام باندھتے ہیں اور ان قواعد کی پابندی کرتے ہیں جو حالتِ احرام کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، تو اس سے عمل کی صرف ظاہری شکل قائم ہوتی ہے۔ یہ شکل بناتے ہوئے اگر آپ کا ذہن اس تصور سے خالی ہو کہ یہ شکل آپ نے کیوں بنائی ہے تو یہ گویا ایک جسم ہوگا جس میں جان نہ ہو۔ جان اس میں اسی وقت پڑے گی جب آپ پورے شعور اور ارادے کے ساتھ اپنے اندر وہ باطنی کیفیات بھی پیدا کر لیں جو درحقیقت احرام سے مقصود ہیں۔ قانون کی نگاہ میں تو ہر شخص مُحرِم ہے جس نے احرام کی پابندیوں میں سے کسی کو نہ توڑا ہو۔ مگر خدا کی نگاہ میں اصل مُحرِم وہی ہے جو احرام باندھتے ہی فی الواقع ایک فقیر اور ایک بندۂ عاجز بن کر رہ گیا ہو، جس نے اپنے دماغ سے کبریائی کی ہوا نکال دی ہو، جس نے قومی و نسلی تعصُّبات کو بھی اپنے ذہن سے نکال باہر کیا ہو، جو خلقِ خدا کے لیے سراپا رحم اور خیرِ مجسم بن گیا ہو، اور جس نے حیاتِ دنیا کی زینتوں سے منہ موڑ کر کم از کم یہ چند دن تو صرف اپنے رب سے لو لگانے کے لیے خاص کر لیے ہوں۔

تلبیہ کے الفاظ

احرام باندھنے کے بعد آپ تلبیہ شروع کر دیتے ہیں جس کے الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

''میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں یقیناً ساری تعریف تیرے ہی لیے ہے، سارے احسانات تیرے ہی ہیں، بادشاہی سراسر تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔''

ان الفاظ پر غور کیجیے۔ ان کے اندر خود یہ معنی پوشیدہ ہیں کہ غلام کو اس کے آقا نے طلب کیا ہے اور غلام اس کے جواب میں لبیک لبیک کہتا ہوا اور اپنے مالک کی تعریف کے گن گاتا ہوا دوڑا چلا جارہا ہے بیت اللہ کی طرف طلبی ہوئی، اس نے عرض کیا میں حاضر، عرفات بلایا گیا، اس نے کہا میں حاضر، مزدلفہ طلب کیا گیا، اس نے کہا میں حاضر، منیٰ طلب کیا گیا اس نے کہا میں حاضر، اس ساری دَوڑ دھوپ کے دَوران میں یہ الفاظ آپ زبان سے کہتے رہیں تو قانون کا تقاضا پورا ہو جائے گا۔ مگر اس تلبیہ کی اصل روح یہ ہے کہ ان الفاظ کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اپنے دل کی گہرائیوں میں فی الواقع آپ یہ محسوس کریں کہ آپ اللہ کے بندے اور غلام ہیں، اس کی طرف سے آپ کی طلبی ہوئی ہے۔ اور جہاں جہاں حاضر ہونے کی طلبی ہوتی جارہی ہے وہاں آپ لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑے چلے جارہے ہیں۔ اس لبیک میں ایک نشہ ہے جو لازماً ہر بندۂ حق پر طاری ہو جائے گا جسے یہ احساس ہو کہ خداوندِ عالم کی طرف سے اُس جیسی ناچیز ہستی کی طلبی ہو رہی ہے۔ یہ نصیب؟ اللہ اکبر، لوٹنے کی جائے ہے۔

حرم کی حاضری

باہر سے آنے والے ہر حاجی کی فطری خواہش یہ ہوتی ہے، اور یہی اس کو کرنا بھی چاہیے کہ مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد جلدی سے جلدی حرم میں حاضر ہو۔ پھر جب وہ حرم میں داخل ہوتا ہے اور بیت اللہ پر اس کی نظر پڑتی ہے تو اس کے دل پر ایک ہیبت طاری ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے جلال کا کرشمہ ہے، اور اس کا دل بے اختیار خانۂ کعبہ کی طرف کھنچتا ہے جو اللہ جل شانہٗ کی محبت کا فطری تقاضا ہے۔ اس موقع پر اسے دل اور زبان سے اَللّٰہُ اَکبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَر کہنا چاہیے اور پورے شعور کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے:

اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَعْظِیْمًا وَّتَشْرِیْفًا وَّتَکْرِیْمًا وَّمَھَابَۃً وَّبِرًّا۔

''خدایا! اس گھر کو زیادہ سے زیادہ عظمت وشرف اور بزرگی اور دبدبہ عطا فرما اور اسے زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا مرکز بنادے۔''

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ، وَمِنْکَ السَّلَامُ، فَحَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ۔

''خدایا تو خود ہر عیب ونقص سے پاک ہے، اور عیوب وآفات سے سلامتی جس کو بھی نصیب ہوتی ہے تیری ہی طرف سے نصیب ہوتی ہے، لہٰذا اے پروردگار، ہمیں جسم وروح کی سلامتی کے ساتھ جینے کی توفیق عطا فرما۔''

ضروری نہیں ہے کہ یہ دعائیں آپ عربی زبان ہی میں مانگیں۔ اصل چیز ان الفاظ کو زبان سے ادا کرنا نہیں ہے بلکہ اس مضمون کی دُعا اللہ سے مانگنا ہے جو ان فقروں میں بیان کیا گیا ہے۔ آپ کو عربی الفاظ یاد کرنے اور پڑھنے میں دِقت ہو تو آپ اسی مضمون کی دعا اپنی زبان میں بھی مانگ سکتے ہیں۔

طواف

حَرم میں پہنچنے کے بعد ہر حاجی کو طواف کرنا ہوتا ہے۔ اگر احرام باندھتے وقت اس نے تمتعؑ یا قِران کی نیت کی ہو تو وہ عمرے کا طواف کرتا ہے۔[1] اور اگر اِفراد (صرف حج) کی نیت کی ہو تو طوافِ قدوم کرتا ہے۔ پھر یوم النحر کو اسے طوافِ

[1] تمتع یہ ہے کہ آدمی عمرہ کر کے احرام کھول لے اور پھر حج کا وقت آنے پر نئے سرے سے احرام باندھے اور قران یہ ہے کہ آدمی ایک ہی احرام میں عُمرہ اور حج دونوں کرے۔

افاضہ اور مکہ چھوڑتے وقت طواف وداع بھی کرنا ہوتا ہے اور ان ضروری طوافوں کے علاوہ بھی یہ ایک ایسی نفلی عبادت ہے جس کا موقع باہر سے آنے والوں کو صرف زمانۂ قیامِ مکّہ ہی میں نصیب ہوسکتا ہے، اس لیے اس موقع سے جتنا بھی فائدہ اٹھایا جاسکے اٹھانا چاہیے۔

یہ طواف کیا ہے؟ یہ انسان کے اس فطری جذبے کا اظہار ہے کہ جس ہستی کو وہ اپنا مُنعِم و محسن سمجھتا ہے اور اپنا معبود مانتا ہے اس پر اپنے آپ کو فدا کرے، اس کے گرد گھومے اور صدقے اور قربان ہو۔ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود اس سے بالاتر ہے کہ ہم اسے پاسکیں اور اس کے گرد گھوم سکیں۔ اس نے ہمارے اس جذبے کی تسکین کے لیے اس خانۂ خدا کو اپنا گھر قرار دیا ہے اور ہمیں ہدایت کی ہے کہ مجھ پر فدا ہونے کی جو خواہش تمہارے دل میں ہے اسے میرے اس گھر کا طواف کر کے پورا کرلو۔ پس جب آپ اس گھر کا طواف کریں تو عشق کے جذبے سے سرشار ہو کر اس طرح طواف کیجیے جیسے ایک عاشق اپنے محبوب حقیقی کے صدقے ہو رہا ہے۔

ہر طواف کی ابتدا حجرِ اسود کے بوسے یا استلام سے ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک پتھر کا بوسہ نہیں ہے بلکہ محبوب کے سنگِ آستاں کا بوسہ ہے۔

اسی طرح طواف اور مقامِ ابراہیم کی دو رکعتوں سے فارغ ہونے کے بعد مُلتَزَم سے چمٹ کر جو دعائیں مانگی جاتی ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہوئے مانگنی چاہئیں کہ یہ ہمارے مالک کے گھر کی چوکھٹ ہے۔ مالک خود تو اس سے بالاتر ہے کہ ہم اس کا دامن تھام سکیں۔ ہماری نارسائی پر ترس کھا کر اس نے یہ گھر ہمارے لیے بنا دیا ہے تاکہ اس کے دامن سے لپٹ کر اپنی آرزوئیں پیش کرنے کی جو تمنا ہمارے دل میں ہے اُسے، ہم اُس کے گھر کی چوکھٹ سے لپٹ کر پورا کرلیں۔

طواف کے دَوران میں پڑھنے کے لیے جو لمبی چوڑی دعائیں بعض لوگوں نے لکھی ہیں، ان کا یاد کرنا اور پڑھنا کچھ ضروری نہیں ہے۔ اور یہ طریقہ تو بالکل ہی فضول ہے کہ ایک معلّم آگے آگے دعا پڑھتا جا رہا ہے اور حاجیوں کی ایک ٹولی کی ٹولی اس کی غلط سَلط نقل اتارتی جا رہی ہے۔ طواف کے لیے ان دعاؤں کو شریعت نے ہرگز لازم نہیں کیا ہے، اور نہ اس بے معنی طریقے سے ان کو ادا کرنے کا کوئی فائدہ ہے۔ بس یہ کافی ہے کہ آپ طواف شروع کرتے وقت حجرِ اسود کے سامنے کھڑے ہو کر نماز کی طرح ہاتھ اٹھائیں اور بِسۡمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکۡبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ کہہ کر طواف شروع کردیں، پھر دورانِ طواف میں اللہ کا ذکر کرتے چلے جائیں اور اس سے دعا مانگتے جائیں۔ ذکر کے لیے سُبۡحَانَ اللّٰہِ، اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کے الفاظ کافی ہیں۔ کسی اور چیز کی حاجت نہیں۔ دعا جو کچھ بھی آپ کے دل سے نکلے اور جس زبان میں بھی آپ مانگ سکیں، مانگتے رہیں۔

حجرِ اسود کا بوسہ دینے کے لیے جو ہجوم اور دھکّا پیل لوگ کرتے ہیں یہ ایک ناروا فعل ہے، بلکہ اس میں ایک دوسرے کی جو سخت مزاحمت کی جاتی ہے وہ توجّہ کو ضائع کرنے والی حرکت ہے خصوصاً عورتوں کا اس دھکّا پیل میں گھسنا تو بالکل ہی ناجائز ہے۔ شریعت نے آپ پر لازم نہیں کیا ہے کہ آپ ضرور حجرِ اَسوَد کو بوسہ ہی دیں۔ یہ کام اگر مزاحمت کے بغیر نہ ہوسکتا ہو تو ہر چکر کے خاتمہ پر حجرِ اسود کے سامنے پہنچ کر اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرنا اور اپنے ہاتھ ہی کو چوم لینا شرعاً بالکل کافی ہے۔

جس طواف کے بعد سعی کرنی ہو اس میں اِضطِباع اور رَمل بھی کیا جاتا ہے۔ اِضطِباع یہ ہے کہ احرام کی چادر کو سیدھے ہاتھ کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لیا جائے اور دایاں شانہ کھلا رکھا جائے اور رمل یہ ہے کہ پہلے تین طواف شانے ہلا ہلا کر چھوٹے چھوٹے قدم ڈالتے ہوئے ذرا تیزی کے ساتھ کیے جائیں۔ یہ دراصل اس واقعے کی یادگار ہے جو صلح حُدَیبیہ کی قرارداد کے مطابق جب نبی ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لیے مکّہ معظّمہ تشریف لائے تھے تو کفارِ مکّہ نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ مدینے کی آب وہوا نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اس لیے نبی ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ پہلے تین طوافوں میں اضطباع اور رمل کریں تاکہ کُفّار کے سامنے اہلِ اسلام کی طاقت کا مظاہرہ ہو۔ اسی یادگار کو آج تک باقی رکھا گیا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بندے کا اکڑ کر چلنا ویسے تو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، مگر جب اس کے دشمنوں کے سامنے اسلام کی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لیے یہ چال اختیار کی جائے تو پھر یہی چال اللہ کو محبوب ہو جاتی ہے۔

مقامِ ابراہیمؑ

طواف سے فارغ ہونے کے بعد آپ مقامِ ابراہیمؑ پر پہنچتے ہیں اور وہاں دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ اس مقام پر جو پتھر رکھا ہے یہ وہی پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھائی تھیں، پھر اسی پر کھڑے ہو کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس ویران وسنسان مقام پر تمام خلق کو حج کے لیے پکارا تھا۔ پہلے یہ پتھر خانۂ کعبہ کی دیوار سے متصل رکھا ہوا تھا۔ بعد میں اسے موجودہ مقام پر رکھ دیا گیا۔ اس مقام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اسے نماز کی جگہ بنالو۔ وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِیْمَ مُصَلًّی۔ طوافِ کعبہ کے بعد یہ دو رکعتیں اسی فرمانِ خداوندی کی تعمیل میں پڑھی جاتی ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی آپ کے علم میں رہنی چاہیے کہ تمام دنیا کے لیے قبلہ مسجدِ حرام ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ خانۂ کعبہ ہے، اور مسجدِ حرام کی نماز باجماعت کے لیے امام کا قبلہ وہ مقام ہے جہاں سے حضرت ابرہیمؑ نے دنیا کو حج کے لیے پکارا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ خود بھی اسی مقام پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اور آج بھی حرم کی نمازِ باجماعت کا امام اسی جگہ کھڑا ہوتا ہے۔

صفا و مروہ کے درمیان سعی

مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز ادا کرنے اور مُلتزم پر دعا کرنے کے بعد آپ زمزم پر آتے ہیں اور اس کا پانی پیتے ہیں۔ پھر عمرے کی تکمیل کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرتے ہیں۔ یہ سب کام آپ غفلت و بے خبری کے ساتھ نہ کریں بلکہ اپنے دل میں سوچیں کہ یہ زمزم کیا ہے جہاں آپ کھڑے ہیں، یہ پانی کیسا ہے جسے آپ پی رہے ہیں، یہ صفا کیسی پہاڑی ہے جس سے آپ سعی کی ابتدا کرتے ہیں، اور یہ سات چکر کیسے ہیں جو آپ صفا اور مروہ کے درمیان لگاتے ہیں۔

ان میں سے ہر مقام اپنی ایک تاریخ رکھتا ہے اور اس تاریخ کے اندر ایک درسِ عبرت ہے۔ آج بیت اللہ اور زمزم اور مقامِ ابراہیمؑ جس جگہ واقع ہیں، یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی حضرت ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے

حضرت اسماعیل کو صرف ایک مشکیزہ پانی اور تھیلا کھجوروں کا دے کر بالکل یکہ وتنہا چھوڑ گئے تھے۔ یہاں کوئی پانی نہ تھا، کوئی غذا کا سامان نہ تھا۔ دور دور کوئی بستی نہ تھی۔ اور بظاہر یہ دونوں ماں اور بچہ اس سنسان وادی میں قطعی بے سہارا تھے۔ حضرت ابراہیمؑ جب انہیں چھوڑ کر واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ ان کے پیچھے چلیں۔ بار بار پوچھتی تھیں کہ آپ ہمیں کہاں چھوڑے جا رہے ہیں، مگر وہ خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر حضرت ہاجرہؓ نے پوچھا۔ ''کیا یہ کام آپ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا، اگر یہ بات ہے تو اللہ یقیناً ہمیں ضائع نہ ہونے دے گا۔ پھر وہ پورے اطمینان کے ساتھ اللہ کے بھروسے پر اپنے بچے کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔ حضرت ابراہیمؑ جب اس وادی سے نکلنے لگے تو پلٹ کر انہوں نے وادی کی طرف رُخ کیا اور اللہ سے دعا مانگی کہ:

رَبَّنَآ اِنِّیۡٓ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِكَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ وَارۡزُقۡہُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّہُمۡ یَشۡکُرُوۡنَ۔ (ابراھیم: ۳۷)

''اے پروردگار! میں نے اپنی نسل کا ایک حصہ ایک بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے قریب لا بسایا ہے۔ اے پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ یہاں نماز قائم کریں۔ پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کھچیں اور ان کو پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ شکر گزار ہوں۔''

دیکھیے کیا شانِ تسلیم و رضا اور کیا شانِ توکّل علی اللہ تھی اس شوہر اور باپ کی جس نے اللہ رب العالمین کا اشارہ پاتے ہی اپنی بیوی اور بچے کو ٹھنڈے دل سے اس بے آب و گیاہ وادی میں لا کر چھوڑ دیا اور کس درجے کا یقین و اعتماد اپنے خدا پر تھا اس خاتون کو جو یہ معلوم ہونے کے بعد بالکل مطمئن ہو گئی کہ اسے اور اس کے ننھے بچّے کو اللہ کے حکم سے یہاں یکہ و تنہا چھوڑا جا رہا ہے۔

جب پانی اور کھجوروں کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور دونوں ماں اور بچہ بھوک پیاس سے تڑپنے لگے تو حضرت ہاجرہؓ اسی زمزم کے مقام پر بچے کو لٹا کر صفا کی پہاڑی پر پہنچیں تاکہ چاروں طرف نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ کہیں کوئی مدد کرنے والا ہے؟ پھر صفا سے اتر کر مروہ کی طرف دوڑیں اور اس پر چڑھ کر پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھا کہ شاید کوئی مدد کرنے والا نظر آ جائے۔ اس طرح ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان وہ مسلسل سات دفعہ دوڑیں۔ آخری مرتبہ جب وہ مروہ پر تھیں تو انہوں نے ایک آواز سنی۔ یقین نہ آیا کہ یہ واقعی کس کی آواز ہے۔ پھر کان لگا کر سُنا اور وہی آواز آئی۔ زمزم کی طرف دیکھا جہاں بچے کو لٹا کر گئی تھیں تو ایک شخص نظر آیا جو دراصل اللہ کا فرشتہ تھا۔ اس نے زمین پر پاؤں مارا اور یکا یک ایک چشمہ نکل آیا۔ پھر اس نے حضرت ہاجرہؓ سے کہا، اطمینان رکھو، اللہ ضائع کرنے والا نہیں ہے، یہاں اللہ کا گھر بننے والا ہے جسے تمہارا یہ لڑکا اور اس کا باپ تعمیر کرے گا۔

اسی واقعہ کی یادگار یہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو آج عمرے اور حج میں کی جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے صفا سے سعی کی ابتدا کی تھی، اس لیے ہماری سعی بھی اسی سے شروع ہوتی ہے۔ انہوں نے سات چکر لگائے تھے، اس لیے ہم بھی سات چکر لگاتے ہیں۔ انہوں نے سعی کے بعد آ کر پانی پیا تھا، کیونکہ اس سے پہلے یہاں پانی موجود نہ تھا۔ ہم سعی سے پہلے اللہ تعالیٰ کے معجزے سے پیدا ہونے والا یہ پانی پیتے ہیں، کیونکہ اب وہ موجود ہے۔ یہ سارے کام جو حضرت ہاجرہؓ کے اس فعل کی نقل کے طور پر کیے جاتے ہیں، ان کی اصل روح یہ ہے کہ ہم اپنے اندر وہی تسلیم و رضا، وہی توکّل علی اللہ اور وہی یقین و اعتماد پیدا

کرنے کی کوشش کریں جس کا حیرت انگیز مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت ہاجرہؓ نے کیا تھا۔ ہمیں جب یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کام کا حکم اللہ جل شانہٗ کی طرف سے ہے تو پھر کوئی خطرہ اور کوئی اندیشہ ہمیں اس کی تعمیل سے باز نہ رکھ سکے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس بھروسے پر چھلانگ لگا دیں کہ جس خدا نے اس ظاہری خطرے میں کود جانے کا ہمیں حکم دیا ہے وہ ہمیں ضائع کرنے والا نہیں ہے۔ ہماری بھلائی اسی کام میں ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے۔ یہ درس جس نے بھی یہاں سے حاصل کر لیا وہ آبِ زمزم پینے اور صفا و مروہ کے درمیان دوڑنے کے سارے روحانی فوائد لوٹ لے گیا۔

یہ بات بھی جان لیجیے کہ ان مناسک کو ادا کرتے ہوئے بھی اللہ کا ذکر اور اس سے دعا کا سلسلہ برابر جاری رہنا چاہیے۔ آپ چاہِ زمزم پر پانی پئیں تو اللہ سے دعا کریں کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ رِزْقًا وَّاسِعًا، وَعِلْمًا نَافِعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ۔

''خدایا، میں تجھ سے فراخ روزی، نفع بخش علم، اور ہر بیماری سے شفا مانگتا ہوں۔''

صفا پر چڑھیں تو کعبے کی طرف رخ کر کے کہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰی مَاهَدَانَا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی مَا اَوْلَانَا، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ، مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اور اسی کے لیے ساری تعریف ہے۔ ہم اللہ کی بڑائی کرتے ہیں اس شکر میں کہ اس نے ہمیں ہدایت بخشی اور اس کی تعریف کرتے ہیں ان احسانات پر جو اس نے ہم پر کیے ہیں۔ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے حمد ہے، وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ اسی کے اختیار میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کوئی معبود اکیلے اللہ کے سوا نہیں ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے (محمد ﷺ) کی مدد کی اور سارے جتھوں کو اسی اکیلے نے شکست دے دی۔ کوئی معبود اللہ کے سوا نہیں، ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کر کے، خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔''

یہی کچھ آپ مروہ پر بھی کہیں، اور صفا و مروہ کے درمیان چلتے ہوئے یہ دعا کرتے جائیں:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔

''اے رب! بخش دے اور رحم کر، ہمارے ان سارے قصوروں سے درگزر فرما جو تیرے علم میں ہیں، تو سب پر غالب اور بڑا کریم ہے۔''

حج

آٹھویں ذی الحجہ کی صبح کو تمام حاجی مکّہ معظّمہ سے حج کے لیے نکلتے ہیں اور جن لوگوں نے تمتّع کرتے ہوئے عمرے کے بعد احرام کھول لیا تھا وہ بھی نئے سرے سے احرام باندھ لیتے ہیں۔ اب اصل حج شروع ہوتا ہے۔ یہ لاکھوں احرام بند

حاجی بیک وقت مکّے سے چل کر لبیّک لبیّک کہتے ہوئے ۸/ذی الحجہ کو منٰی جا اترتے ہیں۔ پھر یہی مجمع عظیم ۹/ذی الحجہ کی صبح کو بیک وقت لبیّک لبیّک کہتا ہوا چلتا ہے اور حدودِ حرم سے باہر جا کر عَرَفات کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیتا ہے۔ پھر اسی روز شام کو یہ پورا مجمع اٹھتا ہے اور لبیّک لبیّک پکارتا ہوا مزدلفہ جا اترتا ہے۔ پھر ۱۰/ذی الحجہ کو طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے حاجیوں کا یہ سیلاب لبیّک کہتا ہوا اٹھتا ہے اور منٰی واپس پہنچ جاتا ہے۔ پھر یہ سب لوگ لبیک کہتے ہوئے جمرۂ عقبہ کی طرف چلتے ہیں اور اس پر سات کنکریاں مارتے ہیں۔ پھر یہ لوگ منی ہی میں قربانی کرتے ہیں۔ پھر سب سر کے بال منڈواتے یا ترشواتے ہیں۔ پھر جوق در جوق مکہ معظّمہ پہنچ کر طواف اور سعی کرتے ہیں۔ پھر منٰی واپس ہو کر دو دن یا تین دن قیام کرتے ہیں اور ان ایام میں ہر روز تینوں جمروں پر رمی کرتے ہیں۔ یہی اعمال ہیں جن کا نام حج ہے۔

جو لوگ عبادت کے معنی اور حج کی حقیقت کو نہیں سمجھتے وہ حیران ہو کر سوچنے لگتے ہیں کہ آخر یہ کیسی دوڑ دھوپ ہے جس کے لیے دنیا بھر سے کھینچ کر لاکھوں آدمیوں کو بلایا جاتا ہے؟ اور یہ کیا عبادت ہوئی کہ مکّہ سے اٹھے اور منٰی پہنچ گئے، وہاں سے اُٹھے اور عرفات جا ٹھہرے، پھر چلے اور مُزدَلِفہ میں رات گزار دی، پھر منٰی پہنچے اور وہاں ایک پتھر کو کنکریاں مار دیں؟ لیکن آپ ذرا سمجھنے کی کوشش کریں تو آپ پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ اس ساری دَوڑ دھوپ میں جو زحمت آدمی کو پیش آتی ہے، جو تکلیفیں اس کو اٹھانا پڑتی ہیں، جس مشقت اور بے آرامی سے اس کو سابقہ درپیش ہوتا ہے، جس طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بے ٹھکانے ہوتا چلا جاتا ہے، اللہ کی راہ میں یہی سب کچھ برداشت کرنا تو اصل عبادت ہے۔ عُمرے میں طواف وسعی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ فرداً فرداً کیا جاتا ہے۔ ایک فرد کے لیے ایک دن عرفات جا ٹھیرنا، ایک رات مُزدَلِفہ میں گزار دینا اور دو چار روز منٰی میں ٹھہر جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اسی لیے عمرہ کرنے والے کو ان کاموں میں سے کوئی کام بھی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن حج میں لاکھوں آدمیوں کو بیک وقت یہ دوڑ دھوپ کرنا ہوتی ہے جس میں کوئی بڑے سے بڑا صاحبِ ثروت آدمی بھی زحمتیں اٹھائے اور آسایشوں سے محروم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حج کی اجتماعی عبادت میں طواف وسعی سے زاید یہ مناسک رکھے گئے ہیں۔ اس سے مقصود ہر بندۂ مومن میں یہ کیفیت پیدا کرنا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے ہر آسایش سے دَست کش ہونے اور اس کی راہ میں ہر زحمت اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہی اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے۔ یہی بندگی کے معنی ہیں۔ اور یہی اس عبادت کی روح ہے۔ اس عبادت کے دوران میں جو شخص ان ساری تکلیفوں کو پورے اطمینان اور قلب وروح کی پوری مسرّت کے ساتھ قبول کرتا ہے اور اپنے ساتھ کے حاجیوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں کرتا بلکہ سخت کشمکش کے مواقع پر بھی صبر وضبط سے کام لیتا ہے اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچاتا ہے وہ حج کا ثواب لوٹ لیتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو شخص اپنی ہر بے آرامی پر چیں بہ جبیں ہوتا ہے، ہر زحمت پر کبیدہ خاطر ہوتا ہے، اور ساتھ کے حاجیوں سے اپنے آرام کی خاطر مزاحمت کرتا اور لڑتا جھگڑتا ہے وہ حج کے ثواب کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس بے چارے کے حصّے میں خالص مشقت ہی رہ جاتی ہے۔ اجر ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیے کہ حج کے ان اعمال کو ادا کرتے وقت آپ خواہ کچھ بھی نہ پڑھیں اور وقت پر نماز ادا کرنے کے سوا کوئی دوسرا عمل نہ کریں، تب بھی حج پورا ہو جائے گا اور بجائے خود حج کا جو ثواب ہے وہ آپ کو مل جائے گا۔ مگر بدقسمت

ہے وہ شخص جسے اللہ سے تقرب حاصل کرنے کا یہ نادر موقع نصیب ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے۔ مکّہ معظّمہ سے نکلنے کے بعد یوم النحر کی پہلی رمی تک بہترین ذکر یہ ہے کہ آدمی زیادہ سے زیادہ تلبیہ[1] کرے اور اس شعور کے ساتھ کرے کہ میرا مولیٰ اب منٰی بلا رہا ہے تو میں حاضر ہوں، اب عرفات بلا رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر ہوں، اب مزدلفہ بُلا رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر ہوں اور اب رمی کے لیے منٰی طلب کر رہا ہے تو اس کے لیے بھی حاضر۔ ہر مرتبہ لبیک کہتے ہوئے آپ محسوس کریں کہ رب العالمین کی طرف سے آپ کی طلبی ہو رہی ہے اور آپ اس کے جواب میں کہہ رہے ہیں کہ میں حاضر ہوں۔ اس احساس کے ساتھ جب آپ بار بار لبیک کہیں گے تو ان شاء اللہ آپ کے دل میں ذوق وشوق کی وہ کیفیت پیدا ہوگی اور رُوح اس کے اندر وہ لذّت پائے گی جس کے مقابلے میں ہر لذّت ہیچ ہو جائے گی۔

تلبِیَہ کے علاوہ بیچ بیچ میں کثرت سے اللہ کی حمد اور تکبیر و تہلیل کرتے جایئے، کثرت سے نبی ﷺ پر درود بھیجئے۔ کثرت سے اپنے حق میں، اپنے والدین کے حق میں، اور سب مومنین ومومنات کے حق میں دعائے مغفرت کیجیے۔ اور خاص طور پر وقوفِ عرفہ کے آخری وقت میں اور قیام مزدلفہ کی رات میں تو اپنا زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کے ذکر اور دُعا واستغفار میں صرف کر دیجیے۔ پھر ایّام تشریق میں منٰی کے قیام کا زمانہ فضول مشاغل میں نہ ضائع کیجیے، بلکہ اسے خَیر اور صلاح کی تبلیغ میں، دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ روابط پیدا کرنے میں، اور اعلائے کلمۃ الحق کی فکر وسعی میں صرف کیجیے تاکہ حج کے روحانی واخلاقی فوائد کا کوئی پہلو بھی چھوٹنے نہ پائے۔ (خطبات حرم: دوسرا خطبہ)

---

[1] تلبیہ کے معنی ہیں لبیک لبیک کہنا۔

ماٰخذ

(۱) بخاری ج ۱ کتاب المناسک، باب التلبیة۔☆ مسلم ج ۱ کتاب الحج باب التلبیة وصفتها ووقتها۔☆ ابو داؤد کتاب المناسک کیف التلبیة۔☆نسائی کتاب مناسک الحج باب کیف التلبیة۔☆ ابن ماجه کتاب المناسک باب التلبیة۔☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵ کتاب الحج باب کیف التلبیة۔

(۲) ابو داؤد ج ۲ کتاب المناسک باب کیف التلبیة۔ ☆ ترمذی ج ۱ ابواب الحج، باب ماجاء فی التلبیة۔ ☆موطا امام مالك ج ۱ کتاب الحج، العمل فی الاهلال عن ابن عمر۔☆ نسائی ج ۵ کتاب مناسک الحج باب کیف التلبیة۔☆ ابن ماجه کتاب المناسک باب التلبیة۔☆دارمی کتاب المناسک باب فی التلبیة۔☆مسندِ احمد ج ۱ ص ۲۔۳۔ ج ۲ ص ۳۔۷۹۔ ☆مصنف لابن ابی شیبة ج ۱/۴۔ عن ابن عمر۔ کتاب الحج باب فی التلبیة کیف هی؟

(۳) السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵ کتاب الحج باب کیف التلبیة۔☆المستدرک للحاکم ج ۱۔کتاب المناسک من تلبیة رسول الله ﷺ۔☆مصنف لابن ابی شیبة ج ۱/۴۔

(۴) بخاری ج ۱ کتاب المناسک باب التلبیة۔☆مصنف لابن ابی شیبة ج ۱/۴ کتاب الحج۔ باب فی التلبیة کیف هی۔ ☆مجمع الزوائد ج ۳۔ کتاب الحج، باب الاهلال والتلبیة عن ابن عباس۔ ☆کنزالعمال ج ۵۔ حدیث ۱۲۵۸۵۔

(۵) بخاری ج ۱ کتاب المناسک باب وجوب الصفا والمروة وجُعل من شعائر الله۔☆ مسلم ج ۱ کتاب الحج باب ان السعی بین الصفا والمروة رکن لایصح الحج الابه۔☆ ابو داؤد ج ۲ کتاب المناسک باب امر الصفا والمروة (مختصر) ☆ترمذی ج ۲ ابواب تفسیر القرآن من سورة البقرة۔☆نسائی ج ۵ کتاب الحج باب ذکر الصفا والمروة۔ ☆ابن ماجه کتاب المناسک باب السعی بین الصفا والمروة (مختصر)☆ مؤطا کتاب الحج باب جامع السعی۔☆مسندِ احمد ج ٦ ص ۱٤٤۔۲۲۷۔ عن عائشة۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵ کتاب الحج باب وجوب الطواف بین الصفا والمروة۔

(٦) ابن ماجه ج ۲ کتاب المناسک باب الموقف بعرفات۔☆المستدرک للحاکم ج ۱ کتاب المناسک باب الوقوف بعرفات۔ ☆کنزالعمال ج ۵۔ح ۱۲۰۵۰۔

(۷) ابن ماجه ج ۲ کتاب المناسک باب الموقف بعرفات☆ابو داؤد ج ۲ کتاب المناسک باب الصلاة بِالجُمع۔

(۸) مؤطا امام مالك کتاب الحج باب الوقوف بعرفة والمزدلفة۔☆ابو داؤد ج ۲ کتاب المناسک باب صفة حجة النبی ﷺ۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵ کتاب الحج باب حیث ماوقف من عرفة اجزاه۔☆کنزالعمال ج ۵۔ ح ۱۲۰۵۱۔

(۹) دارمی کتاب المناسک باب عرفة کلّها موقفٌ۔☆السنن الکبری للبیهقی ج۵ کتاب الحج باب الحرم کله منحر۔ ☆کنزالعمال ج۵ص۱۸۷۔

(۱۰) نسائی ج۵ کتاب المناسک باب رفع الیدین فی الدعاء بعرفة۔

(۱۱) ترمذی ج۱ابواب الحج باب ماجاء ان عرفة کلها موقف۔ ☆مسند احمد ج۱ص۷۲،۷۵،۷۹،۸۱، ۱۵۷۔ج۳ ص۳۲۱،۳۲۶۔ج۴ص۸۲۔☆المستدرک للحاکم ج۱کتاب المناسک۔☆مصنف لابن ابی شیبة ج۱/۴ ص۲۶۶ عن ابن الزبیر(مختصر)۔

(۱۲) مسلم ج۱کتاب الحج باب حجة النبی ﷺ۔ ☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج۵۔کتاب الحج باب حیث ماوقف من عرفة اجزاه۔☆ المستدرک للحاکم ج۱۔کتاب المناسک، باب خطبة النبی ﷺ فی حجة الوداع۔ باختلاف الفاظ۔ ☆ مصنف لابن ابی شَیْبَةَ ج۱/۴ کتاب الحج، من قال: عرفة کلها موقف الابطن محسرة۔

(۱۳) روح المعانی ج۳۰/۲۸ جلد۱۰سوره قریش۔☆فتح القدیر للشوکانی ج۵ خطیب فی تاریخه عن سعید بن المسیب مرفوعًا بحواله فتح القدیر۔☆بخاری فی تاریخه ابن مردویه، بیهقی بحواله فتح القدیر للشوکانی ج۵ سوره قریش ذکر حدیث غریب فی فضلها۔

(۱۴) ابن کثیر ج۴ سوره قریش۔☆المستدرک للحاکم ج۲ص۵۳۶۔

(۱۵) بخاری ج۲کتاب المغازی باب غزوة الحدیبیة۔☆مسلم ج۱کتاب الحج باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان به اذی الخ۔☆دارقطنی کتاب الحج ج ۲ ح۲۷۹۔

(۱۶) بخاری ج۲کتاب التفسیر سورة بقره۔ باب قوله فمن کانَ منکم مریضا اَوْ به اذیً من رَّأسِهٖ۔☆ بخاری ج۲ کتاب الطب باب الحلق من الاذی *اور* ابواب العمرة۔ج۱باب قول الله اوصدقة وهی اطعام ستة مساکین۔ *اور* باب النسک شاة۔☆مسلم ج۱کتاب الحج باب جواز حلق الراس للمحرم اذا کان به اذی الخ۔☆ ترمذی ج۲ ابواب التفسیر سوره بقرة۔☆ ابن ماجه کتاب المناسک باب ۸۶فدیة المحصر۔ ☆مسند احمد ج۴ص۲۴۲۔

(۱۷) مسلم ج۱کتاب الحج باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان به اذی الخ۔ ☆مؤطا امام مالک کتاب الحج۔

(۱۸) ترمذی ج۱ ابواب المناسک باب ماجاء فی المحرم یحلق رأسه فی احرامه ما علیه۔☆مسلم ج۱ کتاب الحج باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان به اذی الخ۔

فصل سوم:

ہدی اور قربانی کے احکام

ہدی کے جانور اور اُن پر سواری کا مسئلہ

١٦۔ نبی ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص اونٹ کی مہار تھامے پیدل چلا جا رہا ہے اور سخت تکلیف میں ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اس پر سوار ہو جا۔'' اس نے عرض کیا یہ ہدی کا اونٹ ہے؟ آپ نے فرمایا: ''ارے سوار ہو جا۔''

تشریح: شعائر اللہ میں ہدی کے جانور بھی داخل ہیں۔ جیسا کہ اہل عرب مانتے تھے اور قرآن بھی کہتا ہے کہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (الحج:٣٦) ''اور ان ہدی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے۔'' اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کا جو حکم اوپر دیا گیا ہے کیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہدی کے جانوروں کو بیت اللہ کی طرف جب لے جانے لگیں تو ان کو کسی طرح بھی استعمال نہ کیا جائے؟ ان پر سواری کرنا، یا سامان لادنا، یا ان کے دودھ پینا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف تو نہیں ہے؟ عرب کے لوگوں کا یہی خیال تھا۔ چنانچہ وہ ان جانوروں کو بالکل کوتل لے جاتے تھے راستے میں ان سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا ان کے نزدیک گناہ تھا۔ اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے (قرآن میں) فرمایا (گیا) کہ قربانی کی جگہ پہنچنے تک تم ان جانوروں سے فائدہ اٹھا سکتے ہو، ایسا کرنا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف نہیں ہے۔ یہی بات (مندرجہ بالا اور) ان احادیث سے معلوم ہوتی ہے جو اس مسئلے میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔

مفسرین میں سے ابنِ عباسؓ، قتادہ، مجاہد، ضحّاک اور عطاء خُراسانی اس طرف گئے ہیں کہ آدمی ان جانوروں سے اس وقت تک فائدہ اٹھا سکتا ہے جب تک کہ وہ اسے ہدی کے نام سے موسوم نہ کر دے اور جونہی کہ وہ اسے ہدی بنا کر بیت اللہ کی طرف جانے کی نیت کر لے، پھر اسے کوئی فائدہ اٹھانے کا حق نہیں رہتا۔ لیکن یہ تفسیر کسی طرح صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ اوّل تو اس صورت میں استعمال اور استفادے کی اجازت دینا ہی بے معنی ہے۔ کیونکہ ''ہدی'' کے سوا دوسرے جانوروں سے استفادہ کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی شک پیدا ہی کب ہوا تھا کہ اسے اجازت کی تصریح سے رفع کرنے کی ضرورت پیش آتی۔ پھر آیت (لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ الحج: ٣٣) صریح طور پر کہہ رہی ہے کہ اجازت ان جانوروں کے استعمال کی دی جا رہی ہے جن پر ''شعائر اللہ'' کا اطلاق ہو اور ظاہر ہے کہ یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ انہیں ہدی قرار دے دیا جائے۔

دوسرے مفسرین، مثلاً عُروَہ بن زبیر اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں قربانی سے پہلے ہدی کے جانوروں کو سواری کے لیے بھی استعمال کر سکتے ہیں، ان کے دودھ بھی پی سکتے ہیں، ان کے بچے بھی لے سکتے ہیں اور ان کا اُون، صُوف، بال

وغیرہ بھی اتار سکتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ حنفیہ اگرچہ پہلی تفسیر کے قائل ہیں، لیکن وہ اس میں اتنی گنجایش نکال دیتے ہیں کہ بشرطِ ضرورت استفادہ جائز ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ: ۶۲)

تخریج : حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، اَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ اَبِی الزِّنَادِ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰی رَجُلاً يَسُوْقُ بَدَنَةً فَقَالَ : اِرْكَبْهَا، فَقَالَ : اِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ : اِرْكَبْهَا، فَقَالَ : اِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ : اِرْكَبْهَا، وَيْلَكَ، فِی الثَّانِيَةِ اَوْ فِی الثَّالِثَةِ۔(۱)

بخاری نے حضرت انس بن مالک سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

قال ابوعیسٰی۔ حدیث انس حدیث صحیح حسن وقد رخص قوم من اهل العلم من اصحاب النبی ﷺ وغیرهم فی رکوب البدنة۔ اذا احتاج الی ظهرها وهو قول الشافعی واحمد واسحاق وقال بعضهم لایرکب مالم یضطر الیه۔(۲)

قربانی کس پر فرض ہے

سورۂ بقرہ:۱۹۶ میں تین حکم الگ الگ بیان فرمائے گئے ہیں:

(۱) جب آدمی نے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھ لیا ہو اور پھر کوئی مانع ایسا پیش آ گیا ہو کہ حرم تک پہنچنا ممکن نہ رہا ہو تو اسے ہدی بھیجنی چاہیے اور اس وقت تک احرام سے باہر نہ آنا چاہیے جب تک ہدی کی قربانی نہ ہو چکی ہو۔

(۲) اگر آدمی کسی بیماری کی وجہ سے حجامت کرانے پر مجبور ہو جائے تو حجامت کرالے اور فدیہ ادا کردے۔

(۳) اگر کوئی امرِ مانع پیش نہ آیا ہو اور آدمی حرم پہنچ گیا تو تمتّع یا قِران کی صورت میں اسے قربانی دینی ہوگی۔ البتہ افراد کرنے کی صورت میں اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا۔ (ترجمان القرآن، اپریل ۱۹۷۷ء، بحوالہ رسائل ومسائل حصہ پنجم ص ۱۳۵۔۱۳۶)

جانور ذبح کرنے کا حکم اور فلسفہ

۱۷۔ اِنَّ اللّٰهَ لَايَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰی اَلْوَانِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ۔

''اللہ تمہاری صورتیں اور تمہارے رنگ نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دل اور تمہارے اعمال دیکھتا ہے۔''

تشریح : جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب جس طرح بتوں کی قربانی کا گوشت بتوں پر لے جا کر چڑھاتے تھے، اسی طرح اللہ کے نام کی قربانی کا گوشت کعبہ کے سامنے لا کر رکھتے اور خون اس کی دیواروں پر لتھیڑتے تھے۔ اُن کے نزدیک یہ قربانی گویا اس لیے کی جاتی تھی کہ اللہ کے حضور اس کا خون اور گوشت پیش کیا جائے۔ اس جہالت کا پردہ چاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اصل چیز جو اللہ کے حضور پیش ہوتی ہے وہ جانور کا گوشت اور خون نہیں، بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ اگر تم شکرِ نعمت کے جذبے کی بنا پر خالص نیت کے ساتھ صرف اللہ کے لیے قربانی کرو گے تو اس جذبے اور نیت اور خلوص کا نذرانہ اس کے حضور پہنچ جائے گا، ورنہ خون اور گوشت یہیں دھرا رہ جائے گا۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ: ۷۳)

تخریج 〈۱〉: حَدَّثَنَا عَمرُو النَّاقِدُ، نَا کَثِیرُ بنُ ھِشَامٍ، نَاجعفَرُبنُ بُرقَانَ، عَن یَزِیدَ ابنِ الاَصَمِّ۔ عَن اَبِی ھُرَیرَۃَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ : اِنَّ اللّٰہَ لَایَنظُرُ اِلٰی صُوَرِکُم وَاَموَالِکُم وَلٰکِن یَنظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُم وَاَعمَالِکُم۔

انہی سے مروی ایک دوسری روایت:

〈۲〉 اِنَّ اللّٰہَ لَایَنظُرُ اِلٰی اَجسَادِکُم وَلَا اِلٰی صُوَرِکُم وَلٰکِن یَنظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُم فَاَشَارَ بِاَصَابِعِہٖ اِلٰی صَدرِہٖ۔(۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے جسد اور تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دل دیکھتا ہے۔ اپنی انگشت مبارک سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا۔

اونٹ اور گائے کی قربانی

۱۸۔ اَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اَن نَشتَرِکَ فِی الاَضَاحِیِ البُدنَۃُ عَن سَبعَۃٍ وَالبَقَرَۃُ عَن سَبعَۃٍ۔

''مسلم میں جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم قربانیوں میں شریک ہوجایا کریں، اونٹ سات آدمیوں کے لیے اور گائے سات آدمیوں کے لیے۔''

تشریح: (قرآن میں) لفظ بُدن استعمال ہوا ہے جو عربی زبان میں اونٹوں کے لیے مخصوص ہے۔ مگر نبی ﷺ نے قربانی کے حکم میں گائے کو بھی اونٹوں کے ساتھ شامل فرمادیا ہے۔ جس طرح ایک اونٹ کی قربانی سات آدمیوں کے لیے کافی ہوتی ہے اسی طرح ایک گائے کی قربانی بھی سات آدمی مل کر کرسکتے ہیں۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ: ۶۷)

تخریج 〈۱〉: حَدَّثَنَا یَحیَ بنُ یَحیٰ، اَخبَرَنَا اَبُوخَیثَمَۃَ، عَن اَبِی الزُّبَیرِ، عَن جَابِرٍ، ح وحَدَّثَنَا اَحمَدُ بنُ یُونُسَ، حَدَّثَنَا زُھَیرٌ، حَدَّثَنَا اَبُوالزُّبَیرِ، عَن جَابِرٍ، قَالَ خَرَجنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ مُھِلِّینَ بِالحَجِّ، فَاَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ اَن نَّشتَرِکَ فِی الاِبِلِ وَالبَقَرِ کُلَّ سَبعَۃٍ مِّنَّا فِی بَدَنَۃٍ۔(٤)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں حج کا احرام باندھ کر سفرِ حج پر نکلے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ہدایت فرمائی کہ ہم اونٹ اور گائے کی قربانی میں سات سات افراد شریک ہوجائیں۔

〈۲〉 عَن جَابِرِ بنِ عَبدِاللّٰہِ قَالَ: حَجَجنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ ﷺ فَنَحَرنَا البَعِیرَ عَن سَبعَۃٍ وَالبَقَرَۃَ عَن سَبعَۃٍ۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کیا۔ ہم نے اونٹ سات افراد اور گائے بھی سات افراد کی طرف سے قربان کی۔

〈۳〉 عَن جَابِرِ بنِ عَبدِاللّٰہِ، قَالَ اشتَرَکنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِی الحَجِّ وَالعُمرَۃِ کُلَّ سَبعَۃٍ فِی بَدَنَۃٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِجَابِرٍ اَیشتَرِکُ فِی البَدَنَۃِ مَایشتَرَکُ فِی الجُزُورِ؟ قَالَ: مَاھِیَ اِلَّا مِنَ البُدنِ وَحَضَرَ جَابِرٌ الحُدَیبِیَّۃَ قَالَ: نَحَرنَا یَومَئِذٍ سَبعِینَ بَدَنَۃً اشتَرَکنَا کُلَّ سَبعَۃٍ فِی بَدَنَۃٍ۔

ترجمہ : حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ہم نے حج اور عمرہ دونوں میں نبی ﷺ کے ساتھ شرکت کی۔ سات آدمی ایک اونٹ میں شریک ہوتے تھے۔ ایک آدمی نے حضرت جابرؓ سے پوچھا کیا بَدَنہ اور جزور کی شراکت برابر برابر ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں جزور بھی بدن کی جنس ہی ہے اور حضرت جابر حدیبیہ میں موجود تھے کہتے ہیں کہ ہم نے اس روز ستّر اونٹ ذبح کیے۔ ہر ایک اونٹ میں ہم میں سے سات آدمی شریک ہوئے۔

﴿۴﴾ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: كُنَّا نَتَمَتَّعُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ بِالْعُمْرَةِ فَنَذْبَحُ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ نَشْتَرِكُ فِيْهَا۔

ترجمہ : حضرت جابرؓ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی رفاقت میں عمرۂ تمتّع کرتے اور سات آدمی ایک گائے میں شریک ہو کر اسے ذبح کرتے۔

﴿۵﴾ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: نَحَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ الْبُدْنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ، وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔(۵)

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حُدَیبیہ کے روز ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ ہم نے اونٹ اور گائے کو سات آدمیوں کی طرف سے قربان کیا۔

اونٹ نحر کرنے کا مسنون طریقہ

۱۹۔ واضح رہے کہ اونٹ کی قربانی اس کو کھڑا کر کے کی جاتی ہے۔ اس کا ایک پاؤں باندھ دیا جاتا ہے پھر اس کے حلقوم میں زور سے نیزہ مارا جاتا ہے، جس سے خون کا ایک فوارہ نکل پڑتا ہے، پھر جب کافی خون نکل جاتا ہے تب اونٹ زمین پر گر پڑتا ہے۔ ابنِ عباس، مجاہد، ضحاک وغیرہ نے یہی تشریح کی ہے (بلکہ نبی ﷺ سے بھی یہی منقول ہے)۔ چنانچہ مسلم اور بخاری میں روایت ہے کہ ابنِ عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر قربانی کر رہا تھا۔ اس پر انہوں نے فرمایا اِبْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةُ اَبِى الْقَاسِمِ ﷺ ''اس کو پاؤں باندھ کر کھڑا کر، یہ ہے ابوالقاسم ﷺ کی سنت۔'' ابوداؤد میں جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے صحابہ اونٹ کا بایاں پاؤں باندھ کر باقی تین پاؤں پر اُسے کھڑا کرتے تھے، پھر اس کو نحر کرتے۔ اسی مفہوم کی طرف خود قرآن بھی اشارہ (کرتا) ہے: فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا[۱] ''جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹک جائیں'' یہ اُسی صورت میں بولیں گے جب کہ جانور کھڑا ہو اور پھر زمین پر گرے۔ ورنہ لٹا کر قربانی کرنے کی صورت میں تو پیٹھ ویسے ہی ٹکی ہوئی ہوتی ہے۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج حاشیہ: ۶۹)

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيْدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ يُوْنُسَ: عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: رَاَيْتُ ابْنَ عُمَرَ، اَتٰى عَلٰى رَجُلٍ قَدْ اَنَاخَ بَدَنَتَهٗ يَنْحَرُهَا قَالَ: اِبْعَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَقَالَ شعبة عن يونس، قال: اخبرنى زيادٌ۔(۶)

---

[۱] آیت فاذكروا اسم الله عليها صوآف، فاذا وجبت جنوبها۔ (الحج: ۳۶)

ترجمہ : زیاد بن جبیر کا بیان ہے کہ میں نے ابن عمرؓ کو دیکھا کہ وہ ایک ایسے آدمی کے پاس پہنچے جو اپنے قربانی کے اونٹ کو زمین پر بٹھا کر نحر کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر ابن عمرؓ نے اسے کہا اس کو باندھ کر کھڑا کر۔ یہ ہے ابو القاسم ﷺ کی سنت۔

〈۲〉 حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ، ثَنَا اَبُوْ خَالِدٍ الْاَحْمَرُ، عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ، عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ، عَنْ جَابِرٍ، وَاَخْبَرَنِیْ عَبْدُالرَّحْمٰنِ ابْنُ سَابِطٍ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَاَصْحَابَهٗ کَانُوْا یَنْحَرُوْنَ الْبَدَنَةَ مَعْقُوْلَةَ الْیُسْرٰی قَائِمَةً عَلٰی مَابَقِیَ مِنْ قَوَائِمِهَا۔(۷)

ترجمہ : حضرت جابر کہتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمٰن بن سابط نے بتایا کہ نبی ﷺ اور آپؐ کے صحابہ اپنے قربانی کے اونٹ کو اس کا بایاں پاؤں باندھ کر اور باقی تین پاؤں پر کھڑا کر کے نحر کرتے تھے۔

حدیث ابن جریج عن ابی الزبیر عن جابر موصول وحدیثه عن عبدالرحمن بن سابط مرسل۔

〈۳〉 حَدَّثَنَا مُوْسٰی ابْنُ اِسْمَاعِیْلَ، ثَنَا وَهُبٌ، عَنْ اَیُّوْبَ، عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ، عَنْ اَنَسٍ، اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَحَرَ سَبْعَ بَدَنَاتٍ بِیَدِهٖ قِیَامًا۔ وَضَحّٰی بِالْمَدِیْنَةِ بِکَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ۔(۸)

ترجمہ : حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے قربانی کے سات اونٹوں کو کھڑا کر کے اپنے دستِ مبارک سے نحر فرمایا اور مدینہ میں آپؐ نے دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھے ذبح فرمائے۔

〈۴〉 حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ بَکَّارٍ، قَالَ حَدَّثَنَا وَهَیْبٌ، عَنْ اَیُّوْبَ، عَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: صَلَّی النَّبِیُّ ﷺ الظُّهْرَ بِالْمَدِیْنَةِ وَالْعَصْرَ بِذِی الْحُلَیْفَةِ رَکْعَتَیْنِ فَبَاتَ بِهَا فَلَمَّا اَصْبَحَ رَکِبَ رَاحِلَتَهٗ فَجَعَلَ یُهَلِّلُ وَیُسَبِّحُ فَلَمَّا عَلَا عَلَی الْبَیْدَاءِ لَبّٰی بِهِمَا جَمِیْعًا فَلَمَّا دَخَلَ مَکَّةَ اَمَرَهُمْ اَنْ یَّحِلُّوْا وَنَحَرَ النَّبِیُّ ﷺ بِیَدِهٖ سَبْعَةَ بُدْنٍ قِیَامًا وَضَحّٰی بِالْمَدِیْنَةِ کَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ۔(۹)

ترجمہ : حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ کے مقام پر عصر کی دو رکعتیں۔ رات بھی وہیں گزاری، جب صبح ہوئی تو اپنی سواری پر سوار ہوئے تکبیر اور تسبیح شروع کر دی۔ جونہی میدانِ بیداء پر چڑھے تو دونوں (حج اور عمرہ) کا تلبیہ پڑھنا شروع کر دیا۔ پھر جب مکہ میں داخل ہوئے تو احرام کھول دینے کا فرمان جاری فرما دیا۔ نبی ﷺ نے قربانی کے سات اونٹ کھڑے کر کے اپنے ہاتھ سے نحر فرمائے۔ اور مدینہ میں دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھے ذبح فرمائے۔

جانور ذبح کرنے کی دعا

۲۰۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔

''اللہ کے نام کے ساتھ، اور اللہ سب سے بڑا ہے، خدایا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔''

اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔[1]

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خدایا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔''

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔

''میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور قربانی اور میرا مرنا اور جینا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔ خدایا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔''

(تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ: ۷۰)

قربانی کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی یہ مختلف صورتیں احادیث میں منقول ہیں:

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُوْسٰی الرَّازِیُّ، ثَنَا عِیْسٰی، ثَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ اِسْحَاقَ عَنْ یَزِیْدَ ابْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ، عَنْ اَبِیْ عَیَّاشٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مُوْجَئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ: اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، لَاشَرِیْكَ لَهٗ، وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ۔ (۱۰)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قربانی کے دن دو چتکبرے سینگوں والے خصی مینڈھے ذبح کیے، جب آپؐ نے ان کو رو بہ قبلہ لٹالیا تو کہا میں نے اپنا رخ اس ذات گرامی کی طرف کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں ملتِ ابراہیم پر قائم ہوں جو یکسو تھا میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔ بلاشبہ میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک و ساجھی نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سر اطاعت جھکا دینے والوں میں سے ہوں۔ یا اللہ یہ قربانی تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔ اے اللہ محمد ﷺ اور ان کی امت سے اسے قبول فرما۔ اللہ کے نام کے ساتھ اور اللہ سب سے بڑا ہے (یہ تکبیر پڑھ کر) اس کو ذبح کیا۔

⟨۲⟩ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَبُوْدَاوٗدَ، قَالَ: حَدَّثَنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ مُوْسٰی الرَّازِیُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عِیْسٰی، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ، عَنْ یَزِیْدَ بْنِ اَبِیْ حَبِیْبٍ عَنْ اَبِیْ عَیَّاشٍ،

---

[1] ان الفاظ میں یہ دعا مجھے کہیں نہیں ملی۔ (مرتب)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: ذَبَحَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ النَّحْرِ كَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ مَوْجَئَیْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ :اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذَالِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ بِاسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ۔(۱۱)

قربانی واجب ہے یا سنت؟

قربانی صرف اس لیے واجب نہیں کی گئی ہے کہ یہ تسخیر حیوانات کی نعمت پر اللہ کا شکریہ ہے، بلکہ اس لیے بھی واجب کی گئی ہے کہ جس کے یہ جانور ہیں، اور جس نے انہیں ہمارے لیے مسخر کیا ہے، اس کے حقوقِ مالکانہ کا ہم دل سے بھی اور عملاً بھی اعتراف کریں، تا کہ ہمیں کبھی یہ بھول لاحق نہ ہو جائے کہ یہ سب کچھ ہمارا اپنا مال ہے۔ اسی مضمون کو وہ فقرہ ادا کرتا ہے جو قربانی کرتے وقت کہا جاتا ہے کہ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ۔ ''خدایا تیرا ہی مال ہے اور تیرے ہی لیے حاضر ہے۔''

اس مقام پر یہ جان لینا چاہیے کہ قربانی کا جو حکم دیا گیا وہ صرف حاجیوں کے لیے ہی نہیں ہے، اور صرف مکے میں حج ہی کے موقع پر ادا کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ تمام ذی استطاعت مسلمانوں کے لیے عام ہے، جہاں بھی وہ ہوں، تا کہ وہ تسخیر حیوانات کی نعمت پر شکریہ اور تکبیر کا فرض بھی ادا کریں اور ساتھ ساتھ اپنے اپنے مقامات پر حاجیوں کے شریکِ حال بھی ہو جائیں۔ حج کی سعادت میسر نہ آئی نہ سہی، کم از کم حج کے دنوں میں ساری دنیا کے مسلمان وہ کام تو کر رہے ہوں جو حاجی جوارِ بیت اللہ میں کریں۔ اس مضمون کی تصریح متعدد صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اور بکثرت معتبر روایات سے بھی ثابت ہوا ہے کہ نبی ﷺ خود مدینۂ طیبہ کے پورے زمانۂ قیام میں ہر سال بقرعید کے موقع پر قربانی کرتے رہے اور مسلمانوں میں آپ ہی کی سنت سے یہ طریقہ جاری ہوا۔

مسلم میں جابر بن عبداللہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مدینے میں بقرعید کی نماز پڑھائی اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ آپؐ قربانی کر چکے ہیں اپنی اپنی قربانیاں کر لیں، اس پر آپؐ نے حکم دیا کہ مجھ سے پہلے جن لوگوں نے قربانی کر لی ہے وہ پھر اعادہ کریں۔

پس یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ بقرعید کے روز جو قربانی عام مسلمان دنیا بھر میں کرتے ہیں، یہ نبی ﷺ ہی کی جاری کی ہوئی سنت ہے۔ البتہ اگر اختلاف ہے تو اس امر میں کہ آیا یہ واجب ہے یا صرف سنت۔ ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف بھی، اس کو واجب مانتے ہیں۔ مگر امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ صرف سنت مسلمین ہے، اور سفیان ثوری بھی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کوئی نہ کرے تو مضائقہ نہیں۔ تاہم علماء امت میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ اگر تمام مسلمان متفق ہو کر اسے چھوڑ دیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ نئی اُپج صرف ہمارے زمانے کے بعض لوگوں کو سوجھی ہے جن کے لیے ان کا نفس ہی قرآن بھی ہے اور سنت بھی۔ (تفہیم القرآن ج ۳، الحج، حاشیہ ۶۷)

دارالحرب میں گائے کی قربانی کا مسئلہ[1]

میرے نزدیک مسلمانوں نے ہندوستان میں ہندوؤں کو راضی کرنے کے لیے اگر گائے کی قربانی ترک کی تو چاہے وہ کائناتی قیامت نہ آجائے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے لیکن ہندوستان کی حد تک اسلام پر واقعی قیامت تو ضرور آجائے گی۔ افسوس یہ ہے کہ کچھ لوگوں کا نقطۂ نظر اس مسئلہ میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عین ضد ہے۔ ان کے نزدیک اہمیت صرف اس امر کی ہے کہ کس طرح دو قوموں کے درمیان اختلاف ونزاع کے اسباب دور ہو جائیں۔ لیکن اِسلام کے نزدیک اصل اہمیت یہ امر رکھتا ہے کہ توحید کا عقیدہ اختیار کرنے والوں کو شرک کے ہر ممکن خطرہ سے بچایا جائے۔

جس ملک میں گائے کی پوجا نہ ہوتی ہو اور گائے کو معبودوں میں شامل نہ کیا گیا ہو اور اس کے تقدّس کا بھی عقیدہ نہ پایا جاتا ہو۔ وہاں تو گائے کی قربانی محض ایک جائز فعل ہے جس کو اگر نہ کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن جہاں گائے معبود ہو اور تقدّس کا مقام رکھتی ہو، وہاں تو گائے کی قربانی کا حکم ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا۔ اگر ایسے ملک میں کچھ مدت تک مسلمان مصلحتاً گائے کی قربانی ترک کر دیں اور گائے کا گوشت بھی نہ کھائیں تو یہ یقینی خطرہ ہے کہ آگے چل کر اپنی ہمسایہ قوموں کے گاؤ پرستانہ عقائد سے وہ متاثر ہو جائیں گے اور گائے کے تقدس کا اثر ان کے قلوب میں اسی طرح بیٹھ جائے گا جس طرح مصر کی گاؤ پرست آبادی میں رہتے رہتے بنی اسرائیل کا حال ہوا تھا کہ ''اُشْرِبُوا فِی قُلُوْبِھِمُ الْعِجْلَ'' پھر اس ماحول میں جو ہندو اسلام قبول کریں گے وہ چاہے اسلام کے اور دوسرے عقائد قبول کرلیں، لیکن گائے کی تقدیس ان کے اندر بدستور موجود رہے گی۔ اسی لیے ہندوستان میں گائے کی قربانی کو میں واجب سمجھتا ہوں اور اس کے ساتھ میرے نزدیک کسی نو مسلم ہندو کا اسلام اس وقت تک معتبر نہیں ہے جب تک وہ کم از کم ایک مرتبہ گائے کا گوشت نہ کھالے۔ اسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ ''جس نے نماز پڑھی جیسی ہم پڑھتے ہیں اور جس نے اسی قبلہ کو اختیار کیا جو ہمارا ہے اور جس نے ہمارا ذبیحہ کھایا وہ ہم میں سے ہے۔'' ''یہ ہمارا ذبیحہ کھایا'' دوسرے الفاظ میں یہ معنی رکھتا ہے کہ مسلمانوں میں شامل ہونے کے لیے ان اوہام وقیود اور بندشوں کا توڑنا بھی ضروری ہے جن کا جاہلیت کی حالت میں کوئی شخص پابند رہا ہو۔ (رسائل ومسائل اول: ص ۱۷۶-۱۷۷)

جبری امتناع کی صورت میں مباحات کا وجوب

یہ بات تو بہت صحیح ہے کہ جب کسی مباح چیز کو کوئی حکومت یا کوئی طاقت زبردستی حرام قرار دے دے تو اس کی قائم کی ہوئی حرمت کو تسلیم کرنا گناہ ہے اور اس کو توڑ دینا واجب ہے۔

شریعت اسلامی کا یہ فطری تقاضا ہے کہ وہ زندگی میں اپنا پورا غلبہ بلاشرکتِ غیر چاہتی ہے اور اگر غیر اللہ کا کوئی اقتدار انسانوں پر اپنا دامن پھیلانا چاہتا ہو تو اسلامی شریعت اپنے متّبعین کو اس کا باغی دیکھنا چاہتی ہے۔ نہ کہ مطیع ووفا شعار۔ جس نظامِ حق کو گائے کی قربانی جیسے معمولی معمولی مسئلہ میں غیر اللہ کی مداخلت گوارا نہیں ہے، وہ آخر اسے کیسے برداشت کرسکتا ہے کہ سیاست اور معیشت اور معاشرت کے اہم مسائل میں خدا سے سرکشی کرنے والی کوئی قوت اپنی مرضی کو اللہ کے بندوں پر نافذ کرے۔

---

[1] ایک استفسار کا جواب۔

شریعت اسلامی کی یہی اسپرٹ ہمیشہ نظامِ کفر و جاہلیت کے خلاف ارباب حق کو صف آرا کرتی رہی ہے اور آنحضرت ﷺ کی یہ پیشگوئی پوری ہوتی رہی ہے کہ میری امت میں جہاد قیامت تک جاری رہے گا، نہ کسی عادل کا عدل اسے ختم کر سکے گا نہ کسی ظالم کا ظلم۔ یہی اسپرٹ ہمیشہ تجدید اسلام کی تحریکوں کی محرّک رہی ہے اور اسی نے صالحین کو ماحول کی خوفناکیوں کے آگے جھک جانے سے روکا ہے۔

مگر جہاں یہ اسپرٹ مسلمانوں میں کمزور ہوگئی ہے وہاں انہوں نے اپنی اسلامیت میں کتر بیونت کر کے ہر قسم کے نظامہائے طاغوت کو نہ صرف یہ کہ گوارا کرلیا ہے، بلکہ حد یہ ہے کہ اسے چلانے اور مستحکم رکھنے اور اس کا تحفّظ کرنے کی خدمات تک سرانجام دینے کے لیے تاویلیں کرلی ہیں۔

یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ گاؤ کشی اگر طاغوت کی روک سے مباح کے بجائے واجب ہو جاتی ہے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نظام کا قائم کرنا جو پہلے ہی فرض اور بہت بڑا فرض ہے باطل کی طرف سے کسی مزاحمت کے پیدا ہو جانے پر دین کے ہر فرض سے بڑا فرض ہو جاتا ہے اور اس سے چشم پوشی کر کے اگر مسلمان ہزار نفلی عبادتیں بھی کرے تو وہ بے معنی ہیں۔

درحقیقت کسی غیر الٰہی طاقت کی مداخلت فی الدین چاہے کتنے ہی چھوٹے معاملے میں ہو، مسلمان کے عقیدۂ توحید پر براہ راست ضرب لگاتی ہے۔ اور ہر ایسی مداخلت کے معنی یہ ہیں کہ مداخلت کرنے والے نے ایک خاص معاملہ میں اپنی خدائی کا عملی اعلان کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اعلان پر مسلمان کا امن وسکون سے بیٹھے رہنا تک اس کے ایمان کو مشتبہ کر دیتا ہے، کجا یہ حال کہ اس اعلان کے اعلانچی خود مسلمان ہوں اور وہ دوسروں سے بالجبر اسے منوانے کے لیے اپنی قوتیں باطل کے ہاتھ فروخت کر دیں۔

پس اصلی مسئلہ قربانی گاؤ کا نہیں ہے، بلکہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کا ہے اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کر کے ہم کسی اخروی بہبود کی امیدیں قائم کر سکتے ہیں؟ (رسائل ومسائل اول: ص ۱۷۶ تا ۱۷۸)

قربانی سنتِ ابراہیمی ہے

۲۱۔ مَاهٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ؟ قَالَ : سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ۔

''آپؐ سے پوچھا گیا یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس واقعہ کے بعد ہر سال اسی تاریخ کو جانور قربان فرمایا کرتے تھے۔ حضورؐ نے اس سنت کو زندہ کیا اور اپنی امت کو ہدایت فرمائی کہ قرآن میں قربانی کا جو عام حکم دیا گیا ہے، اس کی تعمیل خصوصیت کے ساتھ اس روز کریں جس روز حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اس عظیم الشان قربانی کی یاد تازہ کیا کرتے تھے۔ اپنی تاریخ کے یادگار واقعات کا ''یوم'' دنیا کی ہر قوم منایا کرتی ہے۔ اسلام کا مزاج یادگار منانے کے لیے بھی اس دن کا انتخاب کرتا ہے جس میں دو بندوں کی طرف سے خدا پرستی کے انتہائی کمال کا مظاہرہ ہوا۔ (مسئلہ قربانی: ص ۱۹)

تخریج (۱): حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلَفٍ الْعَسْقَلَانِيُّ، ثَنَا آدَمُ بْنُ اَبِيْ اِيَاسٍ، ثَنَا سَلَّامُ بْنُ مِسْكِيْنٍ، ثَنَا عَائِذُ اللّٰهِ، عَنْ اَبِيْ دَاوٗدَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ، قَالَ: قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!

مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِیُّ؟ قَالَ : سُنَّةُ اَبِیْكُم اِبْرَاهِیْمُ قَالُوا: فَمَالَنَا فِیْهَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا : فَالصُّوْفُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔(۱۲)

ترجمہ : حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ اصحاب رسول ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیسی ہیں؟ فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ انہوں نے پھر عرض کیا ہمارے لیے اے اللہ کے رسول ان میں کیا ہے؟ فرمایا ہر بال کے عوض نیکی ہے عرض کیا اے اللہ کے رسول اون بھی اس میں شامل ہے؟ فرمایا اُون کے ہر بال کے عوض بھی ایک نیکی ہے۔

فی الزوائد : فی اسناده ابوداؤد، واسمه نفیع ابن الحارث۔ وهو متروك واتهم بوضع الحدیث۔

ترمذی میں اس روایت کے بجائے صرف یہ الفاظ ہیں:

〈۲〉 لِصَاحِبِهَا بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ۔

احادیث سے قربانی کا ثبوت

۲۲ :۱۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔ (ترمذی)

تخریج: حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ وَهَنَّادٌ، قَالَا : ثَنَا بْنُ اَبِیْ زَائِدَةَ عَنْ حَجَّاجِ بْنِ اَرْطَاةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ۔(۱۳) (هذا حدیث حسن)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال مقیم رہے اور ہر سال قربانی کرتے رہے۔

۲۔حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو وصیت فرمائی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا رہوں، چنانچہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتا ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

تخریج〈۱〉 : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ، ثَنَاشَرِیْكٌ، عَنْ اَبِی الْحَسْنَاءِ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ حَنَشٍ، قَالَ: رَاَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّیْ بِكَبْشَیْنِ، فَقُلْتُ:مَاهٰذَا؟ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْهُ، فَاَنَا اُضَحِّیْ عَنْهُ۔(۱٤)

ترجمہ : حنش کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کو دیکھا کہ آپ دو مینڈھے قربانی دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو وصیت فرمائی کہ میں آپؐ کی طرف سے قربانی کرتا رہوں چنانچہ میں آپؐ کی طرف سے قربانی کیا کرتا ہوں۔

〈۲〉 عَنْ عَلِیٍّ اَنَّهٗ كَانَ یُضَحِّیْ بِكَبْشَیْنِ اَحَدُهُمَا عَنِ النَّبِیِّ ﷺ وَالْاٰخَرُ عَنْ نَفْسِهٖ، فَقِیْلَ لَهٗ : قَالَ اَمَرَنِیْ بِهٖ یعنی النَّبِیُّ ﷺ فَلَا اَدَعُهٗ اَبَدًا۔

هذا حديث غريبٌ لَانعرفه الاَّ من حديث شريك۔

ترجمہ: حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ وہ دو مینڈھے قربانی کیا کرتے تھے۔ان میں سے ایک نبی ﷺ کی طرف سے اور دوسرا اپنی طرف سے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو جواب دیا کہ اس کا مجھے نبی ﷺ نے حکم دیا ہے لہٰذا میں اسے تادمِ زیست کبھی نہیں چھوڑوں گا۔

وقد رخّص بعض اهل العلم ان يَضحى عن الميت وَلَم يرَبَعْضُهُم اَنْ يضحى عنه۔

وقال عبدالله بن المبارك اَحبُّ اِلَىَّ اَنْ يَتصَدَّقَ عَنهُ وَلَايُضَحِّىَ وَاِنْ ضَحّٰى فَلَايَاْكُلَ مِنهَا شَيْئًا وَيُتَصَدَّقُ بِهَا كُلُّهَا۔

——— بعض اہل علم نے میت کی طرف سے قربانی کی رخصت دی ہے اور اس میں انہوں نے کوئی قباحت اور مضائقہ محسوس نہیں کیا۔

——— عبداللہ بن مبارک کا قول ہے کہ مجھے قربانی دینے سے صدقہ دینا زیادہ پسند ہے۔اگر میت کی جانب سے قربانی دی جائے تو پھر اس کا سارا گوشت مستحقین میں تقسیم کردیا جائے خود اس میں سے کچھ بھی نہ کھائے۔

۳۔حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا اَوَّلُ مَانَبدَأُ بِهٖ فِىْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّىَ ثُمَّ نَرجِعُ فَنَنحَرُفَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا۔''آج کے دن ہم پہلے نماز پڑھتے ہیں، پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں، پس جس نے اس طریقے کے مطابق عمل کیا، اس نے ہماری سنت پالی۔'' (بخاری، مسلم)

تخریج ﴿۱﴾: حَدَّثَنِى مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ:حَدَّثَنَاغُندُرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ زُبَيْدِ الْيَامِىِّ عَنِ الشَّعْبِىِّ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ : قَالَ النَّبِىُّ ﷺ : اِنَّ اَوَّلَ مَانَبدَأُ بِهٖ فِىْ يَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نُصَلِّىَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ۔مَنْ فَعَلَهٗ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَاِنَّمَا هُوَلَحْمٌ، قَدَّمَهٗ لِاَهْلِهٖ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِىْ شَىْءٍ۔ فَقَامَ اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ نِيَارٍ وَقَدْ ذَبَحَ۔ فَقَالَ : اِنَّ عِنْدِىْ جَذْعَةً! قَالَ :اذْبَحْهَا وَلَنْ تُجْزِىَٔ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ۔

ترجمہ: حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔آج کے دن ہم پہلے نماز پڑھتے ہیں پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں۔پس جس نے اس طریقے کے مطابق عمل کیا اس نے ہماری سنت پالی اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو وہ تو محض گوشت تصور ہوگا جو اس نے اپنے اہل وعیال کے لیے پہلے پیش کردیا ہے۔قربانی میں اس کا کوئی شمار نہیں۔ابو بردہ اٹھے یہ نماز سے پہلے قربانی ذبح کرچکے تھے، عرض کیا میرے پاس جذعہ ہے۔آپؐ نے فرمایا اسے بھی ذبح کردو۔مگر یاد رہے تمہارے بعد کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔

﴿۲﴾ وَقَالَ مُطَرِّفٌ عَنْ عَامِرٍ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ النَّبِىُّ ﷺ مَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔(۱۵)

ترجمہ : براء بن عازب سے نبی علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہوئی اور اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو پالیا۔

〈۳〉 حَدَّثَنَا اَبُوْنُعَیْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ طَلْحَةَ، عَنْ زُبَیْدٍ، عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنِ الْبَرَآءِ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم یَوْمَ اَضْحیٰ اِلَی الْبَقِیْعِ، فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: اِنَّ اَوَّلَ نُسُکِنَا فِیْ یَوْمِنَا هٰذَا اَنْ نَبْدَأَبِالصَّلَاةِ، ثُمَّ نَرْجِعُ، فَنَنْحَرُ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ وَافَقَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ ذٰلِكَ فَاِنَّمَا هُوَ شَیْءٌ عَجَّلَهٗ لِاَهْلِهٖ لَیْسَ مِنَ النُّسُكِ فِیْ شَیْءٍ، فَقَامَ رَجُلٌ، فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنِّیْ ذَبَحْتُ وَعِنْدِیْ جَذَعَةٌ خَیْرٌ مِنْ مُّسِنَّةٍ قَالَ: اذْبَحْهَا وَلَاتَفِیْ عَنْ اَحَدٍ بَعْدَكَ۔(۱۶)

〈۴〉 عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ یَوْمِ نَحْرٍ فَقَالَ: لَایَذْبَحَنَّ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُصَلِّیَ قَالَ: فَقَامَ خَالِیْ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا یَوْمُ اللَّحْمِ فِیْهِ مَکْرُوْهٌ وَاِنِّیْ عَجَلْتُ نَسِیْکَتِیْ لِاُطْعِمَ اَهْلِیْ وَاَهْلَ دَارِیْ اَوْجِیْرَانِیْ قَالَ: فَاَعِدْ ذَبْحَكَ بِاٰخَرَ فَقَالَ : یَارَسُوْلَ اللّٰهِ عِنْدِیْ عَنَاقُ لَبَنٍ هِیَ خَیْرٌ مِنْ شَاتَیْ لَحْمٍ اَفَاَذْبَحُهَا؟ قَالَ: نَعَمْ، وَهُوَ خَیْرُ نُسِیْکَتِكَ وَلَاتَجْزِیْ جَذَعَةً بَعْدَكَ۔

وَفی الباب عن جابر و جندب وانس وعمیربن اشقر وابن عمر، وابی زید الانصاری وهذا حدیث حسن صحیح۔

ترجمہ : حضرت براء بن عازب کا بیان ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے عید قرباں کے دن خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی بھی جب تک نماز نہ پڑھ لے، جانور ذبح نہ کرے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرے چچا نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ گوشت خوری آج ناپسندیدہ ہے اور میں نے قربانی کرنے میں تو جلد بازی سے کام لیا ہے تا کہ اپنے اہل وعیال اور اپنے گھر والوں اور اپنے ہمسایوں کو جلدی سے گوشت کھلاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا، اس کی جگہ ایک اور قربانی دوبارہ کرو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ دو بکریوں سے بہتر ایک سالہ بکری کا دودھ سے پلا ہوا بچہ ہے۔ کیا میں اس کی جگہ اسے ذبح کرسکتا ہوں۔ فرمایا: ''ہاں'' وہ تیری قربانی کے لیے بہتر ہے لیکن یہ تیرے بعد کسی اور کے لیے کافی نہیں ہوگا۔

والعمل علی هذا عند اهل العلم ان لایُضَحِّیْ بِالْمِصْرِ حَتّٰی یصلی الامام۔

وقد رخَّص قوم من اهل العلم لاهل القریٰ فی الذبح اذا طلع الفجر وهو قول ابن المبارک۔

وقد اجمع اهل العلم اَنْ لَایجزیُٔ الجَذَع من المعزو قالوا انما یجزئ الجذ ع من الضان۔ (۱۷)

- اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ شہر میں جب تک امام نماز عید نہ پڑھا لے، اس وقت تک قربانی نہ کی جائے۔
- البتہ بعض اہل علم حضرات نے اس کی اجازت دی ہے کہ دیہاتوں اور گاؤں میں طلوع فجر کے وقت ذبح کرسکتا ہے۔ یہ عبداللہ بن مبارک کی رائے ہے۔
- اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ بکری کا جذعہ جائز نہیں صرف بھیڑ یا دُنبہ کا جذعہ جائز ہے۔

﴿۵﴾ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ اَخبَرَنِی زُبَیْدٌ، قَالَ: سَمِعْتُ الشَّعْبِیَّ، عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَخطُبُ فَقَالَ:اِنَّ اَوَّلَ مَا نَبدَأُ مِن یَّومِنَا هٰذَا اَن نُصَلِّیَ ثُمَّ نَرجِعَ فَنَنحَرَ فَمَن فَعَلَ فَقَدْ اَصَابَ سُنَّتَنَا۔(۱۸)

ترجمہ : براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے آپ خطبہ میں ارشاد فرما رہے تھے۔آج کے دن ہم پہلے نماز پڑھتے ہیں۔ پھر پلٹ کر قربانی کرتے ہیں۔ پس جس نے اس طریقے کے مطابق عمل کیا اس نے ہماری سنت پالی۔

۴۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے فرمایا الاضحی یوم یُضحی النّاس ''الاضحیٰ وہ دن ہے جس میں لوگ قربانی کرتے ہیں۔'' (ترمذی)

تخریج﴿۱﴾: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِالْعَزِیْزِ، نَااَبُوْهِشَامٍ الرِّفَاعِیُّ، نَایَحْیَ بْنُ الْیَمَانِ، عَنْ مَعْمَرٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَ اَبُوهِشَامٍ : اَظُنُّهٗ رَفَعَهٗ قَالَ:اَلْفِطْرُ یَوْمَ یُفْطِرُ النَّاسُ وَالْاَضحیٰ یَوْمَ یُضَحِّی النَّاسُ۔(۱۹)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ کا بیان ہے یوم الفطر وہ دن ہے جس میں لوگ روزہ نہیں رکھتے، اور یوم الاضحیٰ وہ دن ہے جس میں لوگ قربانی کرتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں سے مروی روایت کا متن:

﴿۲﴾ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :فِطْرُکُمْ یَوْمَ تُفْطِرُوْنَ وَاَضْحَاكُمْ یَوْمَ تُضَحُّوْنَ۔ لفظ ابن صائد۔ (۲۰)

ترمذی نے تضحی النّاس کے بجائے یضحی الناس روایت کیا ہے:

قال ابو عیسٰی: سالت محمدا قلت له محمد بن المنکدر سمع عن عائشة قال : نعم یقول فی حدیثه سمعت عائشة، قال ابو عیسٰی وهذا حدیث حسن غریب صحیح من هذا الوجه۔

۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا من وجد سعة فلم یُضحِّ فلایقربنَّ مصلّانا۔ ''جو شخص طاقت رکھتا ہو اور پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔'' (مسند احمد، ابن ماجہ)

(تفہیمات ج ۲: قربانی... حدیث میں)

تخریج﴿۱﴾ : حَدَّثَنَا اَبُوبَكْرِ بْنُ اَبِیْ شَیْبَةَ ثَنَا زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ، ثَنَا عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَیَّاشٍ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ کَانَ لَهٗ سَعَةٌ وَلَمْ یُضَحِّ فَلَایَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔(۲۱)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص طاقت رکھتا ہو اور پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

فی الزوائد: فی اسناد عبدالله بن عیاش وهو، وان روی له مسلم، فانما اخرج له فی المتابعات والشواهد وقد ضعّفه ابوداؤد والنسائی وقال ابوحاتم: صدوق۔ وقال ابن یونس۔ منکر الحدیث وذکره ابن حبان فی الثقات۔(۲۲) [1]

﴿۲﴾ مَنْ وَجَدَ سَعَةً لِاَنْ یُّضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَایَحْضُرْ مُصَلَّانَا۔(۲۳)

بیہقی کی ایک روایت میں فلایقربن فی مسجدنا بھی ہے۔(موتوف)

﴿۳﴾ رواه زَیْدُ بْنُ الْحُبَابِ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَیَّاشٍ، قَالَ:حَدَّثَنِی الْاَعْرَجُ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ کَانَ لَهٗ یَسَارٌ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَایَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔(۲٤)

﴿۴﴾ وقد رواه غیر زید بن الحباب مرفوعاً جماعة، منهم یحیی بن سعید حدثنا عَبْدُ الْبَاقِی ابْنُ قَانِعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْوَلِیْدِ بْنِ الْمُبَارَكِ، قَالَ : حَدَّثَنَا الْهَیْثَمُ بْنُ خَارِجَةَ، قَالَ : حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَیَّاشٍ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :مَنْ قَدَرَ عَلٰی سَعَةٍ فَلَمْ یُضَحِّ فَلَایَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

ایک روایت میں من وجد سعة فلم یضحّ ہے۔(۲۵)

رواه یحیی بن یعلی ایضا مرفوعاً:

﴿۵﴾ حَدَّثَنَا عَبْدُالْبَاقِیْ، قَالَ:حَدَّثَنَا حُسَیْنُ بْنُ اِسْحَاقَ، قَالَ:حَدَّثَنَا اَحْمَدُ ابْنُ النُّعْمَان الفراء، قَالَ:حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ یَعْلٰی، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَیَّاشٍ اَوْعَبَّاسٍ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ مَنْ وَجَدَ سَعَةً، فَلَمْ یُضَحِّ فَلَایَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

﴿۶﴾ وَرَوَاهُ عُبَیْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِیْ جَعْفَرٍ، عَنِ الْاَعْرَجِ، عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ : مَنْ وَجَدَ سَعَةً فَلَمْ یُضَحِّ فَلَایَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

وَیُقَالُ: اِنَّ عُبَیْدَ اللّٰهِ بْنَ اَبِیْ جَعْفَرٍ فَوْقَ بْنُ عَیَّاشٍ فِی الضَّبْطِ وَالْجَلَالَةِ۔ فَوَقَفَهٗ عَلٰی اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَلَمْ یَرْفَعْهُ۔ وَیُقَالُ: اِنَّ الصَّحِیْحَ اِنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَیْهِ غَیْرُ مَرْفُوْعٍ۔(احکام القرآن ج۳:ص۲٤۸۔۲٤۹)

۶۔حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مَا عَمِلَ ابْنُ آدم یوم النَّحرِعَملاً اَحبَّ اِلَی اللّٰهِ عَنْ هَرَاقَةِ دم۔ ''قربانی کے دن آدم کی اولاد کا کوئی فعل اللہ کو اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ وہ خون بہائے۔''

تخریج : حَدَّثَنَا اَبُوْعَمْرٍو مُسْلِمُ بْنُ عَمْرٍو الْحَذَّاءُ الْمَدِیْنِیُّ، ثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ نَافِعِ الصَّائِغُ عَنْ اَبِی الْمُثَنّٰی عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:مَاعَمِلَ آدَمِیٌّ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ اِنَّهٗ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا، وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔(۲۶)

---

[1] اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں محدثین میں صرف اس امر پر اختلاف ہے کہ مرفوع روایت ہے یا موقوف۔(مؤلف)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قربانی کے دن ابن آدم کا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ وہ خون بہائے کیونکہ یہ قیامت کے روز اپنی سینگوں اپنے بالوں اور اپنے کھروں سمیت خدا کے حضور حاضر ہوگی۔ قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے حضور عمدہ مقام ومرتبہ پر پہنچ جاتا ہے لہذا تمہیں اس سے خوشی اور مسّرت حاصل ہونی چاہیے۔

وفی الباب عن عمران بن حصین وزیدبن ارقم۔ وھذا حدیث حسن غریب لانعرفه من حدیث ھشام ابن عروۃ الا من ھذا الوجه۔

ابوالمثنیٰ۔ اسمه سلیمان بن یزید روی عنه ابن ابی فُدَیك ویروی عن النبی ﷺ انه قال فی الاضحیة لِصَاحِبِھا بکلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَةٌ ویروی بقرونھا۔

۷۔ حضرت بُریدہ کہتے ہیں کہ عیداضحیٰ کے دن حضورؐ عیدگاہ واپسی تک کچھ نہ کھاتے پیتے تھے اور واپس آکر اپنی قربانی کا گوشت تناول فرماتے تھے۔ (مسنداحمد)

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ ثَنَا عُقْبَةُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ الرِّفَاعِیُّ حَدَّثَنِیْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ بُرَیْدَةَ۔ عَنْ اَبِیْهِ، قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔ لَایَغْدُوْا یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَاْکُلَ وَلَایَاْکُلُ یَوْمَ الْاَضْحٰی حَتّٰی یَرْجِعَ فَیَاْکُلَ مِنْ اُضْحِیَتِهٖ۔(۲۷)

ترجمہ : حضرت بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ عیدالفطر کے روز کچھ تناول فرمائے بغیر نہ نکلتے اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ سے واپسی تک کچھ نہ کھاتے تھے واپس آکر اپنی قربانی کا گوشت کھاتے تھے۔

ترمذی نے بریدۃ عن ابیه کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس کا متن درج ذیل ہے:

〈۲〉 قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ: لَایَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰی یَطْعَمَ وَلَایَطْعَمُ یَوْمَ الْاَضْحٰی حَتّٰی یُصَلِّیَ۔ (۲۸)

ترجمہ : نبی ﷺ عیدالفطر کے دن کچھ کھائے بغیر نہ نکلتے تھے اور عیدالاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے سے پہلے کچھ نہ کھاتے تھے۔

قال ابوعیسٰی حدیث بریدۃ بن حصیب الاسلمی حدیث غریب، قال محمد، لااعرف لثواب بن عتبة غیر ھذا الحدیث۔

۸۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیداضحیٰ کی نماز پڑھی پھر جب آپ پلٹے تو آپؐ کے حضور ایک مینڈھا لایا گیا اور آپؐ نے اسے ذبح فرمایا۔ (مسنداحمد، ترمذی، ابوداؤد)

تخریج : حَدَّثَنَا قُتَیْبَةُ بْنُ سَعِیدٍ، قَالَ: ثَنَایَعْقُوبُ یعنی الِاسْکَنْدَرَانِیُّ عَنْ عَمْرٍو عَنِ الْمُطَّلِبِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: شَهِدْتُّ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْاَضْحٰی فِی الْمُصَلّٰی فَلَمَّا قَضٰی خُطْبَتَهٗ نَزَلَ مِنْ مِنْبَرِهٖ وَاُتِیَ بِکَبْشٍ فَذَبَحَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِیَدِهٖ قَالَ : بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ ھٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔(۲۹)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے عیدگاہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھی۔ جب آپؐ نے خطبہ عید ختم کیا تو منبر سے اترے۔ آپ کی خدمت میں ایک مینڈھا لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر تکبیر پڑھی اور فرمایا یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت کے ان لوگوں کی جانب سے قبول فرما جو قربانی نہ کر سکے۔

۹۔عَنْ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا ضَحّٰى اشْتَرٰى كَبْشَيْنِ سَمِيْنَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ فَاِذَا صَلّٰى وَخَطَبَ النَّاسَ اُتِىَ بِاَحَدِهِمَا وَهُوَ قَائِمٌ فِىْ مُصَلَّاهُ فَذَبَحَهٗ بِنَفْسِهٖ بِالْمُدْيَةِ۔ (مسند احمد)

''علی بن حسین رضی اللہ عنہ ابورافع سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بقرعید کے موقع پر دو مینڈھے خریدتے تھے۔ خوب موٹے تازے، بڑے سینگوں والے اور چتکبرے۔ پھر جب آپ نماز پڑھ چکتے اور خطبے سے فارغ ہو لیتے تو ان میں سے ایک مینڈھا پیش کیا جاتا اور آپ اپنے مصلّے ہی پر کھڑے کھڑے چھری سے اس کو ذبح فرما دیتے۔''

اور فرماتے خدایا! یہ میری ساری امت کی جانب سے ان لوگوں کی جانب سے جو تیری توحید اور میری رسالت کے پہنچانے کی شہادت دیں۔ پھر دوسرا مینڈھا پیش کیا جاتا۔ اسے بھی خود ہی ذبح کرتے اور فرماتے یہ محمد اور آلِ محمدؐ کی جانب سے ہے پھر ان دونوں کا گوشت مساکین بھی کھاتے اور آپؐ اور آپ کے اہل وعیال بھی۔ (تفہیمات حصہ دوم: قربانی...حدیث میں)

تخریج ⟨۱⟩: حَدَّثَنَا عَبْدُاللّٰهِ، حَدَّثَنِىْ اَبِىْ، ثَنَا اَبُوْ عَامِرٍ، قَالَ: ثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا ضَحّٰى اشْتَرٰى كَبْشَيْنِ سَمِيْنَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ فَاِذَا صَلّٰى وَخَطَبَ النَّاسَ اُتِىَ بِاَحَدِهِمَا وَهُوَ قَائِمٌ فِىْ مُصَلَّاهُ فَذَبَحَهٗ بِنَفْسِهٖ بِالْمُدْيَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ : اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا عَنْ اُمَّتِىْ جَمِيْعًا مِمَّنْ شَهِدَ لَكَ بِالتَّوْحِيْدِ وَشَهِدَ لِىْ بِالْبَلَاغِ ثُمَّ يُؤْتٰى بِالْاٰخَرِ فَيَذْبَحُهٗ بِنَفْسِهٖ وَيَقُوْلُ هٰذَا عَنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ فَيُطْعِمُهُمَا جَمِيْعًا الْمَسَاكِيْنَ وَيَاْكُلُ هُوَ وَاَهْلُهٗ مِنْهُمَا۔(۳۰)

⟨۲⟩ حَدَّثَنَا هَارُوْنُ ابْنُ مَعْرُوْفٍ، قَالَ: نَاعَبْدُاللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ، قَالَ:قَالَ حَيْوَة :اَخْبَرَنِىْ اَبُوْصَخْرٍ، عَنْ يَزِيْدَ بْنِ قُسَيْطٍ، عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَائِشَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَاُ فِىْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِىْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِىْ سَوَادٍ فَاُتِىَ بِهٖ لِيُضَحِّىَ بِهٖ قَالَ لِعَائِشَةَ هَلُمِّى الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ : اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ۔(۳۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے مینڈھے کا حکم فرمایا جو سینگوں والا ہو جس کے کھر سیاہ ہوں جس کی چھاتی سیاہ ہو۔ آنکھیں بھی سیاہ ہوں، ان اوصاف کا مینڈھا آپؐ کی خدمت میں لاکر پیش کیا گیا۔

حضرت عائشہؓ سے آپؐ نے فرمایا۔ چھری لاؤ، ساتھ ہی فرمایا اسے پتھر پر ذرا تیز بھی کرلو انہوں نے چھری لی اور اسے پتھر پر تیز کرلیا۔ آپؐ نے چھری اپنے ہاتھ میں لی اور مینڈھے کو پکڑ کر زمین پر لٹالیا اور ذبح کردیا اور یہ دعا پڑھی۔ خدایا تیرے نام مبارک کے ساتھ (قربان کرتا ہوں) اسے محمدؐ اور آلِ محمد اور امتِ محمد کی طرف سے قبول فرمالے۔ یہ پڑھ کر قربان کردیا۔

(۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيٰى، ثَنَا عَبْدُالرَّزَّاقِ، اَنْبَأَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدِ ابْنِ عَقِيْلٍ، عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يُّضَحِّیَ، اشْتَرٰی كَبْشَيْنِ عَظِيْمَيْنِ سَمِيْنَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْءَ يْنِ، فَذَبَحَ اَحَدَهُمَا عَنْ اُمَّتِهٖ لِمَنْ شَهِدَ لِلّٰهِ بِالتَّوْحِيْدِ وَشَهِدَ لَهٗ بِالْبَلَاغِ وَذَبَحَ الْاٰخَرَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَعَنْ آلِ مُحَمَّدٍ ﷺ۔(۳۲)

ترجمہ : حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ دونوں سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی قربانی کا عزم فرماتے تو دو موٹے تازے فربہ، سینگوں والے سیاہ وسفید رنگ والے خصّی مینڈھے خریدتے۔ ایک مینڈھا اپنی امت کے ان لوگوں کی جانب سے قربانی دیتے جو توحید باری تعالیٰ کی شہادت دیتے اور آپ کی تبلیغ رسالت کی گواہی دیتے اور دوسرا اپنے اور اپنی آل کی جانب سے قربانی کرتے۔

فی الزوائد۔ فی اسناده عبدالله بن محمد، مختلف فيه۔

ضحى رسول الله ﷺ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجَئَيْنِ خصيين فقال احدهما عمن شهد بالتوحيد وله بالبلاغ والاخر عنه وعن اهل بيته۔(۳۳)

۱۰۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عیدگاہ ہی میں ذبح اور نحر فرمایا کرتے تھے۔
(بخاری، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد)

تخریج: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ فَرْقَدٍ، عَنْ نَافِعٍ، اَنَّ ابْنَ عُمَرَ اَخْبَرَهٗ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰی۔(۳٤)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ گائے بکرے اور اونٹ کی قربانی عیدگاہ ہی میں فرمایا کرتے تھے۔

۱۱۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدالاضحیٰ میں دو چتکبرے بڑے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دی۔ (بخاری، مسلم)

اور یہی مضمون حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی مروی ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی)

براء بن عازب، جندب بن سفیان البجلی اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کی متفقہ روایات یہ ہیں، حضورؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے عید کی نماز سے پہلے ذبح کرلیا، اس کی قربانی نہیں ہوئی۔ اور جو نماز کے بعد ذبح کرے اس کی قربانی ہوگئی اور اس نے سنت مسلمین پر عمل کیا۔ (بخاری، مسلم، مسند احمد)

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا آدمُ بنُ ابی اِیاسٍ، قَالَ:حَدَّثَنَا شُعبَةٌ قَالَ:حَدَّثَنَا قَتادَةُ، عَنْ انَسٍ قَالَ: ضَحَّی النَّبیُّ ﷺ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ فَرَاَیْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰی صِفَاحِهِمَا یُسَمِّیْ وَیُکَبِّرُ فَذَبَحَهُمَا بِیَدِهٖ۔(۳۵)

ترجمہ: حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے دو چتکبرے مینڈھے قربان کیے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ نے اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا ہوا تھا۔ بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھ کر قربان کیا۔ دونوں کو حضورؐ نے اپنے دستِ مبارک سے ذبح کیا۔

انہی سے دوسری روایت:

〈۲〉 اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ اَمْلَحَیْنِ اَقْرَنَیْنِ وَیَضَعُ رِجْلَهٗ عَلٰی صَفْحَتِهِمَا وَیَذْبَحُهُمَا بِیَدِهٖ۔(۳۶)

ترجمہ: نبی ﷺ نے دو چتکبرے سینگوں والے مینڈھے قربان کیے۔ اس کی گردن پر اپنا پاؤں رکھا اور اپنے ہاتھ سے دونوں کو ذبح فرمایا۔

〈۳〉 حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، حَدَّثَنَا اِسمَاعِیلُ، عَنْ اَیُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَاِنَّمَا یَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُکُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (۳۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک کی روایت ہے۔ انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس کسی نے نماز سے پہلے قربانی ذبح کی اس نے تو محض اپنے لیے ذبح کیا اور جس نے نماز کے بعد قربانی کی اس نے اپنی قربانی پوری کر لی اور اس نے مسلمانوں کی سنت کو پالیا۔

〈۴〉 حَدَّثَنَا عَلِیُّ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیلُ بْنُ اِبْرَاهِیْمَ، عَنْ اَیُّوبَ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْیُعِدْ الخ۔(۳۸)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک نے نبی ﷺ کا یہ ارشاد بیان کیا ہے فرمایا: جس کسی نے نماز سے پہلے قربانی کی اسے دوبارہ کرنی چاہیے۔

〈۵〉 قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ النَّحْرِ۔ مَنْ کَانَ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْیُعِدْ۔(۳۹)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن ارشاد فرمایا: جو شخص نماز سے پہلے قربانی کر چکا ہے اسے دوبارہ کرنی چاہیے۔

۱۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہم کو قربانی کے دن نماز پڑھائی، اس کے بعد کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر حضورؐ سے پہلے قربانی کر لی۔ اس پر آپ نے حکم دیا کہ جس کسی نے ایسا کیا ہے اسے پھر قربانی کرنی چاہیے اور کسی کو اس وقت تک قربانی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ نبی اپنی قربانی نہ کر لے۔ (مسلم، مسند احمد)

تخریج〈۱〉: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ:نا مُحَمَّدُ بْنُ بُکَیْرٍ، قَالَ ابْنُ جُرَیْجٍ: قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوالزُّبَیْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَقُوْلُ:صَلّٰی بِنَا النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ النَّحْرِ بِالْمَدِیْنَةِ فَتَقَدَّمَ رِجَالٌ فَنَحَرُوْا وَظَنُّوْا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَدْنَحَرَ فَاَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ کَانَ نَحَرَ قَبْلَهٗ اَنْ یُّعِیْدَ بِنَحْرٍ اٰخَرَ وَلَایَنْحَرُوْا حَتّٰی یَنْحَرَ النَّبِیُّ ﷺ۔(۴۰)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ہم کو قربانی کے دن نماز عید پڑھائی۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے آگے بڑھ کر حضورؐ سے پہلے قربانی کرلی۔ یہ گمان کرتے ہوئے کہ نبی ﷺ نے قربانی کردی ہے اس پر آپؐ نے حکم دیا کہ جس کسی نے آپؐ سے پہلے قربانی کرلی ہے اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی چاہیے اور آیندہ کسی کو اس وقت تک قربانی نہیں کرنی چاہیے جب تک کہ نبی اپنی قربانی نہ کرلے۔

﴿۲﴾ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْاَسْوَدِ، عَنْ جُنْدُبٍ، قَالَ : صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ: مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔(۴۱)

ترجمہ: حضرت جُندُب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قربانی کی نماز پڑھا کر خطبۂ عید ارشاد فرمایا پھر قربانی کا جانور ذبح کیا اور فرمایا: جس کسی نے نماز پڑھنے سے پہلے ہی قربانی کرلی اسے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنی چاہیے اور جس نے ابھی تک قربانی نہیں کی وہ بِاسْمِ اللّٰہ پڑھ کر ذبح کرلے۔

ابنِ ماجہ نے جُندب بجلی سے مندرجہ ذیل الفاظ سے روایت نقل کی ہے:

﴿۳﴾ يَقُوْلُ شَهِدْتُّ الْاَضْحٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَبَحَ النَّاسُ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَنْ كَانَ ذَبَحَ مِنْكُمْ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيُعِدْ اُضْحِيَتَهٗ وَمَنْ لَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔(۴۲)

ترجمہ: جُندُبؓ بیان کرتے ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا لوگوں نے نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس کسی نے نماز سے پہلے ہی قربانی کرلی ہے اسے اپنی قربانی دوبارہ کرنی چاہیے اور جس نے ہنوز قربانی نہیں کی اسے بسم اللہ پڑھ کر قربانی کرنی چاہیے۔

۱۳۔عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ وَاَنَا اُضَحِّي بِكَبْشَيْنِ۔ (بخاری)

"نبی ﷺ کے خادمِ خاص انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضورؐ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو ہی مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔" (تفہیمات حصہ دوم: قربانی...حدیث میں)

تشریح: یہ روایات اور بہ کثرت دوسری روایات جو احادیث میں آئی ہیں، سب اپنے مضمون میں متفق ہیں اور کوئی ایک ضعیف سے ضعیف روایت بھی کہیں موجود نہیں ہے جو یہ بتاتی ہو کہ عیدالاضحیٰ کی یہ قربانی سنتِ رسول نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ حج کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں نہ کوئی عیدالاضحیٰ منائی جاتی ہے اور نہ کوئی نماز قربانی سے پہلے پڑھی جاتی ہے، اس لیے ان تمام احادیث میں لازماً صرف اسی عید اور قربانی کا ذکر ہے جو مکہ سے باہر ساری دنیا میں ہوتی ہے۔

(مسئلہ قربانی: ص ۲۳۔۲۶)

(ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے) کہ نبی ﷺ نے قرآن کے مذکورہ احکام (فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ) کا منشا یہ سمجھا تھا کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے مخصوص نہ ہو بلکہ ذی استطاعت مسلمان بھی اپنی اپنی جگہ بقرعید کے موقع پر قربانی کرتے رہیں۔ اس طریقہ پر حضورؐ خود عامل رہے۔ دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا اور اسے سنت اسلام کے طور پر مسلمانوں میں جاری کیا۔ (تفہیمات حصہ دوم: قربانی...حدیث میں)

ماٴخذ

(۱) بخاری ج ۱ کتاب المناسك باب رکوب البُدُن لقوله والبُدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خيرٌ الخ۔ کتاب الوصایا اور کتاب الادب۔ ☆مسلم ج ۱ کتاب الحج باب جواز رکوب البدنة المهداة لمن احتاج الیها۔ ☆ابوداؤد ج ۲ کتاب المناسك باب فی رکوب البُدن۔☆ ترمذی ج ۱ ابواب الحج باب ماجاء فی رکوب البدنة۔ ☆نسائی ج ۵ کتاب المناسك باب رکوب البدنة۔☆ ابن ماجه کتاب المناسك باب رکوب البدن عن ابی هریرة۔ ☆دارمی کتاب المناسك باب ۶۹ فی رکوب البدنة۔ ☆مؤطا امام مالك ج ۱ کتاب الحج باب مایجوز من الهدی عن ابی هریرة۔ ☆مسندِ احمد ج ۲ ص ۲۵۴۔ ۲۷۸۔ ۳۱۲۔ ۴۶۴۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۸۔ ۴۸۱۔ ۴۸۷۔ ۵۰۵۔ ج ۳ ص ۹۹۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۶۷۔ ۱۷۰۔ ۱۷۳۔ ۱۸۳۔ ۲۰۲۔ ۲۳۱۔ ۲۳۴۔ ۲۵۱۔ ۲۶۱۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۱۹۱ وغیرہ۔

(۲) السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵۔ کتاب الحج باب رکوب البدنة اذا اضطر الیه رکوبا غیر فادح۔☆ مجمع الزوائد ج ۳ کتاب الحج باب رکوب الهدی عن انس۔ *اس روایت میں* حافیا *کا اضافہ ہے اور آخر میں* فی الثانیة اوفی الثالثة *نہیں ہے*۔☆ مصنف ابنِ ابی شَیبة ج ۱/۴۔ کتاب الحج باب فی رکوب البدنة۔ عن ابی هریرةَ۔

(۳) مسلم ج ۲ کتاب البر والصلة باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وماله الخ۔ ☆ ابن ماجه کتاب الزهد باب القناعة۔☆ مُسندِ احمد ج ۲ ص ۲۸۵۔ ۵۳۹۔ عن ابی هریرة۔

(۴) مسلم ج ۱ کتاب الحج باب جواز الاشتراك فی الهدی الخ۔☆ زاد المعاد ج ۱۔ فصل فی تضحیته ﷺ بالبقر۔

(۵) مسلم ج ۱ کتاب الحج باب جواز الاشتراك فی الهدی الخ۔☆ابوداؤد ج ۳ کتاب الضحایا باب فی البقر والجزور عن کم تجزِی؟ ☆ ترمذی ابواب الحج باب ماجاء فی الاشتراك فی البدنة والبقرة۔ ☆نسائی ج ۷ کتاب الضحایا باب ماتجزی عنه البقرة فی الضحایا عن جابر۔ ☆ ابن ماجه کتاب المناسك باب عن کم تجزی البدنة والبقرة۔ ☆ مؤطا امام مالك کتاب الضحایا باب الشرکة فی الضحایا۔☆دارمی کتاب الاضاحی باب ۵۔☆دارقطنی ج ۲ ص ۲۴۴ حدیث ۳۶۔ ☆مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۳۱۶۔ ۳۲۱۔ ۳۳۱۔ ۳۵۳۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۷۸۔ ۳۹۶ عن جابر۔☆ السنن الکبریٰ ج ۵ کتاب الحج باب الاشتراك فی الهدی۔ ☆المستدرك ج ۴ کتاب الاضاحی البقرة عن سبعة والبدنة عن عشرة۔

(۶) بخاری ج ۱ کتاب المناسك باب نحر الابل المقیّدة۔ ☆مسلم ج ۱۔ کتاب الحج باب استحباب نحرالابل قیامًا مقیدة۔☆ ابوداؤد ج ۲ کتاب المناسك باب کیف تنحرالبُدُنُ۔☆دارمی کتاب المناسك باب فی نحر البدن قیاماً۔☆مسنداحمد ج ۳ ص ۳۔ ۱۳۹۔ ☆ السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵۔ کتاب الحج باب نحرالابل قیامًا غیرمعقولة اومعقولة الیسریٰ۔ زیاد بن جبیر۔

(۷) ابوداؤد ج ۲ کتاب المناسك باب کیف تنحرالبدن۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۵۔ کتاب الحج باب نحرالابل قیامًا غیرمعقولة او معقولة الیسریٰ۔

(۸) ابوداؤد ج ۳ کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا۔☆السنن الکبریٰ للبیهقی ج ۹۔ کتاب الضحایا باب الذبح فی الغنم والبقر والفرس والطائر والنحر فی الابل۔

(۹) بخاری ج ۱۔ کتاب المناسك باب نحر البُدن قائمَة ۔☆ ابوداؤد ج ۳۔ کتاب الضحایا، باب مایستحب عن الضحایا۔ عَن انسٍ۔ ☆ زادالمعاد ج ۱۔ فصل فی نحر البدن۔☆ السنن الکبریٰ ج ۹۔ کتاب الضحایا باب الذبح فی الغنم والبقر والفرس الخ۔

(۱۰) ابوداؤد ج ۳۔ کتاب الضحایاباب مایستحب من الضحایا۔☆ابن ماجه کتاب الاضاحی باب اضاحی رسول الله ﷺ۔ *ابن ماجہ میں ذبح کے بجائے ضَحّٰی ہے*۔☆ دارمی ج ۲ من کتاب الاضاحی باب السنة فی الاضحیة۔ ☆مسند احمد

ج۳ص ۳۷۵ جابربن عبدالله۔ ☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹ كتاب الضحايا باب قول المضحى اللّهم منك۔ المستدرك للحاكم ج۱ كتاب المناسك باب ضحى النبى ﷺ عن امته۔ ☆ **مسلم نے یہ دعا حضرت علی بن طالب سے ج۱ص۶۳ پر نقل کی ہے مگر وہاں ذبح کا قصہ نہیں۔** ☆ كنزالعمال ج۵ ح۱۲۲۶۸۔ ☆زادالمعاد ج۱ فصل فى هديه فى الاضاحى۔

(۱۱) احكام القرآن للجصّاص ج۳باب محل الهدى۔

(۱۲) ابن ماجه كتاب الاضاحى باب ثواب الاضحية۔ مسنداحمد ج٤ص۳۶۸ زيد بن ارقم۔ ☆السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹كتاب الضحايا باب فصل لربّك وانحر۔ ☆كنزالعمال ج۵۔ ☆ابن زنجويه بحواله كنزالعمال ج۵۔

(۱۳) ترمذى ج۱ ابواب الاضاحى۔

(۱٤) ابوداؤدج۳۔ كتاب الضحايا، باب الاضحية عن الميت۔ ☆ ترمذى ابواب الاضاحى۔ باب فى الاضحية بكبشين۔ ☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹۔ عن حنش بن الحارث۔

(۱۵) بخارى ج۲كتاب الاضاحى باب سنة الاضحية اور باب الذبح بعد الصلوة۔ ☆بخارى ج۱كتاب العيدين باب سنة العيدين لاهل الاسلام۔ ☆بخارى ج۱كتاب العيدين باب الخطبة بعد العيد۔ ☆مسلم ج۲كتاب الاضاحى باب فى وقتها۔ ☆ نسائى ج۳كتاب العيدين باب الخطبة بعد العيد۔ ☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹ص۲۷۶ كتاب الضحايا باب وقت الاضحية عن براء بن عازب۔

(۱٦) بخارى ج۱كتاب العيدين باب استقبال الامام الناس فى خطبة العيد۔ ☆مسلم ج۲كتاب الاضاحى باب وقتها۔ ☆مسنداحمد ج٤ براء بن عازب۔ (۷۱) مسند احمد نے ان اول نسككم هذه الصلاة اوران اول نسك يومكم هذا الصلوٰة کے آغاز سے دوروایتیں اور بھی نقل کی ہیں۔ ☆ السنن الكبرىٰ كتاب الضحايا باب وقت الاضحية۔

(۱۷) ترمذى ابواب الاضاحى باب فى الذبح بعد الصلوٰة۔ ☆ ابوداؤد ج۳كتاب الضحايا باب مايجوز فى الضحايا من السن۔ ☆نسائى ج۷كتاب الضحايا باب ذبح الضحية قبل الامام۔ ☆دارمى كتاب الاضاحى باب ۷۔ فى الذبح قبل الامام۔ ☆ مؤطا امام مالك كتاب الضحايا النهى عن ذبح الضَّحِيَّة قبل انصراف الامام۔ ☆مسند احمد ج٤ص۲۸۲۔ براء بن عازب۔ ☆السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹كتاب الضحايا باب الاضحية سنة نحب لزومها ونكره تركها عن براء بن عازب۔

(۱۸) بخارى ج۱كتاب العيدين باب سنة العيدين لاهل الاسلام۔ ☆بخارى ج۲كتاب الاضاحى باب الذبح بعد الصلاة۔ ☆مسلم ج۲كتاب الاضاحى باب وقتها۔ ☆نسائى ج۳كتاب العيدين باب الخطبة يوم العيد۔ ☆مسند احمد ج٤ص۲۸۲۔ بَراء بن عازب۔ ☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹۔ ☆مسنداحمدج٤ص۳۰۳،۲۸۲۔ براء بن عازب۔ ☆ كنز العمال ج۵۔حديث ۱۲۱۸۵۔

(۱۹) دارقطنى كتاب الحج ج۲☆ ترمذى ابواب الصوم باب ماجاء فى الفطر والاضحى متى يكون۔

(۲۰) دارقطنى كتاب الحج ج۲۔ ☆ السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۵ كتاب الحج باب خطأ النّاس يوم عرفة۔

(۲۱) ابن ماجه كتاب الاضاحى باب الاضاحى واجبة هى ام لا۔

(۲۲) مسند احمد ج۲ص ۳۲۱ ابوهريرة۔ ☆دارقطنى ج۲كتاب العيد والذبائح الخ۔ **دارقطنی نے** من وجد منكم سعة **نقل کیا ہے۔** ☆ السنن الكبرى للبيهقى ج۹ كتاب الضحايا، باب قال اللّٰه جل ثناوه، فصل لربك وانحر۔

(۲۳) مسند احمد۔ مستدرك للحاكم ج۱كتاب الاضاحى عن ابى هريرة بحواله كنز العمال ج۵۔ ☆السنن الكبرى للبيهقى ج۹ كتاب الضحايا۔

(۲٤) احكام القرآن للجصّاص ج۳باب محل الهدى۔

(۲۵) احكام القرآن للجصاص ج۳ باب محل الهدى۔

(۲٦) ترمذى ابواب الاضاحى باب ماجاء فى فضل الاضحية۔ ☆ابن ماجه كتاب الاضاحى باب ثواب الاضحية۔ ☆السنن الكبرىٰ للبيهقى ج۹كتاب الضحايا۔ ☆المستدرك للحاكم ج٤ كتاب الاضاحى۔ ☆كنزالعمال ج۵ص ۸٤۔

(۲۷) مسنداحمد ج۵ص۳۵۳۔ بریدہ عن ابیہ۔

(۲۸) ترمذی ج۱ ابواب العیدین باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج۔

(۲۹) ابو داؤد ج۳ کتاب الضحایا باب فی الشاۃ یضحی بھا عن جماعۃ۔ ☆دارقطنی ج۲ باب الصید والذبائح الخ۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الاضاحی باب ماجاء ان الشاۃ الواحدۃ تجزی عن اھل البیت کے ضمن میں۔ ☆ المستدرک للحاکم ج٤ کتاب الاضاحی باب الدعاء عند الذبح☆ مسند احمد ج۳۔جابر بن عبداللہ☆ السنن الکبریٰ للبیھقی ج۹ کتاب الضحایا باب الاضحیہ سنۃ نحب لزومھا ونکرہ ترکھا عن جابرؓ۔

(۳۰) مسند احمد ج٦ص ۳۹۱ ابورافع۔ ☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج۹ کتاب الضحایا باب الرجل یضحی عن نفسہ وعن اھل بیتہ۔ عن ابی رافع۔

(۳۱) مسلم ج۲ کتاب الاضاحی باب استحباب استحسان الضحیۃ وذبحھا مباشرۃ الخ۔ ☆ابو داؤد ج۳ کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الاضاحی باب مایستحب من الاضاحی۔ ☆ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب مایستحب من الاضاحی۔ ☆نسائی کتاب الضحایا۔ ☆السنن الکبریٰ ج۹ کتاب الضحایا باب الرجل یضحی عن نفسہ الخ۔ ☆المستدرک للحاکم ج٤ کتاب الاضاحی باب ضحی النبی بکبش۔

(۳۲) ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب اضاحیّ رسول اللہ ﷺ ۔☆ المستدرک للحاکم ج٤ کتاب الاضاحی۔☆ مسند احمد ج٦ص۸۔ابورافع۔

(۳۳) السنن الکبری ج۹ کتاب الضحایا باب الرجل یضحی عن نفسہ وعن اھل بیتہ۔

(۳٤) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب الاضحی والمنحر بالمصلی اور کتاب العیدین۔ ☆ابو داؤد ج۳ کتاب الضحایا۔ باب الامام یذبح بالمصلی۔ ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب الذبح بالمصلّی ☆ نسائی ج۷ کتاب الضحایا باب ذبح الامام الاضحیۃ بالمصلی، کتاب العیدین باب ذبح الامام یوم العید وعدد ما یذبح۔ ☆مسنداحمد ج۲۔ ☆السنن الکبریٰ ج۹ کتاب الضحایا باب من شاء من الائمۃ ضحیٰ فی مصلاہ ومن شاء فی منزلہ۔ عن عبداللہ بن عمر۔ ☆نسائی ج۳ کتاب العیدین باب ذبح الامام یوم العید وعدد ما یذبح کے تحت کان یذبح اوینحر بالمصلی مروی ہے۔

(۳۵) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ☆ مسلم ج۲ کتاب الاضاحی باب استحباب استحسان الضحیۃ الخ☆ ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب من ذبح اضحیۃ بیدہ۔

(۳٦) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب وضع القدم علی صفح الذبیحۃ۔ ☆مسلم ج۵ کتاب الاضاحی باب سن الاضحیۃ۔ ☆ابو داؤد ج۳ کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا۔ ☆ترمذی ج۱ ابواب الاضاحی باب فی الاضحیۃ بکبشین۔ ☆نسائی ج۷ کتاب الضحایا باب الکبش اور باب تسمیۃ اللہ عزوجل علی الضحیۃ ۔☆ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔☆ مسند احمد ج۳ص۹۹انس بن مالک۔ ☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج۹ کتاب الضحایا۔ ☆المصنف لعبدالرزاق ج٤ باب الضحایا عن انس۔ اس میں بالمدینۃ کا اضافہ ہے۔

(۳۷) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب سنۃ الاضحیۃ وقال ابن عمر ھی سنۃ ومَعْرُوف۔☆ مسلم ج۲ کتاب الاضاحی باب وقتھا۔مسلم میں مَنْ ضَحّٰی قَبْلَ الصلاۃ فانما ذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوۃ فقد تَمَّ نُسُکُہٗ واصاب سنۃ المسلمین ہے۔ ☆السنن الکبریٰ ج۹ کتاب الضحایا۔ باب وقت الاضحیۃ۔

(۳۸) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب من ذبح قبل الصلاۃ۔ اعادہ مسلم ج۲ کتاب الاضاحی باب وقتھا۔

(۳۹) السنن الکبریٰ ج۹ کتاب الضحایا باب الاضحیۃ سنۃ نحب لزومھا ونکرہ ترکھا عن انس۔

(٤۰) مسلم ج۲ کتاب الاضاحی باب سن الاضحیہ۔☆ مسند احمد ج٤ ص ۲۹٤۔۳۲٤۔۳٤۹۔

(٤۱) بخاری ج۱ کتاب العیدین باب کلام الامام الناس فی خطبتہ العید۔ ☆مسلم ج۲ کتاب الاضاحی باب وقتھا۔

(٤۲) ابن ماجہ کتاب الاضاحی باب النّھی عن الذبح الاضحیۃ قبل الصّلاۃ۔ نسائی ج۷، کتاب الضحایا باب ذبح الناس بالمصلّی ☆ السنن الکبریٰ ج۹ کتاب الضحایا باب الاضحیہ سنۃ نحب لزومھا ونکرہ ترکھا۔

فصل چہارم:

قربانی کی شرعی حیثیت

کچھ مدت سے (ایک خاص طبقہ کی جانب سے) یہ غلط فہمی پھیلائی جارہی ہے کہ بقرعید کے موقع پر جانوروں کی قربانی کرنے کا کوئی حکم اسلام میں نہیں ہے، یہ محض ایک رسم ہے جو مُلّاؤں نے ایجاد کرلی ہے، اور اس ''فضول'' رسم پر روپیہ ضائع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس روپے کو کسی اجتماعی مفاد کے کام پر خرچ کیا جائے۔ ان خیالات کی تبلیغ اب سے کئی سال پہلے بعض منکرینِ حدیث نے شروع کی تھی۔ اور اسی زمانے میں میں نے رسالہ ترجمان القرآن میں قرآن وحدیث کی سند اور عقلی دلائل سے ان کی مفصل تردید کردی تھی۔ لیکن اب دیکھ رہا ہوں کہ پاکستان میں پھر یہ فتنہ اٹھایا جارہا ہے۔ اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ مختصراً اس مسئلے کے متعلق اسلامی احکام واضح طور پر بیان کردوں تاکہ محض ناواقفیت کی وجہ سے کوئی شخص اس فتنے سے متاثر نہ ہوجائے۔

قربانی کا حکم قرآن میں

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ قربانی کے متعلق قرآن مجید کیا کہتا ہے۔ کیا وہ قربانی کو صرف حج اور متعلقاتِ حج تک محدود رکھتا ہے، یا دوسرے حالات میں بھی اس کا حکم دیتا ہے؟ اس باب میں دو آیتیں بالکل صاف ہیں جن کا حج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پہلی آیت سورۂ انعام کے آخری رکوع میں ہے:

قُلْ اِنَّ صَلوتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِی لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (الانعام: ۱۶۲۔۱۶۳)

''اے نبی! کہو کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سراطاعت خم کرنے والا میں ہوں۔''

یہ آیت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تھی جب کہ نہ حج فرض ہوا تھا نہ اس کے مراسم ومناسک مقرر ہوئے تھے۔ اور اس میں کوئی اشارہ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس حکم سے مُراد حج میں قربانی کرنا ہے۔ نُسک کا لفظ جو اس آیت میں مستعمل ہوا ہے اسے خود قرآن مجید میں دوسری جگہ قربانی ہی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَرِیْضًا اَوْبِهٖ اَذًی مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْصَدَقَةٍ اَوْنُسُکٍ (بقرة: ۱۹۶) ''تم میں سے جو شخص سفرِ حج میں بیمار ہوجائے یا اس کے سر میں تکلیف ہو اور وہ سر منڈوالے تو فدیہ میں روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔'' ــــ اس نظیر سے معلوم ہوا کہ سورۂ انعام کی مذکورہ بالا آیت میں بھی نُسک کے معنی قربانی کے ہیں۔ تاہم اگر اس لفظ کو عام عبادات کے معنی میں بھی لیا جائے تو قربانی کا مفہوم اس میں ضرور شامل مانا جائے گا۔

دوسری آیت سورۂ کوثر میں ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَرۡ (الکوثر:۲) ''پس اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔''

یہ آیت بھی مکی ہے اور اس میں بھی کوئی اشارہ یا قرینہ ایسا نہیں ہے جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ قربانی کا یہ حکم حج کے لیے خاص ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اہلِ لغت نے ''نحر'' کے معنی سینے پر ہاتھ باندھنے، اور قبلہ رُخ ہونے اور اوّل وقت نماز پڑھنے کے بھی بیان کیے ہیں، لیکن یہ سب دُور کے معنی ہیں۔ عام فہم عربی میں اس لفظ کا مفہوم قربانی کرنا ہی لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ''احکام القرآن'' میں علامہ جصاص لکھتے ہیں:

> ''جن لوگوں نے اس کے معنی اونٹ ذبح کرنے کے بیان کیے ہیں۔ انہی کی بات صحیح ہے، کیونکہ اس لفظ کا حقیقی مفہوم یہی ہے اور مطلق لفظِ نحر سن کر ایک عرب اس مفہوم کے سوا اور کوئی مفہوم نہ سمجھے گا۔ اگر کہا جائے کہ فلاں شخص نے آج نحر کیا ہے تو ہر شخص یہی سمجھے گا کہ اس نے آج اونٹ ذبح کیا، نہ یہ کہ اس نے آج بائیں ہاتھ پر سیدھا ہاتھ باندھا۔''
>
> (جلد۳۔ص۵۸۵)

یہی وجہ ہے کہ قرآن کے تمام مترجمین، شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب، شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا محمود الحسن صاحب، مولانا اشرف علی صاحب، ڈپٹی نذیر احمد صاحب وغیرہم نے بالاتفاق اس لفظ کا ترجمہ قربانی ہی کیا ہے۔

قربانی کا حکم حدیث میں[۱]

اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ نبی ﷺ نے قرآن مجید کے اس حکم کا منشا کیا سمجھا اور اس پر کیا عمل فرمایا۔ کیا آپ نے صرف حج ہی میں قربانی کی ہے، یا مدینہ طیّبہ میں بھی آپ عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرتے رہے؟ اور کیا آپ نے بقرعید پر قربانی کبھی کبھار کی ہے یا بالالتزام کرتے رہے؟ اور کیا آپؐ نے محض بذاتِ خود اس پر عمل کیا ہے یا مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا ہے؟ اس باب میں جو مستند روایات ہم تک پہنچی ہیں، میں انہیں بے کم و کاست یہاں نقل کیے دیتا ہوں:

(۱) عَنِ الۡبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ مَانَبۡدَأُ بِهٖ فِیۡ یَوۡمِنَا هٰذَا اَنۡ نُصَلِّیَ ثُمَّ نَرۡجِعَ فَنَنۡحَرَ۔ مَنۡ فَعَلَهٗ فَقَدۡ اَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنۡ ذَبَحَ قَبۡلُ فَاِنَّمَا هُوَ لَحۡمٌ قَدَّمَهٗ لِاَهۡلِهٖ لَیۡسَ مِنَ النُّسُكِ فِیۡ شَیۡءٍ۔

''براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''سب سے پہلا کام جس سے ہم آج کے روز ابتداء کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں پھر واپس جا کر قربانی کرتے ہیں[۲] جس نے اس پر عمل کیا اس نے ہمارے طریقے کے مطابق کیا، اور جس نے نماز سے پہلے ذبح کر لیا تو اس کا شمار قربانی میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے گھر والوں کے لیے مہیا کیا۔''

۱؎ اس عنوان کے تحت جو احادیث بیان کی گئی ہیں ان میں سے نمبر۱، ۲ اور ۷-۱۱ کی تخریج فصل نمبر۳ میں کی جا چکی ہے۔ (مرتب)

۲؎ صریح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ یہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانۡحَر اور اِنَّ صَلٰوتِیۡ وَنُسُكِیۡ کی تفسیر ہے۔ نبیؐ نے ٹھیک ٹھیک قرآن کی ہدایت کے مطابق یہ طریقہ مقرر فرمایا ہے کہ پہلے نماز پڑھی جائے پھر قربانی کی جائے۔

(۲) وَفِیْ رِوَایَۃٍ مَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوۃِ تَمَّ نُسُکُہٗ وَاَصَابَ سُنَّۃَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (بخاری)

''جس نے نماز کے بعد ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہوئی وراس نے مسلمانوں کا طریقہ پالیا۔''

ظاہر ہے کہ یہ روایت بقرعید ہی سے متعلق ہے اور اس کا کوئی تعلق حج سے نہیں ہے، کیونکہ حج میں کوئی خاص نماز ایسی نہیں ہے جس سے پہلے قربانی کرنا اس سنتِ مسلمین کے خلاف اور بعد قربانی کرنا اس سنت کے مطابق ہے۔

(۳) قَالَ یَحْیَی ابْنُ سَعِیْدٍ سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَۃَ بْنَ سَھْلٍ قَالَ کُنَّا نُسَمِّنُ الْاُضْحِیَۃَ بِالْمَدِیْنَۃِ وَکَانَ الْمُسْلِمُوْنَ یُسَمِّنُوْنَ۔ (بخاری)

''یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ ابن سہل انصاری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ مدینہ میں قربانی کے جانور کو خوب کھلا پلا کر موٹا کرتے تھے اور عام مسلمانوں کا یہی طریقہ تھا۔''

تخریج : قَالَ یَحْیَی ابْنُ سَعِیْدٍ:سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَۃَ بْنَ سَھْلٍ، قَالَ کُنَّا نُسَمِّنُ الْاُضْحِیَۃَ بِالْمَدِیْنَۃِ وَکَانَ الْمُسْلِمُوْنَ یُسَمِّنُوْنَ۔(۱)

ترجمہ : یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے ابوامامہ ابن سہل انصاری سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہم لوگ مدینہ میں قربانی کے جانور کو خوب کھلا پلا کر موٹا کرتے تھے اور عام مسلمانوں کا یہی طریقہ تھا۔

(۴) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ وَاَنَا اُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ۔ (بخاری)

''نبی ﷺ کے خادمِ خاص انس بن مالک کہتے ہیں کہ ''حضورؐ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔''

تخریج : حَدَّثَنَا شُعْبَۃُ، قَالَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِیْزِ بْنُ صُھَیْبٍ، سَمِعْتُ اَنَسَ بْنِ مَالِکٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ یُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ وَاَنَا اُضَحِّی بِکَبْشَیْنِ۔(۲)

ترجمہ : نبی ﷺ کے خادمِ خاص انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضورؐ دو مینڈھوں کی قربانی کیا کرتے تھے اور میں بھی دو ہی مینڈھوں کی قربانی کرتا ہوں۔

(۵) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتِ الْاُضْحِیَۃَ کُنَّا نُمَلِّحُ مِنْھَا فَنُقَدِّمُ بِہٖ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ بِالْمَدِیْنَۃِ۔ (بخاری)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے گوشت کو نمک لگا کر رکھ دیا کرتے تھے اور پھر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔''

تخریج : حَدَّثَنَا اِسْمَاعِیْلُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ، قَالَ:حَدَّثَنِیْ اَخِیْ، عَنْ سُلَیْمَانَ، عَنْ یَحْیَی بْنِ سَعِیْدٍ، عَنْ عَمْرَۃَ بِنْتِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتِ الضَّحِیَّۃُ کُنَّا نُمَلِّحُ مِنْھَا فَنُقَدِّمُ بِہٖ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ بِالْمَدِیْنَۃِ، فَقَالَ: لَاتَاْکُلُوا اِلَّا ثَلٰثَۃَ اَیَّامٍ وَلَیْسَتْ بِعَزِیْمَۃٍ وَلٰکِنْ اَرَادَ اَنْ یُّطْعَمَ مِنْہُ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم مدینہ میں قربانی کے گوشت کو نمک لگا کر رکھ دیا کرتے تھے اور پھر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے تھے آپؐ نے فرمایا یہ گوشت بس تین دن سے زیادہ نہ کھایا جائے۔ اس فرمان نبوی کی پابندی واجب نہیں، بلکہ مقصود آپ کا یہ تھا کہ اس میں سے دوسروں کو بھی کھلایا جائے۔

(٦) عَنْ اَبِیْ عُبَیْدٍ مَوْلٰی بْنِ اَزْهَرَ اَنَّهٗ شَهِدَ الْعِیْدَ یَوْمَ الْاَضْحٰی مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَصَلّٰی قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ، فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ نَهَاكُمْ عَنْ صِیَامِ هٰذَیْنِ الْعِیْدَیْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَیَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِیَامِكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیَوْمٌ تَاْكُلُوْنَ مِنْ نُسُكِكُمْ۔ (بخاری)

''ابوعبید مولیٰ بن ازہر کہتے ہیں کہ انہوں نے بقرعید کے روز حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے پہلے نماز پڑھائی پھر خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ''لوگو! رسول اللہ ﷺ نے تم کو ان دونوں عیدوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے: ان میں سے ایک عید تو تمہارے لیے افطار کا دن ہے، رہی یہ دوسری عید تو اس میں تم قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔''

تشریح: یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ حج میں بقرعید کی نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے، لہٰذا حضرت عمرؓ کا یہ خطبہ یقینی طور پر مدینہ طیبہ میں ہوا ہے اور جو حکم انہوں نے بقرعید کی قربانی کے متعلق بیان کیا ہے اس کا تعلق بھی لازماً مکہ سے باہر دوسرے مقامات سے ہے۔

تخریج: حَدَّثَنَا حِبَّانُ بْنُ مُوْسٰی، قَالَ: اَخْبَرَنَا عَبْدُاللّٰهِ قَالَ: اَخْبَرَنَا یُوْنُسُ، عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ: حَدَّثَنِیْ اَبُوْ عُبَیْدٍ، مَوْلٰی بْنِ اَزْهَرَ اَنَّهٗ شَهِدَ الْعِیْدَ یَوْمَ الْاَضْحٰی مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَصَلّٰی قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ! اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ نَهَاكُمْ عَنْ صِیَامِ هٰذَیْنِ الْعِیْدَیْنِ اَمَّا اَحَدُهُمَا فَیَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِیَامِكُمْ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیَوْمٌ تَاْكُلُوْنَ مِنْ نُسُكِكُمْ ۔(٤)

ترجمہ: ابوعبید مولیٰ ابن ازہر کہتے ہیں کہ انہوں نے بقرعید کے روز حضرت عمرؓ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ نے پہلے نماز پڑھائی، پھر خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگو! رسول اللہ ﷺ نے تم کو ان دونوں عیدوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک عید تو تمہارے لیے افطار کا دن ہے، رہی یہ دوسری عید تو اس میں تم قربانی کا گوشت کھاتے ہو۔

(٧) قَالَ اَبُوالزُّبَیْرِ اَنَّهٗ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ یَقُوْلُ صَلّٰی بِنَا النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ النَّحْرِ بِالْمَدِیْنَةِ فَتَقَدَّمَ رِجَالٌ فَنَحَرُوْا وَظَنُّوْا اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَدْ نَحَرَ فَاَمَرَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ كَانَ نَحَرَ قَبْلَهٗ اَنْ یُّعِیْدَ بِنَحْرٍ اٰخَرَ وَلَا یَنْحَرُوْا حَتّٰی یَنْحَرَ النَّبِیُّ ﷺ۔ (مسلم)

''ابوالزبیر کہتے ہیں کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سُنا وہ کہتے تھے کہ نبی ﷺ نے ہمیں یوم النحر کو مدینہ میں نماز پڑھائی پھر بعض لوگوں نے یہ سمجھ کر کہ حضورؐ قربانی کر چکے ہیں آگے بڑھ کر اپنے جانور قربان کر لیے۔ اس پر حضورؐ نے حکم دیا کہ جس نے مجھ سے پہلے قربانی کر لی ہے اسے پھر دوسری قربانی کرنی چاہیے اور آئندہ کوئی شخص اس وقت تک قربانی نہ کرے جب تک کہ میں نہ کرلوں۔''

(۸) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ عِیْدَالْاَضْحیٰ فَلَمَّا انْصَرَفَ اُتِیَ بِکَبْشٍ فَذَبَحَهٗ فَقَالَ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَعَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ۔ (مسند احمد، ابو داؤد، ترمذی)

''جابر بن عبداللہ کہتے ہیں ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بقر عید کی نماز پڑھی۔ پھر جب آپ پلٹے تو آپ کی خدمت میں ایک مینڈھا پیش کیا گیا۔ اور آپ نے اسے ذبح کرتے ہوئے فرمایا اللہ کے نام پر اور اللہ سب سے بڑا ہے۔ خدایا یہ میری طرف سے اور میری امت کے ان سب لوگوں کی طرف سے ہے جنھوں نے قربانی نہ کی ہو۔''

(۹) عَنْ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا ضَحّٰی اشْتَرٰی کَبْشَیْنِ سَمِیْنَیْنِ اَقْرَنَیْنِ اَمْلَحَیْنِ فَاِذَا صَلّٰی وَخَطَبَ النَّاسَ اُتِیَ بِاَحَدِهِمَا وَهُوَ قَائِمٌ فِیْ مُصَلَّاهُ فَذَبَحَهٗ بِنَفْسِهٖ بِالْمُدْیَةِ۔ (مسند احمد)

''علی بن حسینؓ ابو رافع سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بقر عید کے موقع پر دو مینڈھے خریدتے تھے خوب موٹے تازے بڑے سینگوں والے اور چتکبرے۔ پھر جب آپ نماز پڑھ چکتے اور خطبے سے فارغ ہو لیتے تو ان میں سے ایک مینڈھا پیش کیا جاتا اور اپنے مصلے ہی پر کھڑے کھڑے اسے ذبح فرما دیتے۔''

(۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ وَّجَدَ سَعَةً فَلَمْ یُضَحِّ فَلَا یَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔ (مسند احمد، ابن ماجه)

''ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص استطاعت رکھتا ہو پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عید گاہ میں نہ آئے۔''

(۱۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِالْمَدِیْنَةِ عَشْرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ۔ (ترمذی)

''ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دس سال مدینہ میں رہے اور ہمیشہ قربانی کرتے رہے۔''

تشریح: یہ گیارہ روایتیں مختلف صحابیوں سے حدیث کی ۶ معتبر ترین کتابوں میں وارد ہوئی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے قرآن کے مذکورہ بالا احکام کا منشا یہ سمجھا تھا کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے مخصوص نہ ہو بلکہ ذی استطاعت مسلمان بھی اپنی اپنی جگہ بقر عید کے موقع پر قربانی کرتے رہیں۔ اس طریقہ پر حضورؐ خود عامل رہے۔ دوسرے مسلمانوں کو حکم دیا اور اسے سنتِ اسلام کے طور پر مسلمانوں میں جاری کیا۔

فقہائے امت کی آراء

قرآن اور حدیث کے ان دلائل کی بناء پر فقہائے امت نے بقرعید کی قربانی کے متعلق بالاتفاق یہ رائے دی ہے کہ یہ ایک مشروع فعل ہے اور سننِ اسلام میں سے ہے۔ اگر اختلاف ہے تو اس میں کہ یہ واجب ہے یا نہیں۔ مگر اس کا مشروع اور سنت ہونا متفق علیہ ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی مذاہب فقہاء کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

> اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بقرعید کی قربانی شرائع دین میں سے ہے۔ شافعیوں اور جمہور کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے بطریق کفایت۔ اور شافعیہ میں ایک دوسری رائے یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ مقیم اور خوشحال آدمی پر واجب ہے۔ امام مالک کی رائے بھی ایک روایت کی رُو سے یہی ہے۔ مگر انہوں نے مقیم کی قید نہیں لگائی ہے۔ اوزاعی، ربیعہ اور لَیث کی بھی یہی رائے ہے۔ حنفیوں میں سے ابو یوسف اور مالکیوں میں اشہب نے جمہور کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ قدرت کے باوجود قربانی نہ کرنا مکروہ ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے۔ امام محمد کہتے ہیں کہ قربانی ایک ایسی سنت ہے جسے چھوڑ دینے کی اجازت نہیں ہے۔ (فتح الباری: ج ۱۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں تک قربانی کے سنت اور مشروع ہونے کا تعلّق ہے یہ مسئلہ ابتداء سے امت میں متفق علیہ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔

اُمّت کا متواتر عمل

سب سے بڑا ثبوت اس کے سنت اور مشروع ہونے کا یہ ہے کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں کی ہر نسل کے بعد دوسری نسل اس پر عمل کرتی چلی آ رہی ہے۔ دو چار یا دس پانچ آدمیوں نے نہیں بلکہ ہر پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں نے اپنے سے پہلی پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں سے اس طریقے کو اخذ کیا ہے اور اپنے سے بعد والی پشت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں تک اسے پہنچایا ہے۔ اگر تاریخ اسلام کے کسی مرحلے پر کسی نے اس کو ایجاد کر کے دین میں شامل کرنے کی کوشش کی ہوتی تو کس طرح ممکن تھا کہ تمام مسلمان بالاتفاق اس کو قبول کر لیتے اور کہیں کوئی بھی اس کے خلاف لب کشائی نہ کرتا؟ اور کس طرح یہ بات تاریخ میں چھپی رہ سکتی تھی کہ اس طریقہ کو کب کس نے کہاں ایجاد کیا؟ آخر یہ امت ساری کی ساری منافقوں پر ہی تو مشتمل نہیں رہی ہے کہ حدیثوں پر حدیثیں قربانی کی مشروعیت پر گھڑی جائیں اور ایک نیا طریقہ ایجاد کر کے رسولِ خدا کی طرف منسوب کر دیا جائے اور پوری امت آنکھیں بند کر کے اسے قبول کر بیٹھے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ ہماری پچھلی نسلیں ایسی ہی منافق تھیں تو معاملہ قربانی تک کب محدود رہتا ہے۔ پھر تو نماز، روزہ، حج، زکوۃ بلکہ خود رسالتِ محمدیہ اور قرآن تک سب ہی کچھ مشکوک و مشتبہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ جس تواتر کے ساتھ پچھلی نسلوں سے ہم کو قربانی پہنچی ہے اسی تواتر کے ساتھ انہی نسلوں سے یہ سب چیزیں بھی پہنچی ہیں۔ اگر ان کا متواتر عمل اس معاملے میں مشکوک ہے تو آخر دوسرا کون سا ایسا معاملہ رہ جاتا ہے جس میں اسے شک سے بالاتر ٹھیرایا جا سکے۔

افسوس ہے کہ موجودہ زمانے میں بعض لوگ نہ خدا کا خوف رکھتے ہیں نہ خلق کی شرم۔ علم اور سمجھ بوجھ کے بغیر جو شخص جس دینی مسئلے پر چاہتا ہے بے تکلف تیشہ چلا دیتا ہے پھر اسے کچھ پروا نہیں ہوتی کہ اس ضرب سے صرف اس مسئلے کی جڑ کٹتی ہے یا ساتھ ہی ساتھ دین کی جڑ بھی کٹ جاتی ہے۔

معاشی اعتراض

دراصل اس وقت قربانی کی جو مخالفت کی جارہی ہے اس کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ کسی نے علمی طریقے پر قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا ہو اور اس میں قربانی کا حکم نہ پایا جاتا ہو۔ بلکہ اس مخالفت کی حقیقی بنیاد صرف یہ ہے کہ اس مادہ پرستی کے دور میں لوگوں کے دل ودماغ پر معاشی مفاد کی اہمیت بری طرح مسلط ہوگئی ہے اور معاشی قدر کے سوا کسی چیز کی کوئی دوسری قدر ان کی نگاہ میں باقی نہیں رہی ہے۔ وہ حساب لگا کر دیکھتے ہیں کہ ہر سال کتنے لاکھ یا کتنے کروڑ مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس پر اوسطاً کس کتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ اس حساب سے ان کے سامنے قربانی کے مجموعی خرچ کی ایک بہت بڑی رقم آتی ہے اور وہ چیخ اٹھتے ہیں کہ اتنا روپیہ محض جانوروں کی قربانی پر ضائع کیا جارہا ہے، حالانکہ اگر یہی رقم قومی اداروں یا معاشی منصوبوں پر صرف کیا جاتا تو اس سے بے شمار فائدے حاصل ہوسکتے تھے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ ایک سراسر غلط ذہنیت ہے جو غیر اسلامی اندازِ فکر سے ہمارے اندر پرورش پارہی ہے۔ اگر اس کو اسی طرح نشوونما پانے دیا گیا تو کل ٹھیک اسی طریقے سے استدلال کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ ہر سال اتنے لاکھ مسلمان اوسطاً اتنا روپیہ سفرِ حج پر صرف کردیتے ہیں جو مجموعی طور پر اتنے کروڑ روپیہ بنتا ہے، محض چند مقامات کی زیارت پر اتنی خطیر رقم سالانہ صرف کردینے کے بجائے کیوں نہ اسے بھی قومی اداروں اور معاشی منصوبوں اور ملکی دفاع پر خرچ کیا جائے۔ یہ محض ایک فرضی قیاس ہی نہیں ہے بلکہ فی الواقع اسی ذہنیت کے زیر اثر ترکیہ کی لادینی حکومت نے ۲۵ سال تک حج بند کیے رکھا ہے۔

پھر کوئی دوسرا شخص حساب لگائے گا کہ ہر روز اتنے کروڑ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں اور اس میں اوسطاً کس اتنا وقت صرف ہوتا ہے جس کا مجموعہ اتنے لاکھ گھنٹوں تک جا پہنچتا ہے۔ اس وقت کو اگر کسی مفید معاشی کام میں استعمال کیا جاتا تو اس سے اتنی معاشی دولت پیدا ہوسکتی تھی۔ لیکن بُرا ہو اُن ملاؤں کا کہ انہوں نے مسلمانوں کو نماز میں لگا کر صدیوں سے انہیں اس قدر خسارے میں مبتلا کر رکھا ہے یہ بھی کوئی فرضی قیاس نہیں ہے بلکہ فی الواقع سوویت رُوس میں بہت سے ناصحین مشفقین نے وہاں کے مسلمانوں کو نماز کے معاشی نقصانات اسی منطق سے سمجھائے ہیں پھر یہی منطق روزے کے خلاف بھی بڑی کامیابی کے ساتھ استعمال کی جاسکتی ہے۔ اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان نری معیشت کی میزان پر تول تول کر اسلام کی ایک ایک چیز کو دیکھتا جائے گا اور ہر اس چیز کو ''ملاؤں کی ایجاد'' قرار دے کر ساقط کرتا چلا جائے گا جو اس میزان میں اس کو بے وزن نظر آئے گی۔ کیا فی الواقع اب مسلمانوں کے پاس اپنے دین کے احکام کو جانچنے کے لیے صرف ایک یہی معیار رہ گیا ہے۔

(تفہیمات دوم: قربانی کی شرعی...)

ماٰخذ

(۱) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب ضَحِیَّةِ النَّبِیّ ﷺ بِکَبْشَیْنِ اَقْرَنَیْنِ الخ۔

(۲) بخاری ج۳ کتاب الاضاحی باب الاضحی والمنحر بالمصلی۔☆السنن الکبریٰ للبیھقی ج۹ کتاب الضحایا باب قال اللّٰہ جل ثناء ہٗ، فصل لربك وانحر عن انس بن مالك۔

(۳) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب مایُؤ کل من لحوم الاضاحی وما یتزود منھا۔

(٤) بخاری ج۲ کتاب الاضاحی باب مایُؤ کل من لحوم الاضاحی وما یتزود منھا۔

فصل پنجم:

تحقیق قربانی کا ایک دوسرا رخ

جناب عرشی امرتسری نے ''تحقیق قربانی'' کے عنوان سے قربانی پر اپنی تحقیق پیش فرمائی ہے۔

مضمون نگار کا طرزِ تحقیق

فاضل مضمون نگار[1] نے اپنی تحقیق کی ابتداء انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے ایک اقتباس سے کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قربانی کے متعلق ''قدیم انسان'' کا نظریہ کیا تھا، روم اور یونان میں قربانی کی رسم کن عقائد پر مبنی تھی۔ سامی مذاہب میں یہود کا کیا عقیدہ تھا۔ ''دورِ ثانی'' میں جب انسان دیوتاؤں کی حقیقت سے واقف ہوگیا تو اس نے قربانی کی رسم کن تاویلوں کے ساتھ باقی رکھی، یہود کے ربّی اور یونان کے فلسفی خدا اور ارواح کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے اور قربانی کے ساتھ اس عقیدہ کا رابطہ کس قسم کا تھا، قدیم آریوں اور اہل روم اور اہل عرب میں قربانی کی کیا رسمیں تھیں، پھر مسیحیت نے کس طرح قربانی کا ابطال کیا اور جاہلیت کے ان خیالات کو جو انسانی اقوام میں پھیلے ہوئے تھے کس طرح مٹایا اور یہ عاقلانہ تخیّل انسانوں میں پیدا کیا کہ ''غربا کو کچھ دینا قربانی کے برابر ہے۔'' اور ''جو خیرات دیتا ہے وہ گویا ستایش کی قربانی خدا کو پیش کرتا ہے۔'' یہ تمام بیانات جو تمہید کے طور پر بیسویں صدی کی ''کتابِ مقدس'' سے نقل کیے گئے، بلاشبہ ہماری معلومات میں بیش قیمت اضافہ کرتے ہیں، مگر ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ ان کو اس مضمون میں کیوں نقل کیا گیا ہے۔

طرزِ تحقیق پر گرفت

اوّل تو یہ تمام بحث غیر متعلق ہے اس لیے نفس مسئلہ صرف یہ ہے کہ آیا خدا اور رسول نے قربانی کا حکم دیا ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہو جائے کہ نہیں دیا ہے تو انسائیکلوپیڈیا کی شہادت قطعاً غیر ضروری ہے اور اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ قربانی ایک سنتِ اسلام ہے اور خدا و رسول کے حکم سے جاری ہوئی ہے، تو مسلمانوں کو بہر حال اس کا اتباع کرنا چاہیے، خواہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی نگاہ میں وہ کیسی ہی جہالت اور تاریک خیالی ہو۔ اس لیے کہ ہمارا اتباعِ اسلام کسی انسائیکلوپیڈیا کی تائید و تصدیق پر موقوف نہیں ہے اور نہ ہونا چاہیے۔

---

[1] رسالہ بلاغ امرتسر کے پرچہ بابت ذی القعدہ ۵۵ھ میں عرشی صاحب نے تحقیقِ قربانی کے عنوان سے قربانی پر اپنی انوکھی تحقیق پیش فرمائی تھی اس کے جواب میں مولانا محترمؒ نے یہ مضمون تحریر فرمایا تھا۔ (مرتب)

پھر یہ بات سخت حیرت انگیز ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو قرآن کا مبلغ کہتے ہیں اور جن کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم قرآن کے سوا کسی چیز کے متبع نہیں ہیں، وہ ایک مذہبی مسئلہ کی تحقیق میں یورپ کی تحقیق کو سب پر مقدم رکھتے ہیں۔ اگر قربانی کی تاریخ اور جاہلیتِ اولیٰ کے اعتقادات ہی پر کچھ روشنی ڈالنی تھی تو اس کے متعلق خود قرآن میں کافی مواد موجود تھا، اور اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا تھا کہ جاہلیت کی قربانی اور اسلام کی قربانی میں فرق کیا ہے۔ لیکن جب عرشی نے قرآن کو چھوڑ کر محققینِ یورپ کی طرف توجہ فرمائی اور سب سے پہلے انہی سے دریافت کیا کہ یہ قربانی جو تیرہ سو برس سے اسلام میں رائج ہے اس کی اصلیت تمہاری تحقیق میں کیا ہے؟ یہ شرف تقدم جو ایک اسلامی مسئلہ کی تحقیق میں اہلِ فرنگ کے علم ورائے کو عطا کیا گیا ہے، اس کی وجہ اگر ہم بیان کریں گے تو ہم پر بدگمانی کا الزام عائد ہوگا۔ اس لیے جناب عرشی خود ہی اس پر روشنی ڈالیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ جن ''محققین'' کے خیالات کو آپ نے مسئلہ قربانی میں اپنی تحقیق کا نقطۂ آغاز قرار دیا ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم اسلام کے اصول وارکان بلکہ خود اسلام اور نبوت اور وحی اور قرآن کے متعلق بھی ان کی تحقیقات پیش کریں اور آپ سے دریافت کریں کہ ان کی نظر سے آپ اسلام کی کس کس چیز کو دیکھنے کے لیے تیار ہیں؟

مزید برآں یہ بات بھی کچھ کم قابلِ تعجب نہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور آپ کے اسوۂ حسنہ کے متعلق بخاری اور مسلم اور موطا اور تمام دوسری کتبِ حدیث کی شہادتیں بے تکلّف رد فرما دیتے ہیں ان کے معیارِ تنقید پر ''قدیم انسان'' اور روم و یونان، اور امم سامیہ اور اقوام آریہ کے متعلق محققین فرنگ کے بیانات کس طرح پورے اتر جاتے ہیں؟ حالانکہ ان کا زمانہ عصرِ نبوت سے سینکڑوں ہزاروں سال قبل کا ہے۔ اور ان کے متعلق جو تاریخی شہادتیں آج دنیا میں موجود ہیں وہ اُن تاریخی شہادتوں کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتیں جو نبی ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے متعلق حدیث میں پائی جاتی ہیں۔ جن ذرائع پر اعتماد کر کے آپ پرانی قوموں کے احوال پر عالمانہ کلام فرما رہے ہیں، ان میں سے قوی سے قوی ذریعہ بھی ابنِ ماجہ اور حاکم اور بیہقی کی کسی ضعیف سے ضعیف روایت کے مقابلے میں نہیں لایا جا سکتا۔ پس جب آپ ان ذرائع سے استناد فرماتے اور ان کی سند پر ہم کو خبر دیتے ہیں کہ ''قدیم انسان'' یہ کرتا تھا، اور سامی مذاہب میں یہ عقیدہ تھا اور روم و یونان والے یہ خیالات رکھتے تھے، تو ہم کو بھی اجازت ہو کہ بخاری اور مسلم کی سند پر یہ عرض کریں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل تھا اور حضورؐ نے فلاں مسئلے میں فلاں حکم دیا تھا۔ اگر اس کو ماننے سے آپ انکار فرمائیں گے تو ہم آپ سے صرف اتنا عرض کریں گے کہ اَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ؟

قربانی کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی تحقیقات سے فاضل مضمون نگار جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ:

''ترقیِ تہذیب نے قربانی کی کراہت واضح کر دی۔''

اس فقرے کا مفہوم غالباً اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ قربانی اصل میں تو تھی ہی ایک مکروہ چیز۔ مگر قدیم زمانے میں جہالت کی وجہ سے اس کی کراہت لوگوں سے مخفی تھی، اب چونکہ تہذیب ترقی کر چکی ہے اس لیے اس کا مکروہ ہونا واضح ہو گیا ہے۔ یہ الفاظ پیشِ نظر رکھیے اور پھر ذرا سورۂ حج کی وہ آیت ملاحظہ فرمائیے جس میں ارشاد ہوا ہے:

اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کے شعائر میں سے قرار دیا ہے۔ تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے لہٰذا تم

ان کو صف بستہ کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو (یعنی ذبح کرو) اور جب وہ کسی پہلو پر گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ اور قانع اور سائل کو بھی کھلاؤ۔ (حج، رکوع:۵)

ہر شخص جس کو خدا نے تھوڑی سی عقل بھی عطا فرمائی ہے بیک نظر محسوس کرے گا کہ یہ دونوں عبارتیں صریحًا ایک دوسرے سے نبرد آزما ہیں۔ سورۂ حج میں جس چیز کو شعائر اللہ قرار دیا گیا ہے اور جسے ایک کارِ خیر کی حیثیت سے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسی کو عرشی صاحب کی مقدم الذکر عبارت مکروہ ٹھہراتی ہے۔ اور ہم کو یہ خبر سناتی ہے کہ اسے کارِ خیر سمجھنے کا خیال اس زمانے کے جاہل انسانوں میں پایا جاتا تھا جب تہذیب نے ترقی نہ کی تھی۔ چھوڑ دیجیے اس خیال کو کہ قربانی واجب ہے یا نہیں؟ ہر شہر اور قریہ میں کرنی چاہیے یا صرف مقام منٰی میں؟ قربانی کرنا افضل ہے یا اس کے بدلے میں کچھ خیرات کر دینا؟ سوال یہ ہے کہ اگر کسی درجے میں بھی قرآن سے قربانی کا حکم کیا معنی، جواز بھی نکلتا ہے، اگر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ درجے کی فضیلت اور بھلائی بھی اس فعل کی طرف قرآن میں منسوب کی گئی ہے، تب بھی کیا قرآن اس الزام سے بچ سکتا ہے کہ وہ اس زمانے کی ایک کتاب ہے جب تہذیب نے کافی ترقی نہ کی تھی؟ اور پھر اس کے بعد کیا اسے خدا کی کتاب مانا جائے گا یا کسی ایسے شخص کی تصنیف جو بیسویں صدی کے مقابلے میں چھٹی صدی کا ایک نیم مہذب انسان تھا؟

یہ نتیجہ ہے قرآن سے پہلے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی طرف رجوع کرنے کا۔ جس مقام سے آپ نے اپنی تحقیق کی ابتدا کی اور جن مسلّمات کو لے کر آپ مسئلہ قربانی کی بحث و تنقیح کے لیے چلے وہ پہلے ہی قدم پر آپ کا قدم پھسلا کر کہیں سے کہیں لے گئے۔ ان کا منطقی نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ آپ کو قرآن کے کتاب اللہ ہونے سے انکار کر دینا چاہیے۔ لیکن چونکہ آپ کی عقل کے خلاف آپ کا وجدان اس کتاب پر ایمان رکھنے کے لیے اصرار کر رہا ہے اس وجہ سے آپ اس منطقی نتیجہ سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں اور قرآن کے ترجمہ و تفسیر میں حدِ تحریف تک پہنچی ہوئی تاویلیں کر کے صرف یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن نے قربانی کا حکم نہیں دیا ہے۔ حالانکہ اس سے وہ الزام جو خود آپ کے تسلیم کردہ اصول کی بنا پر قرآن کے خلاف عائد ہوتا تھا، صرف ہلکا ہو جاتا ہے، دور کسی طرح نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس الزام سے تو قرآن صرف اسی صورت میں بچ سکتا تھا جب کہ وہ قطعًا و ایجابًا قربانی بند کرنے کا حکم دیتا۔

انسان کی حیثیت اس وقت بڑی ہی عجیب ہو جاتی ہے جب وہ کسی نظام میں داخل بھی رہنا چاہتا ہو اور نظری و فکری حیثیت سے اس سے منحرف بھی ہو چکا ہو۔ ایسی حالت میں وہ اس نظام کی ہر چیز کو اپنے مزاج کے خلاف پاتا ہے اور اس کے ایک ایک تار کو ادھیڑ کر از سرِ نو بُننے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نہیں چاہتا کہ اُس اُدھیڑ بُن کا راز فاش ہو۔ اس لیے قدم قدم پر اس کو تاویل، تحریف، سخن سازی کھینچ تان اور خدع و فریب کے اوزار استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ ''عرشی صاحب'' ہم کو معاف فرمائیں اگر ہم عرض کریں کہ اس وقت وہ ایسے ہی مشکل موقف میں پڑے نظر آتے ہیں۔ قربانی کے متعلق ان کا نقطۂ نظر وہ نہیں ہے جو اسلام کا نقطۂ نظر ہے۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ اور ''سنت متواترۂ'' میں قربانی ایک عبادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ایک نیکی اور بھلائی ہے جسے ادا کرنے کے لیے احکام دیے گئے ہیں اور ان احکام کو بجالانے کے لیے قواعد مقرر کیے گئے ہیں۔ اس کے برعکس آپ کے نزدیک وہ ایک مکروہ چیز ہے، جہالت ہے اور ترقی تہذیب کی وجہ سے مبغوض ہو چکی ہے۔ اب

آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا یہ نقطۂ نظر اسلام کا نقطۂ نظر بن جائے اور سارے احکام اس کے مطابق ڈھل جائیں۔ لیکن ساڑھے تیرہ سو برس میں اسلام نے جس قدر لٹریچر پیدا کیا ہے وہ کُل کا کُل ایسے مواد سے بھرا ہوا ہے جو آپ کی اس غرض کے خلاف ہے حتّٰی کہ قرآن کے صریح الفاظ بھی آپ کی اس غرض کے مخالف ہیں۔ آپ ''سنت متواترہ'' کو ''جہالتِ متواترہ'' کہہ کر ٹال دیں گے۔ حدیث، فقہ اور تفسیر کے سارے لٹریچر کو جعلی ٹھہرا دیں گے، مگر قرآن کی صریح آیات کا آپ کے پاس کیا علاج ہے؟ کن کن الفاظ کا مفہوم بدلیں گے؟ کن کن عبارتوں کو ادھیڑیں گے؟ کہاں تک خدا کے کلام میں اپنے معنی بھریں گے؟

قرآن کی معنوی تحریف کی دو مثالیں

عرشی صاحب نے اس سلسلے میں قرآن کی معنوی تحریف کرنے کی جو حیرتناک کوششیں کی ہیں ان کی صرف دو مثالیں ہم محض اس لیے پیش کرتے ہیں کہ شاید ہمارے اس بھٹکے ہوئے بھائی اور اس کے ہم خیال حضرات کو تنبُّہ کی توفیق میسر ہو جائے۔

قرآن میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا اشارہ پایا تھا۔ اس کے امتثال میں وہ واقعی اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جب انہوں نے اپنے لختِ جگر کو ماتھے کے بل پچھاڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْصَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ (صافات: ۱۰۴،۱۰۶) ''اے ابراہیمؑ! تو نے خواب سچا کر دکھایا، ہم اسی طرح نیک بندوں کو جزا دیتے ہیں، بیشک یہ کھلی ہوئی آزمایش تھی۔'' اس قصے کا صاف مفہوم جس کو ہر صاحبِ فہم آدمی پہلی نظر میں محسوس کر سکتا ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کی آزمایش کرنی چاہی تھی، اس لیے بیٹے کو ذبح کرنے کا صریح حکم نہ دیا بلکہ کنایۃً خواب میں ایسا دکھایا کہ اپنے لختِ جگر کو ذبح کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ چونکہ خدا کی محبت پر ہر محبت کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتے تھے۔ اس لیے وہ محبوبِ حقیقی کے محض اس ذرا سے ڈھکے چھپے اشارے ہی پر بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہی اصل قربانی تھی، اور جب یہ پوری ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کا خون بہانے سے ان کو روک دیا اور ایک ''ذبحِ عظیم'' کو اس کا فدیہ بنا دیا۔

غور کیجیے، یہ کتنا عظیم الشان واقعہ ہے اور لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲) کی روح کو کس شاندار طریقے سے پیش کر رہا ہے۔ لیکن اب دیکھیے کہ ''عرشی صاحب'' اور ان کے ہم خیال حضرات محض ''قربانی'' کی مخالفت کی وجہ سے قرآن کے اس نہایت سبق آموز قصے کو کس طرح مسخ کرتے ہیں۔ ان کی تاویل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے دراصل خواب کا مطلب ہی غلط سمجھا۔ جوشِ ایمانی تو ان میں ضرور تھا اور ''شرابِ عشق کی سرمستی'' تک پہنچا ہوا تھا، مگر فہم اتنی بھی نہ تھی جتنی عرشی صاحب اور مولوی احمد الدین صاحب مرحوم کو ارزانی ہوئی ہے۔ وہ خواب کا مطلب یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ بیٹے کو ذبح کر دو۔ حالانکہ دراصل ذبح کرتے ہوئے دکھانے سے خدا کا مقصد صرف یہ تھا کہ اس بچے سے دنیوی امیدیں ''منقطع'' کر کے اسے خدا کے دین کی عظیم خدمت کے لیے وقف کر دو۔ پس جب وہ اپنے لختِ جگر کو پچھاڑ کر ایک

ضرررساں غلطی کا ارتکاب کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ فرمایا اور ذبح عظیم (بیٹے کو دین کے لیے وقف کرنے) کی طرف ان کی رہنمائی کی۔

اس تاویل میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا فرما کر خود یہ تصدیق فرمادی کہ حضرت ابراہیمؑ نے خواب کی تعبیر صحیح سمجھی تھی۔ فاضل مفسر نے اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے آیت کے ترجمے میں ایک ذراسی تحریف کردی۔ لفظی ترجمہ یہ تھا کہ ''تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔'' انہوں نے اس کا ترجمہ یہ کیا ''تو نے تو خواب سچ کر دکھایا۔'' دیکھیے ایک چھوٹے سے لفظ ''تو'' نے مفہوم کو کہاں سے کہاں پہنچادیا۔ جو تصدیق تھی وہ تعریض بن گئی۔ اس کے بعد اگر كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ کا فقرہ بے معنی ہو گیا تو کچھ پروا نہیں۔ رہا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ، تو اس نئی تاویل سے اس کے معنی یہ قرار پائے کہ یہ محض حضرت ابراہیمؑ کی عقل کی آزمایش تھی کہ آیا وہ خواب کا مطلب صحیح سمجھتے بھی ہیں یا نہیں، اور افسوس کہ بیچارے اس امتحان میں بُری طرح فیل ہوئے۔

دیکھا آپ نے! محض ایک جزئی مسئلہ میں نقطۂ نظر کے پھر جانے سے انسان پر کس طرح بڑے بڑے مسائل میں فہمِ قرآن کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جو واقعہ حضرت ابراہیمؑ کا عظیم الشان کارنامہ تھا وہ ان کی ایک غلطی بن گیا۔ جس واقعہ کو مسلمانوں کے سامنے اس لیے پیش کیا گیا تھا کہ وہ اسلام کی روح کو سمجھیں، اور اپنے اندر ایثار و قربانی اور محبتِ خداوندی کا یہ جذبہ پیدا کریں، اس کے مقصد کو قطعی باطل کر دیا گیا، اس کی جان نکال لی گئی، اور وہ محض اس امر کی ایک شہادت بن گیا کہ جلیل القدر انبیاء تک خدا کے اشارات کو نہیں سمجھ سکے، بلکہ اس نعمت سے صرف بیسویں صدی کے ایک ''مفسرِ اسرار'' کو سرفراز فرمایا گیا ہے!

اب دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ سورۂ حج میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ۔(الحج:۳٤)

آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

''اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کیا عبادت کا ایک طریقہ تاکہ وہ نام لیں اللہ کا اوپر اس کے جو بخشا ہے اس نے ان کو چارپایوں میں سے۔''

یہ الفاظ صریح طور پر یہ بتارہے ہیں کہ قربانی ایک عبادت ہے اور یہ طریقہ خدا کا اپنا مقرر کیا ہوا ہے۔ مگر عرشی صاحب اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

''اور دیکھو ہر امت کے لیے ہم نے عبادت کا طور طریقہ ٹھہرا دیا کہ ہمارے دیے ہوئے پالتو چارپائے ذبح کرے تو اللہ کا نام یاد کرے۔''

دیکھیے اس ''ذبح کرے تو'' نے مفہوم کو کدھر پھیر دیا ہے۔ اب آیت کے معنی یہ قرار پائے جو مذبحوں میں روزانہ ہزاروں بکرے قصابوں کے ہاتھوں ذبح ہوتے ہیں اور ان پر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھا جاتا ہے یہی وہ منسک (عبادت کا طور طریقہ)

ہے جو اللہ نے ہر امت کے لیے مقرر فرمایا تھا۔ اس قسم کی تحریفات کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو اصل الفاظ میں محفوظ کر کے اللہ تعالیٰ نے ہم پر کتنا بڑا فضل فرمایا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو بعید نہ تھا کہ اس زمانے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کو سامنے رکھ کر ایک نیا ہی قرآن تیار کر لیا جاتا۔

''عرشی صاحب'' نے تقریباً تمام ان آیات کی ایسی ہی تاویلیں فرمائی ہیں جن میں قربانی کے احکام آئے ہیں۔ اور پھر فقہی مسائل کی ایسی توجیہات کی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اصل مسائل کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی، بلکہ حدیث وتفسیر اور فقہ کی تمام کتابوں کے ورق الٹنے میں صرف ایک مقصد ان کے پیش نظر رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ قربانی کی تائید میں اگر پہاڑ نظر آئے تو اس سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور اس کے خلاف ایک بال کی ذراسی نوک بھی نظر آئے تو اس کو پہاڑ بنا کر صرف ان مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیں جو بیچارے اصل ماخذ تک نہیں پہنچ سکتے اور جن کے پاس یہ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں کہ ان نمائشی پہاڑوں کی حقیقت کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں بحث کا یہ طریقہ اور تحقیق کا یہ معیار ہو وہاں کسی سنجیدہ بحث کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہوسکتی۔ اگر وہ چاہیں تو ان کی ایک ایک غلطی کا راز فاش کیا جاسکتا ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ اپنی ذہنیت اور اپنے طریقِ فکر کی اصلاح پر آمادہ نہ ہوں۔ (ترجمان القرآن۔ ۱۹۳۷ء)

قربانی پر منکرینِ حدیث کا حملہ

پچھلے سال عید اضحیٰ کے موقع پر پنجاب کی ایک جماعت نے ایک اشتہار شائع کیا تھا جس میں قربانی کو ایک بے محل، بے معنی، فضول بلکہ مضر اور مُسرِفانہ رسم قرار دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو مشورہ دیا گیا تھا کہ ''ارض غیر ذی ذرع کی اس نام نہاد سنت'' کو چھوڑ کر اس روپے کو جو قربانی میں ضائع کیا جاتا ہے قومی ادارات کی اعانت، یتیموں اور بیواؤں کی پرورش اور بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے میں صرف کریں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس جماعت نے اس کام کو اپنی تبلیغ کا ایک مستقل جزو بنالیا ہے کہ ہر سال بقرعید کے موقع پر مسلمانوں کو قربانی سے باز رہنے کی تلقین کی جائے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اب تک ان حضرات کی یہ کوششیں کس قدر بار آور ہوئی ہیں۔ لیکن تبلیغ کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے ــــ مسلمانوں کے نفسیات کا جو حال اس زمانے میں ہم دیکھ رہے ہیں اس کو مدّ نظر رکھتے ہوئے ہم کو خوف ہے کہ ہزاروں مسلمان اب تک اس فریب میں مبتلا ہو چکے ہوں گے، اور اگر اس کا تدارک نہ کیا گیا تو آگے چل کر نہ معلوم اور کتنے مسلمان اس کے شکار ہوں اس لیے ہم بقرعید کی آمد سے پہلے ضروری سمجھتے ہیں کہ ان غلط فہمیوں کو رفع کریں جو ان لوگوں کی طرف سے قربانی کے خلاف پھیلائی جارہی ہیں[1]۔

اس جماعت کی جو تحریریں ہماری نظر سے گزری ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی پر ان کو تین حیثیتوں سے اعتراض ہے:

---

[1] یہ مضمون ذی القعدہ ۱۳۵۵ھ میں لکھا گیا۔ افسوس ہے کہ یہ جماعت اب تک قربانی کے خلاف اپنی تبلیغ سے باز نہیں آئی۔ چنانچہ ۱۳۶۰ھ میں بھی بقرعید کی آمد پر ہمیں معلوم ہوا کہ اس نے حسب دستور عوام الناس کو اس غلط فہمی میں ڈالنے کی کوشش کی کہ قربانی ایک بدعت ہے جسے مولویوں نے ایجاد کیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ وہی جماعت ہے جس کا ذکر ''دام ہم رنگِ زمیں'' میں آچکا ہے۔ (تفہیمات دوم)

ایک یہ کہ قربانی ان کے نزدیک رسومِ جاہلیت میں سے ایک رسم ہے جس کو ''مولویوں'' نے محض جہالت کی بنا پر ایک اسلامی طریقہ قرار دے لیا ہے۔ چنانچہ ان کے گروہ کا ایک مصنف قربانی کے متعلق اپنی تحقیق انیق ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ ''قربانی کی رسم تمام دنیا کی وحشی و مدنی قوموں میں تھی۔ آج سوائے مسلمانوں کے کوئی اس کو نہیں کرتا۔''

دوسرے یہ کہ معاشی حیثیت سے وہ اس کو نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ جو روپیہ بکرے کی گردن پر چھری پھیرنے میں صرف کیا جاتا ہے وہ بالکل ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے بدلے میں کوئی عقلی یا مادی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

تیسرے یہ کہ ان کو قرآن میں قربانی کا حکم کہیں نظر نہیں آیا۔ رہی حدیث تو اس سے انکار کر دینا ان کے نزدیک ہر چیز سے زیادہ سہل ہے، اور اس کو رد کرنے کا مسلک اختیار ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ اسلام کے جس حکم پر غیر قوموں کو اعتراض ہو یا جس حکم کی مصلحت خود اپنی سمجھ میں نہ آئے اس کو آسانی کے ساتھ دائرۂ دین سے خارج کیا جا سکے۔

چونکہ یہ اعتراضات ایسے لوگوں کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں جو اپنے آپ کو مسلم کہتے ہیں اور قرآن کو حجت قطعی مانتے ہیں، اس لیے ہم قرآن ہی سے قربانی کے احکام بیان کریں گے اور قرآن ہی سے یہ بھی بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے کن مصالح کی بنا پر عبادت کے مخصوص طریقوں میں قربانی کو شامل فرمایا ہے۔

قرآن مجید میں قربانی کے جو احکام دیے گئے ہیں ان کو تین اقسام پر منقسم کیا جا سکتا ہے:

ایک قسم کی قربانی وہ ہے جو مناسکِ حج میں سے ایک خاص منسک ہے۔ اس کے متعلق ارشاد ہے:

وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ......وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ (الحج: ۲۸-۲۶)

''اور جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کی (تو حکم دیا کہ)......اور لوگوں میں حج کے لیے پکار دے کہ ہر راہِ دور دراز سے تیرے پاس پیدل اور ہر طرح کی دُبلی سواریوں پر آئیں۔ یہ اس غرض کے لیے ہے کہ وہ اپنے حق میں منافع دیکھیں اور چند معلوم دنوں میں ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ان کو بخشے ہیں۔ پھر تم ان جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ۔''

جیسا کہ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے، حج قائم کرنے کا یہ حکم بنائے کعبہ کے ساتھ ہی حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا۔ اور اس کی غرض یہ بیان کی گئی تھی کہ لوگ یہاں آ کر دین و دنیا کے منافع سے مستفید ہوں اور خدا کے نام پر قربانی کریں۔ پھر یہی فرض انہی مناسک کے ساتھ امتِ محمدیہ پر مقرر کیا گیا کیونکہ یہ ملتِ ابراہیمی کی وارث ہے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلاً۔ (آلِ عمران:۹۷) اور قربانی جس طرح ملّتِ ابراہیمی کے مناسکِ حج میں شامل تھی اسی طرح امتِ محمدیہ کے حج میں بھی شامل رہی۔ چنانچہ سورہ حج کے پانچویں رکوع میں امتِ محمدیہ کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ (الحج:۳۶)

''اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لیے اللہ کے شعائر میں سے قرار دیا ہے۔تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے، پس تم ان کو صف بستہ کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو(انہیں قربان کرو) اور جب وہ پہلو کے بل ٹھہر جائیں (ان کی جان نکل چکے) تو ان میں سے خود بھی کھاؤ اور اس کو بھی کھلاؤ جو (اللہ کے دیے ہوئے) رزق پر قانع ہے اور اس کو بھی جو سوال کرتا ہے۔''

دوسری قسم کی قربانی وہ ہے جو تمتع یا قران کے فدیہ میں، یا احصار کی صورت میں، یا ان جنایات کی جزا میں واجب ہوتی ہے جو محرم سے حالتِ احرام میں سرزد ہوں۔اس کے احکام حسب ذیل ہیں:

(۱) وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ۔ (بقرہ:۱۹۶)

''اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔لیکن اگر کہیں تم روک دیے جاؤ تو جو کچھ ہدی کی قربانی میسر آئے بھیج دو اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے۔''

(۲) فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ۔ (بقرہ:۱۹۶)

پھر جو کوئی تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور اس بنا پر اسے احرام کی قیود توڑنی پڑیں) تو وہ فدیہ میں یا تو روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔''

(۳) فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ۔ (بقرہ:۱۹۶)

''پھر جو کوئی عمرہ کے ذریعے سے حج تک فائدہ[۱] اٹھائے تو جو کچھ قربانی میسر آئے کردے اور جسے قربانی میسر نہ ہو تو وہ حج کے دنوں میں تین دن کے اور واپس گھر پہنچ کر سات دن کے روزے رکھے۔''

(۴) يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ۔

(المائدۃ:۹۵)

''اے اہل ایمان! شکار نہ مارو جب تک کہ تم حالت احرام میں ہو، اور تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر شکار مارے وہ اس

---

[۱] اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص حج سے چند روز پہلے مکہ پہنچ گیا وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے اور ان قیود سے آزاد ہو جائے جو حالتِ احرام کے لیے شریعت نے مقرر کی ہیں۔پھر جب حج کی تاریخیں آئیں تو دوبارہ احرام باندھ لے۔اس صورت میں جو فائدہ عمرہ کے ذریعے سے اٹھایا جاتا ہے اس کے شکرانے کے طور پر قربانی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

کے بدلے مویشیوں میں سے اسی کے بہ قدر ایک جانور قربان کرے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں اور یہ قربانی کعبہ پہنچادی جائے۔''

ان آیات میں قربانی کے جانوروں کو لفظ ہدی[1] سے تعبیر کیا گیا ہے۔ امام رازی نے اس لفظ کی لغوی تحقیق بیان کرتے ہوئے کہیں یہ لکھ دیا تھا کہ مَعْنَى الْهَدْىِ مَايُهْدىٰ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ تَقْرِيْبًا اِلَيْهِ بِمَنْزِلَةِ الْهَدِيَةِ يُهْدِيْهَا الْاِنْسَانُ اِلٰى غَيْرِهٖ تَقَرُّبًا اِلَيْهِ۔ اتنی گنجایش سے فائدہ اٹھا کر مانعینِ قربانی نے بے تکلف فیصلہ کر دیا کہ ہدی سے مراد قربانی نہیں بلکہ کوئی سا ہدیہ اللہ کے حضور پیش کر دینا ہے۔ لیکن امام رازی نے اسی عبارت سے چند سطر آگے یہ بھی لکھا تھا کہ:

فَتَقْدِيْرُ الْاٰيَةِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ وَيُنْحَرُ فَاِذَا نُحِرَ فَاحْلِقُوْا۔

''آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب تک ہدی اپنے مقام پر پہنچ کر ذبح نہ کر دی جائے اس وقت تک سر نہ منڈواؤ اور جب ذبح ہو جائے تو مُنڈا دو۔''

مگر چونکہ یہ عبارت مفید مطلب نہ تھی اس لیے ''دورِ جدید کے محققینِ اسلام'' نے اس کی طرف توجہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اور یہ تو خیر امام رازی ہیں، انہوں نے خود اللہ تعالیٰ کی عبارت کو بھی قابلِ اعتنا نہ سمجھا جس نے سورہ مائدہ والی آیت میں هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ کی تفسیر فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَاقَتَلَ مِنَ النَّعَمِ سے کر دی ہے یہ آیت قطعی طور پر ہدی کے معنی متعین کر رہی ہے کہ قرآن میں جہاں یہ لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد قربانی ہی ہے نہ کہ کچھ اور۔

تیسری قسم کی قربانی وہ ہے جس کے ادا کرنے کا حکم نبی ﷺ کو اور آپ کے ذریعے سے بالعموم سب مسلمانوں کو دیا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلوٰتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ (انعام: ۱۶۲،۱۶۳)

''کہو اے محمدؐ! کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ پروردگارِ عالم کے لیے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں فرمانبرداروں میں سب سے پہلے ہوں۔''

اس آیت میں صلوٰۃ کے بعد نُسک کا ذکر ہے۔ جس کے معنی عبادت اور تطوع کے بھی ہیں اور قربانی کے بھی۔ قرآن میں یہ لفظ زیادہ تر دوسرے ہی معنی کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ سورۂ حج میں ہے:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَارَزَقَهُمْ مِنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ

(الحج: ۳۴)

''اور ہر امت کے لیے ہم نے قربانی مقرر کی ہے تاکہ وہ ان جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں بخشے ہیں۔''

---

[1] ہدی کے معنی ہیں وہ چیز جو اللہ تعالیٰ سے تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کے گھر کی طرف بطور ہدیہ لے جائی جائے جس طرح کوئی انسان کسی دوسرے انسان سے تقرب پیدا کرنے کے لیے اس کے پاس ہدیہ لے جاتا ہے۔

اور سورۂ بقرہ میں ہے:

فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔ (بقرة:١٩٦)

''تو اس کا فدیہ روزوں سے ادا کیا جائے یا صدقہ سے یا قربانی سے۔''

ان آیات سے نُسک کے معنی متعین ہو گئے۔ اب یہ دیکھیے کہ صلوٰۃ کے ساتھ نُسک کے لیے بھی بِذٰلِكَ اُمِرْتُ (مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، یعنی مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ فرمایا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ اسی بنا پر حضور نے تمام مستطیع مسلمانوں کو قربانی ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے:

مَنْ كَانَ لَهٗ يَسَارٌ فَلَمْ يُضَحِّ فَلَايَقْرَبَنَّ مُصَلَّانَا۔

''جو شخص استطاعت رکھتا ہو اور پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔''

اِنَّ اَوَّلَ نُسُكِنَا فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا الصَّلٰوةُ ثُمَّ الذَّبْحُ۔

''ہمارے آج کے دن (یعنی بقرعید کے روز) ہماری پہلی عبادت نماز ہے پھر ذبح۔''

مَنْ صَلّٰى مَعَنَا هٰذَا الصَّلٰوةَ فَلْيَذْبَحْ بَعْدَ الصَّلٰوةِ۔

''جو شخص ہمارے ساتھ یہ نماز (بقرعید کی نماز) پڑھے وہ نماز کے بعد ذبح کرے۔''

یہ ہیں قربانی کے متعلق قرآن کے صاف اور صریح احکام جن میں کسی شک وشبہ اور تاویل کی گنجایش نہیں۔ پڑھیے ان کو اور پھر داد دیجیے ان لوگوں کی جرأت کی جو ایک طرف تو قرآن پر ''سب سے بڑھ کر ایمان رکھنے'' کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف علی الاعلان یہ الفاظ لکھتے اور شائع کرتے ہیں کہ:

- ''قربانی کی رسم تمام دنیا کی وحشی اور مدنی قوموں میں تھی۔ آج سوائے مسلمانوں کے کوئی اس کو ادا نہیں کرتا۔''
- ''یہ کیوں کر ضروری ہو گیا کہ غیر حاجی خواہ مخواہ اس بے محل اور مسرفانہ رسم میں حصہ لیں۔''
- ''وہ روپیہ جو بکرے کی گردن پر چھری پھیرنے اور اسے زمین میں گاڑ دینے کے لیے صرف کیا جاتا ہے قومی اداروں کو ملنا چاہیے۔ وہ اس روپے سے ہر سال ایک عظیم الشان تجارتی بنک کھول سکتے ہیں، قرآن حکیم اور دوسرے علوم کی توسیع واشاعت کر سکتے ہیں، اعتقادات واخلاق کی اصلاح کر سکتے ہیں، بیواؤں اور ناداروں کی مدد کر سکتے ہیں، اور ہزاروں نیکی کے کام کر سکتے ہیں بشرطیکہ تقلید کے جال سے آزاد ہو جائیں اور فضول بلکہ مُضر رسوم کو چھوڑ دیں۔''
- ''افسوس ہے کہ سوائے نقل وتقلید کے آج تک کسی صاحب نے قربانی کے عقلی وتجرباتی فوائد پر روشنی نہیں ڈالی۔''

یہ قرآن سے کھلا ہوا معارضہ نہیں تو اور کیا ہے؟ قرآن حکیم ایک چیز کا حکم دیتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ پہلے اس کے عقلی وتجربی فوائد پر روشنی ڈالی جائے۔ قرآن ایک چیز کے متعلق کہتا ہے کہ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ''تمہارے لیے اس میں بھلائی ہے'' اور آپ اسے ایک فضول بلکہ مسرفانہ رسم قرار دیتے ہیں۔ قرآن ایک چیز کو شعائر اللہ میں شمار کرتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ اللہ نے

اس کو مقرر کیا ہے، مگر آپ اس کے مقابلے میں مغربی مستشرقین کی یہ تحقیق پیش فرماتے ہیں کہ یہ عہدِ جاہلیت کی ایک رسم تھی جس کو آج صرف مسلمانوں نے اختیار کر رکھا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویٰ اور پھر قرآن کے مقابلے میں یہ جرأت! اگر ان دونوں کا اجتماع ممکن ہے تو ماننا پڑے گا کہ وجودِ شئے اور عدم شے کا اجتماع بھی ممکن ہے۔

قرآن کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ جس قدر اعتراضات اس پر ہو سکتے ہیں ان کا جواب وہ خود ہی دے دیتا ہے۔ آیئے ذرا یہ بھی دیکھیے کہ قربانی کے حکم پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کے جواب میں قرآن کیا کہتا ہے۔

جاہلیت میں جس طرح غیر اللہ کے لیے رکوع و سجود ہوتے تھے اور غیر اللہ سے دعا اور استعانت کی جاتی تھی اسی طرح غیر اللہ کے لیے نذریں اور قربانیاں بھی ہوتی تھیں۔ عرب، ہندوستان، ایران، مصر، روم غرض کون سا ملک ایسا ہے جہاں معبودانِ باطل کے اصنام اور ہیکلوں پر قربانیاں نہ چڑھائی جاتی ہوں۔ حتّٰی کہ خدا پرست یہودی قوم بھی اس شرک میں مبتلا ہوئی اور بار بار اس نے بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا ارتکاب کیا جس کی شکایت جگہ جگہ بائیبل کے عہدِ عتیق میں آتی ہے۔ قرآن میں بھی جاہلیت کی ان مشرکانہ رسموں کا ذکر ہے، مثلاً فرمایا:

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔ (انعام: ۱۳۶)

''اور انہوں نے کھیتی کی پیداوار اور مواشی میں سے اللہ کا ایک حصّہ ٹھہرادیا اور بہ خیالِ خود کہنے لگے کہ یہ اللہ کا ہے اور یہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ہے۔''

وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ۔ (الانعام: ۱۳۸)

''اور انہوں نے کہا کہ یہ جانور اور کھیتیاں ممنوع ہیں کہ ان کو اس شخص کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا جسے ہم اپنے خیال کے مطابق کھلانا چاہیں۔ اور کچھ ایسے جانور ہیں جن کی پشت پر سوار ہونا حرام کر دیا گیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جن پر وہ اللہ کا نام نہیں لیتے۔ یہ ان کی افترا پردازی ہے (کہ ایسی جاہلانہ اور مشرکانہ باتوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں)۔''

قرآن نے آکر جس طرح عبادت کی تمام دوسری صورتوں کا رخ غیر اللہ سے اللہ کی طرف پھیر دیا اسی طرح نذروں اور قربانیوں کا رُخ بھی اُدھر سے ادھر پھیرا۔ اس نے ہدایت کی کہ مشرکین غیر خدا کے لیے رکوع و سجود اور قربانی کرتے ہیں، تم کہو کہ ہمارا رکوع و سجود اور ہماری قربانی خدا کے لیے ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الانعام: ۱۶۲) مشرکین اپنے جانوروں پر غیر خدا کا نام لیتے ہیں۔ تم ان پر صرف خدا کا نام لو۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وہ غیر اللہ کے نام پر جانوروں کو چھوڑ دیتے ہیں اور پھر نہ کسی کو ان پر سوار ہونے دیتے ہیں اور نہ ان کا گوشت کھانا یا کھلانا پسند کرتے ہیں۔ تم اس جہالت کے جواب میں ہدی کے اونٹوں سے ہر طرح کا فائدہ اٹھاؤ۔ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى

ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (الحج :۳۳) قربانی کا گوشت کھاؤ اور اللہ کے بندوں کو کھلاؤ۔ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ (الحج:۳۶) اس لیے کہ اللہ کو خون اور گوشت نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری وہ خالص نیت پہنچتی ہے جس نے تم سے غیر اللہ کو ترک کر کے اللہ کی طرف رجوع کرایا۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (الحج :۳۷)

ہر شخص جو حکمتِ تشریع میں ادنیٰ بصیرت بھی رکھتا ہے، اس کے لیے یہ سمجھنا بھی کچھ مشکل نہیں کہ شرک و بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو مٹانے کے لیے اس سے زیادہ کارگر کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی کہ جن اقسام اور جن شکلوں کی عبادتیں مشرک قوموں میں رائج ہوں ان سب کو اللہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور غیر اللہ کے لیے انہی سب کو ممنوع ٹھہرادیا جائے۔ دنیا میں توحید فی العبادت اور اس کے ذریعے سے توحید فی الاعتقاد کا قیام بغیر اس تدبیر کے ممکن ہی نہ تھا۔ یہ بات کچھ انسان کی فطرت ہی میں ہے کہ وہ جس کسی کو اپنا ملجاو ماویٰ سمجھتا ہے اس کے سامنے نذر و نیاز اور قربانی ضرور پیش کرتا ہے۔ چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک دنیا میں کم و بیش اس طریقِ عبادت کا سلسلہ جاری ہے۔ حتّٰی کہ جہالت کی بنا پر خود مسلمان بھی اس قسم کے شرک فی العبادات میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ پس جب عبادت کے مختلف طریقوں میں سے ایک یہ طریقہ بھی نوعِ انسانی میں رائج ہے اور اس طریقے کی طرف نوعِ انسانی میں ایک فطری میلان پایا جاتا ہے تو اخلاص فی العبادت کے لیے ناگزیر ہے کہ نذر و نیاز اور قربانی کو بھی غیر اللہ کے لیے ممنوع کر کے صرف اللہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔ اس چیز کی عقلی و روحانی اور اخلاقی و مادی منفعت سطحی نظروں کو اگر محسوس نہ ہو تو یہ ان کی اپنی نظر کا قصور ہے۔ اللہ کے علم اور اس کی حکمت میں تو لوگوں کا مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ اور حُنَفَآءَ لِلّٰهِ بن جانا اس سے بدرجہا زیادہ مفید ہے کہ ان کے لیے ایک نہیں دس لاکھ عظیم الشان بنک کھل جائیں یا ۲۰ ہزار کالج قائم ہو جائیں۔

قربانی کی ایک دوسری مصلحت بھی ہے جس پر قرآن سے روشنی پڑتی ہے:

نوعِ انسانی کا ایک گروہ تو وہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، یعنی وہ جو خدا کے ساتھ اس کی مخلوق کو اعتقاد اور عبادت میں شریک ٹھہراتا ہے اور خدا کے بخشے ہوئے رزق میں سے غیر خدا کے سامنے نذریں اور قربانیاں پیش کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا گروہ بھی ہمیشہ موجود رہا ہے اور اب بڑھتا جارہا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو سرے سے خدا کا قائل ہی نہیں، یا اگر ہے بھی تو محض وجوبِ عقلی کی بنا پر اس کو اس طرح مانتا ہے جیسے ریاضی کے کسی فارمولے کو مانتا ہے۔ باقی رہا خدا سے کوئی تعلق تو وہ ان کے ہاں مفقود ہے۔ ان لوگوں کو یہ احساس تک نہیں کہ دنیا کے جس مال و متاع سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، جس زمین کی پیداوار کھا رہے ہیں، جس دولت و ثروت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، جن حیوانات سے خدمت لے رہے ہیں، ان میں سے کسی چیز کے بھی وہ مالک نہیں ہیں، نہ کسی چیز پر ان کو ذاتی استحقاق حاصل ہے، بلکہ یہ خدا کی بخشش اور اس کا انعام ہے۔ یہ غفلت جس میں لوگ مبتلا ہیں، ان کو کیسے کیسے روحانی، اخلاقی اور عملی مفاسد میں مبتلا کر رہی ہے اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ آج ہر آنکھوں والا ان خرابیوں کا برائی العین مشاہدہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی مفاسد کا سدِ باب کرنے کے لیے مال و دولت اور زمین کی پیداوار میں سے زکوٰۃ کا، اور حیوانی دولت میں سے قربانی کا قاعدہ مقرر کیا، تا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو کچھ رزق عطا فرمایا ہے اس کا ایک حصہ وہ ہمیشہ خدا کی جناب میں نذر کرتا ہے اور یہ حقیقت اس کو یاد رہے کہ ہم ان چیزوں کے مالک اور مختار مطلق نہیں ہیں، بلکہ یہ بغیر کسی استحقاقِ ذاتی کے ہم کو عطا کی گئی ہیں، اور ان میں عطا کرنے والے کی مرضی کے خلاف تصرّف کرنے کا ہمیں کوئی

حق نہیں ہے۔دیکھیے اس مضمون کی طرف آیاتِ ذیل میں کس قدر لطیف اشارے کیے گئے ہیں:

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ... كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ (الانعام:۱۴۱،۱۴۲)

''اور وہی ہے جس نے باغ اگائے ہیں جن میں سے کسی میں بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور کسی میں نہیں چڑھائی جاتیں، اور اسی نے نخلستان اور کھیت پیدا کیے ہیں...جب وہ پھل لائیں تو ان کے پھل کھاؤ اور فصل کاٹتے وقت اس (خدا) کا حق ادا کرو اور حد سے نہ گزرو کہ وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اسی نے جانوروں میں سے بعض بلند قامت پیدا کیے ہیں جو بار برداری کے کام آتے ہیں اور بعض پست قامت ہیں۔ اللہ نے تم کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو۔''

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

(الحج:۳۴،۳۵)

''اور ہم نے ہر امت کے لیے قربانی مقرر کردی ہے تا کہ وہ اللہ کا نام لیں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو بخشے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ تمہارا خدا وہی ایک خدا ہے، اسی کی اطاعت میں تم سرِ تسلیم خم کرو۔ اور اے نبیؐ! ان عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو جن کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں اور جو مصیبتوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہتے ہیں اور جو نماز پڑھتے ہیں اور ہمارے بخشے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

یہ رسمِ قربانی کی دوسری مصلحت ہے۔ اگر کسی کے پاس عقلی ترازو ہو تو وہ ایک پلڑے میں اس کو رکھے اور دوسرے پلڑے میں اُن تمام قومی اداروں اور تجارتی بنکوں اور یتیم خانوں کو رکھے جنہیں چندہ دینے کے لیے یہ مخالفینِ حدیث قربانی کو بند کرانا چاہتے ہیں، اور پھر موازنہ کر کے ہمیں بتائیے کہ ان دونوں میں سے کون سا زیادہ وزنی ہے۔

اب ذرا اقتصادی اعتراضات کو بھی جانچ لیجیے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ اضاعتِ مال ہے۔ مگر قرآن کہتا ہے لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ اور فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ ''اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے اور اُس میں سے خود بھی کھاؤ اور اس کو بھی کھلاؤ جو (اللہ کے دیئے ہوئے) رزق پر قانع ہیں اور مانگنے والے سائل کو بھی کھلاؤ۔'' آج آپ کے اپنے ملک میں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جنہیں ہفتوں اور مہینوں اچھی قوت بخش غذا نصیب نہیں ہوتی۔ کیا ان کو صدقہ اور ہدی اور نسک کے ذریعے سے گوشت بہم پہنچانا آپ کی رائے میں اصولِ معیشت کے خلاف ہے؟ لاکھوں انسان اور گلہ بان ہیں جو سال بھر تک جانور

پالتے ہیں اور بقرعید کے موقع پر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کیا ان کی روزی کا دروازہ بند کرنا آپ کے نزدیک بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا ہے؟ ہزار ہا غریب ہیں جن کو قربانی کی کھالیں مل جاتی ہیں اور ہزار ہا قصائی ہیں جن کو ذبح کرنے کی اجرت مل جاتی ہے کیا یہ سب آپ کی قوم سے خارج ہیں کہ آپ ان کی رزق رسانی کو فضول بلکہ مضر اور داخلِ اسراف سمجھتے ہیں۔

پھر یہ کیا معاملہ ہے کہ آپ کو تمام قومی ضروریات اور سارے فوائد و منافع صرف اسی وقت یاد آتے ہیں جب خدا کے کسی حکم کی پابندی میں روپیہ صرف ہو رہا ہو؟ گویا کہ بنکوں کا قیام اور قومی ادارات کا فروغ اور اعتقاد و اخلاق کی اصلاح اور یتیموں اور بیواؤں کی پرورش کا سارا کام صرف قربانی ہی کی وجہ سے رُکا پڑا ہے۔ ادھر یہ بند ہوئی اور ادھر قومی اداروں پر روپیہ برسنا شروع ہو جائے گا۔

اور اگر آپ کی قومی تنظیم ایسی ہی مکمل ہے کہ سارے ملک کا روپیہ جمع کر کے آپ ہر سال ایک تجارتی بنک کھول سکتے ہیں تو ذرا سی تکلیف گوارا کر کے پہلے ملک بھر کے سینما ہالوں اور قحبہ خانوں اور بدکاری واسراف کے دوسرے اڈوں پر تو اپنے ایجنٹ مقرر فرمایئے تا کہ مسلمانوں کا جس قدر روپیہ وہاں ضائع ہوتا ہے وہ قومی فنڈ میں وصول ہونا شروع ہو جائے۔ اس طرح آپ ہر سال نہیں ہر روز ایک تجارتی بنک کھول سکیں گے۔

پھر اگر آپ میں کچھ تعمیری قوت ہے تو قربانی کی تخریب کے بجائے آپ اسے زکوٰۃ کی تعمیر ہی میں کیوں نہیں صرف فرماتے کہ تنہا اسی ایک چیز سے آپ وہ تمام قومی ضروریات پوری کر سکتے ہیں جن کی خاطر قربانی بند کرنے کی تبلیغ آپ نے شروع کی ہے۔

آخری گزارش یہ ہے کہ اگر ایک دفعہ مسلمانوں میں یہ ذہنیت پیدا ہوگئی کہ جن جن مذہبی مراسم میں روپیہ صرف ہوتا ہے ان کو بند کر کے وہ روپیہ قومی اداروں اور تجارتی بنکوں پر صرف ہونا چاہیے، تو معاملہ صرف قربانی ہی پر رُکا نہ رہ جائے گا۔ کل کوئی اور بندۂ خدا اٹھ کر کہے گا کہ یہ حج، جس پر کروڑوں روپیہ ہر سال خرچ ہو رہا ہے، اور جس کا کوئی فائدہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اسے بند ہونا چاہیے، اور اس روپے سے تجارتی بنک کھلنے چاہئیں! سارا معاملہ اصل میں اقدار ہی کا ہے۔ جب ایک دفعہ معیارِ قدر بدل گیا، پھر آج قربانی بند ہوگی اور کل خواہ آپ نے چاہا یا نہ چاہا، حج کی باری آ کر رہے گی۔

(تفہیمات دوم: قربانی پر منکرین...)

فصل ششم:

اعلان براءت اور خطبہ حجۃ الوداع

اعلانِ براءت

۲۴ ذی القعدہ ۹ھ میں جب نبی ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو حج کے لیے روانہ کر چکے تھے تو ان کے پیچھے (سورہ توبہ کی ابتدا سے رکوع پانچ تک آیات نازل ہوئیں) تو صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اسے ابوبکرؓ کو بھیج دیجیے تا کہ وہ حج میں اس کو سنادیں۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اس اہم معاملہ کا اعلان میری طرف سے میرے ہی گھر کے کسی آدمی کو کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؓ کو اس خدمت پر مامور کیا اور ساتھ ہی ہدایت فرمادی کہ حاجیوں کے مجمعِ عام میں اسے سنانے کے بعد حسب ذیل چار باتوں کا اعلان بھی کردیں۔

(۱) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے۔

(۲) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

(۳) بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرنا ممنوع ہے۔

(۴) جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ کا معاہدہ باقی ہے، یعنی جو نقضِ عہد کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں، ان کے ساتھ مدتِ معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔

فتح مکہ کے بعد دورِ اسلامی کا پہلا حج ۸ھ میں قدیم طریقے پر ہوا۔ پھر ۹ھ میں یہ دوسرا حج مسلمانوں نے اپنے طریقے پر کیا اور مشرکین نے اپنے طریقے پر۔ اس کے بعد تیسرا حج ۱۰ھ میں خالص اسلامی طریقے پر ہوا اور یہی وہ مشہور حج ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ نبی ﷺ پہلے دو سال حج کے لیے تشریف نہ لے گئے۔ تیسرے سال جب بالکل شرک کا استیصال ہوگیا تب آپ نے حج ادا فرمایا۔ (تفہیم القرآن ج ۲، التوبۃ، حاشیہ: ۱)

تخریج 〈۱〉: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ ﷺ اَبَابَكْرٍ وَاَمَرَهٗ اَنْ يُّنَادِيَ بِهٰٓؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ ثُمَّ اتْبَعَهٗ عَلِيًّا، فَبَيْنَا اَبُوْبَكْرٍ فِيْ بَعْضِ الطَّرِيْقِ اِذْ سَمِعَ رُغَاءَ نَاقَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ الْقَصْوَآءَ فَخَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ فَزِعًا فَظَنَّ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا عَلِيٌّ، فَدَفَعَ اِلَيْهِ كِتَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَاَمَرَ عَلِيًّا اَنْ يُّنَادِيَ بِهٰٓؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ فَانْطَلَقَا، فَحَجَّا، فَقَامَ عَلِيٌّ اَيَّامَ التَّشْرِيْقِ، فَنَادٰى، ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ بَرِيْئَةٌ مِنْ كُلِّ مُشْرِكٍ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَلَا يَحُجَّنَّ

بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَلَا يَطُوفَنَّ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَلَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ، وَكَانَ عَلِيٌّ يُنَادِيْ فَاِذَا عَيِيَ قَامَ اَبُوبَكْرٍ فَنَادٰی بِهَا۔(۱)

ترجمہ : حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ابوبکرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر حج پر بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ ان باتوں کا اعلان کر دیں۔ پھر ان کے پیچھے حضرت علیؓ کو بھیج دیا۔ ابھی ابوبکرؓ کسی راستے ہی میں تھے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی۔ ابوبکرؓ گھبرا کر باہر آئے گمان یہ تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس تشریف لے آئے ہیں۔ اتنے میں حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے سپرد رسول اللہ ﷺ کا ایک مکتوب پیش کیا۔ اس میں یہ تھا کہ ان کلمات کا اعلان علیؓ کرے۔ چنانچہ دونوں چلے، حج ادا کیا، ایامِ تشریق میں حضرت علیؓ نے اعلان کیا کہ ہر مشرک سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی ذمہ داری سے برأت کا اعلان ہے لہٰذا چار ماہ زمین پر چل پھرلو۔ اس سال کے بعد آئندہ کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی ننگا بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرے گا اور جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوگا۔ حضرت علیؓ یہ اعلان کرتے تھے جب تھک جاتے تو حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر اس کا اعلان کرتے۔

〈۲〉 عَنْ زَيْدِ بْنِ اُثَيْعٍ، قَالَ: سَاَلْتُ عَلِيًّا بِاَيِّ شَيْءٍ بُعِثْتَ؟ قَالَ: بِاَرْبَعٍ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُسْلِمَةٌ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَلَا يَجْتَمِعُ الْمُسْلِمُونَ وَالْمُشْرِكُونَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا وَمَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ فَعَهْدُهٗ اِلٰى مُدَّتِهٖ وَمَنْ لَا مُدَّةَ لَهٗ فَاَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ۔(۲)

هذا حديث حسن غريب من هذا الوجه من حديث ابن عباس۔

وفي الباب عن ابی هريرة۔ قال ابوعيسیٰ حديث علی حديث حسن۔

ترجمہ : زید بن اُثیع کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کیا دے کر بھیجے گئے تھے انہوں نے فرمایا چار احکام۔ جنت میں مسلم نفس ہی داخل ہوگا۔ کوئی برہنہ جسم والا بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اس سال کے بعد یعنی آئندہ مسلمان اور مشرکین جمع نہیں ہوں گے۔ جس کسی کا نبی ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان ہے مدت مقررہ تک اس کا لحاظ رکھا جائے گا اور جن کی کوئی مدت معین نہیں ہے وہ چار ماہ تک آزاد ہیں۔

〈۳〉 حَدَّثَنَا اِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ، قَالَ حَدَّثَنَا اَبِيْ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، اَنَّ حُمَيْدَ ابْنَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَخْبَرَهٗ۔ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ بَعَثَهٗ فِي الْحَجَّةِ الَّتِيْ اَمَّرَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْهَا قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ فِيْ رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ: اَلَا يَحُجَّنَّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، فَكَانَ حُمَيْدٌ، يَقُولُ يَوْمُ النَّحْرِ يَوْمُ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ مِنْ اَجْلِ حَدِيثِ اَبِيْ هُرَيْرَةَ۔(۳)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر کو ایک گروہ کے ساتھ امیر حج بنا کر بھیجا کہ وہ لوگوں میں اس بات کا اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی ننگا بیت اللہ شریف کا طواف کرے گا۔

خطبہ حجۃ الوداع

۲۳۔إنّ الزمان قد استدار كهيئتہ يوم خلق الله السموات والارض۔

''(حجۃ الوداع کے موقع پر حضورؐ نے فرمایا) اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آ گیا ہے جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔''

تخریج: حَدَّثَنِی مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰی قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُالْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا اَیُّوْبُ عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنِ ابْنِ اَبِی بَکْرَةَ، عَنْ اَبِی بَکْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ:الزَّمَانُ قَدِ اسْتَدَارَ کَهَیْئَاتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِیَاتٌ ذُوالْقَعْدَةِ وَذُوالْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِیْ بَیْنَ جُمَادٰی وَشَعْبَانَ۔اَیُّ شَهْرٍ هٰذَا؟ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، فَسَکَتَ، حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِ اِسْمِہٖ۔ قَالَ: اَلَیْسَ الْبَلْدَةُ؟ قُلْنَا:بَلٰی، قَالَ: فَاَیُّ یَوْمٍ هٰذَا؟ قُلْنَا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ، فَسَکَتَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّهٗ سَیُسَمِّیْهِ بِغَیْرِاسْمِہٖ، قَالَ: اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ؟ قُلْنَا: بَلٰی قَالَ: فَاِنَّ دِمَائَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ قَالَ مُحَمَّدٌ وَاَحْسَبُهٗ قَالَ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْاَلُکُمْ عَنْ اَعْمَالِکُمْ اَلَا فَلَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ ضُلَّالًا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ اَلَا لِیُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ۔ فَلَعَلَّ بَعْضَ مَنْ یُبَلَّغُهٗ اَنْ یَکُوْنَ اَوْعٰی لَهٗ مِنْ بَعْضِ مَنْ سَمِعَهٗ فَکَانَ مُحَمَّدٌ اِذَا ذَکَرَهٗ یَقُوْلُ: صَدَقَ مُحَمَّدٌ ﷺ ثُمَّ قَالَ: اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ مَرَّتَیْنِ۔(٤)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: اس سال حج کا وقت گردش کرتا ہوا ٹھیک اپنی اس تاریخ پر آ گیا جو قدرتی حساب سے اس کی اصل تاریخ ہے۔ سال کے بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین تو پے در پے آتے ہیں اور چوتھا رجب ہے جو جمادی اور شعبان کے بیچ میں آتا ہے۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپؐ نے خاموشی اختیار فرمالی۔ ہم نے سمجھا کہ آپؐ اس کا ایسا نام ارشاد فرمائیں گے جو اس کا اصل نام نہیں ہوگا۔ فرمایا کیا یہ البلدہ یعنی مکہ شہر ہے۔ ہم نے عرض کیا ہاں ایسا ہی ہے پھر آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ ہم نے پھر عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ قدرے خاموش رہے۔ ہمارا خیال تھا کہ آپؐ اس کے اصل نام کے بجائے کوئی دوسرا نام ارشاد فرمائیں گے۔ فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں ایسا ہی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تو پھر تمہارے خون اور مال اور عزت و آبرو تم پر تمہارے اس دن، اس شہر اور اس مہینے کی حرمت کی طرح حرام ہیں۔ عنقریب تمہاری ملاقات تمہارے پروردگار سے ضرور ہوگی تو وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا۔ ذرا ہوش گوش سے سن لو، میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ یاد رکھو جو یہاں حاضر ہے وہ اس پیغام کو غیر حاضر تک پہنچا دے شاید پہنچانے والے سے جسے پہنچائی جائے یعنی سننے والا اسے زیادہ یاد رکھ سکے۔ پھر آپ نے دو مرتبہ فرمایا۔ کیا میں احکامِ خداوندی پہنچا چکا ہوں۔

عرب میں نَسی کا رواج

عرب میں نَسی دو طرح کی تھی۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ جنگ و جدل اور غارت گری اور خون کے انتقام لینے کی خاطر کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے تھے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کر کے حرام مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے تھے۔ دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لیے اس میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیتے تھے تا کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے اور وہ ان زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی ہیں۔ اس طرح ۳۳ سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں میں ہوتا رہتا تھا اور صرف چونتیسویں سال ایک مرتبہ اصل ذی الحجہ کی ۹، ۱۰ تاریخ کو ادا ہوتا تھا۔

قرآن مجید[1] میں نَسی کو حرام اور ممنوع قرار دے کر جہلائے عرب کی ان دونوں اغراض کو باطل کر دیا گیا ہے۔ پہلی غرض تو ظاہر ہے کہ صریح طور پر ایک گناہ تھی۔ اس کے تو معنی ہی یہ تھے کہ خدا کے حرام کیے ہوئے کو حلال بھی کر لیا جائے اور پھر حیلہ بازی کر کے پابندیٔ قانون کی ظاہری شکل بھی بنا کر رکھ دی جائے۔ رہی دوسری غرض تو سرسری نگاہ میں وہ معصوم اور مبنی بر مصلحت نظر آتی ہے لیکن درحقیقت وہ بھی خدا کے قانون سے بدترین بغاوت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے عائد کردہ فرائض کے لیے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب جن اہم مصالح کی بنا پر اختیار کیا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بندے زمانے کی تمام گردشوں میں، ہر قسم کے حالات اور کیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہوں۔ مثلاً رمضان ہے، تو وہ کبھی گرمی میں اور کبھی برسات میں اور کبھی سردیوں میں آتا ہے۔ اور اہلِ ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات میں روزے رکھ کر فرمانبرداری کا ثبوت بھی دیتے ہیں اور بہترین اخلاقی تربیت بھی پاتے ہیں۔ اسی طرح حج بھی قمری حساب سے مختلف موسموں میں آتا ہے اور ان سب طرح کے اچھے اور برے حالات میں خدا کی رضا کے لیے سفر کر کے بندے اپنے خدا کی آزمایش میں پورے بھی اترتے ہیں اور بندگی میں پختگی بھی حاصل کرتے ہیں۔ اب اگر کوئی گروہ اپنے سفر اور اپنی تجارت اور اپنے میلوں ٹھیلوں کی سہولت کی خاطر حج کو خوشگوار موسم میں ہمیشہ کے لیے قائم کر دے، تو یہ ایسا ہی ہے جیسے مسلمان کوئی کانفرنس کر کے یہ طے کر لیں کہ آیندہ سے رمضان کا مہینہ دسمبر یا جنوری کے مطابق کر دیا جائے گا۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ بندوں نے اپنے خدا سے بغاوت کی اور خود مختار بن بیٹھے (اور اس کی بالاتر مصلحتوں کو اپنی پست اغراض اور خواہشات پر قربان کر دیا)۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ نسی کی منسوخی کا یہ اعلان ۹ھ میں حج کے موقع پر کیا گیا۔ اور اگلے سال ۱۰ھ کا حج ٹھیک اُن تاریخوں میں ہوا جو قمری حساب کے مطابق تھیں۔ اس کے بعد سے آج تک حج اپنی صحیح تاریخوں میں ہو رہا ہے۔

(تفہیم القرآن ج ۲، التوبہ، حاشیہ: ۳۷)

حج اکبر سے کیا مراد ہے؟

۲۴۔ حدیث میں آیا ہے کہ حجۃ الوداع میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے حاضرین سے پوچھا یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یوم النحر ہے۔ فرمایا ھٰذَا یَومُ الحج الاکبر ''یہ حج اکبر کا دن ہے۔'' یعنی ۱۰ ذی الحجہ جسے یوم النحر کہتے ہیں۔ حج اکبر

---

[1] آیت انما النّسیٓء زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلّونہ عامًا ویحرمونہ عامًا لیواطئوا عدۃ ما حرم اللّٰہ۔ (التوبۃ:۳۷)